يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ ۱۱۹)

طالبین و سالکین طریقت کے لئے سینکڑوں کتابوں سے جمع شدہ ایک نایاب تحفہ

مُدَلَّل

حقیقتِ تصوف و سلوک

قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں

بدعا و تقریظ

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا **دین محمد نقشبندی** دامت برکاتہم العالیہ

پیر طریقت حضرت مولانا حافظ **ذوالفقار احمد نقشبندی** دامت برکاتہم العالیہ

سلطان القلم مبلغ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا **عبدالقیوم حقانی** دامت برکاتہم العالیہ

مُرتّب

مولانا عزیز الرحمٰن حقانی

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة ۱۱۹)

طالبین و سالکین طریقت کے لئے سینکڑوں کتابوں سے جمع شدہ ایک نایاب تحفہ

مُدَلّل

حقیقتِ تصوّف و سلوک

قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں

بدعا و تقریظ

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا **دین محمد نقشبندی** دامت برکاتہم العالیہ

پیر طریقت حضرت مولانا حافظ **ذوالفقار احمد نقشبندی** دامت برکاتہم العالیہ

سلطان القلم مبلغ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا **عبدالقیوم حقانی** دامت برکاتہم العالیہ

مُرتّب

مولانا عزیز الرحمٰن حقانی

برکی اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780

نام کتاب	مُدلّل حقیقتِ تصوّف وسلوکؒ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں
بدعا و تقریظ	پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ پیر طریقت حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ سلطان القلم مبلغ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم العالیہ
مرتب	مولانا عزیز الرحمٰن حقانی
پرنٹنگ و بائنڈنگ	نفیس آرٹ پریس، لاہور فون: 042-37322408, 37300313

ناشر

برکی اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان

Cell: 0346-7851984, 0310-9774200, 0336-9755780

تقریظات

محنت کا مرکز

تمت فہرست بالخیر

تقریظ

سلطان القلم، مبلغ اسلام، شیخ الحدیث حضرت مولانا

عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ عالی

سرپرست جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ خیبر پختونخوا

الحمد لحضرة جلاله والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن حقانی صاحب جامعہ حقانیہ کے لائق فاضل، پٹھان ہونے کے باوجود اچھی بھلی اُردو لکھ لیتے ہیں، اپنے مرشد کے روحانی فیض کی طرح قلمی فیض سے بھی بہرہ ور ہیں۔ جس کا ثمرہ ان کی تازہ تالیف ''حقیقت تصوف وسلوک'' ہے، جو اپنی جامعیت اور تحقیق وتدقیق کے حوالے سے ایک انسائکلو پیڈیا ہے۔

میں ساری کتاب تو نہ دیکھ سکا البتہ حضرت مولانا گل رئیس خان صاحب اور برادر عزیز حافظ محمد عبداللہ نقشبندی صاحب کے اعتماد پر مجھے یقین ہے کہ کتاب کے مندرجات مسلک اہل سنت والجماعۃ کے عین مطابق اور دین حقہ کے دفاع وحفاظت اور فروع علم اور حقیقت تصوف وسلوک کی صحیح معنوں میں علمی ترجمان ہوں گے۔

یہ بھی اپنے مرشد کی زندہ کرامت ہے کہ ان کے ایک مرید نے ان کی ادنیٰ توجہ سے ایسا علمی مرقع تیار کرلیا ہے، جو اپنے موضوع کے حوالے سے حرف آخر نہ سہی حرف کمال ضرور ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعين.

عبدالقیوم حقانی

۲۱ شوال ۱۴۳۵ھ

۱۹ اگست ۲۰۱۴ء

تقریظ عالی

مبلغ اسلام،بقية السلف،المحقق البارع الفذّ المتقن المُتقَن،ذو الذهن الوقّاد،والقريحة السيّالة،والقلَم العَذْب البليغ المطواع ،والبيان المشرق الحيّ الاخاذ،والروحانية الفيّاضة،پیر طریقت حضرت مولانا دین محمد نقشبندی دامت برکاتھم العالیہ

شیخ الحدیث روح المدارس روحانیہ ڈیرہ اسماعیل خان

خلیفہ مجاز شیخ الحدیث، پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا داد محمدؒ نقشبندی قلعہ جواد کابل

الحمد لوليه والصلوة على نبيه وعلى اله واصحابه المتادبين بادابه

امابعد:

پہلی بات یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ انسان کی سعادت، کامیابی، اور خوش بختی کا ذریعہ ہے، لیکن یہ بات کہ شریعت کسے کہتے ہیں اِسے مختلف طریقوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) بعض فرماتے ہیں کہ شریعت علم، عمل اور اخلاص کا نام ہے۔

(۲) .... بعض فرماتے ہیں کہ شریعت: ایمان، اسلام اور احسان کا نام ہے جیسا کہ حدیث جبریلؑ میں سب کو دین کہا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ دین شریعت، طریقت اور حقیقت کا نام ہے۔

اگر غور کیا جائے سب کا مأل اور مقصد ایک ہی ہے، طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے دونوں میں صرف لفظی فرق ہے۔

☆..... جیسا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ "فیض الباری" میں حدیث جبریلؑ کے اجزاء کے درمیان ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :"مالایمان" اور "مالاسلام" کے بعد "مالاحسان" کے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے درمیان وحدة اور مساوات ہے۔

اس لئے کہ ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہو جیسا کہ اسلام کے پانچ ارکان کو اسلام کہا جاتا ہے۔ اور اسلام اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کا اثر باطن میں ہو، اور اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

☆..... جیسا کہ شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: شریعت اور طریقت کے درمیان فرق ایسا ہے جیسا کہ جلد اور مغز کا ہے یا جیسا کہ روح اور بدن کے درمیان فرق ہے۔ یعنی ظاہر اور باطن کا فرق ہے۔

☆.........امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: "من تصوف بغير علم فقد تزندق ومن تعلم بغير تصوف فقد تفسق، ومن جمع بينهما فقد تحقق"

غرض یہ ہے کہ شریعت علم ظاہر اور علم باطن کے مجموعے کا نام ہے اور دونوں کے درمیان نسبت تلازم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ الگ ہیں اور ان دونوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں۔ بعض لوگ صرف علم ظاہر کے قائل ہیں علم باطن کو بدعت اور صوفیاء کرام کو مبتدعین کہتے ہیں، اور بعض لوگ صرف علمِ باطن کے قائل ہیں اور علم ظاہر کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے

حاجب اور دور تصور کرتے ہیں۔"فالی اللہ المشتکی" اگر کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے کہ آج کل کے دور میں اکثر شیوخ کرامؒ جو متعدد مدارس میں دین کی خدمت کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی طریقت کی نسبت سے خالی نہیں ہے۔

اگر ہم اپنے اکابرین علماء دیو بند، علماء ماوراء النہر، اور افغانستان سے لیکر خیر القرون تک کی تاریخ پر نظر رکھیں تو کوئی بھی طریقت کی نسبت سے خالی نظر نہیں آئیگا۔ مطلب یہ کہ ان اکابرین علماء کرام نے مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اس نکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ علم دن بدن کم ہوتا جارہا ہے اور جہل بڑھتا جارہا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ:"الانسان اعداء لماجهلو"۔

☆........دوسری بات ہے کہ: یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اللہ تعالی کی رضاء چاہتا ہے اور یہ بات علم پر موقوف ہے، کیونکہ کوئی بھی علم کے بغیر اپنے عقل کے ذریعے سے اللہ تعالی کی رضاء اور ناراضگی کے اسباب معلوم نہیں کرسکتا۔ اس لئے اللہ تعالی نے دنیا اپنے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور انہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کی بھر پور رہنمائی کی ہے اور آج کل علماء جو کہ انبیاء کرام کے ورثاء ہیں ان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کریں۔ اللہ تعالی علماء کرامؒ کو اپنی رضاء نصیب فرمائے کہ انہوں نے ہر وقت مسلمانوں کی واقعی رہنمائی فرمائی اور امت مسلمہ کو شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ فرمایا۔

علماء کرام نے مختلف طریقوں سے دین کی حفاظت کی

(۱)..... بعض علماء کرام نے عقائد کی حفاظت کا کام کیا ہے جیسا کہ متکلمین حضرات نے مبتدعین کے عقائد سے لوگوں کو باخبر کیا اور صحیح عقائد لوگوں کو بتائے۔

(۲)..... بعض علماء کرام نے احکام کی حفاظت کا کام کیا ہے جیسا کہ فقہاء کرام حضرات نے لوگوں کو صحت وفساد سے باخبر کردیا۔

(۳)..... بعض علماء کرام نے نیت کی حفاظت کا کام کیا جیسا کہ صوفیاء کرام حضرات نے لوگوں کو نیت کے صحیح اور فاسد ہونے سے باخبر کردیا۔

یہ تینوں علوم (علم عقائد، علم فقہ، علم تصوف) دین کے شعبے ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبریلؑ میں ان تینوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ "آمنت باللہ وملئکتہ الخ" میں ایمان کی طرف اشارہ ہے "شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ الخ" میں اسلام کی طرف اشارہ ہے اور "وان تعبد اللہ کانک تراہ الخ" میں احسان کی طرف اشارہ ہے۔ اور آخر میں ان سب کو دین کہا ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ عقائد سے انسان کے عقیدے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور علم فقہ میں احکام یعنی حلال، حرام وغیرہ کی معرفت ہوتی ہے، اور علم تصوف میں انسان کی نیت کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان تینوں میں سے نیت کی بہت اہمیت ہے کیونکہ اگر ایمان میں تصحیح نیت نہ ہو تو منافقت ہے، اور نماز، روزہ وغیرہ میں اگر نیت صحیح نہ ہو تو ریاء ہے۔ اگر نیت صحیح نہ ہو تو کوئی عمل بھی اللہ تعالی کو منظور نہیں ہے۔ جب نیت کی اصلاح ہوجائے تو سارے نیک اعمال آسان ہوجاتے ہیں۔

☆..... جیسا کہ شیخ الحدیث رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے مرشد کو تحریر فرماتے ہیں کہ:"ابھی میرے لئے اُمورِ شرعیہ اُمورِ طبعیہ بن گئے"۔ یعنی نماز کے وقت نماز کی طرف اتنا شوق ہوتا ہے جیسا کہ بھوک کی حالت میں کھانے کا شوق ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ

طریقت کی برکت سے انسانوں سے عبادت کی تکلیف اور ثقالت دور ہوجاتی ہیں۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:"قــرـۃ عینـی جُعلت فی الصلوۃ"۔

غرض یہ کہ طریقت شریعت کا خادم ہے لیکن آج کل عام لوگ اس کی حقیقت سے غافل ہیں۔اور طریقت کو حیران کن نظر سے دیکھتے ہیں ،اس لئے روز بروز عبادت کا ذوق وشوق کم ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالی مولانا عزیز الرحمٰن حقانی کو جزائے خیر دے اور اللہ تعالی ان کی عالی ہمت اور دین کی خدمت کیلئے عمر دراز عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے اسلاف واکابر کا کارنامہ ایک بار پھر زندہ کر دیا۔اور حق وباطل کا فرق لوگوں پر واضح کر دیا۔اللہ تعالی ان کی سعی بلیغ اپنے دربار میں قبول فرمائیں۔آمین ثم آمین۔

دین محمد عفا اللہ عنہ

تقریظ عالی

پیرطریقت، رہبر شریعت، مبلغ اسلام محبوب الصلحاء

حضرت مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی دامت برکاتھم العالیہ

خلیفہ مجاز پیرطریقت، محبوب الصلحاء والعلماء

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتھم العالیہ

مدیر جامعہ دارالھدیٰ (مرکزی) دووائیل بنوں

مدیر اعلیٰ قاسم نانوتویؒ لائبریری جامن روڈ بنوں

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امابعد: قافلہ دیوبند کے سرخیل قطب الارشاد حضرت مولنا رشید احمد گنگوہیؒ نے تذکرۃ الرشید کی جلد ثانی میں تصوف وسلوک کی حقیقت کے بارے میں لکھا ہے: ''صوفیہ کا علم نام ظاہر وباطن، علمِ دین اور قوتِ یقین کا اور یہی اصلی علم ہے۔ صوفیہ کی حالتِ اخلاق کو سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے خلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا حق اللہ تعالیٰ کی رضا میں بلکلیہ مصروف ہو جانا ہے صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کا خلق ہیں۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ ''کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو''۔ نیز جو کچھ احادیث میں آتا ہے اس پر عمل کرنا اخلاق صوفیہ میں داخل ہے صوفیہ کے اخلاق کی تعریف اس طرح ہے اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا، ترقی اور خوش خلقی کی معاملہ، غیظ وغضب کا چھوڑ دینا ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا مطلب یہ کہ مخلوق کو اپنے حیظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے، سخاوت کرنا، درگزر کا معاملہ کرنا، خندہ روئی اور بشاشت جسم وسہولت اور نرم پہلو رکھنا تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو خدا پر بھروسہ رکھنا تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، بغض وکینہ اور حسد نہ رکھنا، جاہ وعزت کا خواہش مند نہ ہونا، وعدہ پورا کرنا۔ بردباری، روا ندیشی بھائیوں کے ساتھ محبت وموافقت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا، محسن کی شکر گزاری اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ ''پیش نظر'' کتاب حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی تفصیل وتوضیع ہے جسے مولانا عزیز الرحمٰن حقانی نے ''حقیقت تصوف'' کے عنوان سے قلم بند کیا ہے خوب صورت اور پرکشش ہر سحر انگیز قلم سے لکھی ہوئی یہ کتاب ایک دبستان معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بے حد مفید، دلچسپ، فکر انگیز، نصیحت آموز اور حیرت انگیز ہے سادہ وسلیس شستہ وشگفتہ نرم وشریں، بلیغ اور موثر کن ہے زبان کی فصاحت وبلاغت بھی قابل تحسین ہے کتاب کے ہر صفحے پر موجود پیراگراف اور طرز تحریر کو پڑھ کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کتاب پڑھ کراتنی

مسرت اور وفور انبساط ہوتا ہے کہ احاطہ بیان سے باہر ہے کتاب میں تصوف وسلوک جس انداز سے پیش کیا گیا ہے وہ بلاشبہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کتاب کو ۲۳ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ہر باب علم وعرفان کا خزانہ ہے پہلے باب میں ''تصوف وسلوک'' کا خلاصہ پیش کیا ہے دوسرا عنوان ''تصوف کیا ہے''؟ کے نام سے موصوف کیا ہے۔

تیسرے باب میں محققانہ ومدللانہ انداز سے لفظ ''صوفی'' کی تحقیق کی گئی ہے اس کے بعد بیعت کے فوائد، صوفیاء کے سلاسل اور شیخ کامل کی ضرورت جیسے عنوانات کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں امت کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس کے بعد تزکیہ نفس اور تصوف وسلوک کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل کا انبار لگا کر قارئین سے ایک استدعاء کی گئی ہے کہ: میرے خلوص کا بدلہ بتاؤ کیا دوگے؟ تمہاری بزم میں آبِ حیات لایا ہوں۔

مولانا عزیز الرحمٰن حقانی'' اپنے علم وفضل، ذہانت وحافظہ، وقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کے اعتبار سے علماء متقدمین کی یادگار ہیں۔ موصوف تحریر کے میدان میں نووارد نہیں بلکہ انہوں نے اس سے قبل ان کی تین معرکۃ الآرا کتابوں نے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر قارئین سے پذیرائی حاصل کی ہے۔

پیش نظر کتاب موصوف کی چھوٹی کاوش ہے جو درحقیقت سالکینِ راہ طریقت کے راستے کا چراغ ہے۔ موصوف مؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور وہ درس سنن ابی داؤد، قاضی، میبذی، مسلم الثبوت، سلم العلوم، شرح جامی، ہدایہ (صلوۃ) کی کتابیں بڑے انہماک اور شوق سے پڑھاتے ہیں۔

کتاب چونکہ سالکینِ راہ طریقت واہل علم حضرات کیلئے یقیناً علمی تحفہ ہے اس لئے تصوف وسلوک سے وابستہ حضرات کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

اللہ رب العزت مؤلف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا کر نجات دارین کا سبب بنائیں۔ آمین۔

دعا گو ودعا جو

مولانا گل رئیس نقشبندی مجددی

خادم جامعہ دار الھدیٰ (مرکزی) بنوں

خطیب مسجد القاسم

مدیر اعلیٰ قاسم نانوتوی لائبریری بنوں

تاریخ 28,11,2014

تقریظ

مبلغ اسلام، محقق العصر، جامع المحاسن، نمونہ سلف، شیخ الحدیث

حضرت مولانا احمد سعید صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث جامعہ حیمیہ درہ پیزو لکی مروت

خیفہ مجاز محبوب العلماء والصلحا پیر طریقت

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتھم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وبعد: ''اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حقیقت تصوف'' محترم المقام واجب الاحترام حضرت مولانا عزیز الرحمٰن سلمہ الرحمٰن کی تالیف ہے، حضرت کی یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ایک جامع مانع کتاب ہے اور غالباً تصوف کی کوئی جیت بھی ایسی نہ ہوگی جس پر بحث نہ کی گئی ہو۔

بیعت کی حقیقت، حقیقت احسان، صوفی کی وجہ تسمیہ الغرض تصوف کی موضوع پر یہ تالیف ایک انسائکلو پیڈیا ہے، اس کتاب میں سالکین طریقت کیلئے کافی سے زیادہ مواد ہے، اور ساتھ ساتھ منکرین تصوف کو بھی حقیقت طریقت دکھا دیا ہے، اور اسکے تار عنکبوت جیسے اعتراضات کے شافی جوابات بھی دیے ہیں، فجزاہ اللہ تعالی احسن الجزا اور اگر میں یہ کہوں کہ بقول مجدد الملۃ حضرت مولا اشرف علی تھانوی کہ: تصوف کا مقصد ہے اللہ تعالی سے تعلق کو بڑھانا'' (شریعت وطریقت) کی خوب سے خوب تر تشریح کی ہے بے جا نہ ہوگا۔

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی موصوف کے اس رشحہ قلم وقرطاس کو تادیر قائم رکھے اور دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق بخشے آمین فامین ثم آمین۔

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ موصوف کے اس کتاب کے بعض مواقع دیکھے لئے ضیق وقت کیوجہ سے مکمل کتاب کا موقع نہ مل سکا۔

وانا العبد الضعیف احمد سعید حفظہ اللہ عن الزلۃ یوم الوعید۔

۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ قبیل طلوع الصبح لیلۃ یوم الخمیس

تقریظ

شیخ الادب والمنطق، جامع المعقول والمنقول، بقیۃ السلف حضرت مولانا

فیض الرحمٰن الحقانی دامت برکاتہم العالیہ

مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

باسمہ تعالی

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم، وعلی اله واصحابه اجمعین.

امابعد: شریعت کے احکام تین طرح کے ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق خالص عقیدہ کے ساتھ ہے، ان کو "احکام نظریہ" کہتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق اعمال ظاہری کے ساتھ ہے، ان کو "احکامِ فرعیہ" کہتے ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جن کا تعلق اعمال باطنی اور اخلاقیات کے ساتھ ہے، ان کو "علم تصوف"، "علم سلوک" یا "علم الاحسان" کہتے ہیں۔

علم تصوف قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الاِثْمِ وَبَاطِنَهُ﴾ (سورۃ الانعام: آیت ۱۲۰) اسی طرح حدیث جبریل میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا: "مَا الاِحْسَانُ؟" آپ ﷺ نے جواباً عرض کیا: "اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ، او کما قال النبی ﷺ"۔

اس کے علاوہ قرنِ ثانی سے لے کر عصرِ حاضر تک بلا انقطاع و بلا استثناء ہر دور میں اور علاقہ کے مشائخِ عظام اور اکابرین امت نے علم تصوف نہ صرف خود حاصل کیا بلکہ مخلوقِ خدا کو بھی اس عظیم دولت سے سرفراز کیا۔

سرزمین ہندوستان میں ایک وقت ایسا تھا کہ چاروں طرف خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا جال بچھا ہوا تھا، قریہ قریہ اور بستی بستی تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کی محفلیں قائم تھیں، مدارس و خانقاہوں کے درودیوار ذکر اللہ کے زمزموں سے گونج رہے تھے، مگر پھر ایسا زمانہ آیا کہ خانقاہیں رفتہ رفتہ ویران ہونے لگیں، ذکر و فکر کی مجلسیں اجڑنے لگیں، دلوں میں آتش عشق کی چنگاریاں بجھنے لگیں، سلوک و تصوف کی محفلیں ماند پڑنے لگیں، غزنوی کے دل سے تڑپ جاتی رہی اور اب صورت حال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے کہ علم تصوف کو لوگ صرف نام کی حد تک جانتے ہیں، خانقاہوں کا وجود آٹے میں نمک کے بقدر رہ گیا ہے، صحیح العقیدہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی قحط ہے، مدارس دینیہ میں علم تصوف سے مکمل بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، مدارس میں خانقاہی مزاج مفقود ہے، اہل علم نے تصوف کے موضوع سے اپنے قلم روک لیے ہیں اور اس عظیم علم کی وہ خدمت نہیں ہو رہی جو اس کا حق تھا۔

ایسی صورت حال میں ہمارے لائق اور عزیز شاگرد حضرت مولانا عزیز الرحمٰن حقانی صاحب زید مجدہ نے میدان عمل میں قدم رکھا، اور تصوف کے موضوع پر ایسی سدابہار، جامع، مدلل اور مستند کتاب تحریر کی جو لائق تحسین بھی ہے اور قابل تقلید بھی! مذکورہ کتاب میں فاضل مصنف نے تصوف اور اس کے متعلقات کو اس جامعیت کے ساتھ مرتب فرمایا ہے کہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہی، مصنف کی جاں فشانی، عرق ریزی

اور ان تھک محنت کا انداز سطر سطر سے ہوتا ہے، علم تصوف کے تقریباً سبھی اہم مباحث اس میں آگئے ہیں، کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے باحوالہ لکھا گیا ہے، کتاب کے ماخذ ومراجع پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دورانِ تصنیف علم تصوف کی چوٹی کتابیں مصنف کے پیش نظر تھیں۔

کتاب کی فہرست میرے سامنے ہے، چند اہم اور نمایاں عنوانات تحریر کر رہا ہوں تا کہ کتاب کے محتویات کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے۔

''خلاصہ تصوف، قلب اور اس کی قسمیں، اصلاح قلب کے اصول، ذکر کی اقسام، تصوف کی حقیقت، لفظ ''صوفی'' کی تحقیق، علم تصوف کے ثبوت پر دلائل، صوفیاء کے اقسام، صوفیاء کے درجات، بیعت اور اس کے متعلقات، سلاسل اربعہ کا تعارف، شیخ کامل کی ضرورت اور پر دلائل، شرائطِ مرشد، آداب شیخ، ولی کی تعریف اور اس کے علامات، قدرت اور عادت میں فرق، کرامت کی بحث، مراتب وحی، تقبیل کی شرعی حیثیت اور اس کی اقسام، قیام تعظیمی وتکریمی،، بدعات وخرافات کا بیان، شرک کی بحث، حضور ﷺ کا خیر البشر ہرنا، عالم الغیب ،مختار کل، حاضر وناظر نہ ہونا، معراج جسمانی کا اثبات، توسل کی بحث، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی تحقیق، تصرف کی حقیقت، خانقاہوں کی ضرورت، چلہ کشی کا ثبوت، اہلِ طریقت کا جذب وحال اور وجد واستغراق، عصمت انبیاء کا مسئلہ، اقطاب وابدال اور اس جیسی دیگر بہت سیموضوعات پر پوری بسط وتفصیل کے ساتھ نہایت مفید بحث کی گئی۔

کتاب میں جو قول ہے باحوالہ ہے، جو دعویٰ ہے مدلل ہے، اور جو مسئلہ ہے تشریح وتحقیق سے آراستہ ہے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے عم تصوف کے موضوع پر ایک نہایت جامع انسائکلوں پیڈیا مرتب کر کے امت کے حضور پیش کر دیا ہے، اب اہل ذوق اور اول علم حلقوں کا امتحان ہے کہ وہ اس عظیم نعمت کی کس طرح قدر کرتے ہیں اور اس سے کتنا استفادہ کرتے ہیں۔

میرے نزدیک یہ کتاب ہر اس شخص کے کتب خانے کی زینت ہونی چاہئے جو خود کو علم دوست اور باذوق کہتا ہے، آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ وہ مصنف کو اس عظیم علمی خدمت کا اجر عطا فرمائے، ان کا اس کاوش کو قبول عام سے نواز کرامت کے لئے نفع بخش بنائے اور مصنف کو صحت وعافیت کے ساتھ عمرِ دراز عطا کردے، تا کہ وہ اس طرح کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتا چلا جائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین۔

فیض الرحمن حقانی

مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

غرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

ہر دور اور ہر زمانہ کے فتنے مختلف ہوتے ہیں، آج کا ایک نیا فتنہ یہ ہے کہ ذکر وسلوک کی محنت کو تزکیہ نفس کی محنت کو تصفیہ قلب کی محنت کو، عجمی سمجھا جا رہا ہے، اور یہ بات کہی جا رہی ہے کہ ہمیں تو احادیث میں کہیں یہ بات نظر آتی ہی نہیں، اور ہر بندہ پوچھتا ہے جی! قرآن میں کہاں ہے اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ علم الاحسان کا کہاں سے ثبوت ملتا ہے؟...... علم الشرائع کے بارے میں تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ'' اور یہ بھی فرمایا: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ'' ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم کو سیکھنا چاہئے پھر یہ علم الاحسان کہاں سے آ گیا؟۔

ہم کہتے ہیں کہ تصوف کی محنت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ بار بار قرآن مجید میں حکم فرماتے ہیں:

(۱)...... اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ (آل عمران:۱۰۲) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ایسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

(۲)...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ (الحجرات:۱۳) تحقیق تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے۔ نیز فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن:۱۶) پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سے ہو سکے۔

(۴)...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل:۴۳) پس ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے۔

(۵)...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴾ (الانعام:۱۲۰) اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ سب چھوڑ دو۔

تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طریقہ حاصل کرنا۔ تقویٰ اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑنا ہی تصوف تزکیہ ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ جیسے فقہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ فقہ پہلے مدون نہیں تھا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ سارا علم کھل کر سامنے آ گیا۔ اسی طرح تصوف وسلوک کا اور تدوین حدیث کا معاملہ پیش آیا۔ اس لئے کہ یہ تمام اصول وضوابط قرآن وسنت میں موجود تھے، وہیں سے ہمارے اکابرین نے ان کو یکجا کر کے ایک جگہ اکٹھ کر دیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسانی فرمادی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کا استعمال بدلتا رہا ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ پہلے زمانے میں اس کو تزکیہ واحسان کہتے تھے، اور احسان تو عام طور پر مشہور تھا، آج تصوف کا لفظ مشہور ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟

لہٰذ تصوف وتزکیہ پر کتابیں بہت لکھی گئیں ہیں کہ تصوف کس کو کہتے ہیں کیسے حاصل ہوتا ہے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا لیکن آج فتنے کے دور میں بہت سارے لاعلمی کی وجہ سے اور جس طرح علم ظاہر کے حامل علمائے حق کی صفوں میں علمائے سوء داخل ہو چکے ہیں اسی طرح علم باطن کے حامل مشائخ حق پرست کے بھیس میں نفس پرست لوگ شامل ہو چکے ہیں، اور یہ لوگ مبالغے میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کو غیب دان اور معصوم خیال کرتے ہوئے ان سے مرادیں طلب کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو کچھ نہیں چاہتے نہیں ہوتا، اسی خیال کو اپنے دل میں لئے ہوئے اولیاء کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان سے اپنی دلی آرزوئیں مانگتے ہیں جو صریح شرک ہے۔ نیز ایسے لوگ جب زندہ، اولیائے کرام میں صفتیں نہیں پاتے تو ان سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ جس کے سبب یہ ان کے فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ایسے گمراہوں کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں جو کفر واسلام میں فرق نہیں کر سکتے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کرام کے پر اسرار کلمات نہ سمجھنے کے سبب سے ان کو کافر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور ان کی ولایت سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جہل اور لاعلمی کے سبب سے قرآن مجید، حدیث شریف اور اجماع امت سے ثابت شدہ عقائد حقہ سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ولایت، اور کرامت ہی سے منکر ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مطلب منکر تو نہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں اولیاء بھی تھے اور کرامت بھی تھی مگر اب اس برے زمانے میں نہ ولی رہا اور نہ کرامت رہی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اولیاء کرام کی شان نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کی شان میں سوء بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس قدر تعظیم اور تکریم میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کو پوجنے ہی لگتے ہیں۔ الغرض دونوں فریق افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں۔ اور عوام الناس کی روحانی اور باطنی تنزلی کی انتہا یہاں تک ہو چکی کہ ایک طبقے نے تصوف وتزکیہ نفس سے انکار کر دیا اور بیعت طریقت کو گمراہی سمجھ کر اسکی مخالفت کا بیڑا اٹھالیا۔ اور ایک طبقے والے نے جھوٹے سچے پیروں کے درمیان تمیز نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت اعتراضات کئے۔ ضلوا افاضلوا خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

صوفیاء کرامؒ پر جھوٹے اعتراضات

☆... نمبر ۱: تصوف بدعت ہے یہ ایک نیا فن ہے جو کہ پہلے نہیں تھا۔

☆... نمبر ۲: صوفیا کرام مشرک ہے کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں شرک کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

☆ ..... نمبر ۳: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیر و مرشد کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

☆... نمبر ۴: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیر و مرشد کو مختار کل مانتے ہیں۔

☆ ..... نمبر ۵: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیر و مرشد کو عالم الغیب ثابت کرتے ہیں۔

☆..... نمبر ۶: صوفیاء کرام نبی کریم ﷺ کو اور اپنے پیر و مرشد کو نور سمجھتے ہیں۔

☆..... نمبر ۷: بعض لوگو نے تصور شیخ کی معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ صوفیا کرام تصور شیخ کے قائل ہیں لہذا یہ لوگ اپنے مرشد کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں، مشرک ہو گئے۔

☆ نمبر۸: بعض لوگ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ: صوفیاء کرام بدعتی ہیں کیونکہ بہت سارے بدعات کرتے ہیں، وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ۔ کہ اجتماعی ذکر کرتے ہیں، مراقبہ کرتے ہیں چلہ کشی کرتے ہیں۔ جذب کرتے ہیں، وغیرہ غیرہ۔

لہذا ایک ایسی تصنیف کی ضرورت پیش آئی کہ تصوف کے مضامین اور دلائل کے ساتھ ساتھ اس میں ان اعتراضات کے جوابات بھی مذکور ہو اور اس میں یہ فرق کر دیا گیا ہو کہ صوفیاء کے دو قسمیں ہیں ایک جعلی صوفیا ہوتے ہیں۔ اور ایک اصلی صوفیاء کرام ہوتے ہیں جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیہ کرام ہیں جو کہ حق پر ہیں۔ جو شرک اور بدعات کرتے ہیں وہ جعلی صوفیا ہوتے ہیں اور جو عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیا کرام کا ہے وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور جو عقیدہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ نہ شرک ہے اور نہ بدعت بلکہ مطلوب ہے۔ لہذا میں نے یہ مجموعہ مختلف کتابوں سے مرتب کی ہے، خصوصا مرشد عالم محبوب صلحاء، والعمماء، مرشد المشائخ پیر طریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی کی کتابوں سے خصوصا خطبات فقیر، معارف السلوک، تصوف وسلوک، سے گویا کہ یہ ان کی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ جو کہ درجہ ذیل خصوصیات پر مشتمل ہیں:

خصوصیات کتاب

(۱) جسمانی بیماری پر قیاس کرتے ہوئے روحانی بیماری کے علاج کو عقلا ثابت کر دیا گیا ہے۔

(۲) دل کے مباحث کو تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(۳) ذکر کے جتنے مسائل احکام واقسام ہیں تفصیل سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۴) تصوف سلوک کے بارے میں اکثر مشائخ کے اقوال نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۵) لفظ صوفی کی تحقیق تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۶) تصوف کے ثبوت پر جتنے نقلی اور عقلی دلائل ہیں نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۷) بیعت کے ثبوت، اور فوائد پر دلائل اور بیعت کے شرئط اقسام واحکام اعتراضات مع جوابات نقل کر دئے گئے ہیں۔

(۸) ضرورت مرشد پر متعدد دلائل پیش کر دئے گئے ہیں

(۹) شرائط مرشد ومسترشد مفصل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۰) ادب کے لغوی واصطلاحی معنی اور مشائخ کے اکثر اقوال نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۱) آداب شیخ مع فوائد تفصیل سے بیان کر دی ئے گئے ہیں۔

(۱۲) اولیاء اللہ کون ہیں، اولیاء کرام کی صفات، اور ان کی اہانت کا وبال اور محبت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱۳) ہاتھ پاؤں قیام تعظیمی وتکریمی کے جتنے صورتیں، اقسام، جائز وناجائز احکام مفصل نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۴) اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر ہیں۔

(۱۵) اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صفت خاصہ باری تعالیٰ ہے نہ نبی عالم

الغیب ہے اور نہ ولی۔

(۱۶)۔۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ نبی کریم ﷺ مختار کل ہے اور نہ ولی۔

(۱۷)۔۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ نہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناضر ہے اور نہ ولی۔

(۱۸)۔ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک شرک کی حقیقت، اقسام، واحکام تفصیل سے نقل کر دئے گئے ہیں۔

(۱۹)۔۔ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک بدعت کی حقیقت اقسام، واحکام شرح صدر کر دئے گئے ہیں۔

(۲۰)۔۔۔ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک توسل کے جائز وناجائز صورتیں احکام واقسام تفصیلا منقوش کر دئے گئے ہیں۔

(۲۱)...... اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایصال ثواب جائز ہے۔

(۲۲)۔۔ تصرف کی حقیقت اور احکام تفصیل سے نقل کر دئے گئے ہیں۔

(۲۳)۔ اور تصوف کے بارے میں جتنے احکام ومسائل ہیں اور اعتراضات کے جوابات مختلف فتاوؤں سے تفصیلا نقل کر دیئے گئے ہیں۔ وغیرذلک۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكلان

بندہ عاجز الضعف عزیز الرحمن حقانی ہزاروی
خادم علوم الشریعۃ بدریہ اسماعیل خان
صوبہ خیبر پختونخواہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ تَفَرَّدَ بِجَلَالِ مَلَکُوْتِہٖ، وَتَوَحَّدَ بِجَمَالِ جَبَرُوْتِہٖ وَتَعَزَّزَ بِعُلُوِّ اَحَدِیَّتِہٖ ، وَتَقَدَّسَ بِسُمُوِّ صَمَدِیَّتِہٖ، وَتَکَبَّرَ فِیْ ذَاتِہٖ عَنْ مُضَارِعَۃِ کُلِّ نَظِیْرٍ وَتَنَزَّہَ فِیْ صِفَاتِہٖ عَنْ کُلِّ تَنَاہٍ وَقُصُوْرٍ، لَہُ الصِّفَاتُ الْمُخْتَصَّۃُ بِحَقِّہٖ ، وَالْآیَاتُ النَّاطِقَۃُ بِاَنَّہٗ غَیْرُ مُشَبَّہٍ بِخَلْقِہٖ.

فَسُبْحَانَہٗ مِنْ عَزِیْزٍ ، لَا حَدَّ یَنَالُہٗ، وَلَا عَدَّ یَحْتَالُہٗ، وَلَا اَمَدَ یَحْصُرُہٗ، وَلَا اَحَدَ یَنْصُرُہٗ، وَلَا وَلَدَ یَشْفَعُہٗ، وَلَا عَدَدَ یَجْمَعُہٗ ،وَلَا مَکَانَ یُمْسِکُہٗ، وَلَا زَمَانَ یُدْرِکُہٗ، وَلَا فَہْمَ یُقَدِّرُہٗ، وَلَا وَہْمَ یُصَوِّرُہٗ.

تَعَالٰی عَنْ اَنْ یُّقَالَ: کَیْفَ ھُوَ؟ اَوْ اَیْنَ ھُوَ-؟ اِذْ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ،وَلَا یَغْلِبُہٗ حَیٌّ ، وَھُوَ الْخَبِیْرُ الْقَدِیْرُ .اَحْمَدُہٗ عَلٰی مَایُوْلِیْ وَیَصْنَعُ، وَاَشْکُرُہٗ عَلٰی مَایَزْوِیْ وَیَدْفَعُ، وَاَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَاَقْنَعُ، وَاَرْضٰی بِمَا یُعْطِیْ وَیَمْنَعُ.

وَاَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ،شَہَادَۃَ مُوْقِنٍ بِتَوْحِیْدِہٖ، مُسْتَجِیْرٍ بِحُسْنِ تَاْیِیْدِہٖ.

وَاَشْہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہُ الْمُصْطَفٰی،وَاَمِیْنُہُ الْمُجْتَبٰی وَرَسُوْلُہُ الْمَبْعُوْثُ اِلٰی کَافَّۃِ الْوَرٰی،صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ مَصَابِیْحِ الدُّجٰی،وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ مَفَاتِیْحِ الْھُدٰی،وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً.(الرسالۃ القشیریۃ : ص: ۷)

اما بعد:

خلاصہ تصوف

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ" ''انسان کانوں کی مانند ہیں، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں'' کسی انسان میں اللہ نے کوئی صفت رکھی ہے اور کسی میں کوئی۔ اگر انسانوں کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مختلف صفات نظر آئیں گیں۔ کسی میں کوئی خیر کی بات ہوگی اور کسی میں کوئی شر کی بات ہوگی۔ حتی کہ جس کو ہم بہت ہی برا اور فاسق وفاجر کہتے ہیں ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھیں تو ان میں بھی آپ کو کوئی نہ کوئی اچھی باتیں نظر آجائیں گی۔ گویا انسانوں کی زندگیوں کی عقلی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔

خیر اور شر کا ماحول

☆ مخلوقات میں سے جو سراپا خیر ہیں، وہ فرشتے ہیں۔...... جو سراپا شر ہے، وہ شیطان ہے۔......اور جو خیر اور شر کا مجموعہ ہے وہ حضرت انسان ہے۔یعنی ہر انسان کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی۔ فرق یہ ہے کہ انسان اگر خیر کے ماحول میں رہے تو اس پر خیر غالب آجاتی ہے اور شر کے ماحول میں رہے تو اس پر شر غالب آجاتا ہے۔ دنیا کے نیک ترین انسان کو اگر برا ماحول مل جائے تو اس کے پھسلنے کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر دنیا کے بدترین انسان کو اچھا ماحول مل جائے تو اس کے سنورنے کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ تو ماحول کا انسان پر اثر ہوتا ہے۔

ماحول کے اثرات

علما نے لکھا ہے کہ جو لوگ مختلف جانور پالتے ہیں ان پر ان جانوروں کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مثلاً:

☆ .. جو لوگ گھوڑے پالتے ہیں ان کے اندر شجاعت ہوتی ہے۔

☆ .. جو اونٹ پالتے ہیں ان کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔

☆ .. جو بکریاں پالتے ہیں ان کے اندر عاجزی ہوتی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر جانوروں کے ساتھ رہنے پر انسان کے اوپر اثرات مرتب ہو جاتے ہیں تو پھر نیک صحبت میں رہنے سے نیک اثرات کیوں مرتب نہیں ہوں گے۔ اسی لئے کہتے ہیں: ''اَلصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ'' صحبت کے اثرات ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو نیک ماحول میں رکھے۔ (خطبات فقیر ۲۲/۲۲۹۔۲۳۰)

اصلاح اخلاق کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ جل جلالہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے، جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے، بلکہ اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے، تو یہ نظر آئے گا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے جتنے احکام ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم اس وقت تک صحیح طریقے سے بجا نہیں لایا جا سکتا، جب تک اخلاق درست نہ ہوں، اگر اخلاق درست نہ ہوں، تو بعض اوقات یہ نماز، روزہ بھی بیکار ہو جاتا ہے، نہ صرف بے کار، بلکہ الٹا وبال بن جاتا ہے، اسی لیے اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے، یہ بنیاد نہ ہو تو عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

اخلاق کا کیا مطلب ہے؟

اخلاق کا مطلب آج کل عرف عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں وہ کچھ اور ہے، عرف عام میں اخلاق اس کو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی آدمی سے مل لے، اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے، نرمی سے بات کرے، اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے، اس کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔

لیکن جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے، اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لے، یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، لیکن اصل اخلاق یہ نہیں ہے، بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اس کے دل کی، اس کی روح کی ایک صفت ہے، انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات، خواہشات پروان چڑھتے ہیں، ان کو اخلاق کہتے ہیں اور ان کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

انسان کس کو کہتے ہیں؟

اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کس کو کہتے ہیں؟ انسان نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا، صرف جسم کا نام انسان نہیں، بلکہ انسان وہ جسم ہے جس میں روح موجود ہو، فرض کرو ایک شخص کا انتقال ہو گیا، بتایئے کہ اس کے ظاہری جسم میں کیا فرق ہوا؟ آنکھ اسی طرح موجود ہے، ناک اسی طرح موجود ہے، کان اسی طرح موجود ہیں، زبان اسی طرح موجود ہے، چہرہ ایسا ہی ہے، ہاتھ پاؤں ویسے ہی ہیں، سارا جسم جوں کا توں ہے، لیکن کیا فرق پیدا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ پہلے اس جسم کے اندر روح سمائی ہوئی تھی، اب وہ روح نکل گئی اور روح کے نکل جانے سے انسان انسان نہیں رہتا، لاش بن جاتا ہے، جمادات میں داخل ہو جاتا ہے۔

انسان کے جسم اور روح کا باہمی جوڑ

وہی انسان جو روح نکلنے سے پہلے دیکھنے والوں کی نگاہوں کا پیارا تھا، عزیز تھا، لوگ اس سے محبت کرتے تھے، زمین جائیداد کا مالک تھا، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا تھا، دوست احباب کا عزیز تھا، سبھی کچھ تھا، لیکن ادھر روح جسم سے نکلی، ادھر نہ تو زمین جائیداد اس کی رہی، نہ وہ بیوی کا شوہر رہا، نہ بچوں کا خبر گیری کرنے والا رہا، جو لوگ اس سے محبت کرتے تھے، اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، اب وہ اس فکر میں ہیں کہ جلد از جلد اس کو اٹھا کر قبر میں پہنچا کر ٹھکانے لگا ئیں، کوئی کہے کہ بھئی یہ تمہارا عزیز ہے، اسکو ذرا اپنے گھر میں رکھلو، تو کوئی اس کو رکھنے کو تیار نہیں، زیادہ سے زیادہ ایک دن رکھے گا، بہت کوئی رکھ لے تو برف وغیرہ لگا کر ہفتہ بھر رکھ لیگا، لیکن اس سے زیادہ نہیں رکھے گا، اب سب اس فکر میں ہیں کہ جلد سے جلد اٹھا کر اس کو قبر میں پھینکو اور دفن کردو۔

وہی محبت کرنے والے جو دن رات اس کی چشم و آبرو کو دیکھتے تھے، اس کے اشاروں پر ناچتے تھے، روح کے نکلنے کے بعد اب یہ حالت ہو گئی کہ بیٹا اپنے ہاتھ سے باپ کو قبر میں رکھنا چاہتا ہے اور مٹی دے کر جلد از جلد اسکو دفن کر دینا چاہتا ہے، بلکہ کسی نے قصہ بتایا کہ اخبار میں چھپا تھا کہ ایک آدمی کو جیسے شاید سکتہ ہو گیا تھا لوگوں نے غلطی سے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا، جب سکتہ ختم ہوا تو وہ بیچارہ قبر پھاڑ کر کسی طرح گھر پہنچا، جب اس نے دستک دی، تو باپ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ جب اس نے اپنا نام بتایا، تو باپ گھر سے لاٹھی لے کر نکلا لاٹھی سے اسکو مارا کہ یہ اس کا بھوت کہاں سے آ گیا، جو غریب پہلے نہیں مرا تھا اب لاٹھی سے مر گیا۔ آخر یہ کیا انقلاب عظیم واقع ہوا کہ سارا جسم اسی طرح ہے، جیسے پہلے تھا، مگر اب کوئی اس کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں؟ فرق یہ واقع ہوا کہ اسکے جسم سے روح نکل گئی، معلوم یہ ہوا کہ انسان کے جسم کے اندر اصل چیز اس کی روح ہے۔ جب تک یہ روح انسان کے اندر موجود ہے، اس وقت تک انسان انسان ہے، لیکن جب یہ روح نکل جائے، تو پھر وہ انسان نہیں ہے، محض ایک لاش ہے، جس سے کسی کو کوئی تعلق نہیں، سب اس فکر میں ہیں کہ اس کو جلد سے جلد قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیں۔

روحانی اور جسمانی صفات

جس طرح انسان کے جسم کے اندر بہت سی صفات ہوتی ہیں، کہ بعض اوقات جسم صحت مند ہے، خوبصورت ہے، طاقتور ہے، توانا ہے اور بعض دفعہ جسم نحیف، کمزور، دبلا، پتلا، بیمار، بدصورت ہے۔

اسی طرح انسان کی روح میں بھی کچھ صفات ہوتی ہیں، بعض اوقات روح طاقتور ہوتی ہے، بعض اوقات کمزور ہوتی ہے، بعض اوقات روح اچھی صفات کی مالک ہوتی ہے اور بعض اوقات خراب صفات کی مالک ہوتی ہے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج: ج ا ص ۳۲ تا ۳۵)

روحانی اور جسمانی بیماریاں

انسان کے جسم میں جسمانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں اور روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔ جسمانی بیماریاں تو وہ ہیں جو آپ جانتے ہیں۔ جیسے ایک بندے کو بلڈ پریشر ہے، شوگر ہے۔ کنسر ہے۔ یہ تو ڈاکٹروں کی ترمینالوجی کی بیماریاں ہیں۔ اسی طرح اطباً کی زبان میں انشقاق الشفتین، رمد چشم، شقیقہ، خناق، قبض، قولنج، وجع المفاصل، عرق النساء، مختلف بیماریوں کے نام ہیں۔

اسی طرح روحانی بیماریوں کے بھی نام ہیں۔ جیسے بغض، حسد، کینہ، تکبر، ریا، کذب، شہوت، کسلان فی الصلوۃ، ترک الصوم، والزکوۃ اور نفاق۔ یہ سب کی سب باطن کی بیماریاں ہیں۔ (خطبات فقیر: ۲۲/ ۲۳۱)

جسمانی اور روحانی بیماریوں پر کتب

ظاہری بیماریوں کے لئے اطبانے کتابیں لکھی ہیں اوران کی تفصیلات درج کیں۔ مثال کے طور پر: میزان الطب، طب اکبر، شرح اسباب، قانونچہ، منھاج الاطبہ، وغیرہ، اسی طرح باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی کتابیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی کتاب اللہ تعالیٰ کی قرآن عظیم الشان ہے۔ پھراس کی اگلی تفصیلات بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی، مؤطین، اخلاق الصالحین، وغیرہ۔ یہ سب کتابیں انسانوں کی باطنی بیماریوں کوختم کرنے کے طریقے بتاتی ہیں۔ (ایضا: ۲۳۲)

روحانی اور جسمانی حسن وجمال

اسی طرح جیسے انسان کے جسم کی خوبصورتی ہے، مثلا کہتے کہ اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے، اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، اس کا جسم بہت خوبصورت ہے، اسی طرح روح کی بھی کچھ خوبصورتی ہے، اس کا بھی کچھ جمال ہے، اس کا کچھ حسن ہے، روح کا حسن کیا ہے؟ روح کا حسن یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع ہو، صبر وشکر ہو، اخلاص ہو، خود پسندی نہ ہو، ریا کاری نہ ہو، یہ سب روح کا حسن وجمال ہے۔

(روح کی بیماریاں اوران کا علاج: ج ا ص ۳۲ تا ۳۵)

جسمانی اور روحانی معالج

جیسے ظاہری بیماری کی صورت میں ہم اطبأ اور ڈاکٹروں کی طرف جاتے ہیں، اسی طرح باطن کی بیماریوں کے لئے بھی باطنی اطبأ کی طرف جانا چاہئے۔ اللہ نے باطنی بیماریوں کے لئے بھی اطبأ بنائے ہیں۔ ان کو مشائخ، علماء اور صلحا کہا جاتا ہے۔ اور جو ظاہری بیماریوں کو ڈیل

کرنے والے ہیں ان کو حکما، اطبا، سرجن، ڈاکٹر کہتے ہیں۔

روحانیات میں حد اعتدال کی ضرورت

انسان کے باطن کے جتنے بھی اخلاق ہیں، ان سب کا یہی حال ہے کہ اپنی ذات میں وہ برے نہیں ہوتے، جب تک وہ حد اعتدال میں رہیں اس وقت تک وہ صحیح ہیں، لیکن اگر اعتدال سے کم ہو گئے، تو وہ بھی بیماری اور اعتدال سے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی بیماری، اصلاح نفس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان اخلاق کو اعتدال پر رکھا جائے، نہ کم ہوں، نہ زیادہ ہوں۔

جسم انسانی میں دل کی اہمیت اور اس کی مراد

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ"۔ (اتحاف السادۃ المتقین ۳-۱۵۳)

یعنی خوب یاد رکھو کہ انسان کے جسم کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے، تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا جس کی وجہ سے سارا جسم صحیح ہوتا ہے خراب ہوتا ہے، وہ انسان کا دل ہے۔ مگر اس لوتھڑے سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اگر دل کو چیر کر دیکھو تو اس میں یہ بیماریاں نظر نہیں آئیں گی، نہ تکبر نظر آئے گا، نہ حسد نظر آئے گا، نہ بغض نظر آئے گا اور اگر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو وہ دل کی ظاہری بیماریاں چیک کر کے بتا دے گا کہ اس کی دھڑکن صحیح ہے یا نہیں ہے؟ رگیں صحیح کام کر رہی ہیں یا نہیں؟ اس میں خون کی سپلائی صحیح ہو رہی ہے یا نہیں؟ لیکن یہ تمام چیزیں جو چیک اپ اور آلات کے ذریعے معلوم کی جا سکتی ہیں، یہ دل کے صرف ظاہری عمل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔

دل کی بیماریاں ان دیکھی بیماریاں ہیں

لیکن انسان کے قلب کے ساتھ کچھ چیزیں ایسی وابستہ ہیں، جو ان دیکھی ہیں، آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، وہ یہی ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا یعنی دل میں شکر ہے یا نہیں؟ حسد ہے یا نہیں؟ بغض ہے یا نہیں؟ صبر و شکر کی کیفیات ہیں یا نہیں؟ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری امراض کا ڈاکٹر دیکھ کر نہیں بتا سکتا اور کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعے چیک کر کے بتا دیا جائے کہ اس کو یہ باطنی بیماری ہے۔

دل کے ڈاکٹر کون ہوتے ہیں؟

س بیماری کے ڈاکٹر، اس کی تشخیص کرنے والے، اس کا علاج کرنے والی کوئی اور ہی قوم ہے، یہی وہ قوم ہے جن کو "حضرات صوفیاء کرام" کہتے ہیں۔ جو علم الاخلاق کے ماہر ہوتے ہیں، باطن کی بیماریوں کی تشخیص اور ان کا علاج کرتے ہیں، یہ ایک مستقل فن ہے، ایک مستقل علم ہے، اس کو بھی اسی طریقے سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، جس طرح ڈاکٹری پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ پھر آپ نے ظاہری بیماری میں دیکھا ہوگا کہ بہت سی ظاہری بیماریاں ایسی ہوتی ہیں، جن کا انسان کو خود پتہ لگ جاتا ہے، بخار ہو گیا تو معلوم ہوگا کہ گرمی لگ رہی ہے، بدن میں درد ہے، معلوم ہوگا کہ بخار ہے، بیمار بھی پہچان لے گا کہ بخار ہے اور اگر خود بھی نہیں پہچان سکے گا تو تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لے گا، اس سے

پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے، اگر خود بھی نہیں پہچان سکا تو اس کے گھر والے ذاتی آلات سے بھی نہیں پہچان سکے تو ڈاکٹر کے پاس چلا جائیگا، وہ ڈاکٹر بتادیگا کہ فلاں بیماری ہے۔لیکن باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ نہ تو بسا اوقات مریض کو خود پتہ لگتا ہے کہ میرے اندر یہ بیماری ہے اور نہ کوئی آلہ ایسا انسان کے پاس موجود ہے، جس سے پتہ لگ جائے کہ تکبر کا ٹمپریچر کیا ہے؟ اور ظاہری ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ بھی بے چارہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے اندر یہ بیماری ہے یا نہیں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی باطن کے معالج کے پاس جا کر تشخیص کرائے کہ میرے اندر تکبر ہے یا نہیں؟۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج جلد ا ص ۴۰ تا ۴۲)

روحانی معالج کی اہمیت

جسمانی بیماریوں کے لئے کوئی بھی آدمی صرف کتابوں تک ہی محدود نہیں رہتا۔ وہ نہیں سوچتا کہ جی! مجھے بلڈ پیشر ہے اور میں کتاب سے پڑھ کر بلڈ پریشر کی گولی لے لوں گا۔ آپ دیکھیں گے کہ کوئی بھی بندہ کتاب پڑھ کر اپنا علاج نہیں کرتا۔ وہ تو ایک سپیشلسٹ سے دوسرے اسپیشلسٹ کے پاس بھاگتا ہے۔ بلکہ اگر ایک اسپیشلسٹ بتادے کہ یہ بیماری ہے تو پھر وہ کہتا ہے کہ میں ایک اور اسپیشلٹ سے ویریفائی کرواتا ہوں ۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی فقط کتابیں کام نہیں آئیں گی۔ ان کے لئے بھی کسی نہ کسی طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔شیطان ایک بڑا خوبصورت دھوکہ دیتا ہے کہ تمہیں کیا ضرورت ہے کسی سے اپنی بات کرنے کی؟ اپنی اصلاح خود کرلو۔ جو اپنا علاج خود کرے گا۔ بس وہ جلدی مرے گا۔ بلکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ جب ڈاکٹر بیمار ہوتا ہے تو وہ فوراً دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر اپنا علاج خود نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے اپنے پاس بھی نالج ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ دوسرے ڈاکٹر کو چیک کرواتے ہیں۔ اس سے رائے لیتے ہیں یہ مجھے کیا بیماری ہے؟ اپنے بارے میں انسان کی اسیسمنٹ (تشخیص) ٹھیک نہیں ہوتی۔ نفس اپنی باتوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ انسان کو اپنی برائی برائی ہی نہیں لگتی اور اپنی چھوٹی سی نیکی بہت بڑی لگتی ہے۔ اس لئے انسان اپنے بارے میں نہ تو اپنی ٹھیک رائے قائم کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنا علاج خود کرسکتا ہے۔

☆.....مثال :اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک صاحب کا بیٹا بیمار ہوگیا۔ اس کا پیٹ خراب ہوگیا۔ لوزموشن لگ گئے۔ بیوی نے بہت کہا کہ اس کا علاج کرواؤ، ڈاکٹر کو دکھاؤ اور اس کو دوائی لاکر دو۔ اس بیچارے کے پاس پیسے کم تھے۔ اس نے سوچا میں نے جو ڈاکٹر کو سو روپیہ فیس دینی ہے تو کیوں نہ میں اس پیسے سے دوائی خرید لوں۔ کیونکہ یہ ایک سادہ سی بیماری ہے۔ چنانچہ وہ کسی میڈیکل سٹور پر گیا اور اپنے ذہن میں سوچتا رہا کہ بیماری کیا ہے۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ ایک ہوتی ہے قبض اور ایک ہوتی ہے لوزموشن۔ یہ ایک دوسرے کے متضاد بیماریاں ہیں۔ اب بچے کو لوزموشن لگے ہوئے ہیں، لہذا اگر اس کو لوزموشن لگے ہوئے ہیں اور اگر اس کو قبض کی دوائی دے دیں تو ٹھیک ہونے کے بجائے اور زیادہ پریشان کن حالت ہوجائے گی۔ اس نے میڈیکل سٹور پر جا کر کہا: مجھے قبض کی دوا چاہئے۔ اس نے دے دی۔ جب دوائی دی تو بچے کی حالت اور خراب ہوگئی۔ وہ تو مرتے مرتے بچا۔ بیوی سمجھدار تھی۔ وہ اسے کسی ڈاکٹر کے پاس چلے گئی۔ خاوند بھی ساتھ گیا، بچہ تو خیر بچ گیا۔ تاہم ڈاکٹر نے پوچھا: تم نے اسے کون سی دوائی دی؟ وہ کہنے لگا: میں نے سوچا کہ لوزموشن لگے ہوئے ہیں، لہذا اگر قبض کی دوا کھالے گا تو ٹھیک ہوجائے گا۔ چنانچہ میں نے اسے قبض کی دوا دے دی۔ ڈاکٹر نے کہا: عقل کے اندھے! ہماری زبان میں قبض کی دوا کا مطلب ہے،

قبض ہے اسے کھولنے کی دوا دو۔ اس دوائی نے تو الٹا پیٹ لوز کر دیا ہے۔ جبکہ تمہارے بیٹے کو پہلے ہی موشن لگے ہوئے تھے۔ انسان اگر اپنی بیماری کا علاج کرے تو ایسے ہی علاج کرتا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

نفس تو یہی کہے گا: بھئی! خواہش پوری کرلو، سب ٹھیک ہے، مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اس لئے معالج کی ضرورت پیش آتی ہے۔

جسمانی اور روحانی علاج کے طریقہ ہائے کار

جسمانی علاج کے لئے کئی طریقہ کار ہیں۔ ایک کو ہم کہتے ہیں: یونانی طب۔ ایک کو کہتے ہیں: ایلو پیتھک۔ ایک کو کہتے ہیں: ہومیو پیتھک۔ آج کل ایک نیا طریقہ علاج بھی آ گیا ہے اس کو کہتے ہین: آکو پنکچر۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ ایک انچ، دو انچ، تین انچ کی لمبی لمبی سوئیاں بندے کے اندر چبھو دیتے ہیں اور بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔ ایک بندے کو نیند نہیں آتی۔ اس کو ڈاکٹر صاحب ایک سوئی چبھوئیں گے اور وہ ایسے سوئے گا جیسے نشے کی دوا پی کے سو رہا ہے۔ جس کا جی چاہے وہ ایلوپیتھی، طب اور آکو پنکچر نگ میں سے جو مرضی ہو طریقہ علاج اختیار کرے۔

ایسے ہی اللہ رب العزت نے روحانی بیماریوں کے علاج کے بھی مختلف طریقے بنا رکھے ہیں۔ ایک روحانی طریقہ کار ہے نقشبندیہ، ایک ہے چشتیہ، ایک ہے قادریہ اور ایک ہے سہروردیہ۔ کہیں ذکر خفی سے علاج کرتے ہیں اور کہیں ذکر جہری سے علاج کرتے ہیں۔ ان طریقوں سے انسان کو واقعی روحانی طور پر صحت ملتی ہے۔

جسمانی اور روحانی غذائیں

اس کے بعد اگر انسان اچھی غذا استعمال کرے تو اس کی صحت اچھی ہو جاتی ہے۔ بیمار آدمی کو گندم کی روٹی دیتے ہیں، پھر جو کی روٹی دیتے ہیں، دودھ پلاتے ہیں، جوس پلاتے ہیں۔ جسمانی غذائی استعمال کروائی جاتی ہیں۔ ایسے ہی انسان کی روحانی خوراک انوارات، فیوضات، تجلیات، اور سکینہ ہیں جو انسان کی روح کو ٹھیک کر دیتی ہیں۔ دستور یہ ہے کہ انسان کا جسم مٹی سے بنا اور اس کی خوارک بھی مٹی سے نکلی۔ اور انسان کی روح اوپر سے آئی اور اللہ نے اس غذا کا انتظام بھی اوپر سے کیا۔ اس لئے ایسی محفلوں میں بیٹھنا جن میں انوارات اور تجلیات برستی ہوں اور رحمتیں برستی ہوں، وہاں روحانی بیماریوں کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے۔

صحیح علاج نہ کروانے کا نقصان

اگر جسمانی بیماریوں کا صحیح طرح علاج نہ کروائیں تو بندے کی جان گئی اور اگر روحانی بیماریوں کا صحیح علاج نہ کروائیں تو بندے کا ایمان گیا۔ کتنے ایسے لوگ ہیں کہ ان کا فسق اتنا بڑھتا ہے کہ وہ ایسی کر دیتے ہیں کہ ایمان سے خالی ہو جاتے ہیں۔

جسمانی اور روحانی بیماریوں کی علامات

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جسمانی بیماریوں کی علامات ہوتی ہیں۔ مثلاً:

☆......جس بندے کو ہائی بلڈ پریشر کی بیماری ہے وہ محسوس کرے گا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے، چہرہ پھول رہا ہے، کانوں میں کچھ محسوس ہوگا۔ اس کو ڈاکٹر کہے گا: جی! آپ کو بلڈ پریشر ہائی ہو چکا ہے۔

☆......ایک بندے کو بار بار بیت الخلاء میں جانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ بھی ایک بیماری کی علامت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کہے گا: جی! آپ کو شوگر ہے۔

☆......ایک بندہ چند منٹ چلتا ہے اور سانس پھول جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسے کہے گا: جی! آپ کو دل کی بیماری ہے۔

ان علامات کی بنیاد پر جب انسان جسمانی طور پر بیمار ہوتا ہے اس کے لئے کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کی علامت یہ ہے کہ جو انسان روحانی طور پر بیمار ہوتا ہے اس کے لئے عمال کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ نماز کے لئے اس کا دل نہیں کرتا۔ تلاوت نہیں ہو سکتی۔ تہجد کیے لئے آنکھ ہی نہیں کھلتی۔ سچ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرنا مصیبت نظر آتا ہے۔ اس لئے انسان اپنی جسمانی بیماریوں سے زیادہ اپنی روحانی بیماریوں کے علاج پر توجہ دے۔

''سلسلہ'' کس کو کہتے ہیں؟

یہ جو ''سلسلہ'' کہا جاتا ہے، یہ ان روحانی طبیبوں کی ایک چین (زنجیر) ہے جو روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ ہمارے طبیبِ اعظم، مرشدِ اعظم، اور معلمِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ ﷺ ہیں۔ ان سے روحانی بیماریوں کا علاج صحابہ نے سیکھا۔ پہلے خود مریض تھے لیکن جب اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں آئے تو علاج ہو گیا۔ اور علاج بھی کیسا ہوا؟

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

روحانی طور پر مردہ لوگ آتے تھے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ پھر صحابہؓ سے تابعینؒ نے اپنا روحانی علاج کروایا۔ پھر ان سے تبع تابعینؒ نے کروایا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہ سلسلہ ہمارے پاس آج تک محفوظ ہے۔ لوگ اپنے نسب کو محفوظ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں جی! ہم حسنی حسینی سید ہیں اور پھر اس سلسلے کو نبی ﷺ سے شروع کر کے نیچے تک لے کے آتے ہیں۔ جو علوی حضرات ہیں وہ کہتے ہیں جی! ہم محمد بن حنیفہؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح ہمارے روحانی سلسلہ میں ہمارے تمام مشائخ کے نام موجود ہیں کہ کن حضرات نے کن سے دین سیکھا؟ پھر ان سے کن حضرات نے دین سیکھا؟

بے استاد بے بنیاد

بھئی! دین تو سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ خود بخود نہیں آ جاتا۔ عجیب بات ہے کہ آج کے زمانے میں انٹرنیٹ سے دین سیکھتے ہیں۔ اور کئی لوگوں کا تو سنا سنایا دین ہوتا ہے۔ ان کا استاد کوئی نہیں ہوتا۔ ادھر سے بات سن لی، ادھر سے بات سن لی، اخبار سے خبریں پڑھ لیں اور یہیں سے دین سمجھ لیا۔

ہرآں کارے کہ بے استاد باشد　　　　یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

''ہر وہ کام جو بے استاد ہوتا ہے، سمجھ لو کہ وہ بے بنیاد ہوتا ہے۔''

کیا تصوف بدعت ہے؟

آج کچھ لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ تصوف بدعت ہے۔بھئی! یہ بدعت کہاں ہے، یہ تو روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔شریعت نے کہا کہ اگر تمہارے اندر تکبر ہوگا تو تمہیں جنت میں داخلہ نہیں ہو سکے گا۔اب بتائیں کہ یہ تکبر کیسے ختم کریں؟ جو محنت تکبر ختم کرنے کا طریقہ بتائے وہ کہاں بدعت بن گئی۔

روحانی بیماروں کے قرآنی نسخے کا ثبوت

ہاں! علماومشائخ نے قرآن وحدیث پر غور کر کے وہاں سے کچھ اعمال نکالے اور ہمیں نسخہ دے دیا کہ اس نسخے پر عمل کر لو، تمہیں روحانی شفا نصیب ہو جائے گی۔ان اعمال کا ماخذ اور مبدء قرآن عظیم الشان اور نبی ﷺ کا فرمان ہے۔مثال کے طور پر جب کوئی بندہ ہمارے سلسلہ میں بیعت ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ یہ چھ اعمال کرنا شروع کر دو۔ان کو ہم معمولات کا نام دیتے ہیں۔ان سب معمولات کا حکم قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ہمارے مشائخ نور ایمان کے ذریعے ان کو پہچانا اور یہ ہیرے موتی نکال کر ہمیں دے دیئے۔اب ذرا ان کی تفصیل سنیے۔

(۱)　ایک تو ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام درود شریف پڑھو۔نبی پر درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(الاحزاب ۵۶)''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر ﷺ پر۔اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔''

اس آیت شریفہ کو''إِنَّ'' کے لفظ سے شروع فرمایا گیا جو نہایت تاکید کی دلیل ہے۔مزید برآں مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا جو استمرار اور دوام کی دلیل ہے۔اس کے بعد بتائیے کہ''صَلُّوا'' کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔اللہ تعالیٰ حکم فرما رہے ہیں۔چنانچہ جو بندہ صبح اور شام درود شریف پڑھے گا وہ قرآن مجید کے حکم پر عمل کر رہا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:''عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من صلى على صلوة واحدة صلى الله عليه عشرا'' (رواہ مسلم، ابوداؤد) ''حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جل شانہ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں''

☆　طبرانی کی روایت سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سو دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر سو دفعہ درود بھیجتے ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر''براءة من النفاق وبراءة من النار'' لکھ دیتے ہیں۔''

☆　امام مستغفریؒ نے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو کوئی ہر روز مجھ پر سو دفعہ درود شریف بھیجے اس کی سو حاجتیں پوری کی

جائیں۔تیس دنیا کی باقی آخرت کی۔

☆.....علامہ سخاویؒ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے۔ایک جو مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے، دوسرے جو میری سنت زندہ کرے، تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے۔

مشائخ نقشبندی اسی لئے سالکین طریقت کو صبح وشام سو سو دفعہ درج ذیل درود پاک پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ''

درود شریف کے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: جب اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ہمارا نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا اس وجہ سے نہیں کہ نبی کو اس کی احتیاج ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارا درود تو نبی ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔مزید برآں ہمارا درود شریف پڑھنا تو ہمارے اپنے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا درود شریف میں ''صَلَّیْتُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ''یا اُصَلِّیْ علیٰ مُحَمَّد'' پڑھ سکتے ہیں۔

جواب: نہیں پڑھ سکتے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات عیب سے پاک ہے جبکہ ہم سراپا عیوب ونقائص ہیں پس جو سراپا عیب ہو وہ سراپا پاک کی کیا ثناء بیان کرسکتا ہے۔لہذا'' اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ'' میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں تاکہ رب طاہر کی طرف سے نبی طاہر ﷺ پر درود وصلوٰۃ ہو۔

سوال نمبر ۳: درود ابرہیمی میں '' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ '' کے بعد ساتھ ''کَمَا صَلَّیْتَ علیٰ اِبْرَاھِیْم''کہنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو فضیلت نصیب ہے۔

جواب: عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ ''کَمَا'' کا لفظ کبھی اعلیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے کبھی ادنیٰ کے لئے۔جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ﴿مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ﴾(النور:۳۵)''اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو'' حالانکہ اللہ جل شانہ کے نور کو چراغوں سے کیا نسبت، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس سوال کے دس جواب لکھے ہیں مکتوبات مجدد الف ثانیؒ میں بھی اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں (تصوف وسلوک:۱۳۰تا۱۳۲)

(۲) ..... صبح اور شام سو سو مرتبہ استغفار پڑھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں استغفار پڑھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّاراً﴾(نوح ۱۰)''اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو، بیشک بخشش ان کی دائمی صفت ہے۔'' ﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ﴾(ھود:۵۲)''تم استغفار کرو اپنے رب کے سامنے اور توبہ کرو''

(نیز ملاحظہ فرمائیں الانفال ۳۳، الذاریات ۱۷، ۱۸ وغیرہ بہت سے احادیث سے ثابت ہے)

یہاں ''استغفروا'' کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ استغفار کرو۔ اگر کسی کو کہہ دیا جائے کہ صبح وشام استغفار کیا کرو تو یہ کہاں سے بدعت ہوگئی۔ بھئی! یہ تو منشائے قرآن پر عمل ہے۔

(۳) ... قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں تلاوت کرنے کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:
﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل:۲۰) ''قرآن پاک کی تلاوت کرو، جتنا قدر تم سے ہو سکے۔
بتائیں یہ ''اقرؤوا'' کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ کیا ہمیں اس آیت پر عمل کرنا چاہئے؟ اگر کسی کو کہا جائے کہ ایک پارہ یا آدھا پارہ روزانہ تلاوت کیا کرو تو یہ قرآن کی منشا پر عمل ہوا بدعت تو نہ بنی۔

(۴) ... چلتے پھرتے، لیٹے، بیٹھے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حکم خدا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاذْكُرُواْ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُم﴾ (النساء:س۱۰)
یہ ''اذکروا'' کون سا صیغہ ہے؟ امر کا صیغہ ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ کھڑے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرو۔ اب اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ تم وقوف قلبی رکھو، یعنی لیٹے، بیٹھے کھڑے اللہ کو یاد رکھو، تو یہ قرآن کی منشا پر ہی عمل ہوگا۔

(۵) ... ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی (مراقبہ) کرو۔ اس ذکر قلبی کا بھی قرآن مجید میں حکم ہوا ہے۔ وہ کیسے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ (الاعراف ۲۰۵) ''اور ذکر کرو اپنے رب کا اپنے نفس میں''
مفسرین نے لکھا ہے: ''ای فی قلبک'' اپنے دل میں اپنے رب کو یاد کرو' کیسے یاد کریں؟ آگے فرمایا: ﴿تضرعا وخيفة﴾ گڑگڑاتے ہوئے بہت خفیہ انداز سے''
تفسیر معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ ''تضرعا وخيفة'' کے الفاظ سے قرآن مجید سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔
یہاں ''واذکر'' بھی امر کا صیغہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو کہا جائے کہ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کرو تو یہ کہاں سے بدعت بن جائے گا۔

(۶) ... چھٹے نمبر پر بتایا جاتا ہے کہ مشائخ کی صحبت اختیار کرو۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم بھی قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)
یہ ''کونوا'' بھی امر کا صیغہ ہے۔ تو جو لوگ مشائخ کی صحبت اختیار کرتے ہیں وہ بھی منشائے قرآنی پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔
اگر ان چھ اعمال کے بارے میں کسی کو کہہ دیا جائے تو یہ کہاں سے بدعت بن جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ان اعمال کو بدعت کہتے ہیں، وہ یا تو جاہل ہیں یا متجاہل ہیں۔ عالم ہوتے تو کبھی بدعت نہ کہتے۔
یاد رکھیں! ہمارے مشائخ نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کیا ان اعمال کو قرآن وحدیث سے نکال کر بتا دیا کہ بھئی! تم اس پر عمل کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان میں برکت رکھ دیتے ہیں اور بندے کو شغل مل جاتا ہے۔ آپ ان چھ معمولات کا باقاعدگی سے کر کے دیکھیں، آپ کو اپنی زندگی میں واضح فرق نظر آئے گا۔ آپ کا اپنا دل گواہی دے گا کہ ہاں! اب میرے دل میں اللہ کی محبت پہلے کی نسبت بڑھ گئی ہے۔
(خطبات فقیر:۲۲/۲۳۲۔۲۴۱)

روحانی بیماریوں کی حقیقت

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی یہ روحانی بیماریاں ہوتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! روحانی بیماریاں ہوتی ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید سے۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ کی بیویو! پردے میں رہو، ایسا نہ ہو کہ ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲) ''کہ تمہیں دیکھ کر طمع کرے وہ بندہ جس کے اندر بیماری ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہورہا ہے کہ جب غیر عورت کو دیکھ کر کسی کے دل میں طمع پیدا ہوتا ہے اور شہوت اٹھتی ہے تو یہ ایک بیماری ہوتی ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ ''فِیْ قَلْبِهٖ'' اب اگر ایک بندہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتا ہے اور اس کے لئے آنکھ پر کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے، ادھر بھی عورت کو چلتے دیکھتا ہے اور ادھر بھی دیکھتا ہے تو بھئی! یہ تو کنفرم ہوگیا کہ اندر روگ ہے۔ ہم لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن رب کو تو دھوکہ نہیں دے سکتے، ہمارا رب تو جانتا ہے نا، کہ یہ ادھر بھی دیکھتا ہے اور ادھر بھی دیکھتا ہے۔

☆...... ہوائی جہاز پر سفر کرتے ہوئے ایئر ہوسٹس کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆...... بسوں اور ویگنوں میں سفر کرتے ہوئے مسافر عورتوں کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆...... راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتے ہیں یا نہیں۔

☆...... دکاندار صاحب آنے والی گاہک عورتوں کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔

اگر ہوس بھری نظر اٹھتی ہے اور پیچھا کرتی ہے تو یہ کنفرم ہوگیا کہ روحانی بیماری ہے۔ اب اگر روحانی بیماری کی کنفرمیشن بھی ہو اور بندہ علاج نہ کروائے تو پھر وہ تو قابل رحم ہوگا۔ بلکہ اطبا کہتے ہیں کہ سب سے بڑا مریض بھی وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مریض نہ سمجھے۔ چنانچہ جن لوگوں کو ہیپاٹائٹس سی کی بیماری ہوتی ہے اور وہ اپنا علاج نہیں کرواتے کہ ٹھیک ہو جائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ چند مہینوں کے اندر ان کے جسم کے اعضا سکڑ جاتے ہیں، جن پر اثر ہوتا ہے، بالآخر وہ بندہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

یہی مثال روحانی بیماری کی بھی ہے کہ جب سمجھتا ہے کہ میری آنکھ پاک نہیں، اور پھر علاج نہیں کرواتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بے ایمان مرنے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ علما نے لکھا ہے کہ بدنظری کے بڑے نقصانات ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ موت کے وقت بندہ کلمے سے محروم ہوجاتا ہے۔ جو لوگ موت کے وقت کلمے سے محروم ہوتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہوتے ہیں جو بدنظری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ انسان کا من بیمار ہے۔ اب جب بیمار ہے تو پھر علاج کروائے۔

باطنی بیماری ہونے کی ایک اور دلیل بھی ہے، جب ہم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو اس نماز میں ہمارا دھیان نماز کی طرف ہوتا ہے یا دنیا کی طرف ہوتا ہے؟ اپنا دل گواہی دے گا۔ اگر تکبیر تحریمہ یعنی شروع میں اللہ اکبر کہنے سے سلام پھیرنے تک اللہ تعالیٰ کا دھیان رہتا ہے، اور ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' والی کیفیت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ من سنوار ہوا ہے، اور اگر کھڑے ہوتے ہی پچھلے قصے بھی یاد آنے لگ جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ من بیمار ہے۔ کئی مرتبہ تو دنیا کے کام کاج تو کیا، نماز میں کھڑے ہوتے بندہ گناہوں کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر جسمانی بیماریوں کا علاج کروانا ضروری ہے تو روحانی بیماریوں کا علاج کروانا اس سے

بھی زیادہ ضروری ہے۔ایسا نہ ہو کہ انسان ایمان سے محرورم ہو جائے۔ (خطبات فقیر:۲۲/۲۴۱-۲۴۴)

خلاصہ کلام یہ ہے:

(۱)... کہ جس طرح ظاہری بیماریاں ہوتی ہیں۔

(۲)... اوران بیماریوں کے لئے دوائیاں ہوتی ہیں۔

(۳)... اوران بیماریوں کے علاج کے لئے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔

(۴)... اوراس کا ایک فن ہوتا ہے جیسے علم الطب.

( )... اسی طرح باطن کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔

(۲)... ان بیماریوں کے لئے دوائیاں ہیں(ان دوایوں کا نام: ذکراللہ ہے)

(۳)... اوران کے علاج کے لئے ڈاکٹر ہوتے ہیں(ان ڈاکٹروں کا نام: صوفیاء کرام ہے)

(۴)... اوران بیماریوں میں مبتلا مریض بھی ہوتے ہیں(ان مریضوں کو: مریدین کہتے ہیں)

(۵)... اوراس کا ایک فن ہوتا ہے(اس فن کو: فنِ تصوف وسلوک اور طریقت کہتے ہیں)۔

☆☆☆☆
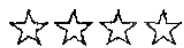
محنت کی جگہ قلب (دل)

تین نعمتیں: اللہ رب العزت نے انسان کو تین نعمتوں سے نوازا ہے، ایک انسان کا دل اور دوسرا انسان کا دماغ اور تیسرا انسان کا نفس، یہ تین الگ الگ نعمتیں ہیں، تینوں کی اپنی اپنی شناخت ہے۔

(۱)... قلب: قلب جذبات کا مقام ہے، بہادری کا جذبہ، بزدلی کا جذبہ، محبت کا جذبہ، نفرت کا جذبہ، یہ تمام جذبات الگ الگ ہیں۔ اسی لئے جو بہادر ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ بڑا شیر دل انسان ہے، گویا دل کی طرف بہادری کو منسوب کیا جاتا ہے۔

(۲)...... عقل: انسان کی عقل خیالات کا مقام ہے۔ جتنے بھی خیالات انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق دماغ سے ہے۔ کیا پروگرام بنانا ہے، کہاں جانا ہے، نفع کیسے حاصل کرنا ہے، نقصان سے کیسے بچنا ہے، ہر قسم کے خیالات دماغ میں آتے ہیں۔

(۳)...... نفس: اور انسان کا نفس خواہشات کا مقام ہے، جتنی خواہشات انسان کے جسم میں پیدا ہوتی ہیں وہ نفس سے اٹھتی ہیں۔ یہ خواہشات اچھی بھی ہوسکتی ہیں اور بری بھی ہوسکتی ہیں۔ اچھی خواہش یہ کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں، میں عالم دین بن جاؤں، میں دین کا داعی بن جاؤں، میں تہجد گزار بن جاؤں، میں لوگوں کا خدمت گار بن جاؤں۔ یہ سب اچھی خواہشات ہیں۔

اور بری خواہشات یہ ہے کہ لوگ مجھے پہچاننے لگ جائیں، مجھے میرا مقام ملنا چاہئے، میں سب سے بہتر ہوں لہذا میرا مشورہ قبول ہونا چاہئے، یہ سب باتیں جن کا تعلق میں سے ہے، دنیا سے ہے، یہ سب بری خواہشات ہیں۔

☆... دماغ کی حیثیت: دماغ کی حیثیت ایسی ہے جیسے کمپیوٹر کے اندر ایک میتھ کو پروسیسر ہوتا ہے اس پروسیسر کو آپ کوئی بھی سوال دے دیں وہ اسے حل کر کے جواب حاضر کر دے گا۔ اسی طرح آپ دماغ کو کوئی خیال دے دیں، یہ اسی خیال کے تانے بانے بننے شروع کر دے گا۔ اس خیال کو بنیاد بنا کر اسی پر سوچنا شروع کر دے گا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور پھر انسان شیخ چلی کی طرح، ایک کہانی ہی سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اچھے خیال بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً گناہوں کے خیال برے خیال ہیں اور نیکی کے خیال، اچھے خیال ہیں۔ مگر دماغ کو جو خیال دے دیں گے وہ اسی کو پروسیس کرنا شروع کر دے گا۔

اللہ تعالی نے دماغ کو ایسا بنایا کہ اس میں ہٹ ہٹ کر خیال آتے رہتے ہیں۔ یہ ہٹ ہٹ کر خیال کا آنا یہ اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے۔ تو یہ اللہ تعالی کی رحمت ہے کہ انسان کسی بھی کام میں مصروف ہو تو اس کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ خیال خود بخود آتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالی کا خودکار نظام ہے، یہ اس کی رحمت ہے۔

خیالات کا آنا برا نہیں ہوتا، خیال کا لانا اور دل میں جمانا یہ برا ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کو بھی اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور برے خیالات بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک چوراہے کہ اوپر ٹریفک ہوتی ہے، کبھی کار آرہی ہے، تو کبھی ٹرک آرہا ہے، کبھی ٹریلر آرہا ہے، جیسی بھی گاڑی آرہی ہے، پولیس والے کا کام ہوتا ہے اُدھر کو اِدھر جانے دے، اِدھر کو اُدھر جانے دے، گاڑی کو رکنے نہ دے۔ اسی طرح مومن کے دل میں کبھی نیکی

کا خیال، کبھی برائی کا خیال آتا رہتا ہے مگر اس دماغ کو چوراہا بنائے اور اس کو چلنے دے، آئے اور جائے، ٹکنے نہ پائے۔ اگر ٹریفک جام ہوجائے تو پولیس کی وردی اتار دیتے ہیں کہ تو نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں گناہ کی ٹریفک جام ہوجائے، اللہ تعالیٰ اپنی ولایت کا لباس اتار لیتے ہیں۔ چنانچہ گندے خیالات کا دماغ میں جمنے نہیں دینا چاہیے، اول تو آئیں نہیں، اگر آئیں تو جائیں، ٹکنے نہ پائیں۔ اس طرح خیال کے آنے کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ ہاں اس کے جمانے پر اس سے لطف اندوز ہونے پر بندے سے مواخذا ہوگا۔ کیونکہ یہ انسان پنی جوائس سے کرتا ہے۔

جیسے دل کے جذبات ویسے خیالات

عام طور پر دیکھا ہے کہ جیسے دل میں جذبات ہوتے ہیں ویسے بندے کے خیالات ہوتے ہیں۔ کیونکہ جذبات خیالات کے تابع ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک آدمی اگر خوش ہوگا تو خیال بھی خوشی کے آئیں گے۔ اور اگر غم زدہ ہوگا تو خیال بھی ویسے ہی آئیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دل بڑا خوش ہو اور خیالات غم کے آرہے ہوں یا دل غم زدہ ہو اور خیالات خوشیوں کے آرہے ہوں، ایسا نہیں ہوتا، جیسے جذبات ویسے خیالات۔ اس سے معلوم ہوا کہ دماغ انسان کے قلب کے تابع ہے۔

انبیاءؑ اور اولیاءؒ نے دلوں پر محنت کی

چنانچہ انبیاء کرام نے دنیا میں آکر لوگوں کے دلوں کو محنت کا میدان بنایا۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ جب دل بدل گئے اور نیکی پر آ گئے تو سوچیں خود بخود ٹھیک ہوجائیں گے۔ خود بخود پاک ہوجائیں گے۔ جب دل کی گندگی دور ہوجائے گی تو کفر کی گندگی بھی دور ہوجائے گی۔ اولیاء کرام بھی انسانوں کے دلوں پر محنت کرتے ہیں، دلوں کو سنوارتے ہیں دلوں کو بناتے ہیں۔ ان کی محنت کا میدان بھی انسان کا دل ہوتا ہے، تاکہ دل سنور جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے۔

قلوب مختلف ہوتے ہیں

مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف طرح کے دل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ ... بعض اوقات انسان کا دل ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ہی نہیں مانتا، دین کو ہی نہیں مانتا، ایسے بندے کو ''دھریہ'' کہتے ہیں۔

☆ ... یا خدا کو مانتا ہے، رسالت کو نہیں مانتا، ایسے بندے کو ''کافر'' کہتے ہیں

☆ ... یا خدا کو تو مانتا ہے لیکن اور خداؤں کو بھی مانتا ہے، ایسے بندے کو ''مشرک'' کہتے ہیں۔

☆ ... یا ظاہر میں لوگوں کے اندر دین کو مانتا ہے اور تنہائیوں میں جا کر دین کے خلاف باتیں کرتا ہے، ایسے بندے کو ''منافق'' کہتے ہیں۔ تو لوگوں کے قلب کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

قلب کی حقیقت

انسان کی سینے میں بائیں جانب گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔عربی کی زبان میں اس کو مضغہ کہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا الا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ الا وَهِیَ الْقَلْبُ" جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم فاسد ہو جائے۔آگاہ ہو وہ "قلب" ہے۔

تو اس مقام کا نام مضغہ ہے، یہ قلب بمنزلہ مکان کے ہے ایک اس کے اندر روح ہے جو اس کی مکین ہے اس کو "فؤاد" کہتے ہیں۔

جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل ۳۶) "بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی"۔ یہاں قلب کا لفظ نہیں آیا "فؤاد" کا لفظ آیا۔ ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا﴾ (الانعام: ۱۱۰) "اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے"۔ ﴿نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ () الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾ (همزہ: ۶-۷) "وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے"

تو یہ "افئدۃ" اور فؤاد کا جو نام لیا گیا یہ اس مکان کے اندر جو مکین ہے اس کا تذکرہ کیا گیا۔تاہم کبھی کبھی مکان کا بھی نام لے لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر کسی ملک کا تذکرہ کرنا ہو تو اس ملک کے دارالخلافہ کا نام لے لو کہ فلاں اپنا رویہ ٹھیک کر لے۔حالانکہ وہ تو شہر کا نام ہے مگر مقصود ہوتا ہے کہ اس شہر میں رہنے والے ارباب اقتدار اپنا رویہ ٹھیک کر لیں۔تو اسی طرح قلب کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود اس قلب کے اندر اس کا وہ "فؤاد" فہم ہوتا ہے۔

قلب کے اقسام

بنیادی طور پر قلوب تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱)...... قلبِ میت (۲) قلبِ مریض (۳)..... قلبِ سلیم۔

☆......قلب کی پہلی قسم:

قلب میت (مردہ دل)

کفار کے سینوں میں جو دل ہوتا ہے اس کو قلب میت کہتے ہیں، یعنی مرا ہوا دل۔دل کا لوتھڑا تو زندہ ہوتا ہے لیکن اس لوتھڑے کے اندر جو فہم ہوتی ہے، جو قوت ادراک ہوتی ہے، وہ نہیں ہوتی۔فہم وفراست کا فرق ہوتا ہے، وہی قلب زندہ ہوتا ہے اور وہی مردہ ہوتا ہے۔وہی قلب بینا ہوتا ہے اور وہی قلب نابینا ہوتا ہے، اس کے اندر اگر فراست آگئی تو وہ بینا ہو گیا، فراست چھن گئی تو نابینا ہو گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ "کاش ان کے دل ہوتے انہیں عقل سکھاتے یا ان کا کان ہوتے جن سے یہ ہدایت کی بات سنتے"۔

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ "بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، یہ تو سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں"۔

تو انسان کے سینے میں کئی مرتبہ دل اندھا ہوتا ہے۔ خواہشات کی پٹی بندھ جاتی ہے۔ جیسے بندے کی آنکھیں پر پٹی باندھ دو تو وہ اندھا ہوجاتا ہے، اسی طرح خواہشات کی پٹی آنکھوں پر آجاتی ہے تو بندے کا دل اس وقت صحیح کام نہیں کرتا۔ تو وہ خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے ۔تو کافر کا دل، مردہ دل ہوتا ہے۔ تو ایسا دل حقیقت میں سِل ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ (البقرة:۷۴)

''پھر اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہوگئے، یہ پتھر کی مانند ہوگئے یا پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، بیشک پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بیشک پتھر پھٹتے ہیں اوران میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے ہیں۔''

اے انسان! جب تیرا دل سخت ہوتا ہے، یہ خوف خدا سے نہیں کانپتا، پھر یہ پتھروں سے بھی پار ہوجاتا ہے۔

مردہ دل کی پہچان

مردل دل کی کیا پہچان کہ ایسے دل کو اللہ تعالیٰ کی جانب کوئی کھنچاؤ محسوس نہیں ہوتا، اس کے دل میں آخرت کی طرف رجحان ہی پیدا نہیں ہوتا، بس وہ دنیا کے جھمیلوں میں لگا ہوتا ہے، اس کے لئے کوشش، اسی دنیا کی زندگی میں انجوائے کرنے میں مگن۔ ﴿ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ﴾ ''ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے'' اتنی ہی ان کی دوڑ ہوتی ہے۔ لذات کے پجاری، شہوات کے پجاری بنے ہوتے ہیں خواہش پوری ہوگئی تو یہ خوش ہوگیا، اور خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ غم زدہ ہوگیا۔ خواہش کے پورے ہونے کو یہ کامیابی سمجھتا ہے اور خواہش کے پورے نہ ہونے کو یہ ناکامی سمجھتا ہے، اس بندے کے قلب کو قلبِ میت کہتے ہیں۔

قلب میت کی علامات

ایسے قلب کی تین علامتیں ہیں:

(۱)...گناہ کرنے میں جھجھک (شرم) نہ ہونا: پہلی علامت کہ جس کا دل مردہ ہوا ہے اسے گناہ کرنے سے جھجھک (شرم) محسوس نہیں ہوتی۔ مومن گناہ بھی کرے گا تو اس کے دل میں جھجھک ہوگی، ندامت ہوگی۔ لیکن اگر کافر کوئی گناہ کرے گا تو بڑے اعتماد کے ساتھ کرے گا، اس کو کوئی عار نہیں ہوگی۔

(۲)...نیکی بوجھ لگتی ہے: دوسری علامت یہ کہ نیک کام کرنا ایسے بندے کو مصیبت نظر آتا ہے۔ آپ اس کو اِدھر اُدھر کی جس محفل میں چاہیں لے جائیں، ذرا نام تو لیں کہ نیک بندے سے ملنا ہے یا نیک محفل میں جانا ہے، اس کے اوپر مصیبت ٹوٹ پڑے گی اس کو وحشت ہوگی، اس کا دل ہی نہیں چاہے گا جانے کو۔ یہ وحشت کا ہونا دل کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔

(۳)...نصیحت کا برا لگنا: اور تیسری علامت یہ کہ اس کو نصیحت کی بات بری لگتی ہے۔ آپ اس کو نصیحت کرکے دیکھیں وہ برا منائے گا۔ کہے گا: آپ کون ہوتے ہیں مجھے نصیحت کرنے والے؟ آپ نے یہ بات کی ہی کیوں ہے؟ آپ کو یہ بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

☆.....قلب کی دوسری قسم:

قلبِ مریض

ایک دل اس سے کچھ نسبتاً بہتر ہوتا ہے اس کو ''قَلْبُ الْمَرِيْض'' کہتے ہیں۔ بیمار دل۔ زندہ ہے مگر بیمار ہوتا ہے۔ یہ کس کا دل ہوتا ہے؟ یہ مومن گناہ گار کا دل ہوتا ہے۔ مومن گناہ گار کا دل بیمار ہوتا ہے، وہ مریض دل ہوتا ہے، ہوتا زندہ ہے مگر مریض ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید فرمایا: اے نبی ﷺ کی بیویو! ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے تو تم ذرا مناسب انداز سے گفتگو کرو آواز کے اندر نرمی نہ ہو، لوچ نہ ہو، کیوں؟ ایسا نہ ہو کہ ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲) ''طمع کرے وہ بندہ جس کے دل میں مرض ہے''

طمع کرنے کا کیا مطلب؟ یہ کہ اس کے دل میں تمہاری طرف خواہش اور میلان پیدا ہو جائے گا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ کتنی نرم بات کی ، کتنے اچھے انداز سے بات کی، وہ تم سے ملنے کی راہیں ڈھونڈنا شروع کر دے گا۔ تو یہ کون شخص ہوگا؟ ﴿فِي قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ جس کے دل کے اندر بیماری ہے۔ تو جب دل میں شہوات غالب ہوتی ہیں تو وہ دل بیمار ہوتا ہے۔

اسی طرح فاسق کا دل، منافق کا دل، وہ بھی مریض ہوتا ہے۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرة:۱۰) ''ان کے دلوں میں بیماری ہے، اللہ ان کی بیماری کو اور بڑھاتا ہے''۔

☆ .. قلبِ مریض کی علامات:

تو ایسے دل کی پہچان یہ کہ اس میں ایمان بھی ہوتا ہے لیکن اس میں حرص بھی ہے، حسد بھی ہے، تکبر بھی ہے، بخل بھی ہے، یہ ساری کی ساری باطنی بیماریاں بھی اس میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک لمحے اس پر رحمٰن کی محبت غالب آئے گی اور دوسرے لمحے اس پر شیطان کی خواہش غالب آئے گی۔ کبھی کبھی تو اولیاء والی کیفیت ہوگی، بیٹھے رو رہے ہیں، مانگ رہے ہیں، اللہ کے قریب ہیں۔ اور کبھی فرض نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ وغیرہ۔ تو یہ دل کے مریض ہونے کی علامت ہے۔

☆ .. قلبِ مریض کا علاج:

جس طرح بیمار آدمی اپنی جسمانی بیماریوں کا علاج کروائے تو صحت پا لیتا ہے، اسی طرح اگر ایسا انسان روحانی بیماریوں کا علاج کروائے تو یہ قلب بھی صحت پا لیتا ہے۔

☆..... جو جسمانی بیماریوں کے سپشلسٹ ہوتے ہیں ان کو ڈاکٹر کہتے ہیں اور جو روحانی بیماریوں کے سپشلسٹ ہوتے ہیں، ان کو شیخ کہتے ہیں۔

☆ ... جسمانی بیماری کیلئے جہاں مریض جا کر رہتے ہیں اس کو ہسپتال کہتے ہیں۔ روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے جہاں جا کر رہتے ہیں اس کو خانقاہ کہتے ہیں۔

☆...... جسمانی بیماروں کا علاج بسا اوقات شعاؤں کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ جیسے کینسر کا علاج شعاؤں سے کرتے ہیں۔ پتھری اگر

ہے تو شعاؤں سے توڑ دیتے ہیں۔اسی طرح روحانی بیماریوں کا علاج نگاہوں سے کیا جاتا ہے۔

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

☜ جیسے جسمانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان قوی ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان اللہ تعالی کا ولی ہو جاتا ہے۔

☜ جسمانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو زیادہ سے زیادہ انسان موت کے منہ میں چلا جائے گا، روحانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔

(۳) قلب کی تیسری قسم:

قلبِ سلیم

قلب کی ایک سب سے بہتر قسم ہے اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔سلامتی والا دل، زندہ دل، نور سے بھرا ہوا دل، ایمان سے بھرا ہوا دل، محبتِ الٰہی سے بھرا ہوا دل۔

قلبِ سلیم کی کیا مطلب؟ کہ ماسوا کی محبت سے وہ بچا ہوا ہو، محفوظ ہو۔ماسوا کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ماسوا ہے۔تو ماسوا کی محبت سے جو دل محفوظ ہو ایسے دل کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔جو شیطان کے حملوں سے، نفسانی خواہشات سے، گناہوں کے ارادوں سے سلامتی میں ہو، اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔

اب جس بندے کا نام سلیم ہو وہ تو بڑا خوش ہو رہا ہوگا کہ سب سے اچھا دل تو میرا ہے۔بھئی! قلبِ سلیم کی بات ہو رہی ہے تو یہ کسی بندے سلیم کا دل نہیں ہے، بلکہ وہ دل جو گناہوں کے اثرات سے سلامتی میں ہو۔اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔اور یہی چیز اللہ تعالی بندے سے مانگتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (88) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ (الشعراء:۸۸۔۸۹)

''قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے کام آئیں گے، جو انسان قلب سلیم لایا، وہ دل اسے کام آئے گا۔''

تو ہر مومن کے دل کی تمنا یہ ہونی چاہئے، اے اللہ! ہمارے قلب کو قلبِ سلیم بنا دے۔قلب سلیم جو غیر کی بندگی سے سلامتی ہو یا جس دل کے اندر محبت ہو اور انابت الی اللہ، خشوع الی اللہ، اخلاصِ عمل ہو، تو اس قلب کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔

☜ قلب سلیم کی علامات:

اس قلب کی کچھ نشانیاں ہیں:

(۱)... اللہ تعالی کے لئے محبت ہونا: حدیث پاک میں ہے فرمایا گیا: "مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ" ''کہ جو محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے''۔

اللہ کے لئے محبت کے واقعات تو کئی سنیں ہوں گے۔نبی ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان مواخات بھائی چارہ کروانے کا واقعہ مشہور ہے، یہ اللہ

کی محبت کی انمول مثال ہے۔

اسی لئے اللہ کے لئے محبت اتنا اچھا عمل ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سات بندے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان سات میں سے دو بندے وہ ہوں گے۔ ''هُمْ مُتَحَابُوْنَ فِي اللّٰهِ'' ''جو اللہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوں گے۔'' مثال کے طور پر یہ جو دینی محبتیں ہوتی ہیں سلسلے کے لوگ ہوں، ذکر کے لوگ ہوں، یا تبلیغی جماعت والے لوگ ہوں، علم والے لوگ ہوں، مجاہد فی سبیل اللہ ہو، دین کے کسی شعبے میں کام کرنے والے ہوں، ان میں آپس میں محبتیں ہوتی ہیں۔ یہ محبتیں دین کی بنیاد پر ہوتی ہیں اللہ کی نسبت سے ہوتی ہیں اسلئے یہ تمام محبتیں رکھنے والے لوگ قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کیلئے دشمنی ہونا: دوسرا فرمایا: ''وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ'' ''اور بغض رکھے تو بھی اللہ کے لئے بغض رکھے''۔ اس سے کیا مراد؟ مثال کے طور پر: ایک مومن کے دل میں کفر یا کافری سے بغض ہونا چاہئے ہمیں کفار کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے، ہمیں نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں سے عمل کرنا اچھا لگتا ہے ۔اب ان طریقوں کی ناپسندیدگی یہ بغض فی اللہ کی مد میں شامل ہے۔ ہماری ان سے کوئی ذاتی لڑائی تو نہیں، کوئی جائیداد تو تقسیم نہیں کرنی، ہم کیوں ان طریقوں کو ناپسند کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ناپسند کرتے ہیں، اسے بغض فی اللہ کہتے ہیں، جیسے الحب فی اللہ ضروری ہے، البغض فی اللہ بھی ضروری ہے۔

اس کے مثالیں بہت ہیں جیسا کہ اپ کو یاد ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے باپ ابو سفیان کو مدینہ طیبہ آنے کا موقعہ ملا ام حبیبہؓ کے حجرے میں آ گیا۔ باپ تھا، یہ جب اچانک گھر میں آ گیا تو ام حبیبہؓ بھی اپنے والد کو دیکھ کر حیران ہو گئیں، یہ چونکہ سفر سے آئے ہوئے تھے، تھکے ہوئے تھے، ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا، یہ وہاں بیٹھنے لگے۔ ام حبیبہؓ ذرا آگے بڑھیں اور انہوں نے جلدی سے بستر اس چارپائی سے لپیٹ لیا اور والد کو کہا کہ آپ چارپائی پر بیٹھ جائیں۔ اب یہ بھی سردار تھا، سمجھدار تھا، کہنے لگا: بیٹی! باپ کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں، بستر اٹھاتے تو نہیں ہیں، تو نے، بستر کیوں اٹھایا؟ میں بستر کے قابل نہیں تھا یا بستر میرے قابل نہیں تھا؟ تو ام حبیبہؓ نے صاف کہہ دیا کہ یہ اللہ رب العزت کے سچے محبوب علیہ السلام کا بستر ہے اور اللہ کے قرآن نے کہا: مشرک نجس ہوتے ہیں۔ ایک نجس بندہ پاک نبی علیہ السلام کے بستر پر بیٹھ نہیں سکتا۔ تو باپ بیٹی کا تعلق ایک الگ چیز ہے لیکن اللہ کے تعلق کو پہلے دیکھا۔ اس کو کہا جائے گا۔ ''اَلْبُغْضُ فِي اللّٰهِ''۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے ایک بیٹے تھے جو غزوہ بدر میں مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپس میں گفتگو ہونے لگی تو بیٹے نے کہا کہ ابو! بدر والے دن آپ دو دفعہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو ابو سمجھ کر چھوڑ دیا، ابو بکر صدیقؓ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: بیٹا! اللہ کی قسم اگر تو اس دن میری تلوار کی زد میں آتا تو میں تجھے اپنا بیٹا سمجھ کے کبھی معاف نہ کرتا۔ اس کو کہتے ہیں ''وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ''۔

(۳)......اللہ کے لئے دینا: تیسرا فرمایا: ''وَاَعْطٰی لِلّٰهِ'' ''اگر کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے۔ نام و نمود کے لئے نہ دے کہ لوگوں میں میرے چرچے ہوں، لوگوں میں میری تعریفیں ہوں نہیں فقط اللہ کی رضا کیلئے دے۔

(۴)......اللہ کے لیئے منع کرنا: چوتھا فرمایا: "وَمَنَعَ لِلّٰہِ" "اور اگر منع کرے تو اللہ کے لئے منع کرے۔ تو یہ زندہ دل کی قلبِ سلیم کی نشانیا ہوتی ہیں۔

قلب عبد اللہ عرش اللہ

دل انسان کے جسم کا سب سے اہم عضو ہے، یہ پورے جسم کا صدر مقام ہے اس کو حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر کہا۔ قلبِ عبد اللہ اس کو عرش اللہ کہا ہے، فرمایا: "لَایَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَآئِیْ" نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں، بن مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ تو جب اس مومن کا دل منور ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا گھر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو صاف دل پسند ہے

بھئی! ہر بندہ چاہتا ہے کہ گھر صاف ہو۔ عورت کا معمولی خاوند بھی ہو تو وہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ میرے گھر کا آنگن صاف رہنا چاہئے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ میرا گھر صاف رہنا چاہئے۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ کے لئے صاف کرلیں۔

اگر ایک مکان کسی کو کرائے پہ دیا ہو یا ادھار دیا ہو تو مالکِ مکان کیسے خوش ہوتا ہے؟ مکان کو گندہ رکھنے پر یا مکان کو صاف رکھنے پر۔ جتنا مکان کو وہ صاف رکھے گا مالکِ مکان اتنا زیادہ خوش ہوگا۔ اسی طرح یہ دل بھی اللہ کی مِلک ہے، ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، ہم اسے جتنا صاف کرلیں گے، اللہ رب العزت اتنا زیادہ ہم سے خوش ہوں گے۔ لوگ مہمانوں کے آنے پر گھروں کو صاف کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں مہمان آئیں تو ہمیں بھی دل کے گھر کو صاف رکھنا پڑے گا۔

یہاں اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ جی اللہ تعالیٰ اگر صاف دل کو پسند کرتے ہیں تو خود ہی صاف کردیں، تو علما نے اس کا جواب دیا کہ اللہ رب العزت کی حیثیت مہمان کی ہے اور بندے کی حیثیت میزبان کی ہے۔ گھر کی صفائی مہمان کے ذمے نہیں ہوتی میزبان کے ذمے ہوتی ہے۔ تو ہمیشہ ہم اس دل کو صاف رکھیں۔

دل اللہ کے لئے وقف ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ: ۱۱۱)
"اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے مالوں کو اور ان کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔"

تو جنت کے بدلے دو چیزوں کو خریدا، ﴿أَمْوَالَهُم﴾ ان کے مالوں کو اور ﴿أَنفُسَهُمْ﴾ اور ان کے نفوس کو۔ تو یہاں طالبِ علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال کو بھی خریدا اور نفوس کو بھی خریدا، حالانکہ سب سے پہلے خریدنے والا تو مکان خریدتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دل کا تذکرہ تو کیا ہی نہیں کہ میں مومن سے اس کا دل خریدتا ہے۔ تو دل کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا؟ یہاں مفسرین نے ایک نکتہ لکھا وہ فرماتے ہیں: دل اللہ رب العزت نے اپنے لئے خاص کرلیا، دل کی مثال وقف کی جائیداد کے مانند ہوتی ہے اور کوئی وقف کی جائیداد بن جائے تو اسے بیچا اور خریدا نہیں جاتا۔ یہ دل بھی کیونکہ وقف کی جائیداد ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے وقف ہو چکا، اس لئے اللہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس

کے سوا بندے کے پاس مال اور جان تھی۔ اللہ نے جنت کے بدلے اس کو بھی خرید لیا ہے۔ میرے بندے دل کا تذکرہ کیا کرنا یہ تو ہے ہی وقف کا مال، یہ تو ہے ہی میرے لئے۔

دل کو اللہ کا گھر کیوں کہا؟

اچھا بھئی! بیت اللہ، اللہ کا گھر ہے، تو کیا اللہ تعالی معاذ اللہ اس کوٹھے کے اندر رہتے ہیں؟ پھر کیوں اس کو بیت اللہ کہتے ہیں؟ اس کو بیت اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالی کی تجلیات ذاتیہ وارد ہوتی ہیں۔ تو اللہ تعالی کی تجلیاتِ ذاتیہ کے وارد ہونے کی وجہ سے اس کو اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اسی طرح مومن جب اس دل کو سنوارتا ہے تو یہ دل بھی اللہ کی گزرگاہ بن جاتا ہے، اس پر بھی اللہ تعالی کی تجلیات ذاتیہ کا ورود ہوتا ہے۔ یہ پھر اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔

دل کے ابرہہ پر لا الٰہ کی کنکریاں

جب اللہ کے گھر پر ابرہہ نے ہاتھی لے کر چڑھائی شروع کی تھی تو پھر اس لشکر کو اللہ نے کس کے ذریعے سے مروایا تھا؟

﴿تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ (الفیل ۴) پرندوں نے کنکریاں پھینکیں اور ان کنکریوں نے اس ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ بالکل اسی طرح آج کے دور میں بھی شیطان کی مثال ابرہہ کی مانند ہے اور یہ اس بیت اللہ کو ہم سے چھیننا چاہتا ہے، اللہ والو! اب تم اس کے اوپر "لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کی کنکریاں کی ایسی بارش کر دو کہ اس شیطان کو کھائے ہوئے بھس کیطرح کر دے۔ اس لئے مشائخ کہتے ہیں: یہ "لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کیا ہوتا ہے؟ شیطان کو کنکریاں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ تو اس گھر کی حفاظت رب کریم نے پرندوں سے کر لی تھی اور ان گھروں کی حفاظت اللہ تعالی اپنے بندوں کے ذریعے فرماتے ہیں۔ ان پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں اور یہ بندے "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی ضربوں سے اس شیطان کے اوپر پتھر اور کنکریوں کو پھینک رہے ہوتے ہیں۔

قلبِ سلیم کی کچھ اور علامات

اس صحت مند قلب کی علامات علما نے کتابوں میں لکھی ہیں۔ کچھ علامات بتائی گئیں اب اور بھی علامات سن لیجئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی یہ پہچان ہے:

☆ ...."اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ" یہ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے بندے کا دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔

☆ .. "وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ" "ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف اس کا رجوع زیادہ ہو جاتا ہے۔

☆.. "وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ" "اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

یہ تینوں نشانیاں اس زندہ دل کی ہوا کرتی ہیں۔ یہ نشانیاں بھی لکھی ہیں کہ انسان کا دل جب زندہ ہوتا ہے تو:

☆.... "وَيَسْتَغْنِيْ بِحُبِّهٖ عَنْ حُبِّ مَاسِوَا" "اللہ رب العزت کی محبت کی وجہ سے، ماسوا کی محبت سے دل کو الگ کر لیتا ہے۔

☆.... "وَبِذِكْرِهٖ عَنْ ذِكْرِ مَاسِوَا" "اللہ کے ذکر کی وجہ سے باقی ذکروں سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے۔

☆.... "وَبِخِدْمَتِهٖ عَنْ خِدْمَةِ مَاسِوَا" "اور اللہ تعالی کی خدمت کی وجہ سے باقی تمام کاموں سے اپنے آپ کو فارغ کر لیتا ہے۔"

ہر وقت اللہ کے دین کے کام میں یہ بندہ آپ کو لگا نظر آئے گا۔

☆ ایک اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے وظائف اور اعمال فوت ہو جائیں تو اس بندے کو اس طرح افسوس اور دکھ ہوتا ہے جس طرح حریص آدمی کو اپنے مال کے ضائع ہونے پر دکھ ہوا کرتا ہے۔ تکبیر اولیٰ فوت ہو جائے تو دکھ ہوتا ہے، کوئی اور ورد وظیفہ رہ جائے تو دکھ ہوتا ہے، دل کو غم ہوتا ہے۔ جس طرح بھوکے کے پیاسے انسان کو روٹی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح قلبِ سلیم رکھنے والے انسان کو عبادت کی طلب محسوس ہوتی ہے۔

☆ ایک اس کی پہچان یہ کہ ایسا دل رکھنے والا انسان اپنے وقت کو اس طرح احتیاط سے خرچ کرتا ہے، جس طرح بخیل انسان اپنے مال کو احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔

☆ ایک ان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نماز میں داخل ہوتے ہی دنیا کے غم ختم اور دل کا سرور شروع ہو جاتا ہے۔ بس اللہ اکبر کہا، تو اللہ اکبر کہتے ہی دنیا کے جھگڑے ختم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل کی ایک نئی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو نماز میں لطف ملتا ہے، یہ نماز سے انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔

☆ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ جس بندے کا دل زندہ ہوتا ہے اس بندے کی پہچان یہ کہ اس کو عمل سے زیادہ عمل کی نیت کی فکر ہوا کرتی ہے کہ میں کس نیت سے عمل کر رہا ہوں۔

☆ اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زندہ دل کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتا ہے اور عبادتیں کر کے بھی یو کہتا ہے:
''مَاعَبَدْنٰکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ'' ''اے اللہ جیسی تیری عبادت کا حق تھا میں ادا نہیں کر سکا، جیسے تیری معرفت کو پانا چاہیے تھا میں پا نہیں سکا۔''

تو یہ زندہ قلب کی علامتیں ہوتی ہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم کوشش کریں کہ ہمارے بیمار دل کا علاج ہو جائے اور ہمارا دل زندہ دل بن جائے۔

دل کے مزے

ایک بات کی سمجھنے کی کوشش فرمائیں! انسان کے مختلف اعضا ہیں، ہر ایک کے ساتھ کچھ لذتیں وابستہ ہیں۔ کچھ لذتیں دیکھنے سے ملتی ہیں، انسان خوبصورت شخصیت کو دیکھے، لباس کو دیکھے، مکان کو دیکھے، سبزہ کو دیکھے، پھول کو دیکھے، دل خوش ہو جاتا ہے۔ دیکھنے سے لذت ملتی ہے۔ ...کچھ لذتیں انسان کو کان کے ذریعے سے ملتی ہیں، جیسے کوئی اچھا قرآن پڑھے تو کانوں میں رس گھل جاتا ہے، دل میں سرور آ جاتا ہے، تو کانوں کے ذریعے بھی لذت ملتی ہے۔... ناک کے ذریعے سے بھی لذت ملتی ہے، مشک کی خوشبو کوئی بندہ سونگھے، کستوری کی خوشبو کوئی سنگھے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔... زبان سے بھی مزے ملتے ہیں،...... اسی طرح کچھ مزے انسان کی شرم گاہ سے وابستہ ہیں اور سب بالغ مرد لطف جانتے ہیں کہ وہ ایسے مزے ہیں کہ بسا اوقات وہ انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔

یہ تمام مزے ان اعضا کے مزے ہیں جو دل کے ماتحت ہیں۔ جب ماتحت اعضا سے ایسے مزے ملتے ہیں تو جوان سب اعضا کا حاکم اور

سردار انسان کا دل ہے، اس سے جو مزے ملیں گے وہ کتنے عظیم ہوں گے۔ اس لئے جس کو دل کے مزے ملنے شروع ہوجاتے ہیں، اس کے لئے دنیا کے مزے بے رونق ہوجاتے ہیں۔ یہ زلفِ فتنہ گر پھر اللہ والوں کی نظر میں دمِ خر بن جاتی ہے۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ ابھی ہمیں وہ مزے ملنے نہیں شروع ہوئے

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہ آشنائی کی لذت بھی بڑی عجیب ہے، بس ذرا ایک مرتبہ دل کے مزے ملنے شروع ہوجائیں، ذکرِ قلبی کے مزے شروع ہوجائیں پھر انسان دنیا کی لذتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

خلاصہ کلام:

تو قلب کی تین قسمیں مردہ دل، بیمار دل اور زندہ دل۔ جب قرآن مجید میں فرمادیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کو نہیں دیکھے گا، فقط دل کو دیکھے گا، فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَااِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ" "اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہاری شکلوں کو اور تمہارے اموال کو" (وہ تمہاری ظاہری خوبصورت اور مال پیسے کو نہیں دیکھتا) وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو" تو جیسے دفتروں میں باس یا افسر نے جس چیز کو دیکھنا ہوتا ہے تو اس کو ذرا سجا کر پیش کرتے ہیں۔ کوئی فائل دیکھنی ہو تو فائل کو بھی ذرا ٹھیک ٹھاک کر کے پیش کرتے ہیں۔ تو جب قیامت کے دن اللہ نے ہی ہمارے دل کو دیکھنا ہے تو آج ہمیں چاہئے کہ آج ہم اس چیز کو صاف کرنے کی محنت کرلیں تاکہ قیامت کے دن ہمارے نجات ہوجائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری قبولیت ہوجائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قلب سلیم عطا فرمائے۔ (خطبات فقیر: ۳۵/۲۷۔۵۸)

☆ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں:

دل تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) ایک دل پہاڑ کی طرح ہوتا ہے جس کوئی چیز زائل نہیں کرسکتی۔ (۲) اور ایک دل کھجور کی مانند ہوتا ہے جس کی جڑ ثابت رہتی ہے اور تنے کو ہوا ہلاتی رہتی ہے۔ (۳) اور ایک دل لہر کی طرح ہوتا ہے جس کو ہوا دائیں بائیں جھکادیتی ہے۔

تشریح: سب سے افضل پہلی قسم کا دل ہے جو نفس وشیطان کی خواہشات کو چھوڑ کر صرف رحمٰن کی خوشنودی طلب کرتا ہے، دوسرے درجے کا دل بھی محمود ہے کہ شیطان کے اثرات کے باوجود اس کی جڑ اور حقیقت اللہ کی اطاعت سے وابستہ رہتی ہے تیسرے دل کے درجہ کو خطرات لاحق ہوتے ہیں کبھی شیطان کی خوشنودی اور کبھی رحمٰن کی خوشنودی طلب کرتا ہے اگر نیک حالت میں موت آگئی تو سبحان اللہ اگر حالت بد میں آگئی تو بڑے خطرے کی بات ہے۔ (طبقات الصوفیہ مترجم اردو: ۸۲۔۸۳)

اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول

دل کی حفاظت اور اصلاح بہت اہم ہے اور اس کا معاملہ بقیہ اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس کا اثر تمام اعضاء پر پڑتا ہے اور پھر اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے۔ اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول بیان کرتا ہوں جن کے مطابق عمل سے انشاء اللہ دل کی اصلاح ہو جائے گی۔

☆ پہلا اصول:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (المومن:۱۹) ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے رازہائے پوشیدہ کو بھی جانتا ہے'' ایک جگہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (الاحزاب:۵۱) ''تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں''۔ ایک مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (پ۱۰، آیۃ۴۳) ''بے شک اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپی باتیں جانتا ہے''۔

اب دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بات کو قرآن مجید میں مکرر ارشاد فرمایا (اس لئے کہ بات دل میں پیوست ہو جائے) اس کا سینے کے راز ہائے پوشیدہ کو جاننا ہی ڈرنے کے لئے کافی ہے۔ وہ عالم الغیوب ہے اور اس کا معاملہ نازک ہے اس لئے کہ تمہارے دل کے رازوں کو وہ جانتا ہے اگر برے اور شیطانی خیالات دل میں چھپے ہوں تو اللہ تعالیٰ سے تمہیں حیا کرنی چاہئے۔

☆ دوسرا اصول

یہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلٰى أَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ'' ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور چہروں مہروں کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو بس تمہارے قلوب ہی کو دیکھتے ہیں''

حدیث بالا کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ رب العالمین کی نظر دل پر ہوتی ہے اب اگر کوئی ظاہری جسم پر توجہ دے اسے صاف کر کے آراستہ کرے تاکہ لوگ اس کے ظاہر پر کوئی عیب نہ دیکھ پائیں لیکن دل کی صفائی کا کوئی اہتمام نہ کرے جو کہ رب العالمین کی نظر کا مقام ہے تو اس پر افسوس وتعجب ہی کیا جا سکتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ صفائی قلب کا اہتمام کرتا اسے آراستہ پیراستہ کرنے کی فکر کرتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے عیوب نظر نہ آئیں۔ لیکن وائے افسوس! کہ وہ تو شیطانی خیالات، گندے وساوس، اور غلاظت کی آماجگاہ ہے اور صرف ظاہری جسم پر توجہ دی جارہی ہے اور مخلوق کی نظر سے اپنے عیوب کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

☆..... تیسرا اصول

یہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور بقیہ اعضاء اس کے رعایا ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اگر سردار اور بادشاہ صحیح اور درست ہو تو تمام رعایا بھی درست رہتی ہے۔ اس کی وضاحت حضور ﷺ کی حدیث ذیل سے ہوتی ہے: ''أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ'' ''جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح

ہوجائے تو تمام جسم درست ہوجائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم فاسد ہوجائے۔ آگاہ ہووہ ''قلب'' ہے۔ تو تمام جسم کی اصلاح جب ''قلب'' پر منحصر ہے تو اس کی اصلاح نہایت ہی ضروری ہے۔

☆...چوتھا اصول

قلب انسانی جواہر کا خزانہ ہے اور ان جواہر میں سب سے اعلیٰ جوہر ''معرفت الٰہی'' ہے جو سعادت دارین کا ذریعہ ہے۔ وہ بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربار خداوندی میں انسان کو بزرگی اور شرافت کا مرتبہ عطا ہوتا ہے اور ایک اور اہم اور اعلیٰ چیز دل سے متعلق اطاعات وعبادات میں ''اخلاص نیت'' ہے جو جزا اور سزا کا مدار ہے۔ اس کے علاوہ دل سے متعلقہ علم وحکمت کے جواہر پارے ہیں جو انسان کے شرف وکمال کی علامت ہیں۔ اخلاق طیبہ اور خصائل حمیدہ ہیں جو انسانی عظمت وفضیلت کا سبب ہیں اس کی مکمل تفصیل کتاب ''اسرار معاملات دین'' میں بیان کردی گئی ہے لہذا جب دل اس قدر گراں اور قیمتی جواہر کا خزانہ ہے تو اس خزانہ کی ہر مصیبت اور آفت سے حفاظت ضروری ہے تاکہ اس کے جواہر خراب نہ ہونے پائیں اور نہ کسی دشمن کا ان پر قبضہ ہوسکے۔

☆......پانچواں اصول

یہ ہے کہ جب میں نے دل کے حالات پر غور کیا تو پانچ باتیں ایسی پائیں جو کسی اور عضو میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱)... دل کی پہلی حالت یہ ہے کہ دشمن ہر وقت اسے گمراہ کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ قلب منزل ہے الہام کی بھی اور وسوسہ کی بھی فرشتہ اور شیطان دونوں اسے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔

(۲)... دوسری بات یہ ہے کہ قلب کو کسی حال میں آرام نہیں ہے۔ عقل اور شہوت دونوں اپنے لشکروں کو اس میں دوڑا رہے ہیں تو قلب ان دونوں کے لئے میدان کارزار ہے اور ان کے باہمی مقابلہ کی منزل ہے لہذا دونوں دشمنوں کے درمیان اس حد کی نگہداشت ضروری ہے۔

(۳)... قلب کی تیسری حالت یہ ہے کہ یہ مستقل عوارض وخطرات میں گھرا ہوا ہے یہ عوارض تیروں کی طرح یا بارش کی طرح اس پر برستے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ کبھی رکتا نہیں جب کہ انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس سلسلہ کو بند کرسکے کیونکہ دل کی کوئی آنکھ تو ہے نہیں کہ خطرہ کے وقت اسے بند کرلیا جائے اور امن کے وقت کھول لیا جائے اور نہ ہی یہ کسی دور دراز تنہائی میں ہے نہ ہی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہے کہ دشمنوں کی زد سے محفوظ رہے اور نہ ہی زبان کی طرح دانتوں اور لبوں کی حفاظت میں ہے کہ اسے بچاسکے بلکہ یہ وساوس وخیالات کی آماجگاہ ہے اور تمہارے اندر ان وساوس کو روکنے کی قدرت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان وساوس وخطرات کو تقویت پہنچتی رہتی ہے اس بناء پر قلب سے متعلقہ وساوس وخطرات کا مقابلہ بہت محنت طلب ہے اور بڑی جدوجہد کا متقاضی ہے۔

(۴)...... قلب کی چوتھی حالت یہ ہے کہ دل بہت جلدی تغیر وتبدل کو قبول کرتا ہے اور جلدی جلدی اس پر مختلف وساوس کا حملہ ہوتا رہتا ہے، بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ دل میں انقلاب آنے میں اتنی بھی دیر نہیں لگتی جتنی ہنڈیا کے ابلنے میں لگتی ہے اور اسے ''قلب'' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر گھڑی منقلب ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی آراء پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اس صورت میں اگر دل لغزش کھا گیا تو بڑی مشکل پیش آئے گی اور اس کا بگاڑ بہت پریشان کن مسئلہ بن جائے گا کیونکہ لغزش قلب اور فساد قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل پھر گناہ کی طرف مائل

ہوجاتا ہے اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ دل پر مہر لگ جاتی ہے کفر کی۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''شیطان نے انکار کیا (سجدہ سے) اور تکبر وغرور کیا اور کفار میں سے ہوگیا'' اس قلب میں استکبار اور غرور پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے حکم الٰہی سے روگردانی کی۔دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''لیکن وہ تو زمین پر لوٹ پوٹ ہوگیا اور اپنی خواہش کا اتباع کرنے لگا'' آیت مذکورہ میں اس کے دل میں خواہش نفس کی اتباع کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک بدترین گناہ میں مبتلا ہوگیا۔ایک جگہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (...) ''اور ہم پلٹ ''بھی'' دیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کو لیکن جس طرح وہ پہلے اس قرآن کریم پر ایمان نہیں لائے تھے ایسے ہی اب بھی نہ لائیں گے۔اور ہم انہیں اس کی سرکشی میں اندھے مست چھوڑ دیں گے۔

اے عزیز! اسی وجہ سے جو اہل اللہ حضرات ہیں وہ دل کے معاملہ میں نہایت ہوشیار رہتے ہیں اور گریہ وزاری کرکے اس کی اصلاح کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے: ﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (النور۔۳۷) ''وہ ڈرتے ہیں اس دن کی (ہیبت) سے جس دن کہ دل اور آنکھیں پلٹ دی جاویں گی۔اللہ تعالیٰ اس سے عبرت پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے وھو ارحم الراحمین.

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دل کی اصلاح کا معاملہ اس قدر اہم ہے تو اس کی اصلاح کیے لئے جو اصول اختیار کرنے چاہئیں اور اسکی جو آفات و مہلکات ہیں اور وہ امور جو خرابی قلب کا سبب بنتے ہیں ان کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا ہیں؟

جان لیجئے کہ اصلاح قلب کے بہت سے اسباب ہیں۔اور اس رسالہ میں ان کی تفصیل ذکر کرنا ممکن نہیں ہے لیکن مشائخ اس کی تفصیل میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے اور دل کی اصلاح کے لئے نوے خصائل حمیدہ اور اتنے ہی اخلاق وخصائل رذیلہ بیان کئے ہیں جو فساد قلب کا باعث ہیں۔اور پھر اصلاح سے متعلقہ امور اور اس طریقہ کار اور قابل احتراز باتوں کو بیان فرمایا ہے۔اگرچہ یہ بہت تفصیلی مباحث ہیں لیکن خدا کی قسم دین کی اہمیت جس کے دل میں ہے اور وہ خواب غفلت میں گرفتار نہیں ہے اور بیداری کے ساتھ اپنی آخرت کی فکر کے کاموں میں لگا ہوا ہے تو اس کے لئے ان تمام تفصیلات کو جاننا اتنا مشکل نہیں ہوگا۔

اس کی تفصیل حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی کی کتاب'' احیاء علوم الدین ''اور ''اسرار معاملات دین'' اور منهاج العابدین میں ملاحظہ فرمائیں۔علامہ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ: پہلے دو کتابوں سے وہ لوگ استفادہ کرسکتے ہیں جو'' راسخین فی العلم'' ہوں اور تیسری کتاب میں ہم نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو ہر مبتدی ومنتہی، قوی وضعیف سب کے لئے یکساں مفید ہو اور اس میں زیادہ باریکی اور گہرائی کی باتیں نہیں بیان کیں۔

علاج قلب کے سلسلہ میں خوب غور وفکر کے بعد اس کی اصلاح کے لئے چار اصول ہمیں معلوم ہوئے اور اسی طرح فساد قلب کے بھی چار اصول معلوم ہوئے جو زاہدین وعابدین کے لئے فتنہ، نفس کے لئے ایک مصیبت اور اصلاح میں رکاوٹ بنتے ہیں اور دل کو بربادی تک پہنچا دیتے ہیں جب کہ چار اور اصول ان کے مقابلہ میں ہیں جو عبادت واطاعت اور اصلاح قلب میں ممد ومعاون ہیں۔

فسادقلب سے متعلق چار اصول

فسادقلب سے متعلق چار اصول یہ ہیں:(۱)..... دنیا کی امید(۲).. عبادات میں جلد بازی(۳).. حسد(۴) تکبر۔

اصلاح قلب سے متعلق چار اصول

اصلاح قلب سے متعلق چار اصول یہ ہیں:(۱)... امید منقطع کرنا(۲)... معاملات وعبادات میں تحمل وبردباری(۳)... خلق خدا سے خیرخواہی(۴)... اور دل میں تواضع اور انکساری پیدا کرنا۔

یہ آٹھ اصول ہیں جن پر قلب کی اصلاح وفساد کا دارمدار ہے۔لہٰذا اسباب فساد سے بچ کر اصول اصلاح کو اختیار کرکے آخرت کی ہلاکت وبربادی سے محفوظ رہنے کی فکر کریں اور منزل مقصود پر پہنچ جائیں، آگے ان اصولوں کی مختصر اور جامع شرح بیان کی جاتی ہے۔

طول امل کا بیان

دنیا کی راہ میں طویل امیدیں وابستہ رکھنا نیکی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے یہ ایک لاعلاج اور متعدی مرض ہے جو لوگوں کو دوسری آفات وامراض میں مبتلا کردیتا ہے۔

طول امل سے چار چیزیں زیادہ ہوجائیں گے

جب تم طویل امیدوں میں گھیر جاؤ گے تو چار چیزیں زیادہ ہوجائیں گے۔

(۱)..... ایک تو عبادت کا ترک آسان اور عبادت کرنے میں سستی پیدا ہوگی اور عبادت کے وقت دل یہ کہے گا کہ کچھ دیر میں کرلیں گے ایسی کیا جلدی پڑی ہے بس عبادت کا موقع ضائع نہیں کروں گا۔

حضرت داؤدطائیؒ فرماتے ہیں: ''مَنْ خَافَ الْوَعِيْدَ قَرُبَ عَلَيْهِ الْبَعِيْدُ وَمَنْ طَالَ اَمَلُهُ سَآءَ عَمَلُهُ'' ''جوشخص وعید خداوندی سے ڈرتا ہے اسے دور کی باتیں بھی قریب محسوس ہوتی ہیں اور جو طویل اور لمبی امیدوں اور تمناؤں میں کھو جاتا ہے اس کا عمل بیکار ہوجاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں: '' اَلْاَمَلُ قَاطِعٌ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ، وَالطَّمْعُ مَانِعٌ مِنْ كُلِّ حَقٍّ، وَالصَّبْرُ صَائِرٌ اِلٰى كُلِّ خَيْرٍ، وَالنَّفْسُ دَاعِيَةٌ اِلٰى كُلِّ شَرٍّ'' ''دنیا کے بارے میں بڑی بڑی آمیدیں ہر خیر سے منقطع کردیتی ہیں اور لالچ وحرص ہر حق بات کو قبول کرنے سے روکتا ہے اور صبر ہر خیر کی طرف لے جاتا ہے جب کہ نفس ہر برائی کی دعوت دیتا ہے۔

(۲)..... امل میں زیادتی کرنے والی دوسری چیز ''ترک توبہ'' ہے اس کی وجہ سے انسان توبہ میں تاخیر سے کام لیتا ہے دل میں کہتا ہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے توبہ کرلوں گا ابھی تو میں جوان ہوں کم عمری ہے یہ تو اپنے اختیار کی بات ہے جب چاہے توبہ کرلوں گا اس قسم کے بیکار خیالات میں پڑ کر اصلاح احوال سے غافل ہوجاتا ہے اور اچانک موت کا کوڑا اسے اچک لیتا ہے۔اور''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ'' کا مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔

(۳) طول امل کی زیادتی کی تیسری وجہ ''مال و دولت کی حرص'' ہے اس نشے میں انسان آخرت سے غافل ہوکر دنیا کے معاملات میں منہمک ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو یوں بہلاتا ہے کہ شاید بڑھاپے میں احتیاج بڑھ جائے اور پھر اس وقت کمزوری اور ضعیف العمری کے باعث کمانے پر قادر نہ ہوں لہذا ازضرورت مال جمع کرلوں تا کہ بڑھاپے اور بیماری میں کام آئے۔

غرض اس قسم کے سینکڑوں خیالات وتوہمات دنیا کی رغبت، مال کی حرص، اور مزید کی محبت اور موجودہ کا بخل اس میں پیدا کردیتے ہیں اور وہ ان امیدوں میں پھنس کر اپنا قیمتی وقت اور عمر عزیز ان کی نذر کر بیٹھتا ہے اور لغو بیہودہ آلام وتفکرات اسے لاحق ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے: ''قَتَلَنِیْ هَمّ یَوْمٍ لَمْ اُدْرِکْهُ قِیْلَ وَکَیْفَ ذَالِکَ یَااَبَاذَرٍ؟ قَالَ اِنَّ اَمَلِیْ جَاوَزَ اَجَلِیْ'' ''آنے والے ایام کی فکر نے مجھے مار ڈالا ہے لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ میری طویل امیدیں اور تمنائیں میری موت سے تجاوز کر چکی ہیں۔

(۴) امیدوں اور تمناؤں میں اضافہ کی ایک چوتھی وجہ یہ بھی کہ دل میں سختی اور آخرت سے غفلت اسے لمبی امیدوں میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ جب انسان کو عیش وآرام کے واسطے تمنائیں ہونے لگتی ہیں تو موت اسے بھول جاتی ہے قبر کا گڑھا یاد نہیں رہتا۔

''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِثْنَتَانِ طُوْلُ الْاَمَلِ وَاِتِّبَاعُ الْهَویٰ اَلَا وَاِنَّ طُوْلَ الْاَمَلِ یُنْسِی الْآخِرَۃَ وَاِتِّبَاعُ الْهَویٰ یَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ'' ''تم لوگوں پر جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے وہ دو ہیں ایک طول امل اور دوسری خواہش نفسانی کی اتباع، یاد رکھو طول امل تو آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور نفسانی خواہشات کی اتباع حق بات کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔

جن انسان طول امل کا شکار ہو جاتا ہے تو اسکی تمام تر توجہات اور خیالات کا مرکز دنیا اور اس کے عیش وتنعم کے اسباب بن جاتے ہیں، عوام سے اختلاط بڑھ جاتا ہے، قلب پر قساوت چھا جاتی ہے کیونکہ قلب تو فکر آخرت، ذکر موت اور قبر کی تنہائی یاد رکھنے سے نرم ہوتا ہے۔ آخرت کے عذاب وثواب کی فکر اور وہاں کے وحشتناک واقعات کی یاد سے ہی دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔

حسد کا بیان

حسد نیکیوں کو تباہ وبرباد کرتا اور گناہوں پر ابھارتا ہے یہ بڑا ہی بدترین مرض ہے جس میں اکثر بڑے بڑے علماء قراء، حضرات بھی مبتلا ہیں عوام الناس اور جہلاء کا تو ذکر ہی کیا۔ اس نے ہلاکت وبربادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

''سِتَّةٌ یَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِسِتَّةٍ اَلْعَرَبُ بِالْعَصَبِیَّةِ، وَالْاُمَرَاءُ بِالْجَوْرِ، وَالدَّهَاقِیْنُ بِالْکِبْرِ، وَالتُّجَّارُ بِالْخِیَانَةِ، وَاَهْلُ الرَّسَاتِیْقِ بِالْجَهْلِ، وَالْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ'' چھ طرح کے لوگ چھ وجوہات سے جہنم میں داخل ہوں گے اہل عرب تعصب کی وجہ سے، مالدار لوگ ظلم وجور کی وجہ سے، سردار اور وڈیرے تکبر کی وجہ سے، تاجر برادری خیانت کی وجہ سے، اور دیہاتی لوگ جہالت کی وجہ سے اور علماء حسد کی وجہ سے۔ تو جو مصیبت علماء کو بھی جہنم میں لیجانے کا باعث ہو اس سے بچنا تو نہایت ہی ضروری ہے۔

حسد کی وجہ سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

جان لوں کہ حسد کی وجہ سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

(۱)... عبادت میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا قول ہے: "اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ" "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔"

حاسد کی تین علامات

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حاسد کی تین علامات ہیں: (الف)... جب سامنے آئے تو خوشامد کرے۔ (ب) پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ (ج)..... کسی دوسرے کی تکلیف پر خوش ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ حسد کی برائی کا سب سے بڑا اور واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے فرمایا: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ (فلق:۵) "اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرنے لگے پناہ مانگتا ہوں"۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے حاسد کے حسد کو شیطان اور جادوگر کے ساتھ ذکر فرمایا اور ان سب سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ اب خود اندازہ کرلو کہ حسد کس قدر برا اور خراب عمل ہے اور اسی واسطے اس کی برائی سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری مدد طلب کرو اور میری پناہ پکڑو۔

(۳)... حسد سے تیسری خرابی جو پیدا ہوتی ہے وہ بلاوجہ کے غم و آلام کا پیش آنا ہے بلکہ اس کیساتھ ساتھ طبیعت پر بوجھ اور گناہ کی رغبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

☆..... ابن سماکؒ فرماتے ہیں کہ: "لَمْ اَرَ ظَالِمًا اَشْبَهَ بِالْمَظْلُوْمِ مِنَ الْحَاسِدِ، نَفَسٌ اَلِمٌ وَعَقْلٌ هَائِمٌ وَ غَمٌّ لَازِمٌ" "میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو مظلوم سے مشابہ نہیں پایا ہے۔ جب دیکھو ہمہ وقت افسردگی اس پر غالب رہتی ہے عقل اڑی اڑی رہتی ہے اور متعدد غم و آلام ہمہ وقت لاحق رہتے ہیں۔

(۴)...... حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان کا دل بصیرت سے خالی ہوجاتا ہے اور کسی بھی حکم الٰہی کو سوچنے سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے: ہمیشہ خاموشی اور سکوت اختیار کرو، تقویٰ اور بزرگی پیدا ہوگی، حریص نہ بنو تاکہ فتنوں سے محفوظ رہو، نکتہ چینی سے احتراز کرو تاکہ دوسروں کے طعن و تشنیع سے محفوظ رہو، حسد نہ کرو تاکہ بصیرت اور فہم و ذکاوت حاصل ہو۔"

(۵)... حسد کی پانچویں خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوتی اور انسان ذلیل و خوار ہوکر رہ جاتا ہے نہ دشمن پر غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں: "کینہ پرور کبھی دیندار نہیں ہوسکتا، عیب جوئی کرنے والا عابد و زاہد نہیں ہوسکتا اور چغل خوری کرنے والا چین سے نہیں رہ سکتا جبکہ حاسد اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے محروم کردیا جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ حاسد ہرگز اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مخلوق سے اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتیں سلب ہوکر مجھے نصیب ہوجائیں اور ناممکن ہے اس طرح وہ اپنے دشمنوں پر بھی فتح یاب نہیں ہوسکتا کیونکہ جو اس کے دشمن ہوتے ہیں وہ تو درحقیقت خدا کی محبوب بندے ہوتے ہیں۔

عجلت اور جلد بازی

عجلت اور جلد بازی گناہوں میں مبتلا کر کے نیک مقاصد کو ختم کر دیتی ہے اس کے مضر اثرات چار طرح کے ہوتے ہیں۔

جلد بازی سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

(۱) پہلی خرابی تو یہ پیدا ہوتی ہے کہ راہ عبادت پر چلنے والا جب بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور استقامت کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو عموماً جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی کے علم میں اس کے لئے ابھی اس مقام استقامت کے حصول کا وقت نہیں ہوتا لہذا جب وہ مقام مرتبہ نہیں ملتا تو یا اس بناء پر اس کی عبادت میں سستی اور غفلت پیدا ہوتی ہے جو ترک مجاہدہ تک منتج ہوتی ہے اور ریاضت ومجاہدہ میں اس قدر افراط پیدا ہوجاتا ہے کہ غلو اور افراط کے باعث وہ اس بلند مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتا۔ اور افراط تفریط دونوں میں خرابیاں جلد بازی کے نتائج ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: '' ان ديننا هذا متين فأوغل فيه برفقٍ فان المنبت لا ارضاً قطع ولا تظهر ابقى''
''ہمارا مذہب اور دین بہت متانت اور وقار والا ہے اس لئے اس کو نرمی اور متانت سے ہی حاصل کرو کیونکہ کسان (فصل کاٹتے وقت) نہ زمین کو مکمل ادھیڑتا ہے اور نہ ہی اس کی سطح کو پہلے کی طرح رہنے دیتا ہے (بلکہ کچھ ہل چلا کر قابل کاشت کرتا ہے)
عربی کا مشہور مقولہ ہے: ''ان لم تستعجل تصل'' ''اگر جلد بازی سے کام نہیں لوگے تو منزل تک پہنچ جاؤ گے''

(۲) دوسری خرابی یہ ہے کہ بعض اوقات سالک اپنی ضروریات وحوائج کے لئے خدا تعالی سے دعا وزاری کرتا ہے اور خوب اہتمام سے دعا کرتا ہے اور پھر اس کی جلدی قبول ہونے کی آرزو لگا بیٹھتا ہے۔ لیکن علم الٰہی میں وہ قبولیت دعا کا موقع نہیں ہوتا اور دعا کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے تو قبولیت دعا میں تاخیر ہونے کی بنا پر وہ سالک دل برداشتہ ہوکر مجاہدہ کی کوشش کو ترک کر دیتا ہے اور دعا بھی چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح اپنے مقصد سے دور ہوجاتا ہے۔

(۳) عجلت کی تیسری خرابی یہ ہے کہ بسا اوقات سالک راہ عبادت میں کسی مسلمان کی اذیت سے مجبور ہوکر غصہ میں اس کے لئے بددعا کر دیتا ہے اور اس کی بددعاء سے وہ مسلمان ہلاک ہوجاتا ہے، تو اس صورت میں وہ کیونکہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو (آخرت کے اعتبار سے) ہلاکت اس کا نصیب بن جاتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ: ﴿وَيَدْعُ الإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الإِنسَانُ عَجُولاً﴾ (بنی اسرائیل:۱۱) ''انسان (تکلیف میں) بددعائیں کرنے لگتا ہے جیسے (خوشحالی میں) خیر مانگتا تھا۔ اور انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔''

(۴) اور اس کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ عبادت کی اصل حقیقت ''ورع وتقویٰ'' ہے اور اس کا حصول موقوف ہے تمام معاملات میں خوب غور وفکر اور دقت نظر پر لیکن جلد بازی اور غیر متحمل مزاج انسان کسی بھی معاملہ میں بردباری اور تحمل کا اظہار نہیں کرتا اور غور وفکر کے بجائے ہر کام

کے انجام میں جلد بازی سے کام لیتا ہے جب وہ اس قدر عجلت کرے گا تو یقیناً ٹھوکر کھائے گا اور کھانے پینے اور بقیہ تمام امور میں بھی عجلت کرے گا اور یہ عمل اس کے لئے نقصان دہ ہوگا کیونکہ جلد بازی کی وجہ سے بعض اوقات حرام غذا بھی استعمال کرے گا جس کی بناء پر اس کا تقوی اور ورع ختم ہو جائے گا اور جب عبادت میں ''تقویٰ'' ہی نہ رہے تو وہ بیکار ہے تو جس مصیبت کی وجہ سے انسان اپنے ورع وتقویٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے خیر کے اعلیٰ درجات سے محروم رہ جائے اور حوائج ضروریہ کے حصول میں ناکام رہے اور اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنے تو ایسی خرابی کا فوری ازالہ اور اس کے بعد اصلاح نفس بہت ضروری ہے۔

کبر کا بیان

تکبر اور بڑائی نیکی اور حسنات کے نام ونشان تک کو ختم کر دیتی ہے اعمال دینیہ کو نقصان پہنچانے والے تمام مفاسد میں سب سے خطرناک مفسدہ ''تکبر'' ہے کیونکہ یہ مفسدہ براہ راست عقائد واصول دین پر حملہ کرتا ہے اور جب یہ مرض بڑھ جائے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں اور خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور کم از کم چار خرابیاں تو پیدا ہو ہی جاتی ہیں۔

تکبر سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

(۱) ..... حق وصداقت سے محرومی، معرفت الٰہی کی آیات سے دل کا اندھا ہو جانا اور فہم دین سے ذہن کند ہو جانا تو سب سے بڑی خرابی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ ''میں عنقریب اپنی آیات (کے سمجھنے) سے ناحق زمین میں تکبر کرنے والوں دور کر دونگا''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (المؤمن ۳۵) ''اس طرح اللہ تعالیٰ ہر سرکش اور متکبر کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں''۔

(۲) ..... تکبر کی دوسری برائی یہ ہے کہ متکبر پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور قہر نازل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے''۔

روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ اے مالک! آپ کی ناراضگی اور غصہ کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ تَکَبَّرَ قَلْبُہٗ، وَغَلَظَ لِسَانُہٗ، وَصَفِقَ عَیْنُہٗ، وَبَخِلَتْ یَدُہٗ، وَسَاءَ خُلُقُہٗ'' ''جس کا قلب تکبر سے بھرا ہوا اور زبان جس کی غلاظت آلودہ ہو (گالیاں بکنے والی زبان) اور جس کی آنکھوں میں حیا کا پانی نہ ہو اور جسکے ہاتھ کنجوس اور بخیل ہوں اور جو بد اخلاق والا ہو۔

(۳) ..... تکبر سے تیسری خرابی جو پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں متکبر کو ذلیل ورسوا فرمائیں گے۔

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں: تکبر، حرص، اور غرور کی حالتوں پر اپنے آپ کو موت نہ آنے دو کیونکہ متکبر کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک اسے اپنے اہل وعیال اور خدام سے ہی ذلیل وخوار کر کے نہ دکھلا دیں۔ اور حریص کو اس وقت موت نہیں دیتے جب تک اسے روٹی

کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک گھونٹ کیلئے تڑپا نہ لے۔ اور غرور کرنے والے کو اس وقت تک موت نہیں دیتے جب تک اسے اس کے پیشاب دپاخانہ میں آلودہ کر کے ذلیل نہ کردے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالی متکبر کو ضرور ذلیل وخوار کرتے ہیں۔

(۴) .. متکبر پر چوتھی آفت یہ پڑتی ہے کہ وہ آخرت میں نار جہنم کا مستحق ہوگا۔

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: "اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ إِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْ وَاحِدٍ مِنْهَا اَدْخَلْتُهُ نَارَ جَهَنَّمَ" کہ کبریائی میری چادر ہے اور بزرگی وعظمت میرا ازار ہے پس جو بھی مجھ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے دوزخ کی آگ میں داخل کرونگا۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کبریائی اور عظمت و بڑائی اللہ تعالی کی مخصوص صفات میں سے ہیں اور کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا جو چیز معرفت الہیہ کے زوال اور احکام الہیہ کے فہم سے محرومی کا سبب بنے اور رب العالمین کی ناراضگی دنیا وآخرت میں ذلت وخواری اور عذاب الیم کا باعث ہو ایسی خطرناک اور مہلک آفت سے بچنا نہایت ضروری ہے کوئی عقلمند شخص اتنے مضر اور نقصان دہ چیز سے غفلت برت نہیں سکتا۔ لہذا اس نقصان دہ چیز سے بچ کر اللہ تعالی کی پناہ پکڑنے کی فکر کرنا چاہئے۔

یہ مختصر سی تفصیل آفات اربعہ کی بیان کی گئی۔ اور اہل دانش اور عقلمند لوگ جنہیں اپنے قلب کی اصلاح کی اہمیت کا علم ہے ان کے نزدیک ان آفات اربعہ میں سے ہر ایک آفت نہایت خطرناک ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى وَلِيُّ الْعِصْمَةِ وَالتَّوْفِيْقِ۔

اب تک تو ہم نے ان آفات اربعہ کی برائی اور خرابی کو بیان کیا ہے۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ امراض قلب اتنے مضر ہیں اور ان سے بچاؤ نہایت ضروری ہے تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان آفات کی حقیقت اور ماہیت کو پہچان لیں اور پھر ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی جان لیں لہذا اب ہم ان آفات اربعہ کی حقیقت ہیت اور ان سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر بیان کرتے ہیں۔

اگر چہ یہ بڑا تفصیلی موضوع ہے اور اسکی تمام تفصیل "احیاء العلوم" اور "اسرار معاملات دین" میں ملاحظہ فرمائیں۔ لہذا یہاں صرف انتہائی ضروری گفتگو کریں گے۔

امل کی حقیقت

☆ .. طول امل اور قصر امل کے درمیان فرق

اکثر علماء کرام کے نزدیک طویل العمری کا یقین "امل" کہلاتا ہے اور اگر دل میں ایسا خیال نہ ہو بلکہ یہ یقین دل میں جاگزیں ہو جائے کہ میری زندگی اور موت اللہ تعالی کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے مجھے تو بس اس دنیا میں (جب تک زندگی ہے) اعمال صالحہ کی فکر کرنی چاہئے تو اس خیال ویقین کو "قصر امل" کہا جاتا ہے یعنی اپنی امیدوں کو کم کرنا، اگر کوئی یہ خیال رکھے کہ میں اس سانس کے بعد اگلے سانس تک ضرور زندہ ہوں گا تو ایسے شخص کو "طول امل" (لمبی امیدوں سے وابستہ) کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ ویقین گناہ ہے کیونکہ یہ تو ایک خفیہ معاملہ کی خبر دینا ہے ہاں اگر کوئی اپنی حیات کو اللہ تعالی کے علم ومشیت اور ارادہ سے مقید کرلے اور کہے کہ میں انشاء اللہ زندہ رہونگا تو یہ صحیح ہے اور ایسے شخص کو "تارک امل" کہا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی نیک تمناؤں کے ساتھ طویل زندگی کی امید رکھے تو یہ طول امل نہیں ہے بلکہ

ایسا شخص قاصر الامل کہلائے کیونکہ یہ کسی ایک معاملہ پر حکم قطعی نہیں لگا رہا ہے بس تمہیں بھی یہی روش اختیار کرنی چاہئے اور ہمہ وقت طول امل کے برے انجام کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

امل کے اقسام

☆...... امید اور امل کی دو قسمیں ہیں: (۱)...... امل العوام (عوام کی امید)۔ (۲)......امل الخواص (خواص کی امید)

☆......امل العوام: عام لوگوں کی امیدیں تو یہ ہیں: اسباب دنیا جمع کرنے کی آرزو، عمر دراز تک زندہ رہنے کے پروگرام وغیرہ یہ اور اس قسم کی امیدیں بالکل گناہ ہیں اور اس کے برخلاف ثواب یہ ہے کہ انسان معاملات دنیا سے متعلقہ امیدیں کم کرے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (الحجر:۳)

"(آپ ﷺ) ان مغفل بے خبر لوگوں کو چھوڑ دیں (ان کے حال پر) کہ وہ کھاتے پیتے رہیں اور دنیا سے لطف اندوز ہوتے رہیں، یہ آرزوؤں اور امیدوں میں پڑے ہوئے ہیں تو عنقریب انہیں (حقائق کا) علم ہو جائے گا۔

☆......امل الخواص: جبکہ خواص کی امید اور امل یہ ہے کہ انسان نیک اعمال کرنے میں زندگی کی آس وامید لگائے بیٹھا رہے اور انمیں خطرہ زیادہ اور درستی کی امید کم ہو۔

بسا اوقات انسان کے سامنے ایک متعین عمل ہوتا ہے لیکن اسے کرنے کی استعداد سے وہ محروم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اس میں عجب وریا کاری کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے اس واسطے کسی نیک عمل کو کرتے وقت مثلاً: نماز، روزہ یا کوئی اور عمل کرتے وقت اسے پورا کرنے کا یقین اور اعتقاد دل میں پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک مخفی امر پر حکم قطعی لگانا ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ درست طریقہ یہ ہے کہ بندہ ہر نیک عمل کی ابتداء میں یہ خیال کرے کہ اگر میرے لئے یہ کام مناسب اور میرے حق میں بہتر ہو تو اللہ تعالی مجھے اس کے کرنے اور تکمیل تک پہنچانے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے یا یوں کہے کہ انشاء اللہ میں اس کام کو کروں گا یا اس کی تکمیل کو مشیت الہی پر موقوف ومنحصر کردے اور ان قیود کا لحاظ طول امل سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا (23) إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ (الکہف:۲۴) "اور آپ ہرگز کسی کام کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل ضرور کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالی چاہیں۔"

علماء کرام فرماتے ہیں کہ "طول امل" کے مقابلہ میں مجازی طور پر نیت حسنہ کو پیش کیا کیونکہ اکثر وبیشتر صحیح نیت والا انسان طول امل سے احتراز کرتا ہے اور نیت محمودہ کی ضرورت کی وجہ سے اس کی معرفت بھی ضروری ہے لہذا علماء نے اس کی ایک جامع تعریف یوں بیان کی ہے کہ "کسی عمل صالح کی ابتداء پختہ عزم اور اس اعتقاد کیساتھ کرنا کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ اس کی تکمیل واختتام پر موقوف ہے"۔

......سوال: اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمل صالح کی ابتداء تو عزم صمیم سے کی جائے لیکن اس کے اختتام کو مشیت الہی پر کیوں معلق کیا جائے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب اس عمل کی تکمیل الہی پر موقوف ہے تو اس کی ابتداء کو بھی مشیت الہی پر چھوڑ دینا چاہئے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں عزم صمیم کرنا اس لئے صحیح ہے کہ ابھی تو کام کا وجود ہی نہیں ہے تو ریاء وعجب کا اندیشہ بھی نہیں رہا لیکن ان کے اختتام کے وقت تو نیکی کا عمل وجود میں آجاتا ہے تو اس وقت دو شدید خطرات پیدا ہو جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کی تکمیل میں کر سکوں یا نہ کر سکوں۔ دوسرا یہ کہ دوران عمل یا انتہاء عمل میں ریا اور کبر نہ پیدا ہو جائے اور عمل ضائع ہو جائے تو مذکورہ بالا خطرات سے بچنے کیلئے انشاء اللہ کہنا اور مشیت الٰہی پر موقوف کرنا ضروری ہے انشاء اللہ تو اس کی تکمیل کی خاطر اور مشیت الٰہی پر موقوف کرنا اس عمل کے ریا وغیرہ سے بچنے کی خاطر ہوگا، تو تمام اعمال صالحہ کیلئے اس ارادہ کرنے کو ''نیت محمودہ'' کہا جاتا ہے۔

پھر اے عزیز! یہ بھی جان لو کہ ''طول امل'' سے بچنے اور ''قصر امل'' کے اختیار کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ انسان ہمہ وقت موت کو یاد رکھے اور موت کو یاد رکھنے کے لئے اچانک موت کا خیال غفلت اور لاپروائی میں بے خبر کے عالم میں موت کا خیال رانا ضروری ہے۔

یہ تمام باتیں ذہن نشین کرنا نہایت ہی ضروری ہے تاکہ تمہارا وقت بلاوجہ فضول گفتگو اور قیل قال میں صرف نہ ہو جائے اور اختلاط عوام کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے۔

حسد کی حقیقت

کسی مسلمان سے اس کی بھلائی اور بہتری والے انعامات کے چھن جانے کی تمنا اور آرزو کرنا ''حسد'' کہلاتا ہے۔

لیکن اگر چھننے کی تمنا نہ ہو بلکہ یہ تمنا ہو کہ وہ نعمت اس سے چھنے بغیر مجھے بھی نصیب ہو جائے تو اسے ''غبطہ'' کہتے ہیں جسے اردو میں رشک کہا جاتا ہے اور یہ حسد نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کے اس قول کہ'' دو چیزوں کے علاوہ کسی میں حسد جائز نہیں'' میں حسد سے مراد ''غبطہ'' ہی ہے اور آپ ﷺ نے مجازاً غبطہ کے حسد سے تعبیر فرمادیا کیونکہ معنی دونوں کے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

اور اگر کسی ایسی نعمت کے چھننے کی تمنا کرے جو اس مسلمان بھائی کے لئے مناسب اور بہتر نہ ہو تو اس تمنا اور ارادہ کا نام ''غیرت'' ہے اور یہی فرق ہے حسد، غبطہ، اور غیرت میں اور ''حسد'' کے مقابل لفظ ''نصیحت'' ہے خیر خواہی یعنی اس نعمت کی بقا کی تمنا ''نصیحت'' کہلاتی ہے۔

اب یہ معلوم ہونا کہ مسلمان کے پاس جو نعمت ہے اس کے لئے خیر ہے یہ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ نصیحت یا حسد کرنے کے لئے اس کا علم ہونا چاہئے تو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بسا اوقات ہمیں کسی کام کے یا نعمت کے بارے میں غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ کام مسلمان بھائی کے لئے بہتر ہے تو اس صورت میں نصیحت پہ عمل کرنا چاہئے اور اگر اس نعمت کے خیر ہونے کا پتہ نہ چلے تو بھی اس کے ضائع ہونے یا چھن جانے کی تمنا جائز نہیں بلکہ اسے علم الٰہی کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ اور حسد سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ نصیحت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان تاکیدی احکامات کو یاد کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے مودت اور دوستی کے بیان فرمائے ہیں اور اس کے لئے اسے چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کا تصور کرے اس کی جان، اس کے مال کی حرمت نگاہ میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ کتنی حرمت والا ہے اور یہ خیال رکھے کہ دنیا میں مسلمانوں کیساتھ تعاون، مدد اور ان کے اجتماعات میں شرکت میں (آخرت کے) کیا فوائد عظیم ہیں اور سب سے اہم فائدہ تو یہ ہے کہ مسلمان آخرت میں ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔ لہٰذا اس قسم کے خیالات سے اپنے آپ کو مسلمان بھائی کے حسد وکینہ سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

عجلت کی حقیقت

عجلت اصل میں ایک جذبہ دل میں موجود ہوتا ہے جو انسان کو بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اس کے بالمقابل ''انائت'' ہے یعنی بردباری اور تحمل سے کام کرنا اور یہ ایسے جذبہ کو کہتے ہیں جو تمام معاملات کو غور وفکر اور اہتمام سے کرنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے اور ایک صفت ''توقف'' ہے اس کے مقابلہ میں ایک صفت ''تعسف'' ہے۔ (توقف اور انائت دونوں تقریباً مترادف المعنی ہیں اور عجلت وتعسف بھی مترادف ہیں) میرے شیخ (شیخ امام غزالیؒ) نے توقف اور انائت کے درمیان ایک فرق بیان کیا ہے وہ یہ کہ کسی بھی کام سے پہلے غور وفکر کرنے کو ''توقف'' کہتے ہیں۔ اور کسی کام کے شروع کرنے کے بعد اس میں میانہ روی اور تحمل اختیار کرنے کو ''انائت'' کہتے ہیں۔

دل میں ''انائت'' پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان عجلت اور جلد بازی کے نقصانات اور خرابیوں کا تصور کرے اور تعسف کی وجہ سے کسی بھی معاملہ میں جو ندامت وشرمندگی بعد میں اٹھانا پڑے گی اس کو سوچے اس طرح انشاءاللہ توقف اور تحمل کا وصف دل میں پیدا ہو جائے گا اور عجلت پسندی بھی ختم ہو جائے گی۔

کبر کی حقیقت

اپنے نفس کو بڑا اور بلند خیال کرنے کو ''تکبر'' کہا جاتا ہے جب کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر اور حقیر خیال کرنا ''تواضع وانکساری'' کہلاتا ہے۔

تکبر اور تواضع کے اقسام

پھر تکبر وتواضع دونوں کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... تکبر عام (۲) تکبر خاص (۳) تواضع عام (۴) تواضع خاص۔

☆.....تواضع عام: تو یہ ہے کہ انسان بہت ہی معمولی معیار کے لباس، مکان اور سواری اختیار کرے اور دنیا کے اسباب میں کم معیار پر قائم رہے۔

☆..... تکبر عام: اس کے بالکل متضاد ہے کہ انسان رہائش، لباس، سواری وغیرہ میں اعلیٰ وارفع معیار اور امتیازی حیثیت رکھے۔

☆.....تواضع خاص: یہ ہے کہ انسان نفس کو مغلوب کر کے اسے متبع حق بنانے کی کوشش کرے۔

☆.....تکبر خاص: یہ ہے کہ انسان نفس کو آزاد چھوڑ دے اور یہ تکبر گناہ ہے۔

پھر تواضع عام کو اپنے دل میں پختہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت اپنی اصل اور اپنی پیدائش وموت کے وقت کی پریشانیوں اور گندگیوں کو یاد رکھے۔

ایک بزرگؒ نے فرمایا: ''اَوَّلُکَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَاٰخِرُکَ جِیْفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ فِیْمَا بَیْنَهُمَا حَامِلُ الْعَذِرَةِ'' کہ تیرا ابتدا اور اصل

تو یہ ہے کہ تو رحم مادر میں پڑا ہوا ایک گندا قطرہ ہے اور انتہا اور انجام تیرا یہ ہوگا کہ ایک متعفن اور بد بودار مردار ہوگا اور ان دونوں حالتوں کے درمیان تو اپنے اندر گندگی اٹھائے پھر رہا ہے۔

اور تواضع خاص کو مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حق سے روگردانی اور انحراف اور باطل پر قائم رہنے والے شخص کی حالت اور انجام اور اسکی جزا اور سزا کا حشر یاد کرے۔ کسی بھی صاحب بصیرت کیلئے اپنے قلب کی اصلاح کے واسطے اس قدر بیان کافی ہے۔

(منہاج العابدین اردو:۱۰۴_۱۲۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دل کی دوا ''ذکراللہ''

آج کا ایک نیا فتنہ: ہر دور اور ہر زمانہ کے فتنے مختلف ہوتے ہیں، آج کا ایک نیا فتنہ یہ ہے کہ ذکر وسلوک کی محنت کو تزکیہ نفس کی محنت کو تصفیہ قلب کی محنت کو، عجمی سمجھا جارہا ہے، اور یہ بات کہی جارہی ہے کہ ہمیں تو احادیث میں کہیں یہ بات نظر آتی ہی نہیں، اور ہر بندہ پوچھتا ہے جی! قرآن میں کہاں ہے اس لئے آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیت پیش کی جائیں گی امید ہے کہ آپ اسے دل کے کانوں سے سنیں گے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ (ق ۳۷) ان باتوں میں نصیحت ہے ان کے لیے جن کے اندر دل ہو اور اگر سینے میں پتھر کی سل ہو تو پھر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

لفظ ذکر کا استعمال قرآن پاک میں

ذکر لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا، ایک تو قرآن مجید کیلئے استعمال ہوا،

(۱) .... جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر ۹) تو یہاں قرآن مجید کیلئے ذکر کا لفظ استعمال ہوا، نصیحت نامہ۔

(۲) .... ایک ذکر کا معنی اللہ تعالیٰ کی یاد، جیسے ہم بات کرتے ہوئے کہتے ہیں اس نے آپ کا ذکر کیا فلاں جگہ آپ کا ذکر ہو رہا تھا، تو ذکر کا معنی ہے یاد۔

کثرت ذکر کا حکم قرآن میں

قرآن مجید میں ذکر کے متعلق بہت ساری آیات ہیں، یہ وہ عمل ہے کہ اللہ رب العزت نے جس کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: ﴿أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ (الاحزاب:۴۱)

قلبی ذکر کا ثبوت قرآن پاک سے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قلبی ذکر کہاں سے آ گیا سنئے قرآن پاک میں فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا﴾ (الکہف ۲۸) ''اس کی بات ہی نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا'' اب یہاں قلب کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ ذکر کا تذکرہ ہے یا نہیں؟۔کم ذکر کرنے والے کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء ۱۴۲)

☆ ......شیطان کا ساتھی کون؟

فرمایا: ﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ (الزخرف ۳۶) ''اور جو آنکھ چرائے رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے''۔

☆ شیطان کی حملوں کا دفاع ذکر ہے

فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾(الاعراف:۲۰۱) ''بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں، جب شیطان کی جماعت ان پر حملہ آور ہوتی ہے، تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ کے ذکر کی وجہ سے اللہ ان کو محفوظ فرما دیتے ہیں''۔

☆ شیطان حملہ کیسے کرتا ہے

فرمایا: ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾(المجادلہ:۱۹) ''شیطان نے اس پر غلبہ پایا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کیا''۔

☆ دل کا سکون ذکر میں ہے

فرمایا: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(الرعد:۲۸) ''جان لو! اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے''۔

☆ عقلمند لوگ کون ہے

فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾(ال عمران: ۱۹) ''وہ لوگ ہے جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، مجھے یاد کرتے ہیں یہ بڑے عقلمند بندے ہیں''۔

☆ ذکر خفی کا ثبوت قرآن پاک سے

فرمایا: ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً﴾(الاعراف:۲۰۵) مفسرین نے لکھا ہے ''ای فی قلبک'' ذکر کرا پنے رب کا اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور بہت خفی انداز میں کہ دوسرے کو پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت مفتی شفیعؒ اس آیت کے تحت معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ: ''تضرعا وخیفة'' کے لفظ سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے آگے بتایا ہے کہ ذکر کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے فرمایا: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾(المزمل:۸) ''ذکر کرا پنے رب کے نام کا۔ تو رب کا نام اللہ ہے''۔

☆ دعوت کی ابتداء اور انتہاء میں ذکر کا حکم

یہ ذکر اتنا عظیم الشان کام ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء کو دعوت کے ابتداء اور انتہاء میں ذکر کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾(طٰہٰ:۴۲) ''جائے آپ اور آپکا بھائی میری نشانیوں کو لے کر، (پھر آگے تثنیہ کا صیغہ، دونوں کو خطاب فرمایا) کہ تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا۔ تو دعوت الی اللہ کی ابتداء بھی ذکر سے ہوئی''۔

☆ حالت جہاد میں ذکر کا حکم

ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾(الانفال:۴۵) ''اے ایمان والو! جب تمہارا آمنا سامنا ہو کفار کی جماعت کے ساتھ، تم ڈٹ جاؤ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا کامیابی تمہارے قدم چومے گی''۔

☆ ....کام کاج کے وقت ذکر کا حکم

ارشادفرمایا: ﴿ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ﴾(النور:۳۷) ''میرے جوان مرد بندے وہ ہیں کہ تجارت ،خرید وفروخت بھی اللہ کی یاد سے انہیں غافل نہیں کرتی اللہ تعالی نے ان کوفرمایا یہ میرے ہمت والے لوگ ہیں''۔

☆.....ذکر نہ کرنے پر وعید

ارشادفرمایا: ﴿ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴾(الجن:۱۷) ''جواعراض کرے گا رب کی یاد سے اسے چڑھتا ہوا عذاب ہوگا''۔

سارے مفسرین نے ''ذِكْرِ رَبِّهِ'' سے رب کی یاد مراد لی ہے یہاں قرآن مراد نہیں ہے۔تو ذکر کرنے کا حکم ہے اور نہ کرنے پر سزا ہے.

☆.....دواہم لفظ: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرۃ۱۵۲) ''تم مجھے یادکرو میں تمہیں یادکروں گا''۔

☆..... یادکرنے کا مطلب

۱.....تم مجھے فرش پر یاد کرو، میں تمہیں عرش پر یاد کروں گا۔

۲..... تم میری اطاعت کرو، میں مخلوق کو تمہارا مطیع بنادوں گا۔

۳.....تم میری عزت کرو گے، میں مخلوق میں تمہیں عزتیں دے دوں گا۔

۴..... اگر تم راحت کے وقت مجھے یاد کرو گے، میں تمہیں زحمت کے وقت یاد کروں گا۔

۵..... اگر تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو گے میں پروردگار تمہیں مغفرت کیساتھ یاد کروں گا۔

۶.....تم مجھے اپنے بستروں پر یاد کرو گے، میں پرودگار تمہیں قبروں میں یاد کروں گا۔

۷..... تم مجھ سے محبت کرنا، میں تم سے محبت کروں گا۔

۸.....تم مجھے یاد کرنا میں تمہیں یاد کروں گا۔

۹.....تم مجھے منانا میں تمہیں مناؤں گا۔

۱۰.....تم عبادات لے کے آؤ گے، میں پروردگار قبول کرلوں گا۔

۱۱..... تم دعا کیلئے ہاتھ پھیلاؤ گے، میں پروردگار جھولیاں بھر کے رکھ دوں گا۔

۱۲.....تم قیامت کے دن ایمان کا تحفہ لے کر آنا، میں پروردگار اپنے جمال کے حسن کا دیدار عطا فرمادوں گا۔

۱۳..... تم میرے بن جاؤ گے میں پروردگار تمہارا ہوجاؤں۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی یاد کی توفیق عطا فرمادے

(خانہ دل آبادرہے،ص.۴۰)

ذکر کی اقسام

ذکر کی تین قسمیں ہیں:(۱)......''ذکر لسانی'' یہ ذکر کا تیسری درجہ ہے۔ (۲)......''ذکر قلبی'' یہ ذکر کا دوسری درجہ ہے۔
(۳) ...''دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا'' یہ بہتر ذکر ہے۔

(۱) ۔ ذکر لسانی یہ ہے: کہ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے جیسے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ،اَللّٰہُ اَکْبَر ، لاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" وغیرہ۔

(۲)... ذکر قلبی (ذکر قلبی کو ذکرِ خفی، ذکرِ سرّی، ذکرِ خامل بھی کہتے ہیں) یہ ہے: کہ انسان اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

☆.. یاد کا مقام انسان کا دل ہے

اگر آپ غور کریں! تو کسی کی یاد ہمیشہ انسان کے دل میں ہوتی ہے، زبان سے تو اس کا اظہار ہوتا ہے، آپ غور کیجئے! جب کوئی ماں اپنے بچے کو خط لکھوائے، جو دور گیا ہوا ہو، تو ہمیشہ یہ لکھواتی ہے کہ بیٹا! میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے، اس نے کبھی یہ نہیں لکھوایا کہ بیٹا! میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے؟ کبھی کسی دوست نے دوسرے دوست کو لکھا کہ میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے؟ ہمیشہ یہی بات کہی جائے گی کہ بھائی میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے، تو یہاں سے معلوم ہوا کہ یاد کا مقام انسان کا دل ہے، زبان سے تو اس کا اظہار ہوتا ہے، اصل یاد دل میں ہوتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں　　　　لبوں پہ مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

تو جب انسان کے دل میں سچی محبت ہوتی ہے، تو زبان خاموش ہوتی ہے اور دل میں یاد ہوتی ہے۔

☆.. دونوں قسموں کا قرآن پاک سے ثبوت

قرآن مجید میں بھی ذکر کی یہی دو قسمیں بتائی گئیں:

(۱) . ذکر خفی کا ثبوت: ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (ای فی قلبک) تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً﴾ (الاعراف۔۲۰۵)
ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس، اپنی سوچ میں، اپنے دھیان میں، اور اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور بہت خفی انداز سے کسی کو پتہ نہ چلے۔ ان الفاظ سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) ...ذکر لسانی کا ثبوت: اور اس کے بعد فرمایا کہ: ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور تم آہستہ مناسب آواز سے بھی ذکر کر سکتے ہو ان الفاظ سے ذکر لسانی کا ثبوت ملتا ہے۔

☆... ذکر قلبی کو ذکر لسانی پر فضیلت ہے

ذکر قلبی کا تذکرہ چونکہ پہلے کیا گیا، اس لئے ذکر قلبی کو ذکر لسانی کے اوپر فضیلت ہے۔
حدیث پاک کا مفہوم ہے جس ذکر کو فرشتے سنتے ہیں اور جس کو فرشتے نہیں سنتے یعنی ذکر لسانی کو وہ سنتے ہیں اور ذکر قلبی کو نہیں سنتے تو حدیث پاک میں فرمایا کہ جس ذکر کو فرشتے نہیں سنتے اس ذکر سے جس کو وہ سن لیتے ہیں ستر (۷۰) گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے تو گویا دل میں اللہ کو یاد

رکھنا اس کی ستر گنا فضیلت زیادہ ہے۔

☆......ذکر قلبی ہر حال میں

یہ ذکر قلبی انسان لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے، ہر وقت کرسکتا ہے، لیکن زبان کو تو اور بہت سارے کام کرنے ہیں۔ اسکو وقوف قلبی کہتے ہیں.

حدیث پاک میں آتا ہے: ﴿ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَذْکُرُ اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْ کُلِّ اَحْیَانٍ ﴾ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحہ اللہ کو یاد کرتے تھے اس سے مراد قلبی ذکر ہے۔ اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ ﴾ یعنی میری آنکھیں تو سوجاتی ہیں میرا دل نہیں سوتا، دل ذکر کرتا رہتا ہے۔ (خانہ دل آباد رہے: ص: ۱۰-۱۹)

☆......ذکر کا مقصد

سالک کو چاہئے کہ کثرت ذکر کو اپنائے حتی کہ دل کی گرہ کھل جائے اور دل بیدار ہو جائے اتنا ذکر کرے کہ اللہ کی حفاظت میں آجائے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ﴿ إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ ﴾ (الحجر: ۴۲) میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جن پر اے شیطان تیرا ہرگز قابو نہیں چلے گا، جس سالک نے اپنا ذکر اس نقطہ تک پہنچا دیا کہ اللہ کی حفاظت میں آ گیا، اس کا ایمان بچ گیا۔ (خانہ دل آباد رہے ۷۳)

☆...قلب جاری ہونے کا مطلب

ایک آدمی کیک بناتا ہے تو وہ ساری چیزوں کو ملا کر پھر ایک خاص درجہ حرارت پر اسکو کچھ وقت کیلئے رکھ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے جی کیک بن گیا اب کیک کتنا مزے دار ہوتا ہے لیکن وہ بنتا کب ہے؟ جب حرات کے اندر کچھ وقت کے لئے رکھا جاتا ہے اسی طرح جب انسان کے دل کو ذکر کی حرارت میں کچھ وقت کے لئے رکھا جاتا ہے تب اس کا دل بھی کیک کی مانند لذیذ بن جاتا ہے اللہ رب العزت کے یہاں قبولیت پالیتا ہے تو ذکر کے ماحول میں ہر بندے کو وہ کر محنت کرنی پڑتی ہے تا کہ اس کا اپنے اوپر قابو آجائے اس کی زندگی میں شریعت وسنت کے احکام لاگو ہو جائیں اور اس انسان کو اپنے آپ پر قدرت حاصل ہو جائے اسی کو بعض مشائخ نے کہا دل کا جاری ہونا۔ بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ فقط دل کا جاری ہونا یہ کوئی ظاہر میں دھڑکن ہوگی دل کی، یہ دل کی اللہ اللہ بھی محسوس ہوتی ہے مگر فقط اللہ اللہ کی وہ کیفیت مطلوب نہیں جب تک کہ اعضاء اس کا ثبوت نہیں دیتے اگر کوئی آدمی اللہ اللہ کی کیفیت تو کہتا ہے کہ مجھے حاصل ہے مگر اپنے جسم سے شریعت وسنت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کے اس اللہ اللہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا تو مشائخ کے نزدیک دل کا جاری ہونا اس کی ابتداء یہ ہے کہ انسان کو اپنے دل سے اللہ اللہ کا ادراک محسوس ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کے جسم کے اوپر اللہ کے احکام جاری ہو جائیں اس کا جسم اس کے دل کے قابو میں آجائے پھر اس بندے کا قلب جاری ہو گیا، یعنی اس بندے کے قلب کا حکم جاری ہو گیا یہ قلب کا جاری ہونا جو اصل مقصود ہے وہ یہ کہ اتنا ذکر کریں کہ ہماری رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ (خانہ دل آباد رہے ص: ۱۰۶)

ذکرلسانی کے اقسام

ذکر کے بارے میں حضرت مولانا پیرطریقت مفتی مختار الدین دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق

ذکرِ لسانی کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... ذکر سری یا خفی۔ (۲)..... ذکر جہری یا جلی۔

(۱) ذکر سری یا خفی یہ ہے: کہ زبان سے بالکل آہستہ اس طرح ذکر کیا جائے کہ منہ سے آواز نہ نکلے۔

(۲) ذکر جہری یا جلی یہ ہے: کہ منہ سے آواز نکلے۔

☆.....ذکر جہری کے اقسام:

ذکر جہری کی تین قسمیں ہیں:

☆ پہلی قسم یہ ہے کہ پوری قوت اور زور کے ساتھ آواز کو منہ سے نکالا جائے جیسا کہ کوئی اعلان کرتا ہے یا نعرہ لگاتا ہے یا اذان دیتا ہے اس کو قرآن مجید کی اصطلاح میں ''الجھر'' کہا جاتا ہے اور علماء اس جہر کیلئے ''رفع الصوت'' جہر شدید، پکار، چیخنے، چلانے کے الفاظ استعمال کر تے ہیں جہر کی یہ قسم اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اسی میں علماء کا اختلاف ہے۔

☆ دوسری قسم وہ کمزور اور ہلکی آواز ہے جو منہ سے تو نکلے لیکن دوسروں کی سمجھ نہ آئے جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ یہ صورت جہر کی کمزور ترین صورت ہے۔ جس کو بعض علماء خفی اور سر کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

☆ تیسری قسم وہ ہے کہ جو سری اور جہر شدید کے درمیان ہو بالفاظ دیگر یہ وہ ذکر ہے جو کہ سر اور خفی کی حد سے نکل جائے لیکن جہر شدید یعنی چیخنے چلانے کی حد تک نہ پہنچے بلکہ اس سے کم ہو اس کو علماء اسلام ''جہر معتدل یا جہر متوسط'' اور قرآن مجید کی اصطلاح میں ''دون الجھر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جہر کی دونوں صورتیں یعنی دوسری اور تیسری شرائط کے ساتھ متفقہ طور پر جائز ہیں۔

☆ جہر کی چوتھی قسم جہر مضر ہے۔ یہ جہر کی وہ قسم ہے جس میں خود ذاکر کو نقصان پہنچے یا دوسرے مسلمان کو نقصان ہو یا کسی مسلمان کے سونے اور آرام میں خلل آجائے جس طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ کا انعقاد کرنا جس سے لوگوں کی نیند خراب ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ ذکر جہر جس سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچے وہ جہر مضر ہے جس کو بعض علماء جہر مفرط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ذکر سری و جہری کے احکام

دین اسلام میں بعض مواقع اور حالات ایسے ہیں جس میں شریعت مطہرہ نے ذکر بالجہر کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کیلئے جہراً قراءت کا حکم ہے اسی طرح تکبیرات تشریق جو کہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں فرض نمازوں کے بعد جہراً پڑھی جاتی ہیں ان صورتوں میں بجائے جہر کے سری قرأت کرنا یا تکبیرات تشریق آہستہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے اسی طرح جن مواقع اور حالات میں شریعت مطہرہ نے جہر کی بجائے سری ذکر کا حکم دیا ہے مثلاً ظہر وعصر کی نمازوں میں قراءت کرنا تو ایسی صورت میں جہری قراءت کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

☆ .... عام حالات میں جہر معتدل کا حکم

جن حالات ومواقع میں شریعت نے ذکر کی کسی قسم یعنی سری یا جہری کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مطلقا ذکر کا حکم دیا ہے اور ترغیب بھی دی ہے ایسے عام حالات ومواقع میں تلاوت قرآن کریم، دعا، تہلیل، تسبیح اور استغفار اور دیگر اذکار وغیرہ سراً ہوں یا جہراً اعتدال کے ساتھ انکی ادائیگی قرآن وحدیث اور نبی اکرم ﷺ کے اپنے اعمال مبارکہ، صحابہ کرامؓ اور اسلاف سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔

جہر اور سرّ دونوں ذکر کی شکلیں اور صورتیں ہیں یہ بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ یہ صرف عبادت اور ذکر الٰہی کے ادا کرنے کی صورتیں ہیں لہٰذا ثواب کا تعلق شکلوں، صورتوں اور طریقوں سے نہیں بلکہ ثواب کا تعلق صرف ذکر وعبادت سے ہے چونکہ ذکر الٰہی صورتوں میں ادا کیا جاتا ہے اس لئے علمائے کرام جب ان شکلوں کی نسبت ذکر کی طرف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ذکر جہری اور ذکرِ سری دونوں عبادت ہیں ان کا مطلب اس سے یہی ہوتا ہے کہ ذکر جو کہ مقصود ہے وہ عبادت ہے خواہ جہر کی صورت میں ہو یا سر کی صورت میں ہو اور جب ذکر کی طرف ان صورتوں کی نسبت نہیں کرتے تو وہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جہر اور سر دونوں عبادت نہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جہر اور سر بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ عبادت اور کار ثواب تو ذکر ہے اور جہر وسر ذکر الٰہی کی ادائیگی کی صورتیں ہیں۔

☆ ....مثال: اس کی مثال یوں سمجھیں کہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کے رکھنے کا ثواب ہے لیکن روزہ کسی نہ کسی دن تو رکھنا ہوگا چاہے وہ دن اتوار کا ہو یا منگل کا یا ان کے علاوہ کوئی اور دن ہو لیکن ثواب اتوار یا منگل کے دن کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ مطلق روزہ رکھنے کی وجہ سے ملتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ منگل کے روزہ زیادہ ثواب ہے تو یہ ایک عقیدہ بن جائے گا جس کی وجہ سے وہ عمل بدعت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر جہری وسری کے اندر جہر یا سر کی کسی ایک صورت کو عبادت اور کار ثواب سمجھے تو پھر اس عقیدے کے ساتھ ذکر کا عمل بدعت بن جائے البتہ اگر کسی خاص موقع پر شریعت نے خود کسی صورت کی تعین کردی ہو یا ترغیب دی ہو یا فضیلت بیان کی ہو تو پھر اس صورت معینہ میں ثواب زیادہ ہوگا جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزوں کا ثواب بوجہ اتباع عام دنوں کی نسبت زیادہ ہوگا۔

اسی طرح اگر مطلق جہر وسر کے ساتھ کوئی باعث ثواب وفضیلت چیز لاحق ہوجائے تو پھر نفس جہر وسر پر بھی ثواب ملتا ہے مثلاً جہاں جہر کا حکم ہے یعنی اذان، تکبیرات تشریق وغیرہ میں تو وہاں نفس جہر پر ثواب ملے گا اسی طرح جہاں سر کا حکم ہے وہاں نفس سر پر ثواب ملے گا۔

اسی طرح چند آدمی کسی سواری پر سوار ہونے لگیں تو کوئی ایک شخص جہراً سواری کی دعا پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ دوسرے بھی پڑھ لیں گے تو اس جہر پر بھی ثواب ملے گا اور اس ثواب کا باعث نیک نیت ہے۔

☆ .. ذکر کی اقسام کا خلاصہ:

خلاصہ یہ نکلا کہ جہر مضر بالاتفاق ناجائز ہے خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اسی طرح جہر معتدل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بالاتفاق جائز ہے اور جہر شدید بالاتفاق وہاں جائز ہے جہاں شریعت نے حکم دیا ہو یا اس کی ضرورت ہو لیکن اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء اس کو مطلقا ناجائز کہتے ہیں، خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء مسجد میں ناجائز اور خارج مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں اسکی تفصیل جہر شدید کی شرائط کے ذیل میں آرہی ہے۔

جہر معتدل کا جواز اور اس کے شرائط

تلاوت وتسبیح ،تہلیل، دعا میں جہر معتدل کا جواز قرآن مجید وسنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے متفقہ طور پر ثابت ہے لہذا اس کا انکار کرنا قرآن مجید وسنت الرسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا انکار کرنا ہے البتہ جہر معتدل کیلئے کچھ شرائط ہیں جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔

(۱) ذکر کو صرف جہر ہی میں منحصر نہ کیا جائے مثلاً جو شخص ذکر جہر نہیں کرتا اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذاکرین میں سے نہیں۔

(۲) جہر معتدل کسی کیلئے ایذا وتکلیف کا باعث نہ بنے مثلاً سونے کی جگہ یا سونے کے وقت میں ذکر کرنا تو ایسے وقت قرآن مجید کی تلاوت تہلیل وتسبیح وغیرہ معتدل جہر کی ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) جہر معتدل ایسے وقت میں نہ ہو کہ جس وقت لوگ عموماً نوافل میں مشغول ہوں کہ کسی شخص کی سنت یا نفل نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ یادرہے کہ اس وقت میں بعض علماء کے نزدیک بیان تعلیم وتدریس بھی درست نہیں۔

(۴) ذکر کیساتھ خواہ سری ہو یا جہری کسی ایسی چیز یا کام کو شامل نہ کیا جائے جو شریعت مطہرہ میں ممنوع یا ناجائز ہو۔ مثلاً: رباب باجے اور آلات موسیقی وغیرہ۔

(۵) جہر معتدل سے ریا کا اندیشہ ہو اس کا تعلق خود انسان کے اپنے نفس کے ساتھ ہے یعنی اگر لوگ ذکر جہر کرنے والوں کو بزرگ سمجھتے ہے بڑا ذاکر شاغل سمجھتے ہوں اور اس کا غالب گمان بھی ہو کہ ذکر جہر کی وجہ سے لوگ میری مدح اور تعریف کریں گے اور میں ریاکاری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسی صورت میں اچھا یہی ہے کہ ذکر جہری کو اختیار نہ کیا جائے البتہ اگر صرف ریاء کا وسوسہ ہو تو یہ یادرہے کہ ریاکاری کا وسوسہ ریاکاری نہیں۔

(۶) نیز اگر کہیں ذکر جہر کرنے والوں پر فقرے کسے جاتے ہوں مثلاً انہیں ریاء کار کہا جاتا ہو تو ایسی صورت میں ذکر جہر کو اس لئے اختیار نہ کرنا کہ لوگ مجھے ریاء کار کہیں گے تو یہ خود ریاکاری ہے کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ ریاکار نہیں بلکہ مخلص سمجھیں۔

(۷) جس موقع پر نبی کریم ﷺ سے ذکر ثابت ہو لیکن ذکر جہر ثابت نہ ہو اس موقع پر سنت سمجھ کر ذکر جہر کرنا یا جہر کو سنت تو نہ سمجھا جائے مگر خطرہ یہ ہو کہ لوگ اس موقعہ پر جہر کو سنت قرار دیں گے، مثلاً: عیدالفطر کے موقعہ پر جہراً تکبیریں پڑھنا تو ایسی صورت میں علماءِ احناف ذکر جہر کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس وقت لوگ جو ذکر جہر کریں گے تو وہ جہر کو سنت سمجھ کر کریں گے۔ (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ۱۶۲تا۱۶۶)

خلاصہ:

مذکورہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کی عبارتوں میں غور کیا جائے اور قرآن وحدیث کی طرف مخلصانہ رجوع کیا جائے تو یہی وہ امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا ذکر میں ضروری ہے اور کوئی بھی سنجیدہ عالم یا فقیہ ایسا نہیں جس نے جہر معتدل کا انکار مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہو آخر وہ انکار کیسے کرسکتا ہے جبکہ قرآن وحدیث اور نبی کریم ﷺ کے عمل مبارک اور اسلاف سے ان شرائط کے ساتھ جہر معتدل ثبت ہے اور جس کسی نے انکار کیا اسکے پیش نظر یہی شرائط ہوتے ہیں جیسا کہ فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوا ہے کہ ان کا اخلاف مطلقاً ذکر جہر میں نہیں بلکہ ان کا اختلاف ایسے مواقع میں ہے جہاں کوئی اس ذکر کی شرائط کا خیال نہ رکھتا ہو موقعہ کے ساتھ خاص کرتا ہو جس موقعہ کی

خصوصیت شریعت مطہرہ میں ثابت نہ ہو مثلاً: ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو تکبیرات کے ساتھ خاص کرنا اس خصوصیت کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔

جہرِ شدید کب جائز ہے

شریعت مطہرہ نے بعض حالات اور بعض ضرورتوں کے تحت ذکر جہر یعنی شدید جہر کی بھی اجازت دی ہے بلکہ بعض موقعوں پر اس کی ترغیب بھی دی ہے جن مواقع میں جہر شدید بہتر یا جائز ہے وہ یہ ہیں۔

(۱)..... اذان دیتے وقت بہتر یہ ہے کہ پورے زور اور قوت سے اذان کی جائے۔

(۲) حج اور عمرہ کے وقت تلبیہ میں بھی بہتر یہ ہے کہ پوری قوت اور خوب اونچی آواز سے تلبیہ کہا جائے۔

(۳)... تکبیرات تشریق یعنی عیدالاضحٰی کی نماز کو جاتے وقت راستوں میں پوری قوت اور خوب اونچی آواز کے ساتھ " اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ الخ" کہنے کی اجازت ہے اور جہر معتدل سنت ہے، نیز اس موقع پر فرض نمازوں کے بعد جہر سے تکبیریں کہنا سنت موکدہ بلکہ واجب ہیں۔

(۴)..... درس وتدریس، وعظ وبیان، خطبہ وقرات میں جہر شدید جائز ہے بلکہ مجمع بڑا ہو تو اچھا اور بہتر یہ ہے کہ پوری قوت سے آواز نکالی جائے تاکہ سننے والے وعظ ونصیحت اور قرائت کو سن سکیں۔

(۵) .. کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ عین لڑتے وقت تکبیر وغیرہ جیسے ذکر واذکار پکار کر کہنا بھی جائز ہے تاکہ مسلمانوں کا شوق بڑھے اور کفار پر رعب طاری ہو۔

(۶)..... چونکہ ضرورت کے تحت ذکر جہر شدید بھی جائز ہے اس لئے اگر کوئی مسلمان ایسا ہے کہ جو وساوس کا شکار ہو اور نماز میں اور ذکر میں دھیان نہیں رہتا جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی عام حالت یہی ہے تو ایسی صورت میں بھی جہر شدید حسب ضرورت جائز ہے، تاکہ یکسوئی حاصل ہو جائے اور نماز، ذکر میں خشوع اور اللہ تعالی کی حقیقی یاد حاصل ہو جائے۔

(۷)..... عام حالات میں بھی جہاں سر اور جہر کا تعین نہ ہو اور ذکر جہر سے کسی خرابی اور نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو اس وقت بھی بعض علماء کے نزدیک یہ جہر جائز ہے لیکن اس صورت میں چونکہ خود اپنے آپ کو فضول اور بلا وجہ مشقت اور سختی میں ڈالنا ہے اس لئے بلا ضرورت اور بلا کسی خاص کیفیت اور حالات خاصہ کے قصداً چیخنا اور چلا کر ذکر وتلاوت کرنا درست نہیں خصوصاً دعا میں اگر زیادہ زور سے آواز نکالی جائے تو اس میں تذلل اور عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اس لئے اس میں مذکورہ بالا امور کی زیادہ رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے۔

جہر شدید کیساتھ ذکر بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے

جہر شدید کے حکم کا خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں ذکر جہر شدید میں کسی کا اختلاف نہیں وہ بالاتفاق جائز ہے لیکن بلا ضرورت جہر شدید بعض کے نزدیک خارج مسجد وداخل مسجد دونوں میں ناجائز ہے اور بعض حضرات کے ہاں داخل مسجد میں ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور خارج مسجد میں جائز ہے بعض علماء سے جہر شدید کی ممانعت کی جو عبارات منقول ہیں اس کا مطلب بھی یہی

ہے کہ وہاں شرائط مذکورہ کے بغیر ذکر جہر بدعت یا ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیؒ احکام مسجد کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: مسجد میں سوال حرام ہے اور (سائل کو) دے دینا مطلقاً مکروہ ہے اور کہا گیا ہے کہ (لوگوں کی) گردنیں پھلانگ کر سائل کو دینا مکروہ ہے (کیونکہ اس صورت میں نمازیوں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے (اور یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فقیر کو مسجد میں صدقہ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم) ورنہ نہیں) نیز مسجد میں گم شدہ چیز اور سوائے ایسے اشعار جن میں ذکر و نصیحت ہو (دوسرے فضول) اشعار اور ذکر پر آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے

(الدر المختار علی حاشیہ رد المختار ج۱ص۴۴۳ تا ۴۴۴)۔

مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد

مساجد میں ذکر پر آواز بلند کرنے کی حرمت یا کراہت کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیثوں پر ہے۔

(۱) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی شخص نے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ ہیں تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ (جو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے ہیں) میں نے ان کو بلایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ یا یوں فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو یا یوں فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "لَوْ كُنْتُمْ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوْ جَعْتُكُمَا رَفَعَانِ اَصْوَاتَكُمْ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" اگر تم مدینہ (منورہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا یعنی پٹائی کرتا (لیکن چونکہ تم مسافر ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں افسوس کی بات ہے کہ) تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو۔ (مشکوۃ المصابیح صحیح بخاری)

(۲) نبی کریم ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے چند نشانیاں اور علامات بیان کی ہیں ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ: "وظهرت الاصوات فى المساجد" اور مسجدوں آوازیں بلند ہو جائیں گی۔ (مشکوۃ المصابیح۔سنن ترمذی)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ: "وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فى المسجد ولو بالذكر حرام" اور ہمارے بعض علماء (یعنی بعض علمائے احناف) نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا حرام ہے اگر چہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں ہو۔ (المرقاۃ: ج:۱۰:ص:۱۷۱)

جن علماء نے مسجد میں زور زور سے باتیں کرنے کو حرام کیا ہے حتی کہ اگر ذکر (یعنی قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح وتہلیل وغیرہ) بھی زور زور اور بلند آواز سے کیا جائے اس کو بھی حرام بتلایا ہے اگر ان علماء کا مطلب یہی ہو کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کی نمازوں میں اور اوراد میں خلل اور تشویش واقع ہو جاتی ہے پھر تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی کو ایذاء دینا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا حرام ہے۔

لیکن اگر حرمت والے حکم کو مطلقاً مانا جائے تو پھر یہ بات ذکر کے علاوہ باتوں کے متعلق بھی قابل نظر ہے کیونکہ حدیثوں میں یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی نماز، تلاوت اور ذکر کیلئے مسجد میں آجاتا ہے پھر وہ وہاں کسی سے مباح دنیوی بات بھی کرتا ہے تو اس کی جازت ہے بلکہ بعض دفعہ نبی

کریم ﷺ نے مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنے والوں کی آواز کو سنا تو ان پر غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔اس کے متعلق بطور نمونہ صرف دو حدیثوں کو نقل کئے دیتا ہوں۔

(۱)..... حضرت جابر بن سمرۃ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جس مصلے پر فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک سورج (اچھی طرح) نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ ﷺ (نماز اشراق کیلئے یا گھر میں تشریف لے جانے کیلئے) کھڑے ہو جاتے اور (اس بیٹھنے کے دوران) صحابہ کرامؓ (بطور استہزاء اور مذمت) زمانہ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور (ان پر) ہنسا کرتے تھے اور آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ (صحیح مسلم)

اور ترمذی کی روایت یوں ہے کہ (اس دوران) صحابہؓ اشعار پڑھتے اور سنتے (مشکوۃ کتاب الادب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز اور تلاوت میں کوئی مشغول نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مباح بات کرے بشرطیکہ وہ صرف باتوں کیلئے مسجد میں نہ آیا ہو یا ایسے اشعار پڑھے جائیں جن میں توحید یا نبی کریم ﷺ کی مدح کی جاتی ہو تو یہ جائز ہیں اور اشعار پڑھتے وقت آواز بلند ہوتی ہے۔

(۲) حضرت کعب بن ملکؓ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں ابن ابی حدردؓ اپنا قرض مانگا " فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا " یعنی دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں ان کی آوازیں سنیں جب کہ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے کعب! کعبؓ نے عرض کیا: " لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ " تو آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کردو کعب ابن مالکؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے معاف کر دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے ابن حدردؓ سے فرمایا کہ اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کرو۔ (صحیح بخاری، دیکھئے مشکوۃ کتاب الادب)

یہاں دونوں حضرات کی آوازیں مسجد میں دنیا کے معاملہ میں اس قدر بلند ہوگئیں حتی کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ کے اندر ان کی ٹرائی کی پوری تفصیل کو سمجھ گئے اس لئے تو کعبؓ سے فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دو لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں آواز بلند کرنے پر نہیں ڈانٹا۔

☆..... تنبیہ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد میں لڑنا یا اونچی آواز سے باتیں کرنا مطلقا جائز ہے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ مطلقا باتوں یا بلند آواز سے باتوں کو حرام کہہ دینا صحیح نہیں کیونکہ حرام ایک ایسا حکم شرعی ہے جس کیلئے اللہ تعالی یا اس کے رسول ﷺ کا ایسا حکم ہونا ضروری ہے جو صراحت کے ساتھ حرام ہونے پر دلالت کرے نیز وہ حکم ایسا ہو جو یقینی طور پر ثابت بھی ہو البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آواز بلند کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ بہر حال یہ بات تو دنیوی باتوں کے متعلق تھی رہا ذکر کا معاملہ تو اس پر حرام کا حکم لگانے میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ مساجد بنی ہی اس لئے ہیں کہ ان میں نماز اور تلاوت وذکر جیسے امور خیر ہوں۔

☆..... جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے کہ: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ (النور ۳۶) ایسے گھروں میں جنکی نسبت اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالی کا نام لیا جائے۔

☆..... نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ (البقرہ ۱۱۴) اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ تعالی کی مسجدوں سے منع کرتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور ان کی بربادی میں کوشش

کرتا ہے۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اس وعید سے ڈریگا وہ مسجدوں میں اللہ کا نام مبارک لینے سے نہیں روکے گا الا یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا نام ایسے انداز میں لے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی ہوتی ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے انداز میں کرے جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں یا ذکر تلاوت کرنیوالوں کے ذکر تلاوت میں خلل واقع ہو۔ رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ دنیا کی باتیں بلند آواز سے کرتے تھے نیز وہ وقت بھی ایسا تھا کہ لوگ نماز کیلئے مسجد میں بیٹھے تھے پھر نبی کریم ﷺ کے حجرے کا پاس ہونا بھی ملحوظ تھا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو۔ اور رہی یہ حدیث جس میں علامات قیامت کے بارے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ: ﴿ظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ﴾ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہو جائیں (الحدیث) تو اس میں ذکر کو داخل کرنا قابل نظر ہے کیونکہ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں مسجدیں اذانوں سے گونجتی تھیں ان میں ذکر و تلاوت قرآن کی جاتی تھی اور خطبے انہی مساجد میں پڑھے جاتے تھے اور آج تک امت کا یہی معمول چلا آرہا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر اشعار بھی پڑھے جاتے تھے بلکہ شعر پڑھنے والے کیلئے منبر بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی آواز تمام بیٹھنے والوں کو پہنچ سکے۔ یہاں اس کے متعلق بطور نمونہ ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ (رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کیلئے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ (اپنے اشعار سناتے اور ان اشعار میں) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اظہار فخر کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (کفار و مشرکین کے مخالفانہ اشعار کا) مقابلہ کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ انکے اشعار سے خوش ہوکر) فرماتے تھے کہ: ''اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ حسانؓ کی مدد اور تائید فرماتے ہیں جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقابلہ یا اظہار فخر کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، مشکوۃ باب البیان والشعر)۔

بہر حال قیامت کی نشانیوں میں جو آوازیں ظاہر ہوں گی وہ وہی آوازیں ہو سکتی ہیں جو خود دین اسلام کے مخالف ہوں جیسا کہ آجکل مساجد کے لاؤڈ سپیکروں میں سے دنیا کی آوازیں آتی رہتی ہیں اور مساجد میں زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے قائدین اور لیڈروں کے نام بلند کئے جاتے ہیں۔ نیز مسجد کے مناروں سے ایک دوسرے کے خلاف گالیاں دی جاتی ہیں بلاشبہ یہ ایسے امور ہیں جو عصر حاضر کی پیداوار ہیں اور گویا کہ مساجد ہی لڑائی، تفاخر اور اپنی دلی بھڑاس نکالنے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے لیڈروں کے ناموں کو اونچا کرنے کے مراکز اور ذرائع ابلاغ بن سکے ہیں۔

☆...... تنبیہ: میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بلند آواز اور جہر مفرط کے ساتھ ذکر جہر یا العیاذ باللہ آواز سے باتیں کرنا مسجد میں مطلق بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا اور اس کے لئے ایسی مجمل بلکہ مبہم روایت سے حرمت ثابت کرنا قطعاً صحیح نہیں خصوصاً نبی کریم ﷺ سے مسجد میں باتوں پر خاموشی ثابت ہے اور آپ ﷺ خود اشعار پڑھوانے کیلئے منبر رکھواتے تھے۔

جہرِ شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے

یہی وجہ ہے کہ محققین علماء بلند آواز کے ساتھ ذکر یا علم کی مجلس درس وتدریس یا وعظ ونصیحت کو اس وقت ناجائز سمجھتے ہیں جب نمازیوں کی نماز میں خلل یا تشویش پیدا ہو، لیکن اگر خلل واقع نہیں ہوتا تو مسجد میں جہری ذکر تلاوت درس وتدریس اور علمی مذاکرہ جیسے امورِ خیر اگر معتدل آواز کے ساتھ ہوں تو یہ بالاتفاق جائز ہیں البتہ علماء کا اختلاف بلاضرورت جہرِ شدید میں ہے۔ اس کے متعلق علماء کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

(۱)......حضرت امام نوویؒ کی تحقیق

حضرت امام نوویؒ شرح مسلم میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وغیرہ کے دن مساجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور یہ کہ جب لوگ نماز کیلئے جمع ہوں اس وقت بھی (علم وغیرہ ذکر وتلاوت کے ساتھ) آواز بلند نہ کی جائے کیونکہ اس کی وجہ سے (مسجد میں) جمع ہونے والوں اور نمازیوں (جو سنت ونوافل ادا کر رہے ہوں) اور ذکر کرنے والوں (یعنی جو لوگ ذکر وفکر اور اپنے اوراد میں مشغول ہوں انکو) تشویش ہوتی ہے اور انکی نمازوں اور ذکر وتلاوت میں خلل پڑ جاتا ہے واللہ اعلم۔ (شرح نووی علی المسلم ج ۲ ص ۱۳۷)

(۲)......الف: فتاوی عالمگیریہ کی تحقیق

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ: اور چھٹا ادب یہ ہے کہ مسجد میں اللہ تعالی کے ذکر کے سوا اور کوئی آواز بلند نہ کی جائے۔ (فتاوی عالمگیریہ ج۵ ص ۳۲)

......ب: فتاوی عالمگیری میں دوسری جگہ میں ہے کہ: کسی قاضی یا واعظ کے پاس عظیم جماعت ہو وہ " لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" اور " سُبْحَانَ اللّٰه" کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اخفاء افضل ہے۔ (ایضاً ج۵ ص ۳۱۵)

......ج: نیز عالمگیریہ میں فتاوی قنیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ: ایک امام کا معمول یہ ہو کہ وہ ہر صبح اپنی جماعت (والوں) کے ساتھ مل کر آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کی آخری آیت اور شہد اللہ...... اور اس طرح کی اور آیات جہراً پڑھتا ہو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ افضل اخفاء ہی ہے۔

(ایضاً ج۵ ص ۳۱۷)

یہاں امام کے معمول کو بتایا جا رہا ہے کہ امام مسجد میں جب صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنی جماعت کے ساتھ بلند آواز میں تسبیح تہلیل کر سکتا ہے صبح کی نماز کی قید غالباً اس لئے لگائی کہ اس وقت بعض علماء کا یہ معمول ہوگا کہ وہ نماز کے بعد مل کر بلند آواز کے ساتھ ذکر وتلاوت کرتے ہوں گے یا اس لئے لگائی کہ صبح کی نماز کے بعد چونکہ سنت ونفل نمازیں نہیں ہوتیں لھذا کسی کی نماز وغیرہ میں خلل نہیں پڑتا نیز صبح کا وقت نیند کا وقت ہوتا ہے چپکے چپکے اور خفی ذکر میں نیند آنے لگتی ہے اس لئے اس وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کا معمول رکھا ہوگا۔ واللہ اعلم)۔

بہرحال اتنی بات ان عبارتوں سے معلوم ہوگئی کہ مسجد میں بلند آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر فتاوی عالمگیریہ کی رو سے جائز ہے۔

(۳)......علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ کی تحقیق

علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ فتاوی بزازیہ میں لکھتے ہیں کہ: فتاوی قاضی خان میں ہے کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک قوم کے متعلق سنا کہ وہ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور بلند آواز کے ساتھ کلمہ اور درود شریف پڑھتے ہیں تو وہ ان کے پاس

گئے اوران سے فرمایا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا اور میں تمہیں بدعتی لوگ خیال کرتا ہوں انہوں نے یہی کہا حتی کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا (اس کے بعد علامہ کردریؒ سوال وجواب کا سلسلہ شروع کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اگر تم یہ کہو کہ فتاوی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے نہ روکا جائے تا کہ روکنے والا ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا﴾ (البقرہ:۱۱۴) اوراس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں (لوگوں کو) اللہ تعالی کے نام سے روکے'' کی وعید میں نہ آجائے اور حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا تو تمہارے قول کے مخالف ہے۔ تو میں جواب میں کہتا ہوں: کہ حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا اگر ثابت ہے (یاد رہے یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لئے علامہؒ نے یوں فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہے تو.....) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس جہر (کی صفت) کو عبادت سمجھ لیا تھا (یعنی یہ کہ صرف ذکر جہری ہی عبادت ہے) یہ بات تھی اور حضرت ابن مسعودؓ لوگوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ یہ (اعتقاد) بدعت ہے اور یہ ممکن ہے کہ جائز کام کسی خارجی سبب سے ناجائز ہوجائے جس طرح ناجائز کام کسی خارجی سبب سے جائز ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز کیلئے افضل امور کو ترک کرنا، اور سورۃ اعراف میں جو اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً﴾ اللہ تعالی کی بندگی کرو اور اپنی حاجتیں اسی سے منگا کرو، تضرع کے معنی عاجزی اور ''خیفہ'' کا مطلب ہے کہ اس میں ریاء کا دخل نہ ہو، ﴿لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ میں معتدین سے مراد مشرکین ہے، اور وہ حدیث جو صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز تکبیر کہنے والوں سے فرمایا اپنے ساتھ نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو سمیع وقریب کو پکارتے ہو (الحدیث) (تو یہاں منع کرنے کی وجہ) یہ ہوگی کہ یہاں جہر میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ یہ معاملہ کسی غزوہ اور جنگ کے موقع میں پیش آیا تھا اور ایسی حالت میں جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے اور جنگ کے ایک دھوکہ (دشمن کو دھوکہ دہی سے لڑی جاتی ہے) ہے۔ اسی وجہ سے غزوات میں گھنٹی سے منع کیا گیا ہے (یعنی ایسے مواقع میں جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ڈالنا بھی منع کیا گیا ہے) بہر حال ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جس طرح اذان، خطبہ اور حج میں ہوتا ہے اور تکبیراتِ تشریق جہراً پڑھنے میں عدد کا جو اختلاف ہے وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو جہراً پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے اصل فعل پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتیں ایک سلام سے اولیٰ ہیں یا دو سلاموں سے اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ سنتیں دو سلاموں سے پڑھی جائیں تو وہ بدعت یا حرام ہیں (فتاوی بزازیہ علی حاشیہ عالمگیریہ ج ۶ ص ۳۷۸ تا ۳۷۹)۔

خلاصہ عبارت

☆ الف: علامہ کردریؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کا جواب دیا کہ شاید وہ ذکری عبادت کو جہر ہی میں منحصر سمجھتے تھے۔

☆ ب: اور حدیث ''اربعو'' کا جواب دیا کہ وہاں جہر مصلحت کے خلاف تھا۔

☆ ج: اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً﴾ کا جواب دیا کہ خیفہ کا مطلب بے ریاء عبادت ہے

☆ ......: اسی طرح جوابات دیکر ذکر بالجہر کو صرف اس وقت منع کیا کہ کوئی اس کو یعنی ذکر اور تلاوت کو جہر ہی میں منحصر سمجھے اور جہر ہی کو

عبادت خیال کرے

☆ ......ھ: نیز ایسی حالت میں بھی ذکر جہر سے روکا جائیگا جبکہ ذکر جہر مصلحت کے خلاف ہو مثلاً جنگ کے موقع پر یا یہ کہ جہر سے کسی کی نماز وغیرہ میں خلل آجاتا ہو۔

(۴)......اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے

اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے اور علامہ کردریؒ کی عبارت کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ: اور اس مسئلہ کو (علامہ خیرالدین رملی نے بھی) فتاویٰ خیریہ میں تحریر کیا ہے (فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ: جہری ذکر کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ افضل ہے) اور فتاویٰ قاضی خان میں جس ذکر جہر کو حرام کہا گیا ہے۔ اس کو (انہوں نے) جہر مضر پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں ذکر جہر کی ترغیب ہے اور ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں سرّی ذکر کی ترغیب ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سرّ اختلاف اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے لھذا جب ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند میں خلل پڑ جانے کا خوف ہو تو سرّ افضل ہے اور جب یہ خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے۔ کیونکہ اس جہر کا فائدہ سامعین (سننے والوں کو) پہنچتا ہے اور یہ (جہری ذکر) ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس طریقہ سے وہ اپنی دل جمعی سے فکر کرے گا اپنا کان اس کی طرف لگا دے گا اور نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط اور سرور پیدا کرتا ہے۔ (ردالمحتار: ج ۵، ص ۲۵۵) نیز دیکھئے فتاویٰ خیریہ علی ھامش تنقیح الحامدیہ: ج ۲، ص ۲۹۱)

خلاصہ عبارت:

☆ .. الف: علامہ خیرالدین رملیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی نقل کردہ اس عبارت سے بالکل یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی شرائط کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات واشخاص کے اعتبار سے افضل ہے۔

☆ ......ب: نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف بھی تیز جہر اور زیادہ بلند آواز میں ہے یا بالفاظ دیگر جہر کامل میں ہے کہ جہر کامل ضرر کا سبب نہ بن جائے تو بعض محققین علماء کے نزدیک یہ جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے بھی واضح ہے کہ اس کا فائدہ سامعین کو پہنچتا ہے اور ذکر جہری دل بیدار کرتا ہے اور اس سے فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیطانی وساوس اور افکار کو زیادہ تیز جہر ہی دور کر سکتا ہے نہ کہ معمولی یا معتدل جہر۔

البتہ بعض محققین علماء جہر مفرط اور جہر شدید کے قائل نہیں، وہ فرماتے ہیں جب حاجت نہ ہو یعنی کوئی مصلحت (مثلاً اذان، تلبیہ، یا وساوس کو دور کرنے اور سوچ کو مجتمع کرنے یا اس طرح کی کوئی اور مصلحت پیش نظر نہ ہو) تیز جہر میں نہ ہو تو بلا ضرورت جہر شدید صحیح نہیں۔

☆......تنبیہ:

میری مراد جہر شدید سے وہ جہر ہے کہ جو مضر نہ ہو یعنی وہ کسی کو ضرر نہ دے اور حدود شرعیہ کے اندر ہو چنانچہ اگر جہر شدید مضر بن جائے تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۵).....امام ابن حجر مکی شافعیؒ کے نزدیک مجالس ذکر اور ذکر جہری

امام ابن حجر مکی شافعیؒ صوفیاء کرام کے اوراد واذکار اور مجلس ذکر کے متعلق کچھ دلائل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ صوفیاء کا جو نماز فجر وغیرہ کے بعد جمع ہو کر ذکر واوراد (جہر کے ساتھ) کرنے کا معمول ہے اس کی اصل سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے لھذا ان کے اس طرح ذکر کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر اگر وہاں ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے تکلیف ہوتی ہے مثلا نماز پڑھنے یا سونے والے (کی نماز اور نیند میں خلل آجاتا ہے) تو پھر ان کیلئے مستحب یہی ہے کہ آہستہ ذکر کریں۔

(دیکھئے مفصل ومدلل حوالہ فتاوی حدیثیہ۔ ص:۶۵)

(۶).....علامہ ابن حجر الھیتمی شافعیؒ کی رائے میں مساجد میں ذکرِ جہری کی مجالس

فتاوی کبری میں ہے کہ: مسجدوں میں ذکر کے حلقوں اور جہری ذکر کا صوفیاء کرام کے ہاں معمول ہے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا۔ کہ کیا اس میں کوئی کراہت ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے اپنے اس جواب کو خوب مدلل کیا ہے۔

(دیکھئے الفتاوی الکبری لابن حجر الھیتمی الشافعیؒ)

(۷).....(الف) محقق علامہ آلوسی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری

محقق ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ کے تحت بحث کر کے آخر میں فرماتے ہیں: اور دوسرے علماء نے تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ چپکے چپکے (ذکر و دعا کرنا) اس حالت میں افضل ہے جبکہ ریاء کا خوف ہو اور اظہار (یعنی جہری ذکر) اس وقت افضل ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور اس سے اولی اور بہتر قول یہ ہے کہ (یوں کہا جائے کہ) اخفاء جہر پر اس وقت مقدم ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے نمازی، سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا شرعی علم میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہے۔

اور جہر اخفاء پر اس وقت مقدم ہوگا جبکہ وہ ان سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے شخص کی وحشت اور گھبراہٹ کو یا کسی اونگھنے والے کی اونگھ کو دور کرنا مقصود ہو یا دعا کرنے والے کو اپنے نفس سے سستی دور کرنا مقصود ہو، یا کسی مومن کے دل کو مسرور اور خوشی پہنچانے یا کسی بدعتی کو اس کی بدعت سے باز رکھنا یا اس جیسی کوئی اور وجہ موجود ہو (تو پھر جہر اخفاء پر مقدم ہے)۔ (روح المعانی: ج۸، ص۱۴۰)

(ب) نیز حضرت علامہ آلوسیؒ، علامہ نوویؒ کے حوالہ سے دوسرے مذاہب کو بھی اس سلسلے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اور جس پر امام نوویؒ نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو امام شافعیؒ کے مذہب میں جہری ذکر نہ صرف جائز مستحسن ہے بلکہ چپکے چپکے ذکر سے افضل ہے اور یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام ملکؒ کی بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے (کہ ان کے نزدیک بھی سری سے جہری افضل ہے) اور قاضی خان نے بھی اپنے فتاوی کے مسائل قرائت کے بیان میں یہی قول اختیار کیا ہے اور انہوں نے جو باب غسلِ میت میں یہ کہا ہے کہ ذکر جہر مکروہ ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ قول صرف جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے کے متعلق ہے جیسا کہ شافعیہؒ کا مسلک ہے اور انہوں نے مطلقا جہری ذکر سے منع نہیں کیا ہے۔ (روح المعانی: ج۱۶، ص۱۶۲)

حضرت علامہ آلوسیؒ نے اس کے بعد ذکر جہر پر آخر تک بہت مفصل بحث کی ہے اور امور جہر کو بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جہر واخفاء

میں سے کونسی صورت افضل ہے، جہر یا اخفاء، اس میں علماء کا اختلاف بھی اور اشارۃً اپنے رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ان کے نزدیک اگر جہری دعا میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر جہر دعا کے بجائے اخفی دعا افضل ہے۔

(۸)......علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری کی مجالس

علامہ سید احمد طحطاوی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ: امام شعرانیؒ نے (اپنی کتاب) ''ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور'' میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں بغیر کسی نکیر کے جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے، مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی اور تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو (تو پھر جہر درست نہیں ہے)، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۷۴، افضل صفۃ الذکار)

تقریباً اسی طرح کی عبارت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھئے ردالمختار: ج ۱، ص ۴۴۴، مطلب فی رفع الصوت بالذکر)

☆......تنبیہ: یاد رہے کہ علامہ شعرانیؒ جو اجماعی قول نقل کرتے ہیں وہ جہر مفرط اور جہر شدید کے متعلق نہیں بلکہ یہ جہر معتدل اور اس جہر کے متعلق ہے جو کہ جہر شدید (جیسا کہ اذان وغیرہ میں ہوتا ہے) اس سے کم ہو ورنہ جہر مفرط میں تو اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پہلے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۹)......حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہر

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو کہ مسلک دیوبند کے اکابرین میں سے ہیں بلکہ دیوبند کے مسلک کی بنیاد انہی کو سمجھا جاتا ہے وہ اپنے فتاوی رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: امام صاحبؒ نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے وہاں جہر ثابت نہیں جیسا کہ عید الفطر کی نماز کو جاتے ہیں مطلقاً ذکر جہر کو منع نہیں فرمایا، ذکر ہر طرح درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۵۹۵)

(۱۰)......اکابر علماء دیوبند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس

صوفیاء کرام جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں کودتے چلاتے اور ''ھو حق'' کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور وغل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے جواب دیا:

جواب: بعض علماء نے مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ہو مکروہ لکھا ہے لھذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشگاہِ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر جہر یا بکاء اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط۔ (فتاوی رشیدیہ ۵۳۰ تا ۵۳۱)۔

سوال میں جو صورت لکھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے کہ کودتے ہیں چلاتے ہیں جس کے تماشے میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور شور وغل ہو جاتا ہے اور جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے ''رفع الصوت'' یعنی بلند آواز کے متعلق فرمایا کہ یہ بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے یعنی ''چلانا'' جو کہ جہر مفرط ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد میں مکروہ ہے یا بلا کراہت جائز ہے تو حضرت نے مذکورہ صورت جبکہ اس میں چلانے کے ساتھ کودنا وغیرہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ جبکہ ''رفع الصوت'' یعنی بلند آواز میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد

میں ہونی چاہئے یا کہ نہیں تو جب اسی کے ساتھ دوسری برائیاں بھی شامل ہو جائیں۔ تو اس کے غیر مستحسن یا ناجائز ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اور اس فتوے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا اختلاف اس جہر شدید و جہر مفرط میں ہے جو کہ بلاضرورت ہو ورنہ حضرت گنگوہیؒ یوں کہتے کہ چلانا تو جہر مفرط ہے یہ تو بالاتفاق مکروہ ہے اور پھر مسجد میں مکروہ پر مکروہ ہے اور جب اس کے ساتھ کودنا وغیرہ بھی شامل ہو جائے پھر تو بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ لیکن ان کے فتوی کو خوب غور سے پڑھیں تو اس میں کوئی ایسا لفظ آپ کو نظر نہیں آئے گا بلکہ یہاں چلانے کو جبکہ اس میں کودنا بھی شامل ہو جائے غیر مستحسن امر قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

☆...... بہتان اور جھوٹے پروپیگنڈے

بعض لوگ جب بھی بعض صوفیاء کے متعلق ایسے فتوی کو دیکھتے ہیں کہ ان کی نازیبا حرکت پر کسی عالم یا فقیہ نے تنقید فرمائی ہے تو وہ جب کسی سے سنتے ہیں کہ فلاں جگہ مسجد یا خانقاہ میں لوگ آکر جہر ذکر کرتے ہیں تو وہ ان پر فتوے لگانا شروع کردیتے ہیں اور ان کے خلاف جھوٹ اور بہتان باندھ کر یوں کہتے ہیں کہ وہ کودتے ہیں، چھلانگیں لگاتے ہیں ایک دوسرے کے گریبانوں اور اپنے گریبانوں کو پھاڑتے ہیں وغیرہ تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالی اور اس کی سزا سے ڈرنا چاہئے کہ بن دیکھے سنی سنائی باتوں پر کسی کے متعلق ایسی رائے قائم کرتے ہیں اور پھر لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات اور پروپیگنڈہ خالص جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے، اور جھوٹوں پر اللہ تعالی کی لعنت برستی ہے اور جو لوگ بغیر کسی تحقیق کے کسی کی بات دوسروں میں پھیلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ پھیلانے اور اللہ تعالی کی نافرمانی میں برابر کے شریک ہیں۔

☆ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا......الاية﴾ (الحجرات:٦) ''اے ایمان والو: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو''۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ'' آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو (بلا تحقیق کے) بیان کرتا ہے۔

(۱۲)...... مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دیوبندیؒ:

مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز میں یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور وشغب اور افعال مکروهہ پر مشتمل نہ ہو (کفایت المفتی، ج۳، ص۶۷)

زیادہ شور وشغب سے مراد یہی مفرط ذکر اور چلانا ہے اس لئے زیادہ کی قید لگائی یعنی ذکر میں آواز تو ہوتی ہے جس سے گونج بھی پیدا ہوتی ہے لیکن زیادہ چیخ چیخ کر ذکر نہیں کرنا چاہئے اور افعال مکروهہ وہی کودنا اور چھلانگیں لگانا وغیرہ ہیں۔

(۱۳) خیر المدارس کے دار الافتاء:

خیر مدارس کے دار الافتاء سے کسی سائل نے چند سوالات کئے کہ: بلند آواز سے ذکر کیسا ہے اور جہر کتنا اونچا ہونا چاہئے، لائٹ بند کرکے حلقہ باندھ کر ذکر جائز ہے یا کہ نہیں؟ سلاسل اربعہ کے اذکار کے متعلق پوچھا کہ جائز ہیں کہ نہیں، تو ان سوالات کا جواب سائل کو یوں ملا ہے۔

جواب ۱-۲ : ذکر جہر ہر طور پر جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہیں کرنا چاہئے، ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلّہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجمع میں حلقہ باندھ کر یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے اس کے بعد مفتی صاحب نے چند حدیثیں وغیرہ پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں کہ البتہ اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو اور جہر نہایت مفرط نہ ہو۔

اس کے بعد مفتی صاحب ادنیٰ جہر اور اعلیٰ جہر کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ :''وَاَدْنَی الْجَهْرِ اِسْمَاعُ غَیْرِهٖ مَنْ لَّیْسَ بِقُرْبِهٖ'' ذکر جہر ادنی کی حد تو متعین ہے وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں۔ (کما فی الشامیہ جلد:۱،ص:۴۹۹)

''وَاَعْلَاهُ لَاحَدَّ لَهٗ فَافْهَمْ'' لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں (شامی ج ۱ ص ۴۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلّی و نائم کو تشویش نہ ہو کما صرّح به الفقهاء.

(۳)...... سلاسل اربعہ حق ہیں۔

(۴)...... جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کی جائے اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو (ذکر کی کسی صفت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھے جیسا کہ اس کی وضاحت بار بار بندہ نے کی ہے) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۷-۰۴-۲۳ھ۔ اس فتوی کے اوپر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جو کہ اکابر دیوبند میں سے ایک عظیم شخصیت گذری ہیں کی تصدیق موجود ہے۔ (خیر الفتاوی، جلد ۱ ص ۳۴۹)۔

جہر کی حد کیا ہے؟

نیز یہاں یہ بات یاد رہے کہ ادنی جہر کے معنی میں بہت اختلاف ہے کہ کم از کم جہر کی حد کیا ہے، فقہائے کرام اس کیلئے جو حد متعین فرماتے ہیں یہ اسلئے نہیں کہ گویا وہ اس سے زیادہ جہر کے قائل نہیں بلکہ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر جہری اور سرّی نمازوں کا اور طلاق عتاق اور سجدہ تلاوت وغیرہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جہری نماز میں اگر کسی نے جہر کیا تو ادنی جہر کی مقدار کیا ہے جس سے نماز صحیح ہو جائے اور خفی ذکر و تلاوت کی حد کیا ہے کہ اس سے سری نمازوں میں قراءت صحیح ہو جائے۔ غرض وہ جہر اور خفی کی حد جو متعین کرتے ہیں وہ اس لئے کہ واجب جہر جو نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے وہ کونسا جہر ہے تو اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں اس مسئلہ پر علامہ ابن عابدینؒ نے تحقیق کی ہے۔ اور فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے اور بعض کے متعلق فرمایا کہ ان سے اس تعریف میں سہو ہو گیا اور بالآخر وہ جس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اسکے متعلق لکھتے ہیں: پس اس بحث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اخفاء کی ادنی حد (جس حد کے ساتھ سری نماز جیسے ظہر کی نماز صحیح ہوتی ہے وہ) یہ ہے کہ (نمازی) خود اپنے نفس یا پاس والوں میں سے ایک یا دو کو سنا سکے۔ (یعنی اس سے سری نماز میں فرق نہیں آئے گا) اور اخفاء کی اعلی حد (یعنی جس کے بعد سری نماز بھی صحیح نہیں ہو سکتی وہ) یہ ہے کہ صرف حروف کی تصحیح کریں (یعنی اگر کسی نے صرف دل ہی دل میں قرائت کی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی) اور ادنی جہر (جس کے بغیر جہری نماز جیسا کہ مغرب کی نماز صحیح نہیں ہوتی وہ یہ کہ) جو خود کو بھی اور پاس والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سنا سکے جیسا کہ صف اول کے لوگ اور اعلی جہر کی کوئی حد نہیں۔ (شامی ج ۱ ص ۳۵۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں کم از کم اتنا جہر تو ضروری ہے کہ قریب والوں کے علاوہ صفِ اول کے لوگ بھی سن سکیں۔ اس

کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تمام صف اول والے اگر چہ صف ایک میل ہو تو پھر بھی جب تک وہ اس تمام صف والوں کو نہ سنائے تو ادنی جہر نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صفِ اول کے آس پاس کچھ لوگ سن لیں۔

☆ ... علامہ ابن عابدینؒ اس پر بحث کر کے مسئلہ کو یوں بتلاتے ہیں کہ جہری نمازوں میں ادنی جہر جو کہ ضروری اور واجب ہے اور جو کہ سری نمازوں میں نہیں ہونا چاہئے اس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ پاس والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں اور جو اس حد تک نہ پہنچا ہو بلکہ اگر صرف بالکل پاس والے ایک دو آدمی بھی سن لیں تو وہ اخفاء میں داخل ہے جس سے جہری نمازیں مثلاً مغرب، عشاء وغیرہ صحیح نہیں ہو سکتی تو جہر اور سر کی یہ جو تعریف علماء کرام کرتے ہیں اس کا تعلق نمازوں کے صحیح ہونے کے ساتھ ہے نہ کہ اس ذکرِ جہری کے ساتھ (جس پر نماز کی صحت اور عدمِ صحت کا مدار نہیں ہے) اس لئے علامہ ابن عابدینؒ ذکرِ جہری کے ساتھ وہ اعلی اور ادنی قرأت کی کوئی حد مقرر نہیں فرماتے کیونکہ کسی کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور کسی کی پست اس لئے حضرت مفتی صاحب نے بھی جواب میں جو فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اپنے نشاط پر موقوف ہے کہ جس قدر اونچی آواز سے نشاط اور سرور حاصل ہوتا ہے اتنا کریں اور ضرورت سے زیادہ نہ کریں۔

☆ ......ب: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ: طریقہ شاذلیہ میں ذکر جلی باافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ نے جہر (یعنی شدید اور بلند آواز جیسا کہ سوال اور طریقہ شاذلیہ اور کھڑے ہو کر تینوں باتوں سے اچھی طرح واضح ہے) کے جواز اور عدمِ جواز دونوں طرف کے دلائل کو ذکر کر کے جس نتیجے پر وہ خود پہنچے ہیں لکھتے ہیں یہ: پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلّہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)

☆ ......ج: خیر الفتاوی میں حضرت مفتی عبد الستار صاحب زید مجدھم کا ایک فتوی موجود ہے وہ یہ کہ جب مستفتی نے مساجد میں اجتماعی اور انفرادی طور پر معتدل جہر کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے یوں جواب دیا:

(الجواب) قرآن حکیم اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے مجالسِ ذکر کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن وسنت اور حدیث کے کچھ دلائل لکھ دئے اور دلائل ممانعت کے مدلل جواب دیدیئے اور اس مضمون میں انہوں نے فقہاء اور علماء کے اقوال بھی نقل کر کے آخر میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے فتوی کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ: بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور وہیت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلّہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طو سے جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۵۴)

ہاں حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اس کی فضیلت میں اختلاف ہو سکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں شرط یہ ہے کہ بطور ریا نہ ہو کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو بلا تجویز شیخ کے جہر مفرط نہ ہو پھر اس جہر مفرط اور اس کی ہیئات خاصہ کو قربت (یعنی ذکر تو کار ثواب ہے لیکن جہر مفرط کی

صورت اور اس کی ہیئات مثلا کھڑے ہونا یا بیٹھنا یا حلقہ باندھنا یا سر ہلانا وغیرہ کو بالذات عبادت نہ سمجھے بلکہ ذریعہ) مقصود نہ سمجھے تارک پر نکیر نہ ہو۔ (خیر الفتاوی:۲،۳۷۲تا۷۵)۔

اس فتوی پر مفتی محمد اسحاق صاحب، حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد انور صاحب تینوں نے الجواب صحیح لکھا ہے۔

اس جواب میں غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے اور جو حضرات شدید جہر یعنی زیادہ تیز آواز کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ بھی صرف اس وقت جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اور وہ جہر شدید یعنی جس سے لوگوں کو یعنی نمازیوں وغیرہ کو تکلیف پہنچے وہ تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۱۴)..... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

”ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: پس ذکر جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو اور اگر قصدِ ریاء نہ ہو محض وسوسہ ریاء کا ہو تو وہ ریاء نہیں ہے اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے خلاصہ یہ کہ ذکرِ جہر کیلئے حد یہ ہے کہ جس سے اپنے کو ایذاء ہو نہ دوسروں کو ایذاء ہو اور اگر کسی نے ذکر جہر کو حد کے اندر شروع کیا پھر بے اختیار کہ بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز من الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں ” فَاِنَّ الْاُمُوْرَ الْغَیْرَ الْاِخْتِیَارِیَّۃَ خَارِجَۃٌ عَنِ التَّکْلِیْفِ کَمَالَایَخْفٰی “ (امداد الاحکام ج ۱،ص ۳۲۱)۔

اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے جہر میں افراط آئے اور حد سے تجاوز کر جائے پھر بھی مضائقہ نہیں۔

(۱۵)..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوریؒ

مسلک دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ: ذکر با خفاء افضل ہے یا جہر اور حالتِ ذکر میں بعض مرتبہ وجد میں آکر زانوں پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، کودنا، چلانا وغیرہ امور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر الٰہی خواہ بالاخفاء یا بالجہر ہو عبادت ہے اور اگرچہ ذکر خفی بوجہ مظنہ جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکرِ جہر خالی از ریاء و دیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ سے خالی ہو تو بوجہ مشقت ذکرِ خفی سے افضل ہوتا ہے، اس کے بعد دلیل میں حضرت سہارنپوریؒ نے شامی سے ایک حوالہ نقل کیا، اور اس کے بعد فرماتے ہیں: اور بحالت ذکر اگرچہ وجد (یعنی شور و غل وغیرہ) ریاء سمعہ کے طور پر ہو تو مذموم اور حرام ہے اور بلا اختیار بلا ریاء اور بلا سمعہ کے ہو (تو) مضائقہ نہیں“ اس کے بعد دلیل میں حضرتؒ نے علامہ ابن عابدینؒ کا ایک دوسرا حوالہ پیش کیا اور حضرت سہارنپوریؒ کے فتوی پر حضرت مفتی عنایت الٰہی، حضرت مفتی یحییٰ گنگوہیؒ، حضرت مفتی نور حسن اور حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے ”الجواب صحیح“ لکھا ہے۔ (فتاوی خلیلیہ ص ۳۲۷تا۳۲۹)۔

مذکورہ بالا فتوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے باقی وجد اور شور و غل اگر ریاکاری اور شہرت کی وجہ سے ہو تو پھر تو حرام ہے اگر بلا اختیاری، بلا ریاکاری، و سمعہ کے ہو تو مضائقہ نہیں کے الفاظ کس قدر محتاط ہیں اور آج کل کے غیر محتاط فتاوی ملاحظہ کیجئے، اس کو خوف

خدا کہتے ہیں کیونکہ ریاکاری اور شہرت پسندی کیلئے کوئی کام کرنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں اور وہ تو یقینی حرام ہے لیکن یہ بات تو معلوم ہے کہ ریاءکاری اور شہرت پسندی کا تعلق دل اور نیت سے ہے اس لئے حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ اگر ریاء کی وجہ سے کرتا ہے تو حرام کرتا ہے اور اگر بلا اختیار یعنی بغیر ریاء اور شہرت پسندی کے کرتا ہے تو مضائقہ نہیں اور آج کل بے احتیاطی یہ ہے کہ جہاں ذکرِ جہر دیکھا تو اس کی نیت پر حملہ کر کے اور بغیر کسی قید و بند کے اس کے فعل کو حرام کہنے لگتے ہیں۔

(۱۶) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ

اس مسئلہ پر تحقیق کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ: جس کسی نے ذکر جہر کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات (جہر مفرط عرفی امر ہے اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا عرف میں جس کو جہرِ مفرط سمجھا جائے وہ مفرط ہے اور جس کو متوسط سمجھا جائے وہ متوسط ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کیلئے اس کا شیخ جس قدر جہر کو تجویز کرے اتنا جہر کرنا چاہئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے البتہ کسی وقت غیر اختیاری ہو جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔) کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے۔ مطلق جہر بالذکر بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں جبکہ روایات صحیح میں اس کا جواز و استحسان ثابت ہے آگے چل کر حضرت مفتی صاحبؒ افضل اور غیر افضل اور جہر مفرط کے متعلق فرماتے ہیں کہ: رہا افضل اور غیر افضل کا سوال سو وہ احوال و اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کیلئے جہر افضل ہے اور کسی کیلئے سرّ افضل اور کسی وقت جہر کسی وقت سرّ افضل ہے تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہیے کسی شیخ کامل سے کرانا چاہئے ۔بہر حال یہ امر قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز، تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر انکی اجازت کے نہ آئے۔(امداد المفتین ص ۲۴۹، ۲۵۰)

حضرت مولانا مفتی مختار الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں کہ: عصر حاضر کے جید علماء اور مفتیان کرام سے میرے چچازاد بھائی صاحب زادہ زاہد زمان، کربوغہ شریف والے نے شرائط کے ساتھ ذکرِ جہری کے متعلق سوال پوچھا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور مفتیانِ کرام نے جو جوابات دئے ہیں ان کے چند اقتباسات بھی ذیل میں درج ہیں۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے کہ ایک شخص لاؤڈ اسپیکر پر یہ کہتا ہے کہ ذکر جہر بدعت اور حرام ہے اور ذکرِ جہر کرنے والا بدعتی ہے، اور دوسرا شخص اس کے جواب میں کہتا ہے کہ مطلق ذکرِ جہر بدعت اور حرام نہیں بلکہ بہت سے محققین جن میں علماء دیو بند بھی شامل ہیں وہ سب ذکرِ جہر کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱). ریاء کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲). نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(۳). چیخ و پکار کیے بغیر متوسط جہر کے ساتھ ذکر ہو۔

اب سوال یہ کہ کیا واقعی بہت سے محققین جن میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ، حضرت، مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں ان کے نزدیک ذکر جہر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

نیز آپ کے نزدیک ذکرِ جہری مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے یا حرام؟ اور ذکرِ جہر کرنیوالا یا اس کو جائز قرار دینے والا بدعتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کو بدعتی کہنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ المستفتی زاہد زمان۔

(۱)......دارالعلوم کراچی کا جواب:

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ نے اس سلسلے میں جو جواب دیا وہ یہ ہے۔

''مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر بالجہر بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور ان شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کرنے والے کو بدعتی قرار دینے والا خود غلطی پر ہے اور راہِ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے''......واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد اسحاق سواتی عفا اللہ عنہ، دار الافتاء دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، ۱۴۱۶ھ)

(۲)......دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ:

مذکورہ سوال کے جواب میں اکوڑہ خٹک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ سے دو جواب آئے ایک جواب حضرت اقدس مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم کا اور دوسرے مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتھم کا ہے دونوں کا جواب پڑھ لیجئے۔ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم کا جواب: ''ذکرِ جہر جب ایذاء سے خالی ہو تو علامہ شامیؒ نے امام عبدالوہاب شعرانیؒ سے روایت ہے کہ یہ مستحب''۔ (محمد فرید عفی عنہ)

مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتھم کا جواب: ''ذکر بالجہر جب کسی کیلئے یعنی نائم، مریض اور مصلی وغیرہ کیلئے مضر نہ ہو تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے......لہٰذا ذکر بالجہر غیر مضر کو حرام اور بدعت کہنے والا غلطی پر ہے'' (ھو الموفق، کتبہ سیف اللہ حقانی، مفتی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔)

(۳)......جامعہ خیر المدارس کا فتویٰ:

پاکستان کے قدیم اور مشہور مدرسہ جامعہ خیر المدارس سے اس کا جواب یوں دیا گیا: ''عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے، البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہئے''۔ (فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق، مفتی جامعہ خیر المدارس، ۲/۴، ۱۴۱۶ھ)

اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتھم کی تصدیق موجود ہے۔

(۴)......دارالعلوم فیصل آباد کا جواب:

حضرت اقدس مولانا مفتی زین العابدین دامت برکاتھم کے مدرسہ دارالعلوم فیصل آباد کا اس سلسلہ میں یہ جواب آیا: ''عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر ذکر ان مذکورہ شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے تو جائز ہے تمام علماء کے نزدیک۔ (جو شرائط سوال میں درج ہیں) اگر ان شرائط سے ہٹ کر ہو تو پھر بدعت ہے'' فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (مظہر اقبال، دار الافتاء، دار العلوم فیصل آباد ۳۰ ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ ۳۰/۰۵/۱۹۹۵۔)

(۵) مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب:

مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کے مہتمم اور دارالعلوم فیصل آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم نے اس کا جواب یوں دیا ہے: ''مذکورہ شرائط کیساتھ ذکر جہری ہونے پر بلکہ مسجد میں اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے پر علامہ شعرانیؒ نے اجماع نقل فرمایا ہے.....تو اسے بدعت کہنے والا فاسق ہے نیز اکابر علمائے دیوبند (جنکا ذکر استفتاء میں کیا گیا ہے) کے مسلک سے منحرف ہے۔ فقط واللہ اعلم، (جاوید حسین عفا اللہ عنہ، (استاد الحدیث) دارالعلوم فیصل آباد)

(۶) جامعہ امداد العلوم پشاور:

جامعہ امداد العلوم پشاور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ: ذکر جہر غیر مفرط مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے بالخصوص جبکہ متوسلین کی مشق اور تمرین کیلئے ہو، حوالہ جات مشہور معروف ہیں، الطاف الرحمٰن، امداد العلوم پشاور۔

(۷) صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت:

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد امین اورکزئی صاحب دامت برکاتہم، جامعہ یوسفیہ شاھو وام والے، ان کا جواب مندرجہ ذیل ہے: مندرجہ بالا تفصیل وشروط کے ساتھ ذکر بالجہر کو حرام یا بدعت کہہ دینے والا جاھل ہے یا مفسد وزائغ، حضرت امام ابوحنیفہؒ ودیگر اھل علم نے ایسے ذکر جہر کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہو جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو یعنی کسی موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن جہر منقول نہ ہوا یسے موقع پر باعتقاد قربت جہر کو مکروہ فرمایا جبکہ صاحبین اور دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک یہ جہر بھی بلا کراہت جائز ہے اور مفتیٰ بہ حنفیہ کے نزدیک یہی قول ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاھو وام)

حضرت شیخ الحدیث اورکزئی دامت برکاتہم نے اس سلسلہ میں ایک اور جواب بھی دیا ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ بہرحال جو شخص ذکر جہری کو مطلقاً بدعت قرار دیتا ہے اور وہ بھی لاؤڈ سپیکر پر یقیناً خود مبتدع اور مفسد ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

(محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاھو وام، یکم ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ)

اس باب کے آخر میں مناسب یہ ہے کہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا عمل بھی پیش کیا جائے جو دعا کے بارے میں آپؒ سے منقول ہے۔

(۸) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسجد میں جہری دعا:

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسجد کے مؤذن کا بیان ہے کہ: جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل گئے تو امام صاحبؒ نے نماز شروع کی۔ پھر میں واپس آیا تو فجر طلوع ہونے کے قریب تھی میں نے دیکھا کہ آپؒ کھڑے ہوئے اپنی داڑھی کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں: ''یَا مَنْ یَجْزِیْ بِمِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرٍ خَیْراً وَیَا مَنْ یَجْزِیْ بِمِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرٍّ شَراً اَجِرِ النُّعْمَانَ عَبْدَکَ مِنَ النَّارِ وَمَا یُقَرِّبُ مِنْهَا وَادْخِلْهُ سَعَةَ رَحْمَتِکَ'' اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کے بدلے خیر دیتا ہے اور ذرہ برابر شر کے بدلے شر (اور سزا) دیتا ہے۔ اپنے بندے

نعمان کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب فرما اور جو عمل اس آگ کو قریب کرنیوالا (اور پہنچانے والا) ہے اس (قول و فعل) سے بھی بچا اور اسے اپنی وسیع رحمت میں داخل فرما۔ (عقود الجمان ص ۲۲۵)

نیز قاضی صمیریؒ نے بکرؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک رات ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے رو رو کر دعا مانگ رہے ہیں کہ: "رَبِّ ارْحَمْنِیْ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ وَقِنِیْ عَذَابَکَ وَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ" اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما اس دن جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائیگا۔ اور مجھے اپنے عذاب سے بچا اور میری خطاؤں کو معاف فرما اس دن جبکہ گواہ کھڑے ہونگے۔ (عقود الجمان ص ۲۲۵)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں جہری دعا اور ذکر جائز ہے۔ اور آپؒ کی یہ دعا جہری ہی تھی کیونکہ مؤذن اور قاضی صمیریؒ نے ان کی دعا کو سن بھی لیا تھا اور یاد بھی کیا تھا۔

خلاصہ

مذکورہ بالا عبارتوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہوئی نیز یہ کہ جب جہر معتدل ہو اس کے جواز پر اور جہر مفرط (یعنی جس جہر سے خود کو نقصان ہو یا نمازیوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہو) کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء و علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ جن علماء کی عبارتیں مجمل ہیں ان کے کلام اور عبارتوں کو اسی جہر مفرط یا کسی خارج سبب مثلاً تخصیص والتزام پر محمول کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص صراحت کیساتھ مطلقاً ذکر معتدل کی نفی ایسی جگہ میں کرتا ہے جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر جہر اور ذکر سر میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہیں کیا ہے تو ایسے شخص کا یہ قول قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات اور عمل سے ٹکراتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جہر مفرط میں وہ جہر جو آواز کی انتہائی حد ہو یا یوں کہہ دیجئے کہ شدید جہر ہو تو وہ بھی اذان، تلبیہ اور جہاں دین کا اظہار یا کفار و مشرکین پر رعب جمانے کی خاطر ہو یا مسلمانوں کے اندر جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ہو تو یہ بھی بالاتفاق جائز ہے مثلاً حملہ کے وقت نعرہ تکبیر لگا کر کفار پر ٹوٹ پڑنا وغیرہ البتہ جہاں اتنے جہر کی شرعی ضرورت نہ ہو وہاں اس قدر جہر میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء اس کا یہ فائدہ بتلاتے ہیں کہ یہ آواز جس حد تک جائیگی وہاں تک جڑی بوٹیاں پتھر ڈھیلے وغیرہ اور حیوانات وغیرہ سب اس کے ذکر پر گواہ بن جائیں گے اور ذکر کی آواز ان کو پہنچ جائیگی۔

نیز اس ذکر کا ولولہ دوسرے سننے والوں میں پیدا ہو جائیگا جو لوگ ذکر کی آواز سن لیں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی درجہ میں تو یاد کریں گے اسی طرح کے فوائد کے پیش نظر وہ بغیر کسی ضرورت کے جہر شدید کے بھی قائل ہیں اور بلا کسی کیفیت خاصہ کے۔

لیکن بہت سے محققین بلاضرورت جہر شدید کو اگر چہ ریاء وغیرہ جیسے مفاسد سے خالی ہو تو بھی صحیح نہیں سمجھتے ان کے پیش نظر" دون الجھر" والی آیت اور" اربعوا" وغیرہ جیسی حدیث ہے اس لیئے وہ اس سے صرف ضرورت کے وقت جہر شدید کو مستثنیٰ کرتے ہیں مثلاً اذان، تلبیہ، اظہار دین اور عین حملہ کے وقت یا جس شخص کے ہموم اور غلط افکار کو دفع کرنے کیلئے ضرورت کے تحت جہر شدید کریں تو جائز ہے اور ضرورت کے بغیر ناجائز۔

کونسا ذکر ہے افضل ہے جہری یا سری

جہر افضل ہے یا سر: اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کی جب کوئی صاحب بصیرت عالم اور فقیہ یہ کہتا ہے کہ جہر افضل ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ بس جہری ہی کرنا ہے یا اگر سری کے متعلق کہتا ہے کہ سر افضل ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ بس سری ذکر کرتا رہے حالانکہ تمام علماء قرآن مجید کی تلاوت جہرا کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو چپکے چپکے پڑھتے ہیں ۔ نہ تو انسان ہمیشہ چپکے چپکے ذکر و تلاوت و دعا کرسکتا ہے اور نہ جہرا بلکہ نبی کریم ﷺ خود چپکے چپکے ذکر بھی کرتے تھے اور جہرا بھی ذکر و تلاوت کرتے تھے لہذا ایسی صورت میں کہ جب سری یا جہری ذکر کی افضلیت کا بیان ہو تو علماء کا مطلب صرف سر اور جہر کی اپنی ذاتی حیثیت کو واضح کرنا ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ سری ریاء سے دور تر ہے اور اس کے برعکس دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ریاء ایک قلبی کیفیت اور نیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر ریاء سے خالی ہو تو جہر میں مشقت اور دوسرے فوائد ہیں جو کہ ذکرِ سری میں نہیں ۔ اس لئے جہر افضل ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوگیا ہے کہ بعض کے نزدیک جہر افضل ہے اور بعض کے نزدیک اخفاء ۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے ذکر اللہ کے فضائل و مسائل مصنف حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب دمت برکاتھم کربوغہ شریف ۱۷۰ تا ۱۹۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا قول

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: تیرہ محرم الحرام کے رسالہ ''خدام الدین'' (لاہور) میں یہ لکھا ہے کہ ذکر جہری مبتدیوں کیلئے ہے اور اس کے کئی فائدے ہیں، مثلاً زبان، دماغ، دل متوجہ ہو جاتا ہے اور خیال غیر کی طرف نہیں جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کھیلنے والوں کا ذکر قبول نہیں فرماتا، اور منتہی دو طرح کے ذکر کرتے ہیں، مگر مبتدیوں کیلئے یہی ایک طریقہ ہے، کیونکہ ابتداء میں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، بعد میں تربیت کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس پر میرے ایک دوست نے کہا کہ یہ بدعت ہے، میں نے بڑے بڑے علماء کا ثبوت دیا مگر اس نے کہا یہ بدعت ہندوستان، پاکستان ہی میں ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں یہ چیزیں نہ تھیں؟ کیا ذکر جہراً و سراً دونوں طرح جائز ہے اور اس میں افضل کونسا ہے؟

جواب: اس معاملے میں محقق علماء کا مسلک یہ ہے کہ ذکر دونوں طرح جائز ہے، سراً بھی اور جہراً بھی، پھر مختلف حالات و مواقع کے اعتبار سے افضلیت بدلتی رہتی ہے، کہیں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے اور کہیں جہراً، لہٰذا کسی پابند شریعت شیخ کامل نے مرید کے حالات کے پیشِ نظر ذکر جہر کیلئے کہا ہو تو اسے جہراً ذکر کرنا جائز ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ اس کا یہ ذکرِ جہر کسی شخص کی نیند میں خلل یا کسی اور معقول تکلیف کا موجب نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہراً ذکر کو عبادتِ مقصودہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علاج کے طور پر اختیار کیا جائے۔ آپ کے دوست کا ذکرِ جہر کو بدعت کہنا درست نہیں، قرآن و حدیث میں ذکرِ جہر کا بھی ثبوت ملتا ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۱۴) ظاہر ہے کہ ذکر جہر سے منع کرنا، اطلاع ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔

اور اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے بعد بلند آواز سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' ([illegible]) پڑھا کرتے تھے، اس طرح اور بھی کئی روایات سے ذکرِ جہر کا ثبوت ملتا ہے، تفصیلی دلائل حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ: ج:۵ ص:۱۵۹ مطبوعہ کراچی میں کتاب السلوک کے تحت بیان فرمائے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ ([illegible])

تحقیق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ''راہِ سنت صفحہ:۱۷۴'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عمدہ ترین عبادت ہے اور دعاء کرنا بھی ایک اعلیٰ ترین نیکی اور قربت ہے، مگر اسی طریقہ سے جس سے شریعت حقہ نے راہنمائی کی ہے، جس موقع پر جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم ہے (مثلاً عرفہ کی فجر سے لے کر آخر ایام تشریک تک، اور حج کے دنوں میں تلبیہ وغیرہ) تو وہاں جہر کرنا سنت ہے۔ اور جہاں جہر کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہوگا۔ اور اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہوگی۔ اور یہی حکم ہے دعاء کا۔ اگرچہ حضرات صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے اور ان کے علاوہ بعض مقامات میں امام ابن حزمؒ اور اکثر صوفیاء کرامؒ نے اکثر مقامات پر جہر سے ذکر کرنے کو صرف پسند کیا ہے لیکن نہ کرنے والوں کو نہ تو ملامت کی اور نہ وہابی کہا۔ مگر دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ذکر اور دعا آہستہ طریقہ سے بہتر ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک ہے۔ جب حضرات ائمہ اربعہؒ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو یہی امید رکھنی چاہئے کہ حق ان کے ساتھ ہے اور پھر آج اگر صرف ذکر بالجہر کو پسند ہی کیا جاتا اور دوسرے پہلو کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا، تب بھی ایک بات ہوتی۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والے کو وہابی وغیرہ کہہ کر اسے ملامت کی جاتی ہے اور محلِ طعن بنایا جاتا ہے، اور آج مسلمان اور اہلِ سنت ہونے کی یہ علامت قرار دی جارہی ہے، کہ اگر ذکر بالجہر کرتا ہو تو سُنّی ورنہ وہابی۔ اس لئے اس مسئلہ پر غور کی ضرورت ہے۔ (راہ سنت ص ۱۷۴-۱۷۵)

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کتاب ''حکم الذکر بالجہر صفحہ نمبر ۱۴'' میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرات صوفیاء کرامؒ کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اور اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کیلئے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ جہر مفرط نہ ہو صرف تعلیم کی حد تک ہو کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو اگر یہ شرطیں کلاً یا بعضاً مفقود ہوں تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔ (حکم الذکر بالجہر:۱۴)

آگے دلائل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ہر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم سے صریح ثبوت ملتا ہو وہ مسئلہ نہایت ہی قوی اور بہت ہی مدلل ہوتا ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے اس کا ثبوت عرض کر دیں تاکہ کسی کو علمی اور تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

پہلی آیت کریمہ

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (پارہ:۸، اعراف)

ترجمہ: تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو''۔

اس آیت کریمہ میں دو امر صراحت سے بیان ہوئے ہیں ایک ''تَضَرُّعًا'' اور دوسرا ''خُفْيَةً'' اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ عاجزی، زاری اور انکساری کے ساتھ دعاء ہو اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجاوز کی مد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو عادتاً یا شرعاً محال ہوں جن کو کوئی مانگے یا معاصی اور لغو چیزیں طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی حیثیت اور شان کے مناسب ہی نہ ہو اور ایسے مقام پر جہاں شرعاً ثابت نہیں بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنا، یہ سب اُمور اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں، باقی امور تو واضح ہیں ان میں کس کو اختلاف ہوسکتا ہے؟ اگر کچھ شک وشبہ اور اختلاف ہوسکتا ہے تو بلند آواز سے دعاء اور ذکر بالجہر میں ہوسکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ضروری حوالے ہم یہاں عرض کریں تا کہ حقیقت بالکل بے نقاب اور معاملہ بالکل صاف ہوجائے۔

(الف) ..... حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۳۳ھ) اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر کی ممانعت سمجھتے تھے۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر قرآن کریم کی تفسیر کو زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔

(ب) ..... فقیہ الامت سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰) ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ علامہ الشیخ ابراہیم الحلبی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾ تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے" مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی مقدار میں دلائل متعارض ہیں تو اقل لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل کیا جائے گا احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے دلائل بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں ہے۔" (غنیۃ المستملی: ۵۳۱۔۵۳۲، طبع رحیمیہ دیوبند)

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الخ ﴾ سے ذکر بالجہر کی ممانعت ہی سمجھی ہے اور وہ اس کو بدعت فرماتے ہیں کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں صرف اس مقام میں جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے وہاں جہر ہوگا ورنہ عمل اصل پر ہوگا حضرت امام صاحبؒ کے اس ضابطہ کو فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتھم نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ امام محمد بن احمد سرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۸۰ھ) حج وعمرہ کے موقع پر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اذکار اور دعاء میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر جس چیز کا اظہار واعلان مقصود ہو جیسے اذان اعلان کیلئے اور خطبہ وعظ کے لئے اور نماز کی تکبیریں تحریمہ صلوٰۃ اور انتقال ارکان بتانے کیلئے اور قراءۃ مقتدی کے سنانے کیلئے پس تلبیہ اس چیز کے شروع کیلئے ہے جس کا دین میں اظہار مقصود ہے پس تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے" (مبسوط: ۴، ۶، طبع مصر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء احنافؒ کا یہ ضابطہ ہے کہ جہاں اذکار میں مقصود اعلان واظہار ہے مثلاً اذان وتلبیہ اور خطبہ وغیرہ تو ایسے مواقع میں بلند آواز سے پڑھنا مقصود ہے ورنہ ذکر اور دعائیں احنافؒ کے ہاں مستحب طریقہ ہی یہ ہے کہ آہستہ ہو اور جہر نہ کیا جائے

☆...... امام اکمل الدین محمدؒ بن محمود الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک دعاء اور اذکار میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر وہاں جس کا اظہار مقصود، جیسے اذان اور خطبہ وغیرہ اور تلبیہ اسی چیز کے شروع کرنے کی علامت ہے جس کا اظہار دین کی نشانیوں سے ہے سو اس

میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ (العنایۃ:۲/۸۴۶، برحاشیہ فتح القدیر طبع مصر)۔

☆ حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبدالواحد الحنفیؒ (المتوفی:۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ: اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے۔
(فتح القدیر:۱/۴۳۰، طبع مصر)

☆ علامہ علاؤالدین ابوبکرؒ بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ: اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر اس جگہ جہاں شریعت میں جہر کی تخصیص وارد ہو۔ (البدائع الصنائع:/۲۷۹، طبع مصر)

☆ حضرت مولانا عبدالحی اللکھنوی الحنفیؒ (المتوفی:۱۳۰۴ھ) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے تکبیر عیدالفطر کے بارے لکھتے ہیں کہ: امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "واذکر ربک فی نفسک الآیۃ" دلالت کرتا ہے اور شریعت میں جہر عیدالاضحیٰ کے موقع پر وارد ہوا ہے اس لئے جہر اپنے مورد پر بند رہیگا۔ (عمدۃ الرعایۃ:۱/۲۴۶)

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذکر کے لئے اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ اور اس پر وہ قرآن کریم کی نص قطعی سے دلالت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں خود شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے اور لفظ اُدْعُوْا سے امام صاحبؒ اس کا اہم فرد ذکر مراد لے رہے ہیں جس طرح کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اس سے ذکر مراد لی ہے۔

(ج) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ الحنفی اس آیت کریمہ کی طویل تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں: اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جن میں خصوصیت سے جہر کی حاجت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور تکبیرات تشریق اور امام کیلئے نماز میں انتقال کیلئے تکبیریں اور جب کوئی ضرورت پیش آئے تو مقتدی کا تسبیح کہنا اور حج میں تلبیہ اور اسی کی مانند اور مواقع۔ (تفسیر مظہری،۳/۴۰۸)

آگے قاضی صاحبؒ تصریح فرماتے ہیں: اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے پس جب جہر کے سلسلہ میں تعارض واقع ہو تو اقل کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر کہ آہستہ ذکر افضل ہے اور اس پر کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اس پر اجماع ہے دلیل حسن بصریؒ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آہستہ دعاء میں اور بلند آواز سے دعاء میں ستر (۷۰) گنا فرق ہے اور بلاشبہ مسلمان دعائیں کوشش کرتے تھے اور حال یہ تھا کہ ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی ان کی دعاء ان کے اور ان کے رب کے درمیان نہایت آہستہ ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ" اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نیک بندے (حضرت زکریاؑ) کا ذکر فرمایا جس کے فعل پر وہ راضی ہے کہ "اذ نادیٰ ربَّہٗ نِدَاءً خفیا" کہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا تو آہستہ پکارا اور نیز ذکر خفی کے افضل ہونے پر حضرت سعد بنؓ ابی وقاص کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کر سکے۔ (تفسیر مظہری ۳/۴۰۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس اجماع سے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ کا اجماع مراد ہے اور حضرت حسن بصریؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ مسلمان نہایت کوشش اور دلجمعی کے ساتھ دعاء کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ان کی عاجزی وزاری اور

مناجات جو کچھ بھی ہوتی تھی وہ صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتی تھی اور اس کی صفت ''عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' اور ''يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى'' ہے کہ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور آہستہ تر بات کو بھی جانتا ہے تو اس کے سامنے چلّانے کی کیا ضرورت ہے؟۔

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں: تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالاجماع مکروہ ہے مگر وہاں جہاں جہر کی ضرورت پیش آئے اور حکمت بھی اس کا تقاضا کرے پس اس وقت جہر اخفاء سے بلاشبہ افضل ہے مثلاً اذان اور تلبیہ وغیرہ۔

(تفسیر مظہری ۳ ۴۰۹)

اس کے بعد انہوں نے دوسرا مرتبہ زبان کے ساتھ ذکر کا بیان کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں: اور تیسرا درجہ دل، روح اور نفس وغیرہ کے ساتھ ذکر کرنا ہے کہ زبان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور وہ ذکر خفی ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے چنانچہ محدث ابو یعلیؒ نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جس کو کراما کاتبین بھی نہیں سنتے قیامت کے دن ستر (۷۰) گنا بڑا ہوا ہوگا۔ (تفسیر مظہری: ۳/۴۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ دل اور نفس میں جو ذکر ہوتا ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں دی جاتی وہ بھی بتحقیق حضرت قاضیؒ وغیرہ ذکر ہے اور اس کو کراما کاتبین بھی نہیں سنتے اس ذکر کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو علیم و خبیر اور علیم بذات الصدور ہے اور اس سے دل کے وساوس اور خطرات بھی مخفی نہیں۔ حضرات صوفیاء کرامؒ کے ہاں دل کی صفائی کیلئے یہ ذکر معمول بہ ہے چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ۔ (التوفی فی حدود ۸۰۰ھ)

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدینؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر خفی میں دم بند کر کے ذکر کرے جب تنگ ہو آہستہ سے ناک کی راہ سے سانس لے پھر منہ بند ہی رکھے ایسے اشغال سے دل صاف ہو جاتا ہے۔ (مفتاح العاشقین: ۸) ذکر بالسر پر استدلال کا تذکرہ تفسیر خازن ۲/۲۴۱ طبع مصر تفسیر روح المعانی ۸/۱۳۹ طبع مصر تفسیر ابن کثیر ۲/۲۲۱ طبع مصر اور تفسیر کبیر ۱۳/۱۳۱ طبع مصر میں بھی موجود ہے۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی موجود ہے: چوتھی حجت آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آہستہ ایک دفعہ کی دعاء بلند آواز سے ستر (۷۰) مرتبہ دعاء کے برابر ہے اور نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

(د)..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اس آیت کریمہ سے اخفاء دعا پر استدلال اس قدر واضح ہے کہ امام ابو عبداللہ محمدؒ بن عمر فخر الدین الرازی الشافعیؒ (التوفی: ۶۰۶ھ) نے فقہی مسلک کے اختلاف اور منطقی اور فلسفی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کے استدلال کو صرف صحیح اور درست ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ سپر ڈال کر ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا افضل ہے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے کہ آمین میں دو وجہیں ہیں پہلی یہ کہ وہ دعاء ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے پس اگر آمین دعاء ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ہو تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے سو اگر وجوب ثابت نہ ہو تو استحباب سے کیا کم ہوگا؟ اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۱۳/۱۳۱ طبع مصر)

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ امام فخر الدین الرازیؒ کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دونوں آیتوں سے اس بات پر استدلال صحیح ہے کہ دعاء بھی آہستہ ہو اور ذکر اللہ بھی آہستہ ہو۔

☆ حافظ ابن القیم ابوعبداللہ محمدؒ بن ابی بکرؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) آہستہ دعا کرنے کے بارے میں دس فوائد اور حکمتیں بیان کرتے ہیں، جن کا نہایت مختصر سا خلاصہ یہ ہے: (۱)..... آہستہ دعا کرنا ایمان کی بڑی عظمت ہے (۲)..... اس سے ادب کا بہت بڑا پہلو نمایاں ہوتا۔ (۳)..... عاجزی اور خشوع میں یہ بہت بڑا دخل رکھتا ہے۔ (۴)..... اخلاص میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۵)..... اس سے اللہ تعالی کے معاملہ میں جمعیت قلب ہوتی ہے۔ (۶)..... آہستہ دعا کرنے والے کا اللہ تعالی کے ساتھ قرب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے۔ (۷)..... یہ دوام طلب کی طرف بہت داعی ہے۔ (۸)..... یہ خشوع کو قطع کرنے والے اسباب اور مشوشات سے بعید تر ہے۔ (۹)..... حسد کے مکر سے بعید تر ہے۔ (۱۰)..... دعا چونکہ ذکر ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالی کے ارشاد سے ثابت ہے لہذا دعا بھی آہستہ ہو۔

(محصلہ بدائع الفوائد: ۳/۶تا۹، حکم الذکر بالجہر: ۱۵تا۲۵)

دوسری آیت

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ (پارہ ۹، اعراف ۲۰۵)

☆ امام زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں: سو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالی کے اس ارشاد کے مخالف ہے ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ پس جہر وہاں بند ہو گا جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے۔

☆ امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی ۷۱۰) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ کا ارشاد تمام اذکار میں عام ہے قراءت قرآن، دعاء، تسبیح اور تہلیل وغیرہ سب کو یہ شامل ہے۔ (تفسیر مدارک ۲/۹۲ طبع مصر)

صاحب مدارک اس کے بعد لکھتے ہے: ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے فکر کرنے کے بھی یہ زیادہ قریب ہے۔ (ایضا)

☆ مشہور مفسر امام محمد بن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طویل تشریح کرتے ہوئے معروف تابعی مجاہدؒ (ابن جریرؒ جو الامام اور الحافظ تھے (المتوفی ۱۰۳) کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں: کہ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا اپنے دلوں میں عاجزی اور ڈرتے ہوئے ذکر کریں۔ (تفسیر ابن جریج ۹/۱۶۶ طبع مصر)

☆..... الامام الحافظ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریجؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں: کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا اور چلّانا مکروہ ہے۔

(ایضا ۹/۱۶۷، وایضا فی تفسیر خازن: ۲/۳۳۲ طبع مصر، ومعالم التنزیل: ۲/۳۳۲ بر حاشیہ الخازن)

☆..... امام فخرالدین الرازی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے نفس کو سنا سکے کیونکہ مراد تو یہ ہے کہ زبانی ذکر حاصل ہو اور زبانی ذکر جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو اس ذکر سے خیال متاثر ہوگا اور خیال کا متاثر ہونا قلبی وروحانی ذکر کی قوت کا موجب ہے۔ (تفسیر کبیر ۱۵: ۱۰۸ طبع مصر)

اس تفسیر میں امام رازیؒ نے جہر کی ایک نوع یا بالفاظ دیگر ادنیٰ جہر کا تذکرہ فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرمادی کہ خود ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے اور یہی ذکر لسانی اور ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ﴾ کا مصداق ہے۔

☆..... علامہ محمد بن محمد العمادی الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں: یہ تمام اذکار میں عام ہے اس لئے کہ آہستہ ذکر کرنے کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر ابو سعود ۲: ۲۲۳ طبع مصر)

☆..... قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں: ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ اس انداز سے کلام کیا جائے جو آہستہ سے اوپر اور جہر سے کم ہو اور اس سے مراد جہری نماز ہے مطلب یہ ہے کہ زیادہ شدت سے جہر نہ کرو بلکہ آہستہ اور سکون سے ہو تاکہ جو تمہارے پیچھے اقتداء میں ہیں وہ سُن لیں اسی طرح اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ (تفسیر مظہری ۳: ۵۰۹، ۵۱۰)

غور فرمائے کہ جہری نماز میں بھی جس میں مطلوب ہی جہر ہے جہر شدید ممنوع اور ناپسندیدہ ہے حالانکہ اس میں مقتدیوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسی حد تک جہر ہو جس حد تک نماز میں شامل مقتدی سُن سکیں ضرورت سے زیادہ درست نہیں ہے۔

☆..... علامہ محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ: یہ ہر ذکر کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور وہ قبولیت کے بھی قریب تر ہے۔ اور ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اور مراد جہر سے افراط سے آواز بلند کرنا ہے اور "دُوْنَ الْجَهْرِ" سے جہر کی ایک اور قسم مراد ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ذکر جہر اور آہستہ کے درمیان ہو۔ (تفسیر روح المعانی ۹: ۱۵۴ طبع مصر)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اذکار میں جہر مفرط (جن مقامات میں ثابت نہیں) مطلوب نہیں بلکہ جہر کی ایک ایسی نوع اور قسم مطلوب ہے جو جہر مفرط اور آہستہ کے درمیان ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ وہ یوں ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے الغرض ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ میں ایسا جہر مراد نہیں کہ دوسرے لوگ سُن سکیں اور ان کے مشاغل میں خلل پڑے بلکہ ایسا جہر مراد ہے "هُوَ اَنْ يَّسْمَعَ نَفْسَهٗ" کہ اپنے آپ کو سُنا سکے اسی کو بعض حضرات نے جہر کے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بعض دیگر حضرات نے بالسّر کیساتھ تعبیر کردیا ہے، مقصود دونوں قسم کے بزرگوں کا صرف ایک ہے البتہ تعبیر جدا جدا ہے۔

☆..... حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) سوال وجواب کی صورت میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: پچھترواں (۷۵) سوال: کیا ذکر بالجہر شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟ اور کونسا گناہ ہے؟

الجواب: ذکر بالجہر مذہب حنفیہ میں بدعت ہے مگر اس جگہ جہاں ذکر بالجہر آیا ہے مثلاً اذان وغیرہ کہ اس میں آواز بلند کرنا بدعت نہیں اور اس

کے علاوہ بدعت ہے۔ (۱)...... فتح القدیر میں ہے کہ اذکار میں اصل اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی جس مقام پر حضرات فقہاء کرامؒ بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں اس مقام میں بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ (۲)...... اور ہدایہ کی شرح غایۃ البیان میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی دلیل اور علت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً﴾ ان کی بات ختم ہوئی۔ (۳)...... اور ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ (۴)...... اور بحرالرائق میں ہے کہ تمام اوقات بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں شرعاً استثناء آئی ہے۔ (۵)...... اور امام قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے۔ (۶)...... اور مصنف المصفّٰی نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔ (۷)...... اور فتاویٰ العلامیہ میں ہے کہ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور تالیاں بجانے سے منع کیا جائے گا۔ (۸)...... اور تحفہ کی شرح بحریۃ المغنی میں ہے کہ جو لوگ صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو اس کارروائی سے روکا جائے گا۔ (۹)...... اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے۔ ﴿وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور تو اپنے رب (جل جلالہ) کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کر اور ایسی آواز سے ذکر کر جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو تو بلند آواز سے ذکر اسی مورد پر بند ہوگا جہاں وارد ہوا ہے اور بلاشبہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر جہر آیا ہے۔ (۱۰)...... اسی طرح علامہ محمد عابد السندی الانصاریؒ کے رسالہ میں آیا ہے اور جن بعض احادیث سے ان جگہوں کے علاوہ جہر ثابت ہوتا ہے جن میں جہر مقرر ہوا ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقات شرح مشکوۃ میں اس کی تصریح فرمائی ہے جس کا جی چاہے اس کو دیکھ لے۔ (مأتہ مسائل صفحہ ۹۴، ۹۵، ۹۶ طبع مصطفائی محمد حسین خان ۱۲۸۳ھ)

حضرت شیخ احمد المعروف بہ ملا جیونؒ لکھتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ﴿وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ تو اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر تمام اذکار کو شامل ہے قراءۃ القرآن دعاء تسبیح اور تہلیل وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کر جونسا ذکر ہو عاجزی کرتے اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کا یہ معنی ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ حُسن تفکر کے بھی زیادہ قریب ہے صبح اور شام کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں وقتوں میں ذکر کی فضیلت زیادہ ہے اور یا یہ دوام سے کنایہ ہے اور نہ ہو تو غافلوں میں سے یعنی ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہیں، اسی طرح حضرات مفسرین کرامؒ نے کہا ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ آیت کریمہ ذکر خفی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی لئے بعض اہل سلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت یا مباح ہے اور بعض کے نزدیک جہر اصل ہے اور یہ بحث ہمارے زمانہ میں لوگوں میں مختلف فیہ چلی آرہی ہے لیکن اس میں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مقصود سب کا وصول الی اللہ ہے جس طریقہ سے بھی ہو اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے مگر امام کیلئے نماز میں اور ایام تشریق میں اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اکابر نے فرمایا ہے کہ آہستہ دعاء بہت جلدی قبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً

خَفِیًّا﴾ جب اس (یعنی حضرت زکریاؑ) نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً﴾ کہ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی اور ڈرتے ہوئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ (تفسیرات الاحمدیہ ۲۹۱ طبع بمبئی ہند)۔
اکثر اہل سلوک اور جمہور حضرات فقہاء کرامؒ کا مسلک آہستہ ذکر کرنے کا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کو چھوڑ کر کوئی معتبر فقیہ بھلا جا بھی کہاں سکتا ہے؟۔ کاش کہ حضرت شیخ ملا جیونؒ اس وقت موجود ہوتے اور لاؤڈ سپیکروں پر ذکر بالجہر کا دن رات شور وغل سنتے تو پھر اس کو وہ وصول الی اللہ تعالیٰ کا طریقہ بتاتے تو پتہ چلتا؟ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی متعدد آیات آہستہ ذکر پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں۔ (حکم الذکر بالجہر: ۲۹۔۳۶)

پہلی حدیث

حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعریؓ (المتوفی ۵۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ: جب آنحضرت ﷺ غزوۂ خیبر کیلئے نکلے یا یہ کہا کہ آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے سو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ الحدیث۔ (بخاری ۲/ ۶۰۵۔ والفظ لہ، مسلم ۲/ ۳۴۶، ومسند احمد ۴/ ۳۹۴)
اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ (بجز مستثنیٰ مواقع کے) بلند آواز سے تکبیر اور ذکر آنحضرت ﷺ کو پسند نہیں اور اسی لئے آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اس سے منع فرمایا ہے۔
☆...... چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام محی الدین ابو زکریا شرف الدین النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جہر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے تو ذکر میں آواز پست رکھنی چاہئے، کیونکہ آہستہ آواز اس کی توقیر و تعظیم پر زیادہ دلالت کرتی ہے ہاں اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پھر آواز بلند کرنی چاہئے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔
(نووی شرح مسلم ۲/ ۳۴۶)
☆...... علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: کیونکہ اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے ذکر اور دعا، دونوں کو مکروہ سمجھا ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۴/ ۲۴۴)
☆...... حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں: امام طبری نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں اکثر سلف اسی کے قائل تھے۔
(فتح الباری ۵/ ۳۴۵) (حکم الذکر بالجہر ۸۰۔۸۹)

☆...... **فائدہ**: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارات میں جہاں بھی ذکر بالجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی صریح عبارت (حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ: ۱/ ۵۴ ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کے تشریح میں فرماتے ہیں کہ: دون الجہر بھی جہر ہی کہ ادنیٰ درجہ ہے) کے پیش نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پر حمل کرے گا تو یہ توجیہ القول بما لا

یرضٰی بہ قائلہ کا مصداق ہوگا۔ جو اہل علم اور اہل انصاف کے نزدیک قابل التفات نہیں اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس صراحت کے پیش نظر حضرات فقہاء احنافؒ کے باہمی اختلاف میں بھی تطبیق کی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے وہ یوں کہ جن حضرات نے ذکر بالجہر کو مکروہ کہا ہے وہ ان مقامات میں ہے جہاں شرعاً ثابت نہیں اور اس جہر سے جہر مفرط اور جہر متوسط دونوں مراد ہوگی جس سے مثلاً نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہو اور جن حضرات نے جہر کی اجازت دی ہے وہ ادنیٰ جہر مراد ہے جس کا ذاکر خود سُن لے اور کسی دوسرے کو کوئی اذیت اور تشویش لاحق نہ ہو اور انہوں نے ترجیح بھی اسی قول کو دی ہے علمی طور پر اس تطبیق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (حکم الذکر بالجہر ۴۱۔۴۲)

دوسری حدیث

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران: (المتوفی ۵۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **خیر الذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی**'' (مسند احمد ۱/۱۷۲، موارد الظمآن ۵۷۷، والبیہقی فی شعب الایمان کذا فی التفسیر المظہری ۳/۳۰۹)

بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (جامع الصغیر ۲/۸) اور علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں باسناد صحیح (السراج المنیر ۲/۲۶۲)

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ ذکر کی بلند آواز سے ذکر کرنے پر بڑی فضیلت ہے اگر ذکر بالجہر جائز اور مشروع بھی ہو تب بھی درجہ ورتبہ کے لحاظ سے آہستہ ذکر اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ یہ واضح اور صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔ ہاں جہاں شرعاً جہر مطلوب ہے اس کا معاملہ جدا ہے۔

تیسری حدیث

مشہور ثقہ تابعی حضرت قیسؒ بن عبادؒ (المتوفی ۸۰ھ) سے روایت ہے کہ: ''**کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یکرھون الصوت عند ثلاثۃ الجنائز والقتال والذکر۔۔۔ وقد ذکر الحسنؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یکرہ رفع الصوت عند ثلاثۃ عند قراءۃ القرآن وعند الجنائز وعند الزحف**'' (السیر الکبیر للامام محمد مع شرح السرخسی ۱/۸۵)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے حضرات صحابہ کرامؓ تین جگہوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے: (۱)......جنازہ۔(۲)......لڑائی (۳)......اور ذکر کے وقت۔۔۔۔۔اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین مواقع پر آواز بلند کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے ،تلاوت قرآن، جنازہ، اور قتال کے وقت۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ علامہ ابن نجیم مصری الحنفیؒ کے بحث پر فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱)..... صوفیا کرام جو ذکر کے وقت آواز بلند کرتے ہیں اور وجد میں آکر اچھلتے کودتے ہیں اور خوشی میں آکر تالیاں بجاتے ہیں ان کو اس کاروائی سے شرعاً منع کیا جائے گا اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے (جیسا کہ گذر چکا) اور ایسے صوفیاء کی بہت

برائی اور قباحت بیان کی ہے۔

(ز)...... امازاہدیؒ (صاحب قنیہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض ائمہ صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کی جماعت سے مل کر آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کا آخری حصہ اور ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَآاِلٰهَ الایة﴾ وغیرہا بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

شیخ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: نوٹ: صاحبِ قنیہ کی مراد اگر یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر امام یہ دعائیں پڑھے اور مقتدی بھی ساتھ پڑھتے جائیں تا کہ ان کو یہ یاد ہو جائیں بشرطیکہ نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو تو یہ صحیح ہے لیکن جب دعائیں یاد ہو جائیں تو پھر ترک کر دیں اور اگر ان کی مراد عام ہے تو دیگر مستند فقہاء احنافؒ کی عبارتیں اس کی تائید نہیں کرتیں۔

☆...... چنانچہ امام حافظ الدین الکروری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں: یاد کرنے والے (یعنی امام) نے اگر اس ارادہ سے ماثور دعاء بلند آواز سے کی تا کہ لوگ دعاء سیکھ لیں اور لوگوں نے بھی ساتھ جہر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سیکھ چکنے کے بعد قوم کا جہر کرنا بدعت ہے۔ (فتاوی بزازیہ ۳، ۳۷۷ علی هامش الھندیہ طبع مصر) یہ عبارت بزازیہ کے حوالہ سے فتاوی عالمگیری: ۵/۳۵۳ طبع مصر میں بھی منقول ہے۔

اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ جب قوم دعائیں یاد کر چکی تو پھر ان کیلئے جہر سے دعا کرنا بدعت ہے جہر کا جواز صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو دعائیں یاد نہ ہوئی ہوں اور اب تو جہر سے ذکر اور دعائیں کرنے والے جہر کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ بدعت ہے۔

☆...... چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر سے رُک جائے اور یہ اس کارروائی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔ (المدخل ۱۰۹، حکم الذکر بالجہر ۶۶-۶۷)

(ی)...... اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف بھی آہستہ پڑھنی افضل ہے اور اس کی وجہ سلف صالحینؒ کی کمال اتباع ہے اور نجات اسی میں ہے۔

(ک)...... اگر کوئی مقرر اور واعظ پند و نصیحت اور عبرت کیلئے صحیح قصے بیان کر رہا ہوں اور اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی مؤثر اور بلیغ بات نکلوا دی تو حاضرین مجلس اگر داد دیتے ہوئے بے ساختہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یا ''سُبْحَانَ اللّٰه'' وغیرہ'' کلمہ یک زبان ہو کر کہہ دیں (جیسا کہ آج کل قاریوں کی قرأت سے متأثر ہو کر یا کسی شعلہ بیان مقرر کی تقریر میں ایسا کرتے ہیں) تو اس میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

(ل)...... اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ اگر جمع ہو کر ذکر کرنا چاہیں تو ذکر آہستہ کریں اور اسی طرح تسبیح و تہلیل بھی آہستہ کہیں کیونکہ ذکر کا اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو تو بلا کسی شرعی جواز کے جہراً ذکر نہ کریں۔ (حکم الذکر بالجہر: ۶۸)

بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا

کون مسلمان اس بات میں تردد کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سننا ایک بہت بڑی عبادت کار ثواب اور سعادت ہے، لیکن جہاں جہر کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے مثلاً کسی کی نماز یا کسی بیمار یا سونے والے کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس مقام پر بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں خود آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایات بھی موجود ہیں (علاوہ اس حوالہ کے جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے) اور حضرت فقہاء کرامؒ کی تصریحات بھی صراحۃً موجود ہیں۔

☆ چنانچہ حضرت البیاضیؓ (حضرت ابو حازم الانصاریؓ) فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے جو نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ ان کی آوازیں قرآن کریم کی قرأت کیلئے بلند ہو رہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نمازی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرتا ہے اور قرآن کریم پڑھتے وقت تم میں سے کوئی شخص کسی پر آواز بلند نہ کرے۔ (رواہ احمد رجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ۲:۲۶۵)

☆... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہؓ بن حذافہ کھڑے ہو کر جہر سے نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن حذافہ تو مجھے نہ سُنا بلکہ اللہ تعالیٰ کو سُنا (یعنی آہستہ پڑھ)۔ (مجمع الزوائد: ۲/۲۶۵)

ان صحیح روایت کے پیش نظر حضرات فقہاء کرامؒ نے بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سے بھی منع کیا ہے جب کہ اس طرح پڑھنے سے کسی کے سکون شغل اور آرام میں خلل پڑتا ہو۔

☆... چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہو اور اس کے پہلو میں کوئی شخص فقہ کے مسائل لکھتا ہو اور بدیں وجہ اس کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ قاری پر ہوگا کیونکہ وہ ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور لکھنے والے پر (ترک سماع کی وجہ سے) کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (۱:۸۷ طبع نول کشور لکھنؤ)

اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا جہر سے پڑھتا ہو اگر آہستہ پڑھتا ہو تو پھر بالکل جائز ہے، کیونکہ اس طرح کسی کے کام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔

☆... فتاویٰ عالمگیری میں ہے: کہ لوگ کام میں مشغول ہوں ان کے پاس بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے اور یہ بھی قرآن کریم کی تعظیم میں شامل ہے کہ بازاروں میں اور کھیل کی جگہ قرآن کریم نہ پڑھا جائے قنیہ میں ایسا ہی ہے۔ (عالمگیری: ۵/۳۵۰ طبع مصر)

☆ ... حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفیؒ نے جب زور دار الفاظ میں ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت قرار دیا تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ آحادیث و آثار میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت آئی ہے پھر کس طرح یہ صحیح ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ آخر قرآن کریم بھی تو ایک ذکر (بلکہ عمدہ ذکر) ہے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے کے بارے میں بہت احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار موجود ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ جہر ان لوگوں کیلئے ہے جو ریاء اور خود پسندی وغیرہ بُری صفات کا خوف نہ کریں اور نمازیوں کی جماعت کو اس سے اذیت نہ ہوتی اور

نہ ان کی نماز میں اشتباہ اور التباس واقع ہوتا ہو پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف کرتا ہو تو اس کیلئے بلند آواز قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔ (تفسیر مظہری ۳/۵۱۲)

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مشروط ہے، اگر اس کی شرطیں پائی جائیں تو جہر مستحب ہے ورنہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور خصوصاً جب کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور اشتباہ کا احتمال اور خطرہ ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں کتاب "حکم الذکر بالجہر" مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ صفحہ ۵۲۔۵۵)

جہر اور اخفاء کی تعین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ (حکم الذکر بالجہر) کتاب میں جہر اور اخفاء کی تعین کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

جہر اور اخفاء کے مفہوم کی تعیین کے بارے میں حضرات فقہاء احناف کی عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں، لیکن اس بات میں تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تکلم اور تلفظ سے ہے ان میں جب تک تکلم اور تلفظ نہ ہو اس وقت تک شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ شرعاً ان پر کوئی فقہی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً طلاق (عتاق) وغیرہ اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے بشرطیکہ گونگا نہ ہو (گونگے کی اشارہ سے طلاق شرعاً معتبر ہے، ہدایہ: ۲/۳۳۹ اور اسی طرح واضح کتابت سے بھی جو پانی اور ہوا وغیرہ پر نہ ہو طلاق واقع نہیں ہوتی، فتاوی قاضی خان: ۲۱۸) جب تک زبان سے نہ بولے تو طلاق واقع نہیں ہوتی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: "اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیء" (بخاری ۲/۷۹۴) یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں طلاق دیدے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واقع نہیں ہوتی۔

☆ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی: ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور یہی قول مختار ہے اور اس کے سوا ذکر معتبر نہیں ہے چنانچہ قراءت اور طلاق (وغیرہ) میں اور جو ذکر دل میں ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم سے ہے وہ ذکر نہیں جیسا کہ وہ قراءت نہیں اور ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کا فعل ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ۲/۱۲۷)

اس عبارت کا یہ معنی لینا کہ دل کا ذکر ذکر ہی نہیں اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے قلت تدبر کا نتیجہ ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ طلاق و قراءت وغیرہ امور جن میں تلفظ اور نطق شرط ہے ایسے ذکر کا اعتبار دل سے نہیں ہوگا ان میں زبان کا تلفظ اور اپنے آپ کو سنانا شرط۔ اور یہی حکم ہے ان اذکار کا ہے جن کا تلفظ شرعاً مطلوب ہے، عام اس سے وہ نماز میں ہوں یا خارج از نماز۔

☆ ... حضرت امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں: قاضی عیاضؒ المالکی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دو قسم کا ہے ایک ذکر دل کا دوسرا زبان کا اور دل کا ذکر بھی دو قسم کا ہے ایک ان میں تمام اذکار سے ارفع اور بلند پایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اس کے جبر اور اس کے عجائبات اور اس کے آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا اور خیر الذکر الخفی کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے اور دوسرا دل کا ذکر یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی کے موقع پر مامور کو بجالائے اور منہی عنہ کو ترک کردے اور جہاں اشکال واقع ہو وہاں توقف کرے بہرحال خالی زبان کا

ذکر تو وہ کمزور ترین اذکار میں سے ہے لیکن اس میں بھی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ امام ابن جریر الطبریؒ وغیرہ نے سلفؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ دل اور زبان کے ذکر میں سے افضل کونسا ہے؟ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اختلاف صرف اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ محض دل میں تسبیح اور تہلیل وغیرہ کا خیال آئے (بغیر ذکر زبان کے) اس میں کوئی فضیلت ہے یا نہیں؟ اسی پر ان کا کلام دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ سلفؒ ذکر خفی میں مختلف ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ ایسا ذکر ہے کہ زبان کا ذکر اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تو اس سے بڑھے گا کیسے؟ اختلاف اس میں ہے کہ دل میں محض تسبیح وغیرہ آیا ذکر ہے یا نہیں؟ اور زبان کے ذکر سے بھی وہ ذکر مراد ہے جس میں دل حاضر ہو سوا گر دل غافل ہو تو وہ بھی کچھ نہیں اور جنہوں نے دل کے ذکر کو ترجیح دی انہوں نے کہا کہ محض عمس افضل ہے اور جنہوں نے زبان کے ذکر کو راجح کہا انہوں نے کہا کہ اس میں عمل زیادہ ہے جب اس میں زبان کے استعمال کی زیادت آئی تو اجر بھی زیادہ ہوگا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دل کے ذکر کو فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لکھتے ہیں اور اللہ تعالی فرشتوں کے لئے ایسی علامت مقرر کر دیتا ہے جس سے وہ شناخت کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں لکھتے کیونکہ اس پر اللہ تعالی کے بغیر کوئی مطلع نہیں (امام نوویؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتے لکھتے ہیں اور زبان کا ذکر حضور قلب کے ساتھ محض دل کے ذکر سے افضل ہے۔ (نووی شرح مسلم ۲/۳۴۴)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: فصل: ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ان میں افضل وہ ذکر ہے جو دل اور زبان دونوں سے ہو پس اگر ان میں سے ایک پر اقتصار کیا جائے تو دل کا ذکر افضل ہے۔ (کتاب الاذکار:۸)

☆ حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ: ہر وہ ذکر جس کا شریعت میں حکم آیا ہے واجب ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک تلفظ نہ ہو۔ (مرقات:۵/۴۹)

ایسے اذکار سے وہ اذکار مراد ہیں جن میں نطق اور تلفظ شرط ہے مثلاً تسمیہ عند الذبح، قراءت اور تسبیحات نماز وغیرہ۔

☆ امام محمد بن محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ: مؤثر اور نافع وہ ذکر ہے جو ہمیشہ ہو اور اس میں دل حاضر ہو بہر حال زبان کے ساتھ ایسا ذکر جس میں دل غافل ہو تو اس کا نفع کم ہے اور احادیث میں ایسا بیان آیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے ذکر میں دل کا حاضر ہونا اور پھر دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی سے غافل رہنا بھی بہت کم مفید ہے بلکہ ہر وقت یا اکثر اوقات میں دل کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے لولگانا عبادات پر مقدم ہے۔ (احیاء العلوم مع تخریج العراقی:۱/۳۰۹ طبع مصر)

☆ امام غزالیؒ نے "وفی الاخبار ما یدل علیہ" سے ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں بغیر حضور قلب کے دعا کی عدم قبولیت کا ذکر آتا ہے۔ جن میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم اللہ تعالی کو اس طریقہ سے پکارو کہ تم یہ یقین رکھو کہ وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائیگا اور تم جان لو کہ اللہ تعالی غافل اور بے پرواہ دل سے دعاء قبول نہیں فرماتا۔

(رواہ الترمذی:۲/۱۸۶، مشکوۃ:۱/۱۹۵، طبع اصح المطابع)

جن بعض بزرگوں کی عبارات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تنہا ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں مثلاً امام احمد بن محمد بن حجر مکی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:

ہمارے آئمہ وغیرہم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ محض دل کے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ۶۳)

تو اس سے ایسا ذکر مراد ہے جس کا تلفظ اور تکلم شرعاً مامور اور مطلوب ہے، ورنہ امام قاضی عیاضؒ کی حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہی دل کا ہے اور اسی طرح امام نوویؒ کا ارشاد بھی گذر چکا ہے اور حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ بیان ہوا

☆...... علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ نے ایک اور لطیف بات فرمائی ہے: اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دل میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان اذکار کے معانی کو ماننے والا ہو جن کو وہ زبان سے پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کمال عزت، عظمت اور جلال وغیرہ کو متحضر رکھے کیونکہ زبان کا ایسا ذکر جو دل کی موافقت سے خالی ہو گویا اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ زبان کے سادہ ذکر میں (جس میں دل شریک نہ ہو) بالکل کوئی ثواب نہیں ہے۔ (تفسیر روح المعانی ۹/۱۵۴ طبع مصر)

ان بعض حضرات نے تو یہ کہا مگر حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں فقہاء نے جو اعتبار نہیں کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدوں اس کے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا (النوادر:۱۸۴)

اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ ذکر لسانی بھی زبان کا ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کا عمل ضائع نہیں کرتا اگر نفاق کے طور پر زبان سے کہے اور دل ساتھ نہ ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

☆...... امام محمد بن الجزری الدمشقی الشافعیؒ (المتوفی ۸۳۳ھ) نے اپنی کتاب حصن حصین میں ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: یعنی جو اجر اور ثواب شریعت نے ذکر پر مرتب کیا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اس کا تلفظ نہ کرے اور اپنے آپ کو نہ سُنائے۔ (حصن حصین)

☆...... اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ: میں کہتا ہو کہ تلفظ کا اعتبار تو آنحضرت ﷺ کے صریح اقوال سے معلوم ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسا کہا تو اس کو اتنا اجر ملے گا تو اس کو اجر اسی صورت میں مل سکتا ہے جس پر قول کا معنی صادق آئے اور قول زبان کے ساتھ تلفظ کے بغیر نہیں ہوتا باقی رہی یہ شرط کہ اپنے آپ کو سُنائے تب اس کو ثواب ملے گا تو اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی کیونکہ ثواب قول پر مرتب ہے اور وہ محض تلفظ سے پورا ہو جاتا ہے اور تلفظ کا معنی زبان کو حرکت دینا ہے اگرچہ اپنے آپ کو نہ سنائے سو غور کرنا چاہئے کہ اپنے آپ کو سنانے کی شرط کی کیا وجہ ہے؟ (تحفۃ الذاکرین ۳۹،۴۰ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ تلفظ کرنے سے ذکر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے گو ذاکر کے اپنے کان بھی نہ سنیں اور اگر اس انداز کا تلفظ ہو کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچائی جائے تو یہ بعض اکابر کی تعریف کے لحاظ سے ادنیٰ جہر کہلائے گا جیسا کہ امام کرخیؒ وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

☆...... اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے اپنے دونوں کانوں کو آواز سنادی اس نے آہستہ نہیں پڑھا۔
(مجمع الزوائد ۲/۲۶۷) (حکم الذکر بالجہر مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ۹۶،۹۷)

تنبیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر تحریر فرماتے ہیں:

پہلی بات: حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سینکڑوں مسائل میں حضرت امام بوحنیفہ کیساتھ اختلاف کرتے ہیں حتی کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز تک کے احکام میں اختلاف ہے ایک امام ایک چیز کو جائز اور حلال کہتے ہیں اور دوسرے اس کا ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں علماء کرامؒ کا تو کہنا کیا ہے کتب فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں ہمارے دلوں میں تمام ائمہ کرامؒ کی قدر وعظمت ہے اور ہمارے قلوب ان کی تعظیم وتکریم سے بحمد اللہ تعالی بھرپور ہیں لیکن جب دلائل اور براہین کی قوت اور فقاہت کی گہرائیوں کا سوال اور تقابل سامنے آتا ہے تو ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دلائل کی قوت اور ان کی خداداد فقاہت کا ساتھ دینے پر مجبور ہوجاتے ہیں اسی طرح ہمارے دلوں میں تمام سلاسل کے اکابر کی بے پناہ محبت وعقیدت ہے وہ نقشبندی ہوں یا چشتی قادری ہوں یا سہروردی ہوں یا کسی اور سلسلہ سے وابستہ ہوں تمام ہمارے لئے قابل ہزار احترام ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ ان حضرات کی محبت نجات کا بہترین ذریعہ ہے اور ان میں سے اہل اجتہاد حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں گو وہ فی نفسہ غلط بھی ہوں مگر ان میں نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہوں گے بلکہ بفضلہ تعالی ماجور بھی ہوں گے لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی فتوی یا عمل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فتوی اور عمل سے متصادم ہوگا تو اس میں ہم حضرت ابوحنیفہؒ کے فتوی اور عمل ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کا تو اجتہاد بھی بڑی وزنی دلیل ہے اور پھر ان کا استدلال نص قطعی سے ہے کما مر۔ اور حضرات صوفیاء کرامؒ کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہوسکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کردیا جائے گا نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم وحدیث شریف اور حضرات ائمہ فقہاء اور خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جاسکتی ہے

مجدد الف ثانیؒ کے چند عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف الثانی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کی چند عبارتیں بھی نقل کردیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور ذکر بالجہر کرنے والے کو حضرات صوفیائے کرامؒ کے استدلال کا معیار بھی معلوم ہوجائے:

(۱) حضرات صوفیاء کرامؒ کے طریقوں میں سے اونچے طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب تر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کا التزام کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے اسلئے اگر اتباع سنت کی دولت رکھتے ہوں اور احوال حضرات صوفیہؒ سے کچھ بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود اتباع سنت میں فتور دیکھتے ہیں تو ان احوال کو وہ پسند نہیں کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سماع اور رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال سماع ورقص پر مرتب ہوتے ہیں ان کو وہ معتبر نہیں سمجھتے بلکہ ذکر بالجہر کو بدعت سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور ان ثمرات کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں ایک دن ہم حضرت خواجہ باقی باللہ

صاحبؒ کے دولت کدہ میں دعوت طعام پر حاضر تھے، آپ کے مخلص مریدوں میں سے ایک شخص شیخ کمالؒ نے کھانا شروع ہونے کے وقت آپ کے سامنے بسم اللہ بلند آواز سے کہہ دی، آپ کو یہ ناگوار گزرا حتیٰ کہ اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ اسے منع کر دیں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہو اور آپ سے میں نے سُنا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کے دربار میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے روکیں علماء نے حضرت امیر کلالؒ سے کہا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کریں انہوں نے جواب میں فرمایا (بہت اچھا) ہم نہیں کرینگے جب اس طریقہ کے اکابر ذکر بالجہر سے منع کرنے میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں تو سماع اور رقص وجد اور تواجد کا کیا ذکر؟ حال و وجد جو ناجائز اسباب پر مرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے۔ (مکتوب ۲۶۶ حصہ چہارم دفتر اول ۱۶۷ و ۱۶۸ طبع نور کمپنی تاجکی بازار)

(۲) ..... اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکام شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے جواہرات نفیسہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اخروٹ اور منقّٰی کے عوض ضائع نہیں کرتے اور حضرات صوفیاءؒ کے سکریہ کلمات کے گرویدہ نہیں ہوتے اور ان احوال کو شرعی ممنوعات پر عمل کرنے سے حاصل ہیں اور بلند مرتبہ سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں کرتے اور نہ ان کو چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا حال ہمیشہ ایک طرز پر رہتا ہے۔ (مکتوب ۲۲۱، دفتر اول حصہ چہارم ۸۰)

(۳) ... اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں جو بدعت ہے حالانکہ ذکر بالجہر ذوق وشوق بخشتا ہے اور یہ حضرات دوسری چیزوں سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں کیوں منع نہیں کرتے جیسے کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ۔

اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے باوجودیکہ یہ ذوق وشوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ اے میرے مخدوم! آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف وعادت کے طور پر آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور ہم اس کے روکنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور آپ کا وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر تھا اس کی مخالفت کو ہم بدعت نہیں سمجھتے اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے نہ کہ دین پر اور ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف ورسم بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے اور اسی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں کے بدلنے سے عرف بھی متفاوت ہو جاتا ہے اس بات کے باوجود بھی اگر اس سنتِ عادی کی پابندی کی جائے تو یہ بھی سعادتوں اور عمدہ نتیجوں کا پھل لانے والی ہے (مکتوب ۲۳۱، دفتر اول حصہ چہارم ۲۴ و ۲۵)

(۴)...... پس ہر وہ طریقہ کہ نفس کی مخالفت اس میں زیادہ ہو (اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں) وہ سب راستوں سے قریب تر ہے اور شک نہیں کہ طریقہء عالیہ نقشبندیہ میں باقی سب طریقوں سے نفس کی مخالفت زیادہ ہے کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے اور رخصت سے اجتناب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عزیمت میں حرام اور فالتو کاموں سے پرہیز کے دونوں اجزاء کی رعایت رکھی گئی ہے بخلاف

رخصت کے کہ اس میں صرف حرام ہی سے پرہیز کا لحاظ ہے اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ باقی سب طریقوں میں بھی عزیمت ہی اختیار کی گئی ہو تو میں کہوں گا کہ باقی اکثر طریقوں میں سماع اور رقص بے شمار حیلوں سے رخصت تک پہنچتا ہے عزیمت کا وہاں کیا ٹھکانہ اور اسی طرح ذکر بالجہر کا حال ہے کہ رخصت سے زیادہ اس میں کسی چیز کا خیال نہیں کیا جا سکتا اور نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے طریقوں میں اپنی کچھ نیک نیتی کے باعث نئے کام پیدا کر لئے ہیں نہایت تصحیح کے ساتھ ان میں حکم صرف رخصت تک ہی لگایا جا سکتا ہے بخلاف اس سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کے کہ انہوں ایک بال برابر بھی سنت کی مخالفت کو تجویز نہیں کیا اور بدعات کے گھڑنے اور ان پر عمل کرنے کو روا نہیں رکھا تو اسی سلسلہ میں نفس کی مخالفت پورے طریقہ پر پائی جاتی ہے پس یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے قریب تر ہے سو طالب کیلئے اس طریقہ کا اختیار کرنا زیادہ اولیٰ اور مناسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت قریب ہے اور مقصد نہایت بلند ہے (اس بات کی تشریح اسی کتاب کے (''سلسلہ نقشبندیہ کے فضائل'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں) ان بزرگوں کے طور وطریقہ کو چھوڑ کر بعض کام اس طریقہ میں گھڑ لئے گئے ہیں اور سماع ورقص اور ذکر بالجہر اختیار کر لیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بزرگ خاندان کی نیتوں کی حقیقت کو ہی نہیں پہنچے اور اس گھرانے کے ان خلفاء نے یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ ان بدعات اور محدثات کے ذریعہ اس طریقہ کی تکمیل وتتمیم کر رہے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ اس طریقہ کو بگاڑنے اور ضائع کرنے میں پوری کوشش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی (صحیح) راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ (مکتوب ۲۸۶، دفتر اول حصہ چہارم: ۵۷و۵۸)

اور نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کو فقہ شافعیؒ سے موافقت اور نبوت کے کمالات کو فقہ حنفیؒ سے مطابقت ہے اگر بالفرض اس امت میں کوئی نبی مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کریگا اور اس موقع پر حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کی اس بات کی حقیقت معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنی کتاب فصل ستہ میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔

(مکتوب ۲۸۷ دفتر اول حصہ پنجم: ۴۰)

یعنی چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کمالات نبوت میں سے ہے اور عین سنت کے مطابق ہے اس لئے جب حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی غیر منصوص احکام میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کی بدولت جو احکام سنت سے مستنبط کئے تھے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی براہ راست سنت سے استنباط کریں گے۔ گویا دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں توارد ہوگا فرق یہ نکلے گا کہ ایک اجتہاد معصوم کا ہوگا اور ایک غیر معصوم کا مگر دونوں کی کڑی سنت سے جا ملے گی۔ (حکم الذکر بالجہر: ۱۹۷تا۲۰۴)

☆.....دوسری بات: ہوسکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ذکر بالجہر ابتدائی مراحل اور مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کیلئے جائز رکھا ہو تا کہ اس طریقہ سے وساوس شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلت نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت کی حرارت اور جذبہ سلوک پیدا ہو اور بعد کے حضرات نے ہوسکتا ہے کہ افراط وتفریط کا شکار ہو کر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے کما مر) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتاوی

بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آجکل ذکر جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اوران دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اگر ہماری اس تاویل اور توجیہ پر کسی کا یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ سے سن لیں (دیکھئے تفسیر مظہری: ۳/۴۰۹)

حضرت خواجہ نصیرالدین صاحب چراغ دہلویؒ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک خفی دوسری جلی لیکن سالک کو پہلے جلی شروع کرنا چاہئے پھر خفی ذکر جلی زبان سے تعلق رکھتا ہے زبان سے ذکر جلی کی کثرت کرنے چاہئے تاکہ اس کثرت سے خفی حاصل ہو۔

(مفتاح العاشقین اردو ترجمہ ملفوظات حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی ص ۸ طبع لاہور)

☆......تیسری بات: جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے (گو ان میں اکثریت حضرات شوافع اور حضرات صوفیاءؒ کی ہے مگر) انہوں نے بھی ذکر جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کیساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں۔

(مثلاً) امام ابن حجر مکی الشافعی حضرات صوفیا کرامؒ کے اذکار واوراد کے اثبات پر پہلے چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں: اور جب یہ ثابت ہوا کہ حضرات صوفیاءؒ جس بات کے معتاد ہیں یعنی ان کا اذکار واوراد پر صبح وغیرہ کے بعد جمع ہونا اس کی سنت سے صحیح اصل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے سو اس سلسلہ میں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اگر اس مقام پر ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے اذیت ہوتی ہے مثلاً نماز یا سونے والا تو پھر ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ آہستہ ذکر کریں ورنہ اس حکم کی طرف رجوع کریں جو ان کو ان کا شریعت اور حقیقت کا جامع استاد دیتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے بیان چکی ہے کہ وہ حکیم کی مانند ہے سو وہ اسی چیز کا حکم دے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اس میں بیمار کی علت کی شفاء ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بعض ردی قسم کے وساوس اور کیفیات نفسانیہ کے دفع کرنے اور غافل دلوں کو بیدار کرنے اور کامل اعمال کے اظہار کیلئے جہر کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو اخلاق کے طریقوں کی تعلیم اور گمنامی کی زندگی کو ترجیح دینے کیلئے آہستہ ذکر اختیار کرتے ہیں۔ (فتاویٰ حدیثیہ ۵۶ طبع مصر)

اس عبارت میں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں نمازیوں اور سونے والوں کی نیند اور آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

(۲)......علامہ خیرالدین رملی الحنفیؒ کا حوالہ گذر چکا ہے جس میں ذکر بالجہر کی بعض شرائط اور قیود کا تذکرہ موجود ہے۔ (۳) علامہ شامیؒ (۴)......علامہ سید احمد طحطاوی (۵)......اور حضرت تھانویؒ کے مفصل حوالے پہلے گذر چکے ہیں جن میں ذکر بالجہر میں لوگوں کی عدم اذیت کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (لوگوں کو تکلیف دینا حرام ہے اگر ذکر بالجہر کی وجہ سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو تو پھر اس کا ترک واجب ہے) ذکر بالجہر تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ زیادہ سے زیادہ رخصت ثابت کیا جا سکتا ہے اور بعض دیگر حضرات کی تحقیق سے مباح یا مستحب یا صرف جائز ثابت ہوتا ہے اندریں حالات ایک رخصت یا مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور جائز کو ادا کرنے کیلئے واجب کو نظر انداز کر دینا فقہی طور پر کس طرح درست ہوگا۔ (ماخذ حکم الذکر بالجہر مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف کیا ہے؟

لوگوں نے تصوف کے معنی سے بحث کی ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے اور اس پر بھی کہ صوفی کون ہے؟

پہلے سوال کے مشائخ نے کئی جوابات دیئے ہیں ابراہیم بن مولد رقیؒ نے اپنی کتاب میں اس کے ایک سو سے زائد جوابات جمع کئے ہیں، ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیال اور ذوق کے مطابق کی ہے، اور چونکہ ہمارا مقصد اختصار سے کام لینا ہے، اس لئے اگر ان تمام اقوال کا ذکر کریں، جو اس سلسلہ میں کہے گئے ہیں، تو ہم اصل مقصد سے دور ہو جائیں گے، البتہ ہم چند اقوال کا ذکر انشاء اللہ کریں گے۔

اقوال مشائخ

(۱) ابومحمد جریری کا قول: فرمایا: یہ اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم:۴۱۷)

(۲) حضرت رویمؒ کا قول: نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کریں۔ (ایضا:۴۱۸)

(۳) حضرت محمد بن علی القصابؒ کا قول: فرمایا تصوف ان کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی کریم زمانہ میں کسی کریم شخص سے شریف لوگوں کے سامنے ظہر پذیر ہوں۔ (ایضا:۴۱۸)

(۴) حضرت جنیدؒ کا قول: کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔ (ایضا:۴۱۸)

(۵) حضرت جنید کا ایک اور قول: فرمایا اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ (ایضا ۴۱۸)

(۶) حضرت معروف کرخیؒ کا قول: تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔ (ایضا:۴۱۸)

(۷) حضرت رویم بن احمد بغدادیؒ کا قول: کہ تصوف کی بناء تین چیزوں پر ہے، جو یہ ہیں: (الف): فقر وافتقار کو مضبوط پکڑنا۔ (ب) بذل وایثار کے ساتھ متصف ہونا۔ (ج) اور کسی چیز سے تعرض کرنے یا کسی چیز اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم:۴۱۸)

(۸) حضرت سمنونؒ کا قول: تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔ (ایضا)

(۹) حضرت ابوحفص نیشاپوریؒ کا قول: تصوف آداب ہے ہر وقت کا ادب، ہر جگہ کا ادب، ہر حال کا ادب۔ (تصوف وسلوک، ص۱۲)

(۱۰) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول: تصوف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔ (تصوف وسلوک، ص۱۳)

(۱۱) حضرت احمد خضرویہؒ کا قول: تصوف باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے۔ (ایضا: ص۱۲)

(۱۲) حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ کا قول: تصوف درگزر کو اختیار کرنا، اچھے کاموں کا حکم دین اور جاہلوں سے اعراض کرنا ہے۔ (ایضا)

(۱۳) حضرت ابوالحسن شنجہؒ کا قول: ایک وقت تھا کہ تصوف حقیقت تھی بے نام آج نام ہے بے حقیقت۔ (ایضا)

(۱۴) حضرت عمر بن عثمانؒ مکی کا قول: تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے، جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم:۴۱۸)

(۱۵) حضرت محمد بن احمد المکریؒ کا قول: تصوف اپنے احوال کو سچ پر قائم رکھنے کا نام ہے۔ (تصوف وسلوک)

(۱۶)......حضرت نوریؒ کا قول: کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو، تو ایثار کردے۔ (ایضاً:ص ۴۱۹)

(۱۷)... حضرت مرتعشؒ کا قول: تصوف اچھے اخلاق کا مجموعہ کا نام ہے۔ (تصوف وسلوک:ص ۱۲)

(۱۸)... حضرت کتانیؒ کا قول: کہ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے، جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے، وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم: ۴۱۹)

(۱۹)... حضرت ابوعلی قزوینیؒ کا قول: تصوف ایسے اخلاق کو کہتے ہیں جن سے رب راضی ہو۔ (تصوف وسلوک: ۱۲)

(۲۰)......حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب کا قول: تصوف اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے جو اچھے اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں زیادہ ہے۔ (ایضاً)

(۲۱)... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول: تصوف اپنے کو مٹا دینے کا نام ہے۔ (ایضا ۱۳)

(۲۲)... حضرت حسین بن منصورؒ کا قول: صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے، نہ کوئی اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم: ۴۱۷)

(۲۳)......حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ کا قول: کہ صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے اور باوجود ذی عزت ہونے کے حقیر بنے اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے، حقیر کے بعد عزت والا بنے اور گمنام ہونے کے بعد شہرت والا ہو۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم ۴۱۷)

(۲۴)......حضرت محمد زکریاؒ کا قول: تصوف کی ابتداء ہے: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" (بیشک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) اور تصوف کی انتہا: "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" (یہ کہ اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے)۔ (ایضاً)

(۲۵)......حضرت احمد علی لاہوریؒ کا قول: تصوف یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسول اللہ ﷺ کو اطاعت سے اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کرو۔ (ایضاً)

(۲۶)......حضرت سہل بن عبداللہ کا قول: کہ صوفی وہ ہے، جو اپنے خون کو رائیگان سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔ (ایضاً)

(۲۷)......حضرت شبلیؒ کا قول: کہ صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کیساتھ متصل ہو گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ﴾ میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ (یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو) ہر غیر سے منقطع کر دیا۔ مگر پھر (جب موسیٰ نے دیدار کی درخواست کی تو) فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِیْ﴾ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا (تا کہ اس کا اشتیاق بڑھے)۔ (ایضاً)

(۲۸)......حضرت شبلیؒ کا دوسرا قول ہے: کہ اللہ کے ساتھ غم کے بغیر بیٹھنا تصوف کہلاتا ہے۔ (ایضاً:ص ۴۲۰)

(۲۹)......حضرت ابوتراب نخشبیؒ کا قول: کہ صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی، مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔ (ایضاً)

(۳۰)......حضرت ابونصر السراجؒ کا قول: وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر

ترجیح دی ہے۔(ایضا)

(۳۱)۔۔ حضرت جریریؒ کا قول: کہ اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب رکھنے کا نام تصوف ہے۔(ایضا)

(۳۲) حضرت رویمؒ کا قول: کہ جب تک صوفیاء (ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے)، آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں، ٹھیک رہیں گے، مگر جونہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی (اور تنبیہ چھوڑ دی)، تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

(۳۳)۔ حضرت ابو علی روذ باریؒ کا قول: کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے، خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔

نیز فرمایا کہ بُعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم:۴۲۰)

(۳۴)۔۔ حضرت جنیدؒ کا دوسرا قول: کہ تصوف جبر و قہر ہے، اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔(ایضا)

(۳۵)۔۔ حضرت حرازؒ کا قول: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے سرفراز کیا اور وسیع پیمانہ پر انعامات دیئے اور جب انہیں غیر اللہ سے روکا گیا، تو خود سے بھی گم ہو گیئے۔ پھر تو انہیں انکے باطن نے پکار کر کہا کہ لوگوں سے کہو کہ اب تم ہم پر رولو۔(ایضا)

(۳۶) حضرت حمدون قصارؒ کا قول: کہ صوفیاء کی صحبت میں رہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک بری باتوں کا عذر پیش کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں اور ان کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں۔(ایضا)

(۳۷)۔۔ حضرت مزینؒ کا قول: کہ حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوف ہے۔(ایضا)

(۳۸)۔۔ مروی ہے کہ اہل تصوف ایسے گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں غیر داخل نہیں ہوسکتا۔(ایضا)

(۳۹) ۔مروی ہے کہ تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔(ایضا)

(۴۰)۔ مروی ہے کہ خالی ہاتھ، دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔(ایضا)

(۴۱)۔ ۔مروی ہے کہ صوفیاء حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہیں۔ (کیونکہ حق تعالیٰ ان کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے)۔ نیز مروی ہے کہ تصوف جلا دینے والی بجلی ہے۔ (ایضا)

(۴۲)۔۔ ۔مروی ہے کہ کائنات کو دیکھنے سے محفوظ رہنے کا نام تصوف ہے۔(ایضا)

(۴۳)۔۔۔۔حضرت خوجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاریؒ کا قول: تصوف یہ ہے کہ اجمالی معاملہ تفصیلی ہو جائے اور استدلالی معاملہ کشفی ہو جائے۔ (تصوف وسلوک: ص،۳۱)

(۴۴) ۔سید احمد کبیر رفائیؒ نے اپنے کتاب بنیان المشید'' میں تصوف کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا ہے: (۱) شریعت پر مضبوطی کے ساتھ چلنا۔ (۲) صرف اللہ وحدہ کا طالب بننا (یعنی اللہ کے سوا تمام چیزوں کی طلب دل سے نکال دینا)۔

خلاصہ کلام: انسانی زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا اپنا کام ہے۔ رب کائنات نے حضرت انسان کو کہیں ﴿جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة﴾ سے خطاب کیا۔ کہیں ﴿وَلَقَدْ کَرَّمْنَا﴾ کا تاج پہنایا اور کہیں ﴿فَضَّلْنَا﴾ کا ہار گلے میں ڈال کر عزت افزائی کی۔ انسان چاہئے کہ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ کے میثاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ کے راستے پر چلے اور ﴿اِلٰی رَبِّکَ

مُنتَھٰھَا﴾ کی منزل پر پہنچ کر دم لے۔ کسی بھی گاڑی کو منزل پر پہنچنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو سڑک ٹھیک ہو، دوسرا گاڑی میں پٹرول بھرا ہوا ہو، اگر سڑک ٹھیک نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اگر پٹرول نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں پس انسان کی مثال گاڑی کی سی ہے شریعت کی مثال راستے کی سی اور طریقت کی مثال پٹرول کی سی ہے۔ انسان اگر وصول الی اللہ کی منزل پر پہنچنا چاہے تو اسے شریعت کے راستے اور طریقت کے پٹرول کی ضرورت پڑیگی لہذا جو لوگ شریعت میں سے کسی ایک چیز کے بھی منکر ہیں وہ اپنی گاڑی کو راستے ہی میں رکا ہوا پائیں گے، کامیاب زندگی یہ ہے کہ انسان ﴿فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہ﴾ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' کے مطابق اخلاق خداوندی سے متخلق اور اوصاف محمدی ﷺ سے متحلی ہو کر زندگی گزارے تاکہ ﴿اَنَابُوْا اِلَی اللّٰہِ﴾ کی جماعت میں شامل ہو کر ﴿لَھُمُ الْبُشْرٰی﴾ کی بشارت اور ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ کی منزل پر پہنچے۔ اسی کا نام تصوف ہے۔ (تصوف وسلوک ۱۳۰)

لفظ صوفی کی تحقیق

☆..... عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں مومنین کو مخاطب کرنے کے لئے کئی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلا: ''ذَاکِرِیْنَ، صَابِرِیْن، خَاشِعِیْنَ، صَادِقِیْنَ، قَانِتِیْنَ، مُوْقِنِیْنَ، مُخْلِصِیْنَ، مُحْسِنِیْنَ، خَائِفِیْنَ، وَجِلِیْنَ، عَابِدِیْنَ، مُتَوَکِّلِیْنَ، مُتَّقِیْنَ، مُقَرَّبِیْنَ، اَبرار، فقراء، اَوْلِیَاء۔'' سلف صالحین ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے ان میں سے مختلف الفاظ وقتا فوقتا استعمال کی کرتے تھے تاہم دو الفاظ ''فقراء، عباد'' نے زیادہ قبولیت پائی۔ دونوں کی ایک ایک مثال درج ذیل ہے۔

(۱)..... ایک موقع پر حضرت حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا: اے فقراء کی جماعت! بے شک تم اللہ کو پہچانتے ہو اور اللہ کی تعظیم کرتے ہو، پس دیکھو کہ جب تم خلوت میں ہو تو اللہ کے ساتھ کیسے ہو۔

(۲)..... علامہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے: شفاءؓ (بنت عبد اللہ) چند نوجوانوں کو دیکھا کہ ان کی رفتار اور گفتار میں آہستگی پائی جار ہی تھ[illegible] دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں، بتایا گیا کہ یہ عباد ہیں۔ (سیرت عمر بن خطاب ص:۲۱۶)

☆..... فقراء ان لوگوں کو کہتے ہیں جن میں فقر ہو اور عباد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو عبادت گزار ہوں [illegible] صفت کی طرف اشارہ کرتے تھے لہذا اسلف صالحین اپنی صفات ومقامات پر نام [illegible] انشراح اور ادب کا تقاضا یہی تھا کہ عادات ظاہرہ پر نام پکارا جائے۔ ظ[illegible] پہنتے تھے وہ احادیث درج ذیل ہیں۔

(۱)..... شیخ ابوزرعہ طاہر بن محمد بن طاہر نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالے [illegible] النَّبِیُّ ﷺ یَلْبَسُ الصُّوْفَ وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ'' نبی اکرم ﷺ اون کا لباس [illegible]

(۲)..... حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ [illegible]

☆ [illegible] تصوف [illegible]

رامی ہے۔ مثال کے طور پر

حَلَاوَةَ فِي قُلُوبِكُمْ "تم اون کا لباس پہنوں ایمان کی حلاوت اپنے دلوں میں پاؤ گے۔

☆ ..... چونکہ صوف کا لباس (پشمینہ) پہننا انبیاء علیہم السلام کی عادت اور اولیاء واصفیاء کا شعار تھا لہذا انہیں ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ پس صوفی ایک مجمل اور عام نام ہوا جو ان کے تمام علوم، اعمال، اخلاق، اور تمام شریف اور قابل ستائش احوال کی خبر دیتا ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ لکھتے ہیں: "اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰ کے خاص اصحاب کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ﴾ "جب حواریوں نے کہا) یہ لوگ سفید لباس پہنا کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالی نے انہیں اس کی طرف منسوب کر دیا اور جن علوم واحوال سے یہ موسوم تھے ان میں سے کسی نوع کی طرف منسوب نہیں کیا۔ میرے نزدیک صوفیہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔" (کتاب اللمع فی التصوف ص ۵۵ ماخذ: تصوف وسلوک :ص ۱۶)۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صوفی کا لفظ صوف سے مشتق ہے یہی قول اقوی ہے۔ (تصوف وسلوک :ص:۱۷)

شیخ ابوبکر ابراہیم بخاری القلاباذی نے اپنی کتاب "التعارف المذهب التصوف" میں لغوی تحقیق کے حوالے سے اس بات کو ثابت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ (ایضا)

☆ ..... پہلا قول: جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ "صَف" سے مشتق ہے، بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صف اول میں ہیں، تو یہ معنی تو درست ہیں، مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت "صَفّی" آتا ہے، "صوفی" نہیں آتا۔ (ایضا)۔

☆ ..... دوسرا قول: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ "صوف" کا لفظ مسجد رسول اللہ ﷺ کے "صُفہ" کی طرف منسوب ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ "اصحاب صُفہ" کی یادگار ہیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ "صُفہ" کا اسم نسبت "صُفّی" آتا ہے، "صوفی" نہیں آتا۔

(الرسالۃ القشیریہ مترجم. ص ۴۱۶)۔

☆ ..... تیسرا قول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ "صوفی" کا لفظ "صَفا" سے بنا ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صوفی کا مقصود صفائی باطن کا حاصل کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لفظ "صَفاوی" ہونا چاہئے تھا۔

☆ ..... چوتھا قول: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "صوف" سے اور "تصوف" سے نکلا ہے، کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے "تصوف" کا لفظ بولتے ہیں۔ جس طرح قمیص پہننے کے لئے "تقمص" کا لفظ بولا جاتا ہے، تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہوسکتی ہے، مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا، البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے۔ (الرسالۃ القشیریہ ۴۱۶)

☆ ..... پانچواں قول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ "صوفی" کا لفظ "صُوف" سے بنا ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اگر ایسا ہے تو یہ لفظ "صوفی" ہی ہونا چاہئے تھ معلوم ہوا کہ صوفی کا لفظ مشتق "صوف" سے ہے مقصود اس کا "صفا" ہے نسبت اسے اصحاب "صُفہ" سے ہے اور قیامت کے دن اس کا مقام "صَف" اول ہوگا۔ (تصوف وسلوک: ص ۱۷)

صوفی کے لفظ کی نسبت صوف (پشمینہ) سے ہونے میں کئی حکمتیں بھی ہیں

(۱)... پشمینہ نرم ہوتا ہے پس صوفی وہ شخص ہے جو دل کو نرم بنانے کے لئے محنت کر رہا ہو۔

(۲)... پشمینہ سفید ہوتا ہے پس صوفی وہ شخص ہے جو اپنے دل کو صوف کی طرح سفید کرنے کے لئے محنت کر رہا ہو۔

(۳)... پشمینہ کسی رنگ کو جلدی قبول نہیں کرتا، پس صوفی وہ شخص ہے جو '' صِبْغَةَ اللّٰهِ '' اللہ کے رنگ میں ایسا رنگا جا چکا ہو کہ اب ماسوا کا رنگ اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ (ایضا)

صوفی کے عنوان سے سوالات کے جوابات

سوال نمبر۱: صوفی کا لفظ جن الفاظ سے ماخوذ ہے کیا ان کا ذکر قرآن وحدیث میں کہیں ملتا ہے؟

جواب: جی ہاں، صوفی کا لفظ جن الفاظ سے ماخوذ ہے ان کا تذکرہ قرآن وحدیث میں موجود ہے تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)... ایک قول کے مطابق صوفی کا لفظ ''صف'' سے ماخوذ ہے تو قرآن پاک میں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (صف ۴) بیشک اللہ تعالی ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اللہ کے راستہ میں صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں یوں لگتا ہے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(۲)... دوسرے قول کے مطابق صوفی کا لفظ ''صفہ'' سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک میں ہے۔

" عن ابن عباسؓ وقف رسول اللہ ﷺ علی اصحاب الصفة فرای فقرهم و جهدهم و طیب قلوبهم فقال ابشروا يا اصحاب الصفة فمن بقی من امتی علی النعت الذی انتم علیه راضیا بمافیه فانه من رفقائی فی الجنة " (الخ) ''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اصحاب صفہ پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان کے فقر اور مشقت کو محسوس کیا تو فرمایا خوش ہو جاؤ اہل صفہ پس جو شخص میری امت سے تمہاری روش پر رہنا پسند کریگا وہ بہشت میں میرا ساتھی ہوگا''

(۳)... تیسرے قول کے مطابق ''صوفی'' کا لفظ ''صفا'' سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک میں ہے۔ '' عن ابی جحیفةؓ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ متغیر اللون فقال ذهب صفو الدنیا وبقی کدرها فالموت الیوم تحفة لکل مسلم'' ''حضرت ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہم پر نکلے آپکا رنگ متغیر تھا آپ نے فرمایا کہ دنیا کی صفائی چلی گئی اور میل کچیل رہ گئی پس آج تو موت ہر مسلمان کیلئے تحفہ ہے''

(۵)... پانچویں قول کے مطابق ''صوفی'' کا لفظ ''صوف'' سے ماخوذ ہے تو حدیث پاک ہے: '' کان النبی ﷺ یلبس الصوف ویرکب الحمار '' ''نبی اکرم ﷺ صوف کا لباس پہنتے اور گدھے کی سواری کرتے تھے''۔

سوال نمبر۲: لفظ صوفی کی کوئی اہمیت ہوتی تو قرآن میں من وعن موجود ہوتا۔

جواب۔ کسی لفظ کا من وعن قرآن وحدیث میں موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ لفظ غیر اہم یا غیر اسلامی ہے۔ مثال کے طور پر

متکلمین کا لفظ قرآن وحدیث میں من وعن کہیں موجود نہیں تو کیا علم کلام غیر اسلامی ہو گیا۔اس کے بغیر تو اسلامی عقائد بھی ثابت نہیں کئے جا سکتے ۔اسی طرح نحو کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو کیا علم النحو فضول اور غیر اہم ہے اس کے بغیر تو قرآن وحدیث کو سمجھنا بھی ممکن نہیں۔

سوال نمبر ۳ ۔صحابہ کرامؓ کے دور میں تو کسی کو صوفی نہیں کہا جاتا تھا۔

جواب :رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی ایک خاص عظمت اور خصوصیت تھی ۔جیسے یہ نعمت نصیب ہوگئی اس پر کوئی اور نام چسپاں کرنا گستاخی تھی صحابہ کرامؓ تو نسبت اور صحبت کی وجہ سے زاہدوں، عابدوں، متوکلوں، صابروں، اطاعت گزاروں اور فقراء کے پیشواء ہیں تمام احوال میں سے بہترین اور بزرگ ترین حال ان کو نصیب تھا۔اب انہیں کسی اور فضیلت کی وجہ سے فضیلت دینا نارواہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: " خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ" [بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھران لوگوں کا زمانہ جوان کے بعد آئیں گے۔اسی طرح پھران لوگوں کا جوان کے بعد آئیں گے] پس ساری دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں مل کر بھی صحبت رسول ﷺ کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ سیدنا امیر معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ؟ توامام شافعیؒ نے جواب دیا کہ سیدنا امیر معاویہؓ جب نبی ﷺ کی معیت میں جہاد پر نکلے توان کے گھوڑے کی ناک میں جومٹی گئی وہ مٹی بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ ساری دنیا کے اتقیاء، اصفیاء اور اولیاء مل کر بھی کسی ادنیٰ صحابیؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

پس جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی وہ خوش نصیب حضرات صحابی کہلائے، جنہوں نے صحابہؓ کی صحبت پائی وہ تابعین کہلائے اور جنہوں نے تابعین کی صحبت پائی وہ تبع تابعین کہلائے یہ تینوں نسبتیں مندرجہ بالا فرمان نبوی ﷺ کی بنا پر خیر کی غمازی کرتی تھیں۔لہذا ہر شخص اس نسبت کے ساتھ پکارا جانا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔پس صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد امت کے مشائخ صوفیا کے نام سے مشہور ہوئے حضرت امام قشیریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ دوسری صدی ہجری سے پہلے عام تھا۔

سوال نمبر ۴ :صوفی کا لفظ سب سے پہلے کب استعمال ہوا؟ سنا ہے کہ یہ اہل بغداد کی ایجاد ہے؟

جواب :حضرت ابونصر سراج طوسیؒ نے تاریخ مکہ کے حوالے سے محمد بن اسحاق بن یسارؒ اور دیگر لوگوں کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ''اسلام سے پہلے ایک بار مکہ خالی ہو گیا تھا یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا دور دراز سے ایک صوفی آتا اور بیت اللہ کا طواف کر کے واپس چلا جاتا'' ۔تاریخ کے اس حوالے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نام اہل عرب کو اسلام سے پہلے بھی معلوم تھا صاحب فضیلت اور صالح لوگ اسی نام سے موصوف ہوتے تھے'' واللہ اعلم۔

حضرت حسن بصریؒ جنہوں نے اٹھارہ بدری صحابہؓ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے باطنی فیضان پایا۔ان کے وقت میں صوفی کے لفظ کا مستعمل ہونا تو یقینی امر ہے۔حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں۔''لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ نام بغدادیوں نے گھڑ لیا ہے

غلط ہے۔ چونکہ یہ نام تو حسن بصریؒ کے عہد میں بھی مستعمل تھا۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ میں نے طواف کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اسے کچھ دیا۔ اس نے نہیں لیا اور کہنے لگا، میرے پاس چار دانق پڑے ہیں اور کافی ہیں'' (کتاب اللمع فی التصوف ص ۶۵)۔

معلوم ہوا کہ صوفی کا لفظ تابعین کے دور میں احیاناً استعمال ہوتا تھا تبع تابعین کے دور میں نسبتاً زیادہ استعمال ہونے لگا اور ان کے بعد دوسری صدی ہجری سے پہلے زبان زد عام ہو گیا۔

امام سفیان ثوریؒ اپنے وقت کے ایک شیخ کو ابو ہاشم صوفی کہا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے ایک شیخ ابو حمزہ بغدادیؒ کو صوفی کہتے تھے۔

صوفی کون ہے؟

(۱)۔ ..نوریؒ سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا، تو فرمایا: صوفی وہ ہے، جس نے سماع سنا اور ان ذرائع کو پسند کیا۔ (جو اللہ تک لے جائیں۔

(۲)۔ ابو نصر السراجؒ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت حصریؒ سے کہا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ فرمایا: جسے نہ زمین اٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کئے ہو (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو)۔ استاد ابو القاسم سے مروی ہے کہ حصری کا اشارہ محویت کی حالت کی طرف ہے۔

(۳) ....مروی ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو حالتیں، یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں، تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے۔

(۴) ....ابو منصورؒ سے مروی ہے کہ صوفی اللہ کی طرف اشارہ کرنے والا ہوتا ہے اور مخلوق تو ساری اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۵)۔ مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے، جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں .... بادل کی سی ہے، جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے۔

(۶)۔... مروی ہے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

(۷)۔ مروی ہے کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ ہر بری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے۔

(۸)۔....مروی ہے کہ بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم ۴۲۱)۔

(۹)۔ ..حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عبد الوحد بن زیدؒ سے پوچھا گیا صوفیاء کون ہوتے ہیں؟ فرمایا جو اپنی عقلوں کے ذریعے اپنے ارادوں پر قائم ہوتے ہیں اور اپنے دلوں سے اس پر ڈٹے رہتے ہیں اور اپنے شر سے بچنے کی خاطر اپنے آقا کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں۔

(۱۰)۔ ..حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''صوفی وہ ہے جسے جستجو تھکا نہ سکے اور محرومیت کی وجہ سے بے چین نہ ہو''۔

(۱۱)۔ حضرت ابو محمد رویمؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''جس کا کردار اس کی گفتار کے موافق ہو''۔

(۱۲) کسی عارف نے اسی سوال کا جواب دیا:

صوفی آں باشد کہ صافی شود از کدر پرشود از فکر

در قرب خدا منقطع شود از بشر

یکساں شود در چشم او خاک وزر

''صوفی وہ ہوتا ہے، جو میل سے صاف ہو، فکر سے پر ہو، خدا کے قرب میں مخلوق سے دور ہو اور اس کی نگاہ میں سونا اور مٹی برابر ہو''۔

(۱۳) حضرت شبلیؒ نے فرمایا: ''صوفی وہ ہے جو مخلوق سے کٹے اور اللہ سے جڑے''۔

پس صوفی وہ ہوتا ہے جس کو جانوروں کی آواز، ہر ایک سوز و ساز، چڑیوں کی چہک، سماء ہمک، درختوں کے رنگ، شیشہ وسنگ، پتھر کی سختی، خوشحالی وبدبختی، زمین کی نرمی، آتش کی گرمی، دریا کی روانی، کواکب آسمانی، پہاڑوں کے ابھار، بیابان ومرغزار، خزان وبہار، غرض ہر چیز ایک نادیدہ ہستی کی یاد دلائے۔ اللہ اللہ اللہ۔ (تصوف وسلوک، ص ۲۱ تا ۲۲)

صوفی کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ابونصر السراجؒ سے مروی ہے کہ ابن جلاء سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: کسی علم میں اس کے معنی نہیں پائے جاتے مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے: صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے، جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے، حق سبحانہ وتعالیٰ اسے ہر مکان وحالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے اسے صوفی کہا جاتا ہے۔

(۲) کسی کا قول ہے کہ تصوف جاہ وجلال کے ساقط کرنے اور دنیا وآخرت میں رسوائی پانے کا نام ہے۔ (یعنی انہیں اللہ کے سوا کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لہٰذا دنیا وآخرت کی کسی چیز میں کامیابی نہیں چاہتے)

(۳) ابو یعقوب مزابلیؒ سے مروی ہے: تصوف ایسی حالت کا نام ہے، جس میں انسانی علامتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

(۴) ابوالحسن سیروانیؒ سے مروی ہے کہ صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے، اوراد کے ساتھ نہیں۔

(۵) ابوعلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو صرف ان لوگوں کے لیے موزون ہے جنکی ارواح کے ذریعہ سے اللہ نے گندگیوں کو صاف کر دیا۔ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ اگر فقیر کے پاس سوائے روح کے کچھ بھی نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس سلسلہ کے کتوں، یعنی مخالفین کے سامنے پیش کرے تو بھی کوئی کتا (اسے قبول کرنا تو درکنار) دیکھے گا بھی نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حال مخالفین سے چھپائے رکھتا ہے اور مخالفین کے نزدیک ان کی روح نہایت حقیر ہوتی ہے)۔

(۶) استاد ابوسہل صعلوکیؒ سے مروی ہے کہ تصوف (اللہ کی قضاء پر) اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

(۷) حصریؒ سے مروی ہے کہ صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

(۸) استاد ابوالقاسم قشیریؒ سے مروی ہے کہ حصریؒ کے مذکورہ بالا قول میں اشکال پایا جاتا ہے، انکا یہ کہنا کہ معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں، تو پھر واپس نہیں لوٹتیں اور ان کا یہ کہنا کہ وجود میں آنے کے بعد معدوم

نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ حق تعالی کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تو مخلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا، لہذا حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

(۹)... مروی ہے کہ صوفی وہ ہے جو ان احوال کی وجہ سے جو حق تعالی کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔

(۱۰)... مروی ہے کہ صوفی اللہ تعالی کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔

(۱۱) مروی ہے کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آ بھی جائے۔ تو اس میں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)۔

(۱۲)... ابوبکر المصری ؒ نے خرازؒ سے روایت کی کہ میں جمعہ کے دن قیروان کی جامع مسجد میں تھا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں چکر لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ خیرات کے طور پر دو، میں ایک صوفی تھا اب کمزور ہو چکا ہوں (یعنی اپنی اصل حالت کو کھو چکا ہوں)۔ میں نے اسے کچھ دینا چاہا تو اس نے کہا: جاؤ! میں اس قسم کی خیرات نہیں مانگتا (بلکہ اللہ کی راہ میں ایسی خیرات مانگتا ہوں جو مجھے پھر اپنی حالت پر لے جائے) اور اس نے وہ خیرات قبول نہیں کی۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم ۴۲۱ تا ۴۲۲)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تصوف (علم الاحسان) کے شرعی ثبوت کے دلائل

اگر کوئی یہ پوچھے کہ علم الاحسان کا کہاں سے ثبوت ملتا ہے؟ علم الشرائع کے بارے میں تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ،، اور یہ بھی فرمایا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ،، ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم کو سیکھنا چاہئے پھر یہ علم الاحسان کہاں سے آ گیا؟ علم الاحسان (تصوف) کے شرعی ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) دلیل اول: اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"

یعنی ظاہر اور باطن میں عقیدوں اور اخلاق میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی خفگی کا سبب ہو۔ تقویٰ کو کامل طریقے سے اختیار کرنا چاہئے، آیت مذکورہ میں امر کا صیغہ ہے اور امر واجب ہونے کی دلیل ہے، لہذا ہر مسلمان پر تقویٰ لازم ہو گیا اور تقویٰ کمالِ ولایت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حسد، کینہ، غیبت، ریاء، غرور، تکبر وغیرہ نفس کی برائیاں ہیں کہ جن کا حرام ہونا قرآن مجید، اور احادیث مبارکہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ پس جب تک یہ نفس کی برئیاں دور نہ ہو جائیں پورا پورا تقویٰ حاصل نہیں ہوتا اور نفس کا فناہونا اور گناہوں سے بچنا جسم کی اصلاح سے حاصل ہوتا ہے اور جسم کی اصلاح دل کی اصلاح پر منحصر ہے اور اسی کا نام ولایت ہے اور اس علم کا نام طریقت اور تصوف ہے۔ چنانچہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: '' اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ" (مسلم) بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، لیکن وہ تمہارے قلوب اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

(۲) دلیل دوم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات ۱۳) تحقیق تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے۔

نیز فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:۱۶) پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سے ہو سکے۔

نیز صحیح حدیث میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: " اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا" (بخاری ج ۱، ص ۱۶، رقم ۲۰) تحقیق میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں۔

پس ان چیزوں سے پرہیز کرنا جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے تقویٰ کہلاتا ہے۔ جتنا زیادہ پرہیز کرے گا اتنا ہی متقی ہوگا، اتنی ہی نفس کی برائیاں فنا ہوں گی اور قلب کی صفائی حاصل ہوگی۔

(۳) دلیل سوم: اللہ تعالیٰ فرمان ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ (طٰہٰ۱۱۴) اور کہئے اے میرے رب میرا علم زیادہ فرما۔

جب نبی کریم ﷺ کو علم یعنی علم ظاہر و باطن کی زیادتی طلب کرنے کی تعلیم کی جارہی ہے تو دوسروں کو تو بدرجہ اولیٰ لازم ہو کہ ظاہری اور باطنی قرب کے مرتبوں کی طلب کرتے رہیں اور کاملوں کے لئے قرب کے مراتب پر قناعت کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس لئے اس کی طلب کا راستہ بھی لامحدود ہے پس کامل شخص اپنے وصول الی اللہ کے اعتبار سے کامل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طلب

کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے جتنا کوئی آگے بڑھتا جائے گا اتنی ہی اس کی وسعت بڑھتی جائیگی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے:

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

نہ اس کا حسن کوئی حد رکھتا ہے اور نہ سعدیؒ کے کلام کی انتہا ہے، پیاس کی بیماری والا پیاسا ہی مرجاتا ہے اور دریا بھی بدستور باقی رہتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ اس پر کھلی دلیل ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی حضرتِ خضرؑ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکہف ۶۶) (موسیٰ نے کہا) کیا (اجازت ہے کہ) میں تیری پیروی کروں اس بات کے واسطے کہ جو کچھ تجھے علم دیا گیا ہے تو وہ مجھ کو بھی دکھادے۔

(۴)..... دلیل چہارم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل ۴۳)

پس ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تم نہیں جانتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طریقہ حاصل کرو۔ (سورۃ ...)

(۵)..... دلیل پنجم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ (...) اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ سب چھوڑ دو۔

تفسیر خازن میں اس آیت کے تحت مرقوم ہے: "اَلْمُرَادُ بِظَاهِرِ الْاِثْمِ اَفْعَالُ الْجَوَارِحِ، وَبَاطِنَهٗ اَفْعَالُ الْقُلُوْبِ" (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۴۶) "ظاہری گناہ سے مراد اعضاء وجوارح کے اعمال اور باطنی گناہوں سے مراد دل کے اعمال ہیں"۔

فقہ الظاہر اور فقہ الباطن

شریعت نے کچھ کام کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ کام نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو "مَامُوْرَات" کہتے ہیں اور جن کاموں کو نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان کو "مَنْہِیَات" کہتے ہیں۔

انسانی اعمال کے اقسام

لہٰذا انسانی اعمال کی تین قسمیں ہیں: اب مامورات میں دو طرح کے احکام ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا تعلق باطن سے ہے۔

☆..... نمبر ۱ وہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے ظاہر سے ہے۔ مثلاً: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو ظاہر سے تعلق۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ آپ کہہ دیجئے ایمان والوں سے کہ نگاہیں نیچی رکھیں۔ ظاہر سے تعلق۔

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ عورتوں سے حیض کے دوران علیحدہ رہو۔ ظاہر سے تعلق۔

نماز پڑھو..... ظاہر سے تعلق۔

روزہ رکھو..... ظاہر سے تعلق۔

حج کرو..... ظاہر سے تعلق۔

زکوۃ ادا کرو......ظاہر سے تعلق۔

قربانی کرو......ظاہر سے تعلق۔

☆..... نمبر۲. وہ اعمال جن کا تعلق فقط انسان کے باطن سے ہے۔مثلاً: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ پر توکل کرو۔ باطن سے تعلق ہے۔

﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ ﴿لَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ﴾ ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اس کا تعلق باطن سے ہے۔

توکل کرو .....اس کا تعلق باطن سے ہے

صبر کرو......اس کا تعلق باطن سے ہے

شکر کرو ... اس کا تعلق باطن سے ہے

اس لیے کہ یہ چیزیں بندے کو نظر تو نہیں آتیں۔ یہ تو من کی کیفیتوں کے نام ہیں۔

اسی طرح منہیات کا معاملہ ہے۔ ان میں بھی دو طرح کے اعمال ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً:

چوری نہ کرو...... ظاہر سے تعلق

شراب نہ پیو......ظاہر سے تعلق

قتل نہ کرو ... ظاہر سے تعلق

ان تمام کا تعلق ظاہر سے ہے اور شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔

اور شریعت کی کچھ منع کردہ باتوں کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً:

... حسد نہ کرو۔ اب بتائیں کہ کیا کسی کو آنکھ سے حسد نظر آتا ہے۔ آنکھ سے تو نظر نہیں آتا۔ اللہ ہی جانے کسی کے دل میں کیا ہے۔

... دل میں کینہ نہ رکھو۔ کیا پتہ کہ کس کے دل میں کینہ بھرا ہوا ہے۔ اپنے دل میں کسی کے بارے میں بیر رکھنا۔ اس کو شریعت میں کینہ کہتے ہیں۔

... تکبر سے بچو۔ یہ باطنی بیماری بھی نظر نہ آنے والی چیز ہے۔

یہ سب کے سب باطن کے وہ اعمال ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

☆☆... نمبر۳: وہ اعمال جن کا تعلق انسان کے ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی مثلاً نماز کے ظاہر کے متعلق فرمایا: ﴿وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز میں تو کھڑے ہوتے ہیں سستی کے ساتھ۔ اور باطن کے متعلق فرمایا "یراءون الناس" انسانوں کے دکھانے کے لئے۔

وہ تمام مامورات یا منہیات جن کا تعلق ظاہر سے بنتا ہے ان کو شریعت کی نظر میں فقہ کہتے ہیں یہ فقہ الظاہر ہے۔
اور وہ تمام مامورات یا منہیات جن کا تعلق باطن سے ہے ان تمام کے علم کو تصوف کہتے ہیں اور یہ فقہ الباطن ہے۔
بالفاظ دیگر: اعمال کے ظاہری حصے کا تعلق علم قال (فقہ) اور باطنی حصے کا تعلق علم حال (تصوف) سے ہے۔

یہ دونوں علوم صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے سیکھے ہیں

جس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

☆......حدیث نمبر۱: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن حفاظت میں لئے۔ ایک کو لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرا اگر پھیلاؤں تو یہ گردن کاٹ دی جائے''۔
اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دو علوم سیکھے یعنی ایک علم قال (فقہ) اور دوسرا علم حال (تصوف)۔

☆...... حدیث نمبر۲: سیدنا عمر بن الخطابؓ کو جب دفن کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک محفل میں کہا'' آج دس میں سے نو حصے علم فوت ہو گیا'' اس پر بعض صحابہ کرامؓ نے ناگواری کا اظہار کیا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ''اس سے مراد حیض ونفاس کا علم نہیں بلکہ علم باللہ ہے'' یہ جواب سن کر سب حضرات مطمئن اور خاموش ہو گئے۔ پس اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع سکوتی ثابت ہوا اور صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کسی غیر شرعی بات پر ہرگز خاموش نہ رہتے۔ وہ تو باطل کے خلاف ننگی تلوار تھے۔

☆......حدیث نمبر۳: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کے ستر ابواب بتا رکھے ہیں اور میرے سوا یہ علم کسی اور کو نہیں بتایا''۔ (کتاب اللمع ص ۵۴)

☆ صحابہ کرامؓ میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہیں ایک خاص قسم کا علم خصوصیت کے ساتھ حاصل تھا۔ حضرت حذیفہؓ کو منجملہ اور کئی باتوں کے منافقین کے ناموں کا علم تھا۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ علم راز میں بتایا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی ان سے دریافت کرتے تھے کہ کہیں میں تو ان میں سے نہیں ہوں۔

☆ بعض تابعین حضرات علم قال (فقہ) میں صحابہ کرامؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بعض اوقات مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے ''جابر بن عبداللہؓ سے پوچھو، اہل بصریٰ ان کے فتویٰ پر عمل کریں''

☆ ...حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ''سعید بن المسیبؒ سے پوچھو'' حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے ''حسن بصریؒ سے پوچھو انہوں نے مسئلے یاد کر رکھے ہیں ہم بھول گئے'' حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کو یقین ومعرفت (علم حال) میں تابعین پر ایسی فضیلت حاصل تھی جیسا کہ سورج کو چراغ شب پر۔

صحابہ کرامؓ کے یقین کامل کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے جسے حکیم ترمذیؒ نے ''شان الصلوٰۃ'' اور ابن الاثیر نے ''اسد الغابہ'' میں نقل کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ایک صحابیؓ سے پوچھا... اے حارثؓ! صبح کیسے کی؟ تو حارثؓ نے جواب دیا کہ اے

اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اللہ پر سچے ایمان کی حالت میں صبح کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اے حارث! بیشک ہر ایک شے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو حارثؓ نے جواب دیا، میں نے اپنے نفس سے علیحدگی اختیار کی اور اسے دنیا سے پھیر دیا، جس کے نتیجہ میں میری نظر میں اس دنیا کے پتھر، مٹی، سونا اور چاندی برابر ہو گئے ہیں۔ میں رات کو جاگتا ہوں اور دن میں پیاسا رہتا ہوں، میری یہ کیفیت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو اپنے سامنے ظاہر دیکھ رہا ہوں اور گویا میں جنت میں اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور اہل جہنم کو چلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: " عَرَفْتَ فَالْزَمْ " "تو جان گیا ہے دراسی پر جمار ہے"۔

☆ حضرت علیؓ سے منقول ہے "اگر جنت اور جہنم مجھے نظر بھی آجائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو"

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں ان کی اہلیہ سے منقول ہے "ابوبکرؓ کو لوگوں پر فضیلت نماز اور روزہ کی کثرت کیوجہ سے نہ تھی بلکہ دل کے یقین (معرفت) کی وجہ سے تھی" اسی یقین و معرفت کا نام علم حال (تصوف) ہوتا ہے۔

یہ علم کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ خواہشات نفسانی کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

☆ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے "ہم نے تصوف کا علم قیل وقال کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا بلکہ دنیا اور اس کی لذتوں کے ترک کرنے سے حاصل کیا ہے"۔ پس ثابت ہوا کہ علم قال اور علم حال کی ندیاں سرچشمہ علوم نبوت ہی سے نکلی ہیں۔

(۶) دلیل ششم: صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ سے (دین کی باتیں) پوچھا کرو"۔ لیکن حضرات صحابہ کرامؓ ہیبت نبوی ﷺ کے غلبہ کی وجہ سے سوال نہ کر سکے۔

چنانچہ ایک اجنبی آدمی مجلس میں آئے، بیٹھ گئے اور پوچھ " مَاالْاِیْمَانُ " "مَاالْاِسْلَامُ" "مَاالْاِحْسَانُ" "ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟"

یہ سوالات وجوابات حدیث جبرئیلؑ میں معروف ہیں۔ مطلب یہ کہ غلبہ ہیبت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو سوالات کرنے کی جرات بہت کم ہوتی تھی۔ تعلیم حقائق دینیہ کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو انسانی شکل میں بھیجا تا کہ وہ سوال کریں اور معلم کائنات ﷺ جواب میں گوہر افشانی فرمائیں اور اس انداز سے صحابہؓ کا دامن علمی جواہر پاروں سے بھرپور ہو جائے۔

سوالات کے جوابات دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " فَاِنَّهٗ جِبْرَئِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ " "یہ جبرئیلؑ آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے" اس تعبیر میں یہ بات بتا دی گئی کہ علوم دینیہ کا خلاصہ ان جوابات میں موجود ہے۔

حدیث جبرئیل کے جزئیات پر ایک نظر

اب اس حدیث پاک پر تھوڑا سا غور کریں کہ اس میں تین اہم اور بنیادی سوال پوچھے گئے۔ ایک ایمان کے متعلق، دوسرا اسلام کے متعلق اور تیسرا احسان کے متعلق۔

☆ ایمان کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں وہ "ماننے کی باتیں" ہوتی ہیں۔ ایمان کہتے ہی ماننے کو ہیں۔

☆ ... اسلام کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں وہ ''کرنے کی باتیں'' ہوتی ہیں۔

☆ . احسان کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں وہ ''سمجھنے کی باتیں'' ہوتی ہیں۔

اب اگر انسان کا ایمان بغیر سمجھ کے ہو تو وہ کمزور ہوتا ہے اور اگر سمجھ کے ساتھ ایمان ہو تو وہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

تمام احادیث کے علوم تین حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں

☆ ... حصہ اول: وہ احادیث جن میں دین کے اصول اور نظریات کی تعلیم ہے۔

☆ ...... حصہ دوم: وہ احادیث جو اعمال ظاہرہ کی اصلاح سے متعلق ہیں۔

☆ ... حصہ سوم: وہ احادیث جو اصلاح باطن سے متعلق ہیں۔

حدیث جبرئیل میں ان تینوں قسموں کا ذکر آ گیا۔(۱)...... ''مَاالْاِیمانُ'' میں اصلاح عقائد کا مضمون آ گیا۔(۲)..... ''مَاالْاِسْلَامُ'' میں اعمال ظاہرہ کی اصلاح کا مضمون آ گیا۔(۳)...... ''مَاالْاِحسانُ'' میں اصلاح اخلاق کا مضمون آ گیا۔

چند جملوں میں پورے دین کا خلاصہ بیان کر دینا پیغمبرانہ اعجاز ہے، لہٰذا یہ حدیث ''جَوَامِعُ الْکَلِم'' میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت انتہائی جامعیت کی حامل تھی۔ آپ ﷺ نے دین کے ان تینوں حصوں کی کما حقہ تشریح اور اشاعت کی۔ صحابہ کرامؓ میں بھی جامعیت کی شان کافی حد تک تھی۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جامعیت میں کمی آتی گئی۔ اس لئے علماء امت نے دین کی حفاظت و خدمت کے لئے ان شعبوں کو تین مستقل علیحدہ علیحدہ علوم میں مدون کر دیا......۔

(۱)...... علم اول: تصحیح عقائد کے سلسلہ میں کتاب و سنت میں جو ہدایات دی گئیں ان کی حفاظت و خدمت کے لئے ''علم الکلام'' مدون ہوا۔

(۲)...... علم دوم: اعمال ظاہرہ کے متعلق جو راہنمائی کتاب و سنت نے کی ہے اسکی تشریح کیلئے ''علم الفقہ'' کو مدون کیا۔

(۳)...... اصلاح باطن: کے متعلق جو باتیں کتاب و سنت نے بتائی ہیں ان کی تفصیلات کے لئے ''علم الاحسان، علم الاخلاق، علم التصوف'' مدون ہوا۔

اخلاصِ نیت کا نام تصوف ہے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصوف بدعت ہے، ان سے اتنی سی بات پوچھنے کی ضرورت ہے کہ اعمال کا دار و مدار کس پر ہے؟ حالانکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہی اس کے بارے میں ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات''۔ تو پھر نیت کو صحیح کرنا ضروری ہوا کہ نہ ہوا؟ وہ بے چارے بخاری شریف کا نام تو لیتے ہیں، کیا ہی بہتر ہوتا اگر وہ پہلی حدیث ہی غور سے پڑھ لیتے۔ پہلی حدیث ہی یہ بتا رہی ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور نیت کو خالص کرنے کا نام ہی تو تصوف ہے۔ ہمارے مشائخ آٹھ آٹھ سال اپنے مشائخ کی خدمت کرتے تھے اور اتنے طویل عرصے کے بعد فرماتے تھے کہ ہم ابھی تک فقط نیت کرنا سیکھی ہے۔ یہ نیت ایسے ہی تھوڑا سیکھی جاتی ہے۔ یہ نیت مشائخ کی جوتیاں سیدھی

کرنے سے آتی ہے۔

یہ دیکھیں ! ہندوستان میں تو اسلام آیا ہی مشائخ کے ذریعے سے اور پھر اللہ نے اسلام کو چمکایا علما کے ذریعے سے۔اس لئے ہم علما کے بھی قدردان ہیں اور مشائخ کے بھی۔(خطبات فقیر ۲۶۳/۲۲)

یہ علوم قرآن وسنت سے کوئی الگ چیز نہیں

☆ ان علوم ثلاثہ میں کامل دسترس رکھنے والا ہی محقق اور کامل عالم دین کہلانے کا حقدار ہے۔اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگی کہ یہ تینوں علوم" تیسیر علی الامۃ" کے لئے مدون کئے گئے۔(تصوف وسلوک۔ص ۱۶۱)

یہ علوم قرآن وسنت سے کوئی الگ چیز یا ان کے خلاف کوئی محاذ نہیں بلکہ کتاب وسنت کی روح اور ان کے ثمرات ہیں۔

شیخ زروقؒ اپنی کتاب" ایقاظ الھمم" میں لکھتے ہیں:" تصوف کا دین کے ساتھ نسبت اسی طرح ہے جیسے روح کی نسبت جسم کے ساتھ۔

☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں ملا حاجی محمد لاہوریؒ کو تحریر فرماتے ہیں: شریعت کے تین حصے ہیں علم،عمل،اخلاص۔جب تک یہ تینوں اجزاء متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔جب شریعت متحقق ہوتی ہے تو حق تعالی کی رضا حاصل ہوجاتی ہے جو کہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے طریقت وحقیقت جس سے کہ صوفیاء ممتاز ہوئے ہیں دونوں (شریعت کے تیسرے حصے) یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لیئے کی جاتی ہے۔وہ احوال ومواجید اور علوم ومعارف جو اثناء راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں،ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہئے۔جو کہ سلوک کا آخری مقام ہے اس لئے طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص (احسان) کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(جلد اول مکتوب سی وششم۔ماخذ تصوف وسلوک ص ۹)

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:"مقصود صوفیہ کے طریقہ علیہ کا مشاہدہ حق کا حصول ہے" کانک تراہ" اور اس حضور کا نام انہوں نے" مشاہدہ بالقلب" رکھا ہے"(انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۳۹:ماخذ:ایضا)

(۷)۔۔۔دلیل ہفتم: حدیث متواتر کی تعریف اور اس کے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل میں اہل اصول لکھتے ہیں:حدیث متواتر وہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد نے ہر زمانے میں اس کی روایت کی ہو کہ عقل سلیم اور انسانی عادات اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اور افتراء پردازی پر اتفاق کرلیا ہے اور یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے علم تصوف کو حاصل کیا۔خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو پہنچایا۔یہی دلیل علم تصوف کی حقانیت کو اجاگر کرنے کیلئے کافی ہے

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:ہماری صحبت اور ہماری تعلیم جو آداب تصوف وسلوک سے تعلق رکھتی ہے یہ حضور ﷺ سے سند متصل صحیح اور جاری کے ذریعے ملتی ہے۔

خلاصہ کلام: صحابہ کرامؓ نے علم ظاہری وعلم باطنی یعنی علم قال وعلم حال رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور اس وقت سے امت میں ان علوم کی

اشاعت وترویج جاری وساری ہے آج کے دور میں علم قال کو فقہ یا شریعت اور علم حال کو تصوف یا طریقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ دونوں علوم انسان کی ایمانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح کنز وھدایہ اور شرح وقایہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ابونصر سراج کی ''کتاب اللمع'' ابوطالب مکی کی ''قوت القلوب'' امام غزالی کی ''اربعین'' شیخ سہروردیؒ کے ''عوارف المعارف'' اور حضرت مجددؒ کے ''مکتوبات'' پڑھنا ضروری ہیں۔ اگر روایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے عسقلانیؒ اور قسطلانیؒ سے استفادہ ضروری ہے تو درایت میں کمال حاصل کرنے کے لئے جنیدؒ و بایزیدؒ سے فیض یاب ہونا ناگزیر ہے۔ (تصوف وسلوک۔ ص ۷)

علم قال (فقہ) اور علم حال (تصوف) کے درمیان نسبتِ تلازم ہے

(۱)..... علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: طریقت وشریعت دونوں لازم وملزوم ہیں۔

(۲)..... شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ لکھتے ہیں: شریعت حقیقت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن۔ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی۔

(۳)..... شیخ ابوطالب مکیؒ لکھتے ہیں: دونوں علوم اصلی ہیں جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہیں بمنزلہ اسلام اور ایمان کے۔ ہر ایک دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے، جیسے جسم اور قلب کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔

(۴)..... حضرت امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں: جس نے (علم) فقہ حاصل کیا مگر (علم) تصوف حاصل نہ کیا اس نے فسق کیا۔ جس نے (علم) تصوف حاصل کیا مگر (علم) فقہ حاصل نہ کیا وہ زندیق ہوا۔ جس نے ان دونوں (علوم) کو جمع کیا پس وہ محقق ہوا۔

(۵)..... سید احمد کبیر رفاعیؒ اپنے کتاب بنیان المشید'' میں لکھتے ہیں: جس حقیقت کو شریعت رد کردے وہ زندقہ (اور بے دینی) ہے۔ اگر تم کسی کو ہوا میں چارزانو بیٹھا ہوا بھی دیکھو تو (ہرگز) اس کی طرف التفات نہ کرو، جب تک (شریعت کے) امر ونہی کے موقعہ پر اس کی حالت کو نہ جانچ لو۔ (بنیان المشید۔ ص ۱۹۷)

(۶)..... حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''بعض جہلا جو کہہ دیتے ہیں شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے محض انکی کم فہمی ہے۔ طریقت بے شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں۔ صفائی قلب کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے۔ آئینہ زنگ آلودہ ہے تو پیشاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے اور گلاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے لیکن فرق نجاست وطہارت کا ہے۔ ولی اللہ کو پہچاننے کیلئے اتباعِ سنت کسوٹی ہے۔ جو متبع سنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر مبتدع ہے تو محض بے ہودہ ہے خرق عادات تو دجال سے بھی ہوں گے''

(رجوم المذنبین ص ۲۹ ۔ بحوالہ تصوف وسلوک ص ۹)

(۷)..... سید احمد کبیر رفاعیؒ اپنے کتاب بنیان المشید'' میں لکھتے ہیں: عزیز من! یہ شریعت تیرے سامنے ہے۔ دیکھ لے تیرے نبی ﷺ کس طرح رہتے تھے، کیونکر باتیں کرتے تھے، اور لوگوں سے خواہ وہ نیک ہوں یا بدکن اخلاق سے پیش آتے تھے، پھر تو بھی آپ ﷺ جیسے عمل کر، آپ ﷺ کی طرح باتیں کر، آپ کے اخلاق (حمیدہ کو) اختیار کر، (اور یہی تصوف ہے) اگر تو نہیں جانتا تو علماء سے پوچھ لے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل۔ ۴۳) اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو (بنیان المشید ص ۱۴۲)

(۸) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: طریقت کی ہر وہ بات جسے شریعت رد کرے زندقہ اور کفر ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں: ''ہمارے مشائخ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی مانند وجد وحال کے جوز ومویز کے بدلے نہیں دیتے۔نص سے فص کیطرف مائل نہیں ہوتے ،فتوحات مدنیہ سے فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے ۔انکا کارخانہ بلند ہے''۔ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو تقلید سنت سے الگ ہوکر اختیار کئے جائیں معتبر نہیں ہیں، اس لئے کہ جوگیاور ہندوستان کے راہمہ اور یونان کے فلاسفہ بھی ان کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ریاضتیں ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتی ہیں'' (۔حدائق مکتوب،مجدد بحث،بحوالہ حقیقت تصوف سلوک ص۱۰)

(۹) امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: شریعت کی ہر وہ بات جس کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور حقیقت کی ہر وہ بات جو شریعت کی قیود میں نہ ہو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔

اصل تو شریعت ہی ہے

خلاصہ یہ کہ طریقت ،حقیقت میں شریعت کی محافظہ اور شریعت کی خادمہ ہے۔ یہ شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں۔احسان ہوگا تو نماز محفوظ، احسان ہوگا تو گناہوں سے محفوظ ،اصل تو شریعت ہی ہے۔(خطبات فقیر ۲۲/۲۶۱)

صوفیہ اور علماء چار قسم کے ہیں

بزرگو!اس جماعت صوفیہ، کی تمام حالتیں اسی طرح علماء کی حالتیں بھی چار درجوں منقسم ہیں جماعت (صوفیہ) کی حالت کا:

(۱) ..... پہلا درجہ: یہ ہے کہ ایک شخص مرشد کا طالب اس لئے ہوا کہ عام لوگوں کو صوفیہ کی طرف مائل دیکھا تو اس نے بھی عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا،اور خانقاہ سے اور (اپنی) جماعت اور شان سے خوش ہونے لگا۔

(۲) .....دوسرا درجہ: یہ ہے کہ ایک شخص نے مرشد کی تلاش اس لئے کی کہ اس کو اس جماعت کے ساتھ نیک گمان ہے،وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان کے طریقہ سے بھی اور جتنی باتیں ان سے منقول ہیں ان کو تہہ دل سے پاکیزہ اور سچے اعتقاد سے قبول کرتا ہے۔

(۳) .....تیسرا درجہ یہ ہے کہ (مرشد تلاش کرنے کے بعد اس نے مقامات میں چلنا شروع کیا،گھاٹیوں کو طے کیا،اور اس راستہ کے بلند درجوں پر پہنچ گیا،مگر کسی وقت حق تعالی کا یہ ارشاد ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ﴾ کہ ہم اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اور خود ان کی جانوں میں ان کو دکھلائیں گے سن کر ٹھہر گیا،اب کبھی تو مخلوق کو خدائی نشان سمجھ کر اس کے مشاہدہ میں پڑھا اور ایسا مشغول ہوا کہ (اس خالق) سے بھی غافل ہوگیا جس نے یہ نشان دکھلایا تھا،اور کبھی اپنے نفس پر یہ سمجھ کر نظر کرنے لگا کہ اس میں بھی االلہ تعالی نے اپنا نشان (قدرت وحکمت) دکھلایا ہے،اور اس میں پڑ کر اللہ تعالی سے غافل ہوگیا،اور یہ مقام مقام ادلال (وناز) ہے اسی سے شطحیات (دعوے) اور حد سے تجاوز پیدا ہوتا اور اونچے درجات میں پہنچنے کا اظہار اور شاہی حالت اور قول وفعل اور طاقت وقوت کا ظہور ہوتا ہے۔

(۴) .....چوتھا درجہ یہ ہے: کہ آدمی ہر فعل وقول اور ہر حالت وعادات میں رسول اللہ ﷺ کا قدم قدم پر اتباع کرتا ہوا عبدیت

کا جھنڈا بلند کرتا ہو دربارِ الٰہی میں ذلت کے ساتھ اپنی پیشانی کو بچھاتا ہوا طریق کو طے کر کے ہر چیز کے سر پر ﴿کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ ہر چیز خدا کی ذات کے سوا فنا ہونیوالی ہے) کا مشاہدہ کرتا، اور مخلوقات میں ہر ذرہ کی پیشانی پر ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (یاد رکھو اللہ ہی کا حکم چلنے والا ہے وہی پیدا کرنے والا ہے) لکھا ہوا پاتا ہے، اپنی حد پر ٹھہرا رہتا ہے، اور زمین ادب پر اپنا رخسارہ لگائے رہتا ہے، نشانہائے قدرت کی گھاٹیوں پر درمیان سلوک میں گذرتا ہے، تو ان سے ہٹ کر معبود کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا، (۱) .. پس پہلے درجہ والا تو محجوب (محروم) ہے۔ (۲) دوسرے درجہ والا محبّ (وعاشق) ہے۔ (۳) . تیسرے درجہ والا (راستہ طے کرنے میں) مشغول ہے، (ابھی مقصود تک نہیں پہنچا) (۴) چوتھے درجہ والا کامل ہے، پھر ان سب درجوں میں اور بہت سے درجے ہیں جو عارف کو انسان کی حالت (میں غور کرنے) سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

علماء وفقہاء کے درجات

(۱)…. پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان جھگڑنے، بحث کرنے، فخر کرنے، اور مال جمع کرنے بہت باتیں بنانے کے لئے علم حاصل کرے۔

(۲) …. دوسرا درجہ یہ ہے: کہ کسی نے بحث ومناظرہ اور بڑا بننے کے لئے تو علم حاصل نہیں کیا، لیکن اس کو یہ خواہش ہے کہ میرا شمار علماء میں ہو جائے تا کہ کنبہ اور خاندان والے مجھے اچھا کہیں، اسی مقصود پر اس نے کفایت کی اور ظاہر شریعت پر چلتا رہا آگے کچھ نہیں۔

(۳)…… تیسرا درجہ: اس شخص کا ہے جس نے مشکل مسائل کو حل کیا منقولات ومعقولات کی باریک باتیں معلوم کیں، مناظرہ کے دریاؤں میں گھس گیا، اور ان تمام باتوں میں اس کی نیت یہ ہے کہ (علم حاصل کر کے) شریعت کی مدد کریگا، مگر اس کے اندر غرور وعُجب ہے، علم کی وجہ سے دوسروں کو اپنے سے کم سمجھتا ہے، جب (کسی مسئلہ میں) شریعت کی حمایت کو کھڑا ہوتا ہے، اس وقت اگر کوئی اس کی دلیل پر اعتراض کردے تو اپنے نفس کی حمایت میں ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ حد سے نکل جاتا، اور مدمقابل کے خلاف دلیلیں قائم کرنے لگتا، اس کو برا بھلا کہنے لگتا اور بعض اوقات اس کو کافر بنا دیتا ہے، اس پر طعن کرنے لگتا ہے، اور ایسا حملہ کرتا ہے جیسا درندہ (شکار پر) حملہ کیا کرتا ہے، شریعت کی مقرر کردہ حد کی (بالکل) رعایت نہیں کرتا، نہ اپنے حالات میں، نہ مدمقابل کے معاملات میں۔

(۴)…. چوتھا درجہ: اس شخص کا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تو اس نے اپنے آپ کو غافلوں کے جگانے اور جاہلوں کو راستہ بتانے، بھاگنے والوں کو واپس لانے، اور مفید علوم اور نصیحت (کی باتیں) پھیلانے کے لئے وقف کر دیا، جو باتیں شرعاً بری ہیں (نفسانی) غرض سے پوری طرح الگ ہو کر ان پر انکار کرتا ہے۔ اور جو شرعاً پسندیدہ ہیں ان کو پسند کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اچھی بات وہی ہے جس کو شریعت نے اچھا بتلایا، اور بری وہی ہے جس کو شریعت نے برا بتلایا، (اپنی غرض کیلئے کھینچ تان کر کسی چیز کو اچھا بنانے یا برا بنانے سے وہ اچھی یا بری نہیں ہو جائے گی) عقلمند بن کر (حکمت کے ساتھ) نیک کاموں کا حکم کرتا ہے، نہ بات میں سختی کرتا ہے نہ برتاؤں میں، مہربان بن کر برے کاموں سے روکتا ہے نہ حد سے بڑھتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے، پس (۱) .. پہلے درجہ والا تو برا ہے (۲) دوسرے درجہ والا محروم ہے۔ (۳)…… تیسرے درجہ والا دھوکہ میں ہے۔ (۴) .. چوتھے درجہ والا صاحب معرفت (سچا عالم) ہے۔

پھران درجات میں سے بھی ہر درجہ میں بہت سے درجات ہیں جو آدمی کی حالت سے معلوم ہوسکتے ہیں اور محفوظ وہی ہے جس کو اللہ تعالی بچالیں حقیقت تمہارے سامنے ظاہر ہی ہو چکی۔ (بنیان المشید :ص ۱۹۷ تا ۲۰۰)

لہذا سالک کو چاہئے کہ علم تصوف ان حضرات سے سیکھے جن کا علم وعمل اور قال وحال کتاب وسنت کے عین مطابق ہو۔ جاہل و بے عمل صوفیاء کی بے ہودہ باتوں پر ہرگز ہرگز فریفتہ نہ ہو۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔" خُذْمَا صَفَا وَدَعْ مَاكَدَرَ" جو صاف ہو وہ لے اور جو میلا ہو وہ چھوڑ دو۔ (تصوف وسلوک :ص ۱۰)

صوفیہ اور علماء کے طریق کا منتہی ایک ہے

بزرگو! صوفیہ کے طریق کا منتہی وہی ہے جو فقہا کے طریق کا منتہی ہے اور فقہاء کے طریق کا منتہی وہی ہے جو صوفیہ کے طریق کا منتہی ہے، جن گھاٹیوں میں پھنس کر فقہاء (مقصود کی) طلب سے رہ جاتے ہیں انہی گھاٹیوں میں صوفیہ بھی اپنے سلوک میں مبتلا ہوتے ہیں (دونوں کو مقصود سے روکنے والی) ایک ہی چیز ہے یعنی غرض نفسانی اور حبِّ دنیا وحب جاہ اور دونوں کو مقصود تک پہنچانے والی بھی ایک ہی چیز ہے یعنی اخلاص اور ماسوائے حق سے رخ پھیر لینا۔

طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے

دونوں میں صرف لفظی فرق ہے اصل اور مقصود اور نتیجہ (دونوں کا) ایک ہے میرے نزدیک جو صوفی فقیہ (عالم) کی حالت پر انکار کرے (اس کو بُرا کہے) یقیناً مبتلائے قہر ہے اور جو فقیہ صوفی کی حالت پر انکار کرے (اس کو برا کہے) وہ بھی راندۂ درگاہ ہے، ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو شریعت کے موفق نہ چلتا ہو تو پھر (ایک دوسرے کو برا کہنے میں) کسی پر گناہ نہیں۔ (بنیان المشید :ص ۲۰۰)

مشائخ کے ہاں علم کی قدر ومنزلت

مشائخ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ علم کے مخالف ہوتے ہیں۔ بھئی! مشائخ صوفیا علم کے مخالف نہیں ہوتے۔ ہاں! اگر کسی بندے نے کسی خاص جذبے میں اور کسی خاص کیفیت میں ایسی بات کردی تو انفرادی بات کہی جائے گی۔ اور جو لوگ کہیں 'عالموں بس کریں او یار' ہم ان کے پیچھے چلنے والے نہیں۔ ہمارے جتنے بھی مشائخ تھے وہ سب کے سب علم کے زیور سے آراستہ تھے۔ چنانچہ طبقہ اول کے تمام مشائخ اپنے مریدین کو علم حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ جو کہ اوپر اقوال گذر چکے۔ مثال کے طور پر:

☆..... سید الطائفہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا: "مَنْ لَمْ يَقْرَءِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيْثَ لَا يُقْتَدىٰ بِهِ فِي هٰذَا الْأَمْرِ" "جو قرآن اور حدیث نہیں پڑھا وہ ہمارے اس کام کے اندر مقتدا ہی نہیں" ہمارے مشائخ تو حکم فرماتے تھے۔

☆ مکتوبات صدی میں بھی لکھا ہے کہ سالک کو علم حاصل کیے بغیر اس راستے پر قدم نہیں رکھنا چاہئے۔

☆..... ابن جوزیؒ جیسی ناقد اور محتاط شخصیت بھی فرماتے ہیں: "وَمَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ فِي التَّصَوُّفِ اِلَّا رُؤُوساً فِي الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ" "تصوف کے متقدمین قرآن، فقہ، اور حدیث میں سردار تھے"۔ انہوں یہ عبارت تلبیس ابلیس کے اندر لکھی ہے۔ معلوم ہوا کہ

ایسے حضرات بھی مشائخ اور صوفیا کو ماننے والے تھے۔ (خطبات فقیر: ۲۲/ ۲۶۶، ۲۶۷)

مشائخ پر اعتراضات کیوں ہوئے؟

یہاں سوال ذہن میں آتا ہے کہ پھر مشائخ پر اعتراضات کیوں ہوئے؟ بھئی! بسا اوقات انسان کے اندر کسی کا کلام سمجھنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ اور جب سمجھ نہیں پاتا تو انسان کی فطرت ہے کہ "اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا" جب بات سمجھ میں نہیں آتی تو مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مشائخ کی مخالفت ہوئی۔ مثلاً:

☆ ایک ایسا وقت آیا کہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ اور بعد میں جب دوسرے علماء نے ان کی باتوں کھولا تو غلط فہمی دور ہونے پر آب زر سے لکھوایا گیا۔ لہذا پتہ چلا کہ جہاں کہیں ایسا ہوا تو وہ بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا۔

☆ کتاب الشفا کے مصنف قاضی عیاضؒ پر بعض لوگوں نے یہودیت کی تہمت لگا دی۔ اور بعد میں حقیقت کھلی تو پھر اس کتاب کو شفائے شریعت کہنے لگے کیونکہ نبی علیہ السلام کے بارے میں واقعی کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی۔

☆ ... شیخ احمد کبیر رفاعیؒ کو ایک مرتبہ ملحد اور کافر کہہ کر سرِ عام رسوا کیا گیا اور پھر ایک وہ وقت آیا کہ جب ان کو بہت بڑا شیخ مانا گیا۔ وجہ یہی بنی کہ لوگوں نے ان کی باتوں کے اپنے مطلب نکال لیتے تھے۔ بھئی! جو صاحب کلام ہوتا ہے، حق اسی کا ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ میرے کلام کی منشا کیا ہے۔ اب یہ تو مناسب نہیں کہ کہنے والا کسی اور مقصد کے لئے بات کہے اور سننے والے نے اپنے مطلب نکال لیا۔ وہ تو پتہ نہیں کیا سے کیا مطلب نکال لیں گے۔ اسی کو تو کہتے ہیں: "تَوْجِيْهُ الْقَوْلِ لِمَا لَا يَرْضىٰ بِهِ الْقَائِلُ" [1] قول کا ایسا معنی کرنا جس پر قائل راضی نہ ہو" کہنے والے نے کہا: روکو! مت جانے دو۔ اور مطلب نکالنے والے نے کہا: روکو مت! جانے دو۔ یعنی بات کچھ تھی اور نتیجہ کچھ نکال لیا۔ ان مشائخ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ (ایضاً: ۲۲/ ۲۶۷۔۲۶۸)

پاکباز مشائخ کا دفاع

چنانچہ اللہ رب العزت نے مختلف ادوار میں ایسی عبقری شخصیات کو پیدا کیا جنہوں نے ان پاکباز مشائخ کا دفاع کیا۔ مثال کے طور پر:

☆ ...... ابن جوزیؒ نے "صفوة الصفوة" کتاب لکھی۔

☆ ...... علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے "سير اعلام النبلاء" کتاب لکھی۔

☆ ...... عبدالرحمٰن جامیؒ نے "نفحات الانس" کتاب لکھی۔

☆ ...... شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخيار" کتاب لکھی۔

☆ ...... علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے "الطبقات الكبرىٰ" کتاب لکھی۔

ان کتابوں میں ان علما نے مشائخ صوفیا کی زندگیوں کو کھولا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے ذہنوں میں ان مشائخ کے بارے میں جو شکوک وشبہات تھے وہ سب ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس پاکباز جماعت کے دفاع کا خود انتظام فرما دیا۔

اس کے علاوہ تصوف پر جو اور اعتراضات تھے، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے آ کر ان تمام اعتراضات کی مٹی کو صاف کر دیا۔ چنانچہ ان کے

مکاتیب کو پڑھ کر دیکھیے، واقعی انہوں نے شریعت وطریقت کے تلازم کو سامنے رکھا۔
قریب کے زمانے میں حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم ظاہری بھی عطا کیا کہ حضرت نے دو ہزار سے زیادہ کتابیں لکھیں اور علم باطن سے بھی اللہ نے نوازا۔ اگر آپ ان کی تفسیر ''بیان القرآن'' کا حاشیہ پڑھیں۔ تو اس میں ''مسائل سلوک'' کے نام سے قرآن کی آیات سے اخذ ہونے والے سلوک کے مسائل کو کھولا گیا ہے۔ بندہ پڑھ کر حیران ہوتا ہے کہ اللہ والوں کو قرآن پڑھ کر واقعی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ (ایضا: ۲۲: ۲۶۸-۲۶۹)

اعتدال کا راستہ

ہمارا راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ ہم علم کے پیچھے اتنا بھی نہیں پڑتے کہ مشائخ کو برا سمجھیں اور مشائخ کے بھی اتنا پیچھے نہیں لگتے کہ علم کو برا سمجھیں۔

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسندان باختن

ہر بندہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جو ''اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَر'' کا نعرہ لگا کر علماء کاملین کو گمراہ کہیں۔ اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہیں جو ''تصوف'' کو عجمی چیز کہیں اور نماز کی حضوری سے محروم رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ جب مسندِ حدیث پر بیٹھتے تھے تو عسقلانیؒ اور قسطلانیؒ کی یادیں تازہ کر دیتے تھے اور جب مسندِ ارشاد پر بیٹھتے تھے تو جنیدؒ اور بایزیدؒ نظر آیا کرتے تھے۔ (ایضا:۲۲/۲۶۹)

علماء کرام مشائخ کی دہلیز پر

وقت کے بڑے بڑے علما نے آکر مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کی مثال کے طور پر:

- علامہ شامیؒ نے مولانا خالد رومیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
- قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مرزا جان جاناںؒ سے بیعت کی۔
- حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی۔
- جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مفتی محمد حسنؒ نے حضرت اقدس تھانویؒ سے بیعت کی۔
- علاوہ ازیں حضرت قاری محمد طیبؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت بنوریؒ اور حضرت جالندھریؒ نے بھی اپنے مشائخ سے علم ظاہر بھی حاصل کیا اور علم باطن سے بھی مزین ہوئے۔

یہ ہمارا راستہ ہے جسے ہم اعتدال کا راستہ کہتے ہیں۔ کیوں! اس لئے کہ ہمیں اعمال بھی نصیب ہوں اور اعمال کی کیفیات بھی نصیب ہوں۔
(ایضا ۲۲: ۲۷۰)

مقصود تصوف

تصوف کا مقصد تین باتیں ہیں: (۱) خوف خدا (۲) اتباعِ مصطفےٰ (۳) مخالفِ نفس وھویٰ۔ جس کو یہ تین چیزیں حاصل ہیں اس کو تصوف کا مقصود حاصل ہوگیا۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر یہ چیزیں انسان کو نصیب ہوتی ہیں۔ بتائیں! کیا یہ تین چیزیں شریعت سے ہٹ کر ہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔ پھر کیوں تصوف کی مخالفت کرتے ہیں۔

کسی نے حضرت اقدس تھانویؒ سے پوچھا: حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا: تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ (ایضاً ۲۲/ ۲۷۰)

ایک بزرگ سے پوچھا گیا: حضرت! تصوف کا کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ صبح سے شام تک ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کو نیت اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں، یہی تصوف ہے۔ صبح سے شام تک جو اعمال بھی ہم کریں، ان کو تصحیح نیت کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ کرنے لگ جائیں۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو اور عمل کرنے کے بعد فراغت نہیں، بلکہ اپنا محاسبہ ہو۔ (خطبات فقیر ۳۔ ۲۲)

شریعت وطریقت فقیر کی نظر میں

اس عاجز (حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی) نے شریعت وطریقت کو جو سمجھا ہے وہ یہ کہ شریعت میں اعضاء وجوارح کو عبادت پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور طریقت میں لگنے کے بعد اعضاء وجوارح انسان کو عبادت کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ کھانا کھائے بغیر انسان کا وقت گزر جاتا ہے مگر ذکر ومراقبہ کے بغیر، درود شریف کے بغیر، تہجد کے بغیر، انسان کا پھر وقت نہیں گزرتا۔ (خطبات فقیر ۲۷۔ ۱۵۹)

شریعت، طریقت اور حقیقت

تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: شریعت، طریقت، اور حقیقت۔

☆ ...... شریعت: وہ تمام کام کہ جن کو کرنے یا نہ کرنے کا مومن کو حکم دیا گیا، یعنی احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام شریعت ہے، اس کو ہمارے مشائخ "مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَاعَلَيْهَا" کہتے ہیں۔

☆ ...... طریقت: اعمال باطنی پر استقامت پانے کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔

☆ ...... حقیقت: حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کا دل صاف ہوتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نور برستا ہے اور اس کو فراست ملتی ہے۔ نور ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، تو صفائے قلب کی وجہ سے جو احوال منکشف ہوں، ان کو حقیقت کہتے ہیں۔ (خطبات فقیر ۲۱۔ ۵۰۔ ۱۵۱)

فتاوی حدیثیہ میں لکھا ہے: "الطریقه مشتملة علی منازلا لسالکین، وتسمی مقامات الیقین، والحقیقة موافقة للشریعة ثی جمیع علمها وعملها، اصولها وفروعها وفرضها ومندوبها، لیس بینهما مخالفة اسلام"

(الفتاوی احدیثیہ ۲۰۹، قدیمی، ماخذ حاشیہ فتاوی محمودیہ ۳۔ ۳۹۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہ دونوں ایک ہے، ظاہر سے عمل کرنا شرع ہے اور جب قلب میں حکم شرع کا داخل ہوکر

طبعاً عمل شرع پر ہونے لگے وہ طریقت ہے، دونوں کا حکم قرآن وحدیث سے ہے، ادنی درجہ شرع ہے، اس کا ہی اعلی درجہ طریقت کہلاتی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، شریعت، طریقت کا فرق ۹۱ تالیفات رشیدیہ ادارہ اسلامیات لاہور، وکذا فی امداد الفتاوی ۵/۱۶۵، ماخذ حاشیہ فتاوی محمودیہ ۴/۳۸۳)

وقال ابن عابدین: ''الطریقة: سلوک طریق الشریعة، والشریعة: اعمال شرعیة محدودة، وهما والحقیقة متلازمة''۔ (رد المحتار مطلب یوجوز المفضول مع وجود الافضل المقدمة ۱/۶۰ سعید ماخذ بالا)

شریعت اور طریقت میں فرق

☆......سوال: یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے، کہاں تک درست ہے؟

☆......جواب: اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ شریعت اور طریقت کے احکام الگ الگ ہیں جیسے دو حکومتوں کے قانون الگ الگ ہوتے ہیں کہ ایک حکومت میں مثلاً: بندوق رکھنا درست ہے، دوسری حکومت میں جرم ہے۔ اسی طرح کچھ چیزیں شریعت میں حرام ہیں: جیسے شراب پینا، ننگے پھرنا، نماز روزہ فرائض کو چھوڑنا، قبروں کو سجدہ کرنا، اکابر کو گالیاں دینا، پیروں سے مرادیں، مانگنا، ساز گانا سننا، اور قوالی میں سر دھننا وغیرہ وغیرہ اور طریقت میں یہ سب درست اور جائز ہیں تو یہ اعتقاد سراسر باطل اور گمراہی اور انتہائی بددینی ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ شریعت میں حکام ظاہرہ: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع، شراء، نکاح، طلاق، وغیرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور طریقت میں حکام باطنہ: صبر، شکر، رضا، تسلیم، تفویض، توکل، اخلاص، وغیرہ کے احکام بیان کیئے جاتے ہیں، یعنی شریعت ظاہر کی اصلاح کرتی ہے اور طریقت باطن کی اصلاح کرتی ہے تو یہ صحیح ہے۔ (وکذا فی مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب ۱/۹۷۔ فتاوی حقانیہ ۲/۲۴۳، کتاب السلوک، دار العلوم حقانیہ ماخذ بالا)

کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟

☆......سوال: عوام میں بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی پیر کا مرید نہ ہوگا اور مر جائے تو اس کی بخشش نہ ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت کا راستہ اور حقیقت کا راستہ الگ الگ ہے اور جو فقیر جانے اس کو شریعت والے کیا جانیں، فقیر کی رمز کا بلا مولوی کیا جانے، سمجھے؟

☆......جواب: یہ جہالت در جہالت ہے (کفایت المفتی ۲/۱۰۸، کتاب السلوک، دار الاشاعت۔ وکذا فی القول الجمیل الفصل الثانی ۱۲، کلکتہ))

ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، ان کی صحبت سم قاتل ہے، مرید ہونے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور نفس وشیطان کے دھوکہ میں نہ آئے۔

جس حقیقت کا راستہ شریعت کے خلاف ہو وہ ہرگز اللہ ورسول ﷺ کی مرضی کے موافق نہیں، وہ شیطان کا راستہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/۳۸۴)

علم تصوف علم فقہ کی طرح مدون ہے

یہ تصوف کوئی عجمی چیز نہیں بلکہ خالص عربی چیز ہے۔ قرآن مجید میں اس کو تزکیہ اور احسان کے نام سے یاد کیا گیا۔ گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ جب مشائخ نے اس پورے علم کی تدوین کر دی اس کو مدون کیا تو اس کا نام تصوف مشہور ہو گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم آج کل اعمال ظاہرہ کرتے ہیں ان کے علم کو فقہائے کرام نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن اور احادیث کے اندر سے اکٹھا کر لیا۔

یہ ہیرے اور موتی ہیں جو انہوں نے قرآن وحدیث میں سے نکالے ہیں۔ تو فقہا نے کوئی نئی چیز نہیں بنائی بلکہ انہوں نے شریعت کی باتیں ہی بتائی ہیں۔ بنانے میں اور بتانے میں بڑا فرق ہے، انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا۔ جو شریعت میں موجود تھا اور ان تک ہر بندے کا دماغ نہیں پہنچ سکتا تھا انہوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے ان ہیروں اور موتیوں کی یکجا کر دیا۔ چنانچہ چار مذاہب سامنے آگئے۔ اب دیکھیے! فقہ اور حدیث کی تدوین ہوئی اس میں وقت لگا یہاں تک کہ کھیر پک گئی۔ بعد والوں کا کام صرف اس کو کھانا بن گیا۔ یہی حال تصوف کا ہے کہ مشائخ وقت نے اس کی اصطلاحات اور اصول ضوابط کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اخذ کر کے اس کو باقاعدہ مدوّن کیا۔ چنانچہ چار سلاسلِ تصوف سامنے آئے۔ (خطبات فقیر:۲۶/۱۵۱)

تدوینِ فقہ کیسے ہوئی؟

آج ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں، اس کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کام کی بنیاد انہوں نے رکھی۔

☆......حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیج ڈالا: ہمارے اکابر نے کتابوں میں لکھا ہے بلکہ درمختار اور طحاوی نے بھی یہی لکھا ہے: "قد قالوا الفقه زرعه ابن مسعودؓ" "فقہ کا بیج عبداللہ بن مسعودؓ نے ڈالا" "زرعه": کا کیا مطلب؟: "اول من تكلم باستنباط الفروع" "شریعت میں اصول تو موجود تھے لیکن ان میں سے فروع کا استنباط کرنا، مسائل پر اخذ کرنا۔

☆......علقمہؒ نے پانی دیا: "وسقاه علقمة" اور اس کو علقمہؒ نے پانی دیا۔ پانی دینے کا کیا مطلب؟ یعنی "ايده ووضحه" انہوں نے سیدنا ابن مسعودؓ کے کام کو مضبوط کیا اور زیادہ واضح کر دیا۔

☆......ابراہیم نخعیؒ نے کاٹا: پھر فرمایا: "وحصده ابراهيم نخعي" اور اس کو ابراہیم نخعیؒ نے کاٹا۔ "حصده" کا مطلب علما نے یہ لکھا ہے کہ "جمع ماتفرق من فوائده ونوادره" کہ علقمہؒ نے جتنا بھی کام کیا تھا اس متفرق کام کو انہوں نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ تو انہوں نے گویا کھیتی کاٹی۔

☆......حمادؒ نے گاہا: پھر فرمایا: "وداسه حماد" اور حماد نے اس کو بھوسی سے الگ کیا۔ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں گاہنا۔ (پشتوں میں :غوبل کہتے ہیں) گندم کے سٹے ہوتے ہیں نا! اس کو تھریشر کرتے ہیں تو تھریشر کرنے کی وجہ سے اس کا بھوسہ ایک طرف اور دانے دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس نے کیا؟ حماد نے کیا "داسه" کا مطلب ہوگا "اجتهد في تنقيحه وتوضيحه" اس کی توضیح اور تنقیح میں انہوں نے اجتہاد بھی کیا۔ یہ حماد بن مسلمؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔

☆......ابوحنیفہؒ نے پیسا: پھر اس کے بعد فرمایا: "وطحنه نعمان" نعمان نے اسے پیسا نعمان بن ثابت جو کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام ہے۔ "وطحنه نعمان" کا کیا مطلب؟ یعنی انہوں نے اس کو پیسا کیا اور آپ کو پتہ ہے کہ پیسائی کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہوتا۔ "طحنہ" کا مطلب علما نے لکھا: "اكثر اصوله وفرّع فروعه واوضح سُبُلَهٗ" نے اس کے اصول کو اکٹھا کر کے زیادہ کر دیا۔ یعنی شریعت میں جو اصول فقہ موجود تھے۔ انہوں نے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ بلکہ اس کو بڑھا دیا یعنی اپنے پہلوں کے کام کو

زیادہ کر دیا، اس راستے کو خوب واضح کر دیا۔ چنانچہ ان کے بارے میں لکھا گیا: "فـانـه اول مـن دوّن الفقه" سب سے پہلے تھے جنہوں نے فقہ کو مدون کیا۔" ورتبـه ابـوابـا و کتبا" انہوں نے دینی علم کے ابواب اور کتب کو مرتب کیا۔ یہ کتاب العلم ہے، یہ کتاب الایمان ہے، یہ کتاب الطہارۃ ہے۔ ایسا مرتب کیا کہ "علی مانحو علیه الیوم" کہ آج تک وہ اسی ترتیب کے اوپر موجود ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے گوندھا: پھر فرمایا: "وعـجـنه یعقوب" (امام ابو یوسفؒ کا نام یعقوب تھا)" پھر یعقوب نے اس آٹے کو گوندھا جس کو امام ابوحنیفہؒ نے پیسا تھا۔ "واعجنه" کا مطلب" دقّق النظر فی قواعد الامام" انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے قواعد میں دقیق نظری سے کام لیا۔" واجتهـد فی زیادۃ استنباط الفروع منها" اور اس میں جو فروعات تھیں انہوں نے ان میں استنباط کر کے ان کو اور زیادہ کر دیا۔ اس لئے اس کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے کہ اصول میں تو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کی مگر اجتہاد میں انہوں نے برابر کا اجتہاد کیا۔

امام محمدؒ نے روٹیاں پکائیں: پھر اس کے بعد فرمایا:" وخبّزه محمد" امام محمدؒ نے پھر اس کی روٹیاں پکائیں۔ جو آٹا گندھا ہوا تھا اس کی روٹیاں پکائیں۔" خبزه " کا مطلب کیا کہ "زاد فـی استـنـبـاط فـروع وتنقیحها وتهذیبها بتحریرها حیث لم تـحتـج الی شیء آخر" "انہوں نے اس کی تنقیح وتہذیب میں اتنا کام کیا کہ ان کے بعد اس کام کے کرنے کی کسی اور کی ضرورت ہی نہ رہی۔"

☆ ہمارا کام روٹی کھانا ہے: یقین جانئے کہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں ہی آئندہ پیش آنے والے لاکھوں مسائل کے جواب لکھ کر ہمیں بتا دیئے۔ آج ہمارا کام اس کے اوپر فقط عمل کرنا ہے یعنی پکی پکائی روٹی کھانا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان تمام حضرات کے لئے بلندی درجات کی دعا مانگا کریں۔

تصوف کی محنت قرآن وحدیث سے ثابت ہے

تو جیسے فقہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سارا علم کھل کر سامنے آ گیا۔ اسی طرح تصوف وسلوک کا اور تدوین حدیث کا معاملہ پیش آیا۔ اب پوری تفصیل تو عاجز (حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی) بتا نہیں سکتا، لہٰذا اتنی بات ضرور جان لیں کہ یہ تمام اصول وضوابط قرآن وسنت میں موجود تھے، وہیں سے ہمارے اکابرین نے ان کو یکجا کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسانی فرما دی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کا استعمال بدلتا رہا ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ پہلے زمانے میں اس کو تزکیہ واحسان کہتے تھے، اور احسان تو عام طور پر مشہور تھا، آج تصوف کا لفظ مشہور ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟

دیکھئے سب سے پہلے "خلیفہ" کا لفظ حضرت ابوبکر صدیقؓ کیلئے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے "امیر المومنین" کا لفظ عمرؓ کے لئے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے "قاضی القضاۃ" چیف جسٹس کا لفظ امام ابو یوسفؒ کے لئے استعمال ہوا۔ "وزیر" کا لفظ ابوسلمی حفص کے لئے استعمال ہوا، "سلطان" کا لفظ سب سے پہلے محمود غزنویؒ کے لئے استعمال ہوا، "صوفی" کا لفظ سب سے پہلے ابو ہاشمؒ جو کہ امام احمد بن حنبلؒ

کے زمانے میں تھے، ان کے لئے استعمال ہوا۔ اللہ تعالی نے اس لفظ کو ایسا قبول کیا کہ ان کے بعد یہ لفظ باقاعدہ استعمال ہی ہونے لگ گیا۔
اتنا تو مانیں کہ تصوف کی جو محنت ہے وہ واقعی کتاب وسنت میں سے نکلی ہوئی ہے۔ اگر آپ کو ''تصوف'' کی بجائے کوئی اور لفظ اچھا لگتا ہے تو آپ وہ کہنا شروع کر دیں، ہمارا کوئی جھگڑا ہے؟ ہاں ان سے جھگڑا ضرور ہے جو کہتے ہیں کہ دل میں صفائی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (خطبات فقیر ۲۶: ۱۵۱۔۱۶۵)

اعمال مع التصوف اور اعمال بغیر تصوف کا مثال

☆......مثال نمبر ۱: دیکھیں! ایک ہوتا ہے، بانس۔ وہ خشک ہوتا ہے اور اس کی ایک خاص شکل ہوتی ہے۔ اور ایک ہوتا ہے، گنا۔ اگر آپ اگنے والے پتلے بانس کا کاٹیں اور ادھر سے گنے کا کاٹیں تو قریب رکھنے سے دونوں بالکل ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ مگر ایک رس سے خالی ہوتا ہے اور دوسرا رس بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو بندے تصوف کو سیکھے بغیر اعمال کرتے ہیں، وہ بانس کی طرح ہیں اور جو سیکھ کر اعمال کرتے ہیں وہ گنے کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی ایمان کی حلاوت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆...مثال نمبر ۲: اگر ایک عام مزدور کو آپ گھر لائیں اور کہیں جی! فرش توڑنا ہے تو وہ آئے گا، ہتھوڑا چلائے گا، اور شام کو اپنی مزدوری لے کر چلا جائیگا۔ البتہ وہ ہتھوڑا چلاتے ہوئے بے دلی سے چلائے گا۔ اور ایک تھا فرہاد، اس کو لوگوں نے کہا تھا کہ اگر تم پہاڑ کو کھود کر دودھ کی نہر نکالو تو تمہارا محبوب سے تمہارا وصل ہو جائے گا۔ وہ بھی پہاڑ توڑتا تھا۔ لیکن جو ضرب مزدور لگاتا ہے وہ بے دلی سے لگاتا ہے اور جو فرہاد ضرب لگاتا تھا وہ دل کی محبت سے لگاتا تھا۔ کہنے والے نے کہا:

ہر ضرب تیشہ ساغر کیفِ وصال دوست　　　فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

''جب فرہاد ضرب لگاتا تھا تو ہر تیشے کی ضرب پر اس کو لگتا تھا کہ میں اپنے محبوب کے وصل کا جام پی رہا ہوں۔ اس لئے کہ مزدور میں عشق کی وہ بات ہی نہیں تھی جو فرہاد تھی۔''

آج ہم مزدور والی نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ والے فرماتے ہیں: آؤ! فرہاد والی نمازیں پڑھو۔ ہم بے ذوق سجدے اور بے سرور نمازیں کب تک پڑھتے رہیں گے۔ اپنے من کو صاف کر لیں تاکہ پھر ایسی نماز نصیب ہو کہ ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرٰکَ'' کا مصداق بن جائیں اور صورت کی بجائے سیرت پر زیادہ محنت کریں۔ (ایضا ۲۲: ۲۷۱۔۲۷۲)

علم تصوف کی حیثیت

یہ بہت اونچا علم ہے، صوفیاء کرام کی بلند حالت اخلاق کی درستگی اور ہمیشہ خدا کی طرف توجہ لگائے رکھنا ہے۔

تصوف کی حقیقت

تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اخلاق کو اپنے اندر اس طرح پیدا کر لینا کہ اس کے رنگ میں رنگے جائیں، اور اپنے اختیار اور ارادہ کو ختم کر لینا۔ ہر حال میں بندے کا اللہ کی رضاء کو قبول کئے رکھنا۔ (امداد السلوک ص: ۲۹)

تصوف کا حاصل

تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کر لے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچ جاوے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۱۱، ص ۲۱۱)

حقوقِ طریقت

یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں خواہ کسی سے بیعت بھی نہ ہوں تمام برادران، اسلام کو عموما اور اصحاب سلاسلِ اربعہ کو خصوصاً لازمی ہے کہ :(۱)...... حدیث اور فقہ کی اچھی طرح معلومات حاصل کریں (۲)...... اور اردو جاننے والے اصحاب معتبر علما کی ۔اردو میں لکھے ہوئے مسائل کی کتابیں پڑھیں ۔اور جوان پڑھ ہیں وہ پڑھے ہوئے لوگوں سے سنیں اور ان سے فرائض ،دواجبات ،محرمات ،مکروہات اور مشتبہات کی واقفیت حاصل کریں، اور آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور عادتوں اور آپ ﷺ کی عبادتوں کے طریقے معلوم کریں (۵) ...... اور جہاں تک ہو سکے سنت کی پیروی کریں ،(۶)...... خاص کر فرضوں اور واجبوں پر اچھی طرح سے پابند رہیں (۷) ...... مکروہ اور شبہ والے کاموں سے بچنے میں سنت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں ،(۸)...... لیکن ظاہری پاکیزگیوں کو وسوسے اور وہم کے درجے تک نہ پہنچائیں، اس لئے کہ وسوسہ اور وہم کا پیدا کرنا بہت برا ہے ،(۹)...... پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت سے ادا کریں ،البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جائے تو شرمندگی کے ساتھ استغفار کریں (۱۰)...... اور اس بات کا خیال رکھیں کہ تحریمہ (تکبیر اولی) نہ جاتی رہے (۱۱)...... نمازیوں میں جو سب سے زیادہ بہتر ہو اس کو امام بنائیں ،حدیث شریف میں آیا ہے: "الامام ضامن مقتدیوں کی نماز کا امام ضامن ہے۔ اس لئے جس قدر امام کامل ہوگا اس قدر نماز بھی کامل ہوگی ،(۱۲)...... جمعہ کی نماز کبھی نہ چھوڑیں (۱۳)...... نماز کی سنتوں اور آداب کی اچھی طرح نگرانی کریں اور پورے پورے اطمینان کے ساتھ پڑھیں (۱۴) ...... قرآن مجید نہایت صحیح اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھیں اور گا کر نہ پڑھیں (۱۵)...... نمازوں کو مستحب وقتوں میں ادا کریں (۱۶) ...... سنت راتبہ جو بارہ رکعت ہیں نہ چھوڑیں (۱۷)...... نماز تہجد جو سنت ہے نہ چھوڑیں (۱۸)...... اور نہایت احتیاط کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے ادا کریں (۱۹)...... تراویح ختم قرآن اور رمضان کے آخری دس دن میں اعتکاف کی پابندی کریں (۲۰)...... لیلۃ القدر کا خیال رکھیں (۲۱)...... اور ذکر واذکار کے وقتوں میں کوئی اور کام نہ کریں (۲۲)...... اگر شرعی نصاب کے مالک ہوں تو زکوٰۃ ادا کریں ،کیونکہ یہ بھی فرض ہے، لیکن اس معاملے سنت یہی ہے کہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ مال نہ رکھیں ،(۲۳) ...... اور گنجائش کی صورت میں عید الفطر کو صدقہ فطر اور بقر عید کو قربانی ضرور کریں (۲۴) ...... حج کی استطاعت ہو تو حج ادا کریں ،(۲۵)...... حلال روزی کمائیں ، (۲۶)...... خرید و فروخت کے وقت فقہ کے مسئلوں کا خیال رکھیں (۲۷) ...... اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کریں۔ (۲۸)...... لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں پوری پوری کوشش سے کام لیں ،اس لئے کہ اللہ تعالی کے حقوق میں اگر کوئی کمی یا قصور واقع ہو جائے تو وہ آنحضرت ﷺ اور دوسرے بزرگوں اور ولیوں کی سفارش اور وسیلے سے معاف ہو سکتے ہیں۔ برخلاف لوگوں کے حقوق کے کہ وہ معاف نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ بندے خود معاف نہ کریں اور آخرت میں یہ مشکل ہوگا۔ اس لئے اگر کمی ہو جائے تو زندگی میں ہی معاف

کرالیا جائے۔(۲۹)......نکاح کرنا نبیوں کی سنت ہے لیکن اگر اس کے حقوق پورے طور پر ادا نہ کرسکیں تو نکاح نہ کریں، اگر نکاح کرلیں تو بہتر ہے اس لئے کہ نکاح نہ کرنے سے اکثر بڑے گناہوں میں مبتلا ہوجانے کا ڈر ہے۔اس کے متعلق صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے، زیادہ تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں سے معلوم کریں۔(۳۰)......اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کریں، ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتاتے رہیں۔ پڑھے ہوؤں کے لئے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں تھوڑا سا وقت مقرر کر کے کوئی اردو کی مسئلوں کی کتاب (جو کسی مستند عالم کی ہو) شروع سے آخر تک پڑھ کر سنائیں اور سمجھائیں اور جب وہ ختم ہوجائے تو پھر شروع کردیں اور جب تک ان کو مسئلے خوب پختہ یاد نہ ہوجائیں سناتے رہیں اور ان پڑھ ایسا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنیں اس کو یاد کرکے گھر والوں کو ضرور سنادیا کریں۔

☆......مندرجہ ذیل کاموں کو چھوڑ دیں:

(۱)......ڈاڑھی منڈانا، ڈاڑھی کٹانا، جبکہ چار انگل سے زیادہ نہ ہو، ڈاڑھی چڑھانا، (۲)......سر میں چاند کھلوانا، (۳)......کھڈی رکھنا(۴)......یا سر آگے آگے سے منڈانا یا اونچے نیچے (غیر ہموار) بال کٹوانا (جس کو انگریزی حجامت کہتے ہیں)(۵)......ٹخنے سے نیچے پائجامہ پہننا(۶)......یا لنگی (تہبند) یا کرتہ، چغہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا(۷)......یا شملہ (صافہ کی لانگ) آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا، (۸)......یا کرتے کی آستین پہنچے سے آگے لمبی کرنا(۹)......یا لال یا زعفران کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا، (۱۰)......یا ریشمی یا زری کا لباس چار انگل سے زیادہ پہننا (۱۱)......یا لڑکوں کو پہنانا، یا کافر کا مخصوص لباس پہننا، (۱۲)......یا مردوں کو چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال یا زائد یا سونے کی انگوٹھی پہننا، (۱۳)......یا عورتوں کے لئے مردانہ وضع کا کھڑا جوتا یا مردانہ لباس یا بجنے والا زیور پہننا(۱۴)......یا ایسا باریک یا چھوٹا کپڑا پہننا جس میں بدن کھلا رہے، (۱۵)......کسی عورت یا نابالغ لڑکے کو بری نگاہ سے دیکھنا(۱۶) یا عورتوں اور لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا(۱۷)......یا تنہائی میں مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا (۱۸)......یا کسی سخت مجبوری کے بغیر سامنے آجانا خواہ وہ پیر یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں بھی سر، کلائی، پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے، منہ کے سامنے بھی گھونگٹ رہنا بہتر ہے اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے، (۱۹)......اسی طرح نامحرم مرد اور عورت کا باہم ہنسنا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہئے۔(۲۰)......ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا یا برات میں جانا البتہ نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کو جمع کرلینے میں مضائقہ نہیں، (۲۱)......یا کوئی کام دکھاوے، اور فخر کے لئے کرنا جیسا کہ آج کل رسم ورواج کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے، اسی میں نیوتا بھی آگیا اس کو چھوڑنا ضروری ہے(۲۲)......اسی طرح فضول خرچ کرنا یا کپڑے میں بہت اسراف کرنا کیونکہ یہ بھی فخر اور دکھاوے میں داخل ہے، (۲۳)......مردے پر چلا کر رونا، (۲۴)......ترکے کو ورثا میں تقسیم کرنے سے پہلے ان کی رضامندی کے بغیر خیرات کردینا، خصوصاً نابالغوں کا حصہ خیرات میں دینا حرام ہے، (۲۵)......ترکے میں لڑکیوں کا حصہ نہ دینا (۲۶)......اور بیاہ شادی اور موت کے وقت کی دوسری بدعتوں کا کرنا، (۲۷)......حکومت اور ریاست والوں کا غربا پر ظلم کرنا، (۲۸)......جھوٹی نالش کرنا، (۲۹)......رہن یا رشوت کی آمدنی کھانا، (۳۰)......تصویر، اور فوٹو

بنانا بنوانا یا رکھنا، (۳۱)... یا شوق کے لئے کتے پالنا (۳۲)... یا پتنگ اڑانا، (۳۳)... آتش بازی، (۳۴)..... کبوتر بازی و مرغ بازی وغیرہ کرنا، (۳۵) یا بچوں کو ان کاموں کے لئے پیسے یا اجازت دینا، (۳۶)..... گانا سننا باجے سے یا بغیر باجے کے، اسی میں گراموفون وغیرہ، بھی داخل ہیں۔ (۳۷)... ایسے عُرسوں میں جانا جہاں گانا بجانا اور دوسری قسم کی بدعتیں ہوتی ہیں۔ (۳۸)... ٹونے ٹونکے یا سیتلا وغیرہ کو ماننا (۳۹)..... یا فال وغیرہ کھلوانا کسی نجومی یا آسیب سے کوئی بات پوچھنا، (۴۰)... کسی کے پیٹھ پیچھے برائی کرنا، (۴۱) چغلی کرنا، (۴۲)... جھوٹ بولنا، (۴۳)..... تجارت میں دغا کرنا، (۴۴)..... بغیر مجبوری کے ناجائز نوکری کرنا، (۴۵) جائز نوکری میں کام خراب کرنا، (۴۶) عورت کا خاوند کے سامنے زبان چلانا (۴۷)..... یا اس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا (واضح رہے کہ بعض معمولی باتیں مثلاً فقیر کو مٹھی بھر دانے دینا وغیرہ میں اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اس کہ ایسی باتوں سے عام طور پر روکا نہیں جاتا) (۴۸)... یا بلا اجازت کہیں جانا، (۴۹)..... حافظوں کا مردوں پر قرآن پڑھ کر کچھ طے کر کے لینا، (۵۰) یا مولویوں کو وعظ یا مسئلہ بتانے پر اجرت لینا، (۵۱)..... بحث ومباحثہ میں پڑنا (۵۲)... یا فقیروں جیسی وضع بنانا (۵۳) پیری مریدی کی خواہش کرنا (۵۴)..... یا تعویذ گنڈوں کا مشغلہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ (۵۵)..... فرضوں کے ادا کرنے اور مکروہ اور شبہ والی چیزوں سے بچنے کے بعد صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذکر کے وقتوں میں ذکر کرے اور بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرے۔ (۵۶) اگر پیر کی جگہ کا فاصلہ زیادہ ہو اور آنا جانا بہت ہی کم ہو سکتا ہو تو خط وکتابت کو ضروری سمجھے، یہ اس صحبت کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (۵۷)... اس کے علاوہ علما اور صلحا کے پاس بیٹھنے اور بات چیت کرنے کی سعادت حاصل کرے بشرطیکہ وہ علما بھی ایسے ہوں کہ جو دنیا پرستی سے دور رہتے ہوں اور اگر صلحاء کی صحبت نصیب نہ ہو تو تنہا بیٹھے رہنا یا سو جانا بہتر ہے (۵۸)..... نیز دنیا کے کاموں میں بہت حصہ لینے والے اور ایسے صوفی کی صحبت سے جو ابھی مبتدی ہے پرہیز کرنا چاہئے اس لئے کہ ایسی صحبتیں ان کے لئے بہت مضر ہیں ، کیونکہ تھوڑے ہی پانی کو نجاست پلید کرتی ہے (۵۹)..... نیز اپنے پیر بھائیوں بلکہ تمام مسلمانوں سے محبت اور میل جول رکھے۔

(عمدۃ السلوک: ۶۵۔۶۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
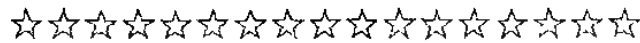
بیعت

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی اپنی کتاب ''تصوف وسلوک'' میں تحریر فرماتے ہیں: آج امت مسلمہ کی زبوں حالی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ جھوٹ سچ سے اور کھوٹا کھرے سے بالکل پیوست نظر آتا ہے۔ جس طرح علم ظاہر کے حامل علمائے حق کی صفوں میں علمائے سوء داخل ہو چکے ہیں اسی طرح علم باطن کے حامل مشائخ حق پرست کے بھیس میں نفس پرست لوگ شامل ہو چکے ہیں۔ عوام الناس کی روحانی اور باطنی تنزلی کی انتہا یہاں تک ہو چکی کہ ایک طبقے نے بیعت طریقت کو لازم قرار دے کر فرائض کے ترک کرنے اور شریعت وطریقت کو الگ الگ ثابت کرنے کا بہانہ بنالیا۔ ''ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا'' ''خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا''

دوسرے طبقے نے بیعت طریقت کو بدعت وگمراہی سمجھ کر اس کی مخالفت کا بیڑا اٹھالیا۔ ''ویا اسفی''

ان حالات میں اہل حق کیلئے افراط وتفریط کے شکار ان دونوں طبقوں سے چومکھی لڑائی لڑنے کے سوا چارہ نہیں۔ تاکہ احکام شریعت کو نکھار کر پیش کیا جائے اور حق وباطل کی حد فاصل کو واضح کیا جائے۔

☆...... **بیعت کی تعریف**: شریعت کی کسی بات کیلئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو سرانجام دیں گے۔ خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص بات کا عہد لیا جائے۔ اس کو بیعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس امر کو بہت سے مواقع پر سرانجام دیا۔ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے چار طرح کی بیعت کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (تصوف وسلوک ۲۳-۲۴)

بیعت کے اقسام

☆...... بیعت کی چار قسمیں ہیں: (۱)...... بیعت اسلام (۲)...... بیعت جہاد (۳)...... بیعت خلافت (۴) بیعت طریقت۔

☆...... **بیعت اسلام کی تعریف**: کسی مسلمان کے ہاتھ پر کفر وشرک سے توبہ کرتے ہوئے عہد وپیا کرنا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت اسلام کی تھی۔ روایات سے ثابت ہے کہ ہجرت سے قبل حج کے موقع پر مدینہ طیبہ کے لوگ حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانی کا تذکرہ حدیث کی معتبر کتب میں موجود ہے۔

☆...... **بیعت جہاد کی تعریف**: وہ بیعت ہے کہ مسلم امام کے ہاتھ پر عہد کرنا کہ اپنی جان دینے کے ساتھ ساتھ ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں جیسے حدیبیہ کے موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

☆...... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ﴾ (الفتح ۱۸)

''بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کرتے تھے''۔

☆...... وَقَدْ قَالَ ابْنِ کَثِیْرٍ: ''وَھٰذِہٖ بَیْعَۃُ الرِّضْوَانِ، وَکَانَتْ تَحْتَ شَجَرَۃِ سمر بِالْحُدَیْبِیَّۃِ، وَکَانَ الصَّحَابَۃُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَئِذٍ قِیْلَ: اَلْفًا وَثَلٰثَ مِائَۃٍ'' (تفسیر ابن کثیر ۲۳۷/۴، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۳۰۰/۳)

...حضرت سلمہ بن اکوع اس بیعت میں شریک تھے،ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے درخت (سمرہ) کے نیچے کس بات پر بیعت کی تھی مایا "علی الموت" یعنی ہم مرجائیں گے بھاگیں نہیں۔

یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ (الفتح ۱۰)

"جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"

☆ غزوہ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اشعار پڑھے۔

نَحۡنُ الَّذِیۡنَ بَایَعُوۡا مُحَمَّداً عَلَی الۡجِہَادِ مَابَقِیۡنَا اَبَداً

"ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے جہاد کرنے پر جب تک زندہ رہیں گے"

مندرجہ بالا شعر میں اس بیعت جہاد کی طرف اشارہ ہے۔

☆ بیعت ہجرت: حارث بن زیاد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ میں یوم خندق میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ لوگوں سے ہجرت پر بیعت لے رہے تھے۔ میرا گمان ہوا کہ لوگ بیعت کیلئے بلائے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے بھی ہجرت پر بیعت لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے چچیرے بھائی حوت بن یزید ہیں یا یزید بن حوط۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے بیعت نہیں لیتا۔ لوگ تو تمہاری طرف ہجرت کر کے آتے ہیں تم لوگوں کی طرف ہجرت کر کے نہ جاؤ گے......الی آخرہ۔ اس کو احمد ابونعیم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (تصوف وسلوک ۲۴۔۲۵)

☆ ...بیعت طریقت (توبہ) کی تعریف: یہ وہ بیعت ہے کہ جو مرشد کامل کے ہاتھ پر اس عہد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے آپ کی اتباع کروں گا اور جناب کی تعلیمات کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ظاہر و باطنی کی اصلاح کروں گا اور گناہ کی زندگی کو ترک کر کے نیکی کی زندگی اختیار کروں گا۔

☆......بیعت خلافت کی تعریف: ایک ہوتا ہے بیعت خلافت یہ وہ بیعت ہے کہ جو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر اس کی خلافت کو تسلیم کرنے کی نشانی کے طور پر کی جائے جیسے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرام نے بیعت کی۔

☆......بیعت طریقت احادیث سے ثابت ہے:

☆ حضرت عبادہ ابن الصامتؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم ﷺ نے اس حالت میں کہ ان کے اردگرد صحابہؓ کی جماعت تھی کہ میرے ہاتھ پر تم بیعت کرو (کن باتوں پر بیعت ہوئی سنیے) تم اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے نہ چوری کرو گے نہ زنا کرو گے نہ اپنی اولادوں کو قتل کرو گے اور نہ باندھو گے تم بہتان اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ نافرمانی کرو گے اور نیکی کی بات میں جو شخص تم میں سے اس وعدہ کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے جو شخص ان چیزوں کو پہنچا (اور وہ) دنیا میں سزا دیا گیا وہ کفارہ ہوگا جو شخص ان میں سے کسی چیز کو پہنچا پھر (اس کی حرکت کو) اللہ نے چھپا لیا وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر چاہے وہ بخش دے اور اگر چاہے سزا دیوے (حضرت

عبادہ کہتے ہیں کہ) اس پر ہم نے ان سے (یعنی حضور کریم علیہ السلام سے) بیعت کی (مشکوۃ شریف:۱۳/۱)

حدیث کی تشریح :صاحب مشکوۃ نے یہ حدیث اپنی کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی ہے اب سمجھئے مذکورہ حدیث میں مذکور بیعت سے مراد وہ بیعت طریقت ہی ہوسکتی ہے، کیونکہ یہ بیعت اسلام بھی نہیں بنتی اس لئے کہ اس بیعت کے مخاطب صحابہ کرام ہیں جو کہ پہلے سے ہی مسلمان ہیں یہ بیعت جہاد بھی نہیں بن سکتی کیونکہ اس کے مضمون میں جہاد کا تذکرہ اشارہ بھی نہیں ہے یہ بیعت خلافت بھی نہیں بن سکتی کیونکہ خلافت کی بیعت نبی کریم علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوتی ہی نہیں ہے لہذا یہ بیعت طریقت ہی ہے۔

اس تمام مذکورہ گفتگوں سے پتہ چلا کہ پیری مریدی یہ روحانی علاج کا ایک مقدس سلسلہ ہے جو حدیث سے ثابت ہے اور اس کا بدعت اور شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ اس شعبہ میں مکار پیروں کی کثرت ہے لیکن یہ کسی کام کے برے ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسے ریاء کار اور بے دین مسلمانوں کی وجہ سے نماز کو غلط نہیں کہا جاسکتا اسی طرح غلط لوگوں کی وجہ سے خانقاہی نظام کو غلط کہنا درست نہیں ہے بلکہ لوگوں کو ہی برا کہا جائے گا۔ فافہموا۔ (از عقائد اهل السنة والجماعة مفتی زین العابدین صاحب ۱۰۴، ۱۰۵۔ بحوالہ مفصل مدلل عقائد اهل السنة والجماعة)

طرق اربعہ میں سے ہر طریق کے مشائخ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں، لہذا جس طریق کے معارف سے مناسبت ہو، اسے اختیار کرنا چاہیے، اور اس طریق کے کسی شیخ کامل سے بیعت ہونا چاہیے، اس بیعت کو بیعتِ طریقت کہتے ہیں احادیث سے یہ بیعت ثابت ہے، لہذا اس بیعت سے روگردانی کرنا، اس کو بدعت کہنا یا اس بیعت کا انکار کرنا غلط ہے۔

○ ...عَنْ جَرِيرٍ قَالَ :بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوٰتِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔ (صحیح مسلم ج)

○ ...عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَجْلِسٍ فَقَالَ تُبَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَسْرِقُوْا (صحیح مسلم:۲/۷۳)

○ ...عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ اِنِّيْ مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ بَايَعْنَا عَلٰى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا نَزْنِيْ وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (صحیح مسلم:۲/۷۳)

○ ...وَاَمَّا انْتِسَابُ الطَّائِفَةِ اِلٰى شَيْخٍ مُعَيَّنٍ فَلَا رَيْبَ اَنَّ النَّاسَ يَحْتَاجُوْنَ مَنْ يَتَلَقَّوْنَ عَنْهُ الْاِيْمَانَ وَالْقُرْآنَ كَمَا تَلَقَّى الصَّحَابَةُ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَلَقَّاهُ عَنْهُمُ التَّابِعُوْنَ وَبِذٰلِكَ يَحْصُلُ اِتِّبَاعُ السَّابِقِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ بِاِحْسَانٍ فَكَمَا اَنَّ الْمَرْءَ لَهُ مَنْ يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ وَنَحْوَهُ فَكَذٰلِكَ لَهُ مَنْ يُعَلِّمُهُ الدِّيْنَ الْبَاطِنَ وَالظَّاهِرَ" (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۵۱۰)

☆ .....عورتوں کی بیعت کا ثبوت:

عورتوں کی بیعتِ توبہ کا تذکرہ قرآن مجید میں، سورۃ الممتحنہ میں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾﴿ يَاۤاَيُّهَاالنَّبِيُّ ﴾ (اے نبی) ﴿اِذَاجَاۗءَ كَ الْمُؤْمِنٰتُ جب آئیں آپ کے پاس ایمان والی عورتیں (اب دیکھیں یہاں یہ نہیں کہا "اذا جائك الكافرات اذاجاء ك المشركات ، اذجاء ك المنافقات" نہ یہ مشرکہ ہیں، نہ کافرہ ہیں نہ منافقہ ہیں، کون ہیں؟ ﴿اِذَاجَاۗءَ كَ الْمُؤْمِنٰتُ﴾ یہ مومنات ہیں صحابیات ہیں، بیعت اسلام کر کے دین اسلام میں داخل ہو چکی ہیں وہ کس لئے آئی ہیں ﴿يُبَايِعْنَكَ﴾ آپ سے بیعت کرنے کیلئے، اب قرآن مجید کا یہ لفظ بتا رہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی کوئی بیعت ہوتی ہے، جو کی جاتی ہے، اس بیعت کا آخر کوئی مقصد ہوگا، قرآن مجید نے اس کو بھی واضح کر دیا ﴿عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ﴾ اللہ تعالی کیساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، چوری نہیں کرو گی ﴿ وَلَا يَزْنِيْنَ ﴾ اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرو گی، ﴿وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ﴾ کسی پر بہتان نہیں باندھو گی ﴿ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ ﴾ نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی سنت پر عمل کی کوشش کریں گی، یہ ان کے آنے کا مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے بیعت کرنا چاہتی ہیں۔ ﴿فَبَايِعْهُنَّ ﴾ آپ انہیں بیعت کر لیجئے! ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ﴾ یہ ہے اصل راز بیعت کا، کہ یہ عورتیں تو توبہ کریں گی ہی، آئی جو اس نیت سے ہیں، اے محبوب آپ بھی ان کے لئے توبہ کیجئے! ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالی غفور اور رحیم ہے، مفسرین نے لکھا: اللہ تعالی نے "انّ" کی تاکید کی مہر لگا کر ایسے طریقہ کار میں توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرما دیا، جو بندہ اس سنت طریقہ کے اوپر توبہ کرے گا "انّ" کی مہر ہے اللہ کی طرف سے گارنٹی ہے، کہ میرے بندو! اس طرح سے کی ہوئی توبہ کو میں پروردگار ضرور قبول کروں گا، تو آدمی خود بھی توبہ کرتا ہے اور شیخ بھی توبہ کراتے ہیں چونکہ وہ نائب رسول ہوتے ہیں، اللہ تعالی نے نبی علیہ السلام کا کام امت کے علماء، صلحاء کے کندھوں پر رکھدیا، لہذا وہ نائب بن کر، وکیل بن کر کام کرتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں کرتے، ان کو مشائخ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔

اس کو بیعت توبہ کہتے ہیں، اس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے اب بتایئے! اگر صحابیات نے نبی علیہ السلام کے پاس آکر بیعت کی، تو اگر آج کی کوئی عورت یہ توبہ کی بیعت کرنا چاہے تو کیا وہ اس عمل سے محروم ہو گئی نہیں جس طرح نبی علیہ السلام کی یہ سنت اس زمانہ میں تھی یہ سنت آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی، چنانچہ اس کو بیعت توبہ کہتے ہیں۔ (خانہ دل آباد رہے: ۱۳۹۔۱۴۱)

بیعت طریقت کی ضرورت

اے عزیز باتمیز! جب تو نے جان لیا کہ طریقت کی تلاش اور باطنی کمالوں کا حاصل کرنا واجب ہے تو اب جاننا چاہئے کہ اس کے حاصل کرنے کی کئی ایک طریقے ہیں، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور درود شریف کا کثرت سے پڑھنا اور اللہ تعالی کے ناموں میں سے کسی نام کے ذکر پر ہمیشہ قائم رہنا اور کثرت کرنا وغیرہ جیسا کہ فضائل ذکر میں گزر چکا ہے۔ لیکن چونکہ یہ راستہ (اللہ تعالی تک پہنچنے کا) نہایت نازک اور دشوار ہے اور نفس وشیطان جو انسان کے کھلم کھلا دشمن ہیں اور ہر وقت انسان کو سیدھے راستے سے گمراہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (یوسف: ۵۳)

''بے شک نفس انسان کو برائی کی طرف لے جانے والا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ، بلاشبہ میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ ''تحقیق شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے''

اس لیئے مرشد کی بیعت کے بغیر چارہ نہیں اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ نزدیک کا راستہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون بھی اسی طرح پر جاری ہے کہ جس طرح انسان ظاہر کی خوبیوں اور ہنروں کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل کر حاصل کرتا ہے، اور استاد کی شاگردی حاصل کیئے بغیر کوئی فن آسانی اور صحیح طریقے کے ساتھ نہیں سیکھ سکتا، برخلاف اور حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہیں، اور سیکھنے کے طور پر بہت کم حاصل کرتے ہیں، چنانچہ پانی میں تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بغیر سیکھے حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح انسان باطنی کمالوں کو بھی طریقت کے پیر کی بیعت کے بغیر نہیں کر سکتا (الا ماشاء اللہ) اور جو شخص ظاہری بیعت کے بغیر صاحب کمال ہوتا ہے اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اویسی کہتے ہیں۔ اگر چہ بظاہر اس کی بیعت کا تعلق زندہ پیر سے نہیں ہوتا، پھر بھی باطنی تعلق سے وہ بچا ہوا نہیں ہوتا۔

حکایت مورچہ

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے راستوں میں سے سب سے زیادہ قریب ہونے کے لئے بزرگوں نے ایک چیونٹی کی حکایت نقل کی ہے کہ ایک چیونٹی کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ میں خانہ کعبہ میں پہنچوں، مگر خانہ کعبہ وہاں سے بہت دور تھا۔ اس چیونٹی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نہ تو میرے پر ہیں اور نہ طاقت وسرمایہ ہے، ایسی عظمت والی جگہ میں جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات اور انعامات کے وارد ہونے کی جگہ ہے میں کس طرح پہنچ سکوں گا، اسی خیال میں تھی کہ اچانک ایک جگہ جہاں کوئی غلہ گاہا گیا تھا کبوتروں کا ایک غول دانے چگنے میں مشغول ہو گیا۔ جب چگنے سے فارغ ہوا تو ایک کبوتر نے کہا کہ اب جو کچھ چگنا ہے جلدی چگ لو، کیونکہ خانہ کعبہ جہاں ہمیں پہنچ کر اپنے بچوں کی خبر لینی ہے بہت دور ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے اگر بہت ہی تیز اڑیں گے تو کہیں جا کر پہنچیں گے، چیونٹی بھی وہیں تھی اس نے موقع کو غنیمت جانا کہ اگر ان کا ساتھ حاصل ہو جائے تو میرا مطلب حل ہو جائے گا، پر ان کے رہے اور پنجہ میرا، چنانچہ وہ جلدی سے جا کر اس کبوتر کے پاؤں میں چمٹ گئی اور کبوتر اسے اپنے ساتھ اڑا لے گیا، جب کبوتر خانہ کعبہ میں پہنچے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی کہ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کرلو، چیونٹی سمجھ گئی کہ میری مراد اللہ تعالیٰ نے پوری کی اس نے فوراً پنجہ چھوڑ دیا، یکا یک وہ دیکھتی ہے کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کر رہی ہے۔'' الحمد لله علی انعامه واحسانه'' پس جس طرح اس چیونٹی کے کبوتر کے پنجے مضبوط پکڑ لئے اور اپنا مقصود حاصل کر لیا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا طالب اس راستے کے منزل طے کئے ہوئے شہباز (مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو نیچے گر کر دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا۔ یہی مضمون فارسی کے ایک شعر میں کیا اچھا بیان ہوا ہے:

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد وناگاہ رسید

ایک مسکین چیونٹی کے دل میں خواہش تھی کہ کعبہ میں پہنچے، اس نے کبوتر کے پاؤں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اچانک پہنچ گئی۔

حضرت مولانا رومؒ نے اس بارے میں خوب تشریح فرمائی ہے:

چوں تو کردی ذات مُرشد را قبول ... ہم خدا آمد ز ذاتش ہم رسول

نفس نتواں کشت الا ذاتِ پیر ... دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

جب تو نے پیر کی ذات کی (پیر کو) قبول کر لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ بھی مل گیا اور رسول ﷺ بھی۔ اس نافرمانی نفس کو پیر کی ذات کے سوائے کوئی نہیں مار سکتا، تو اس نفس کے مارنے والے (پیر) کا دامن مضبوط پکڑ۔

اصحاب کہف کے کتے کا قصہ بھی قرآن مجید میں ہے اس پر دلیل ہے:

سگِ اصحاب کہف روزے چند ..... پے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی ہو گیا

اولیاء کرامؒ کی صحبت کا اثر سب کے نزدیک مانا گیا ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء...... بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا سی دیر بیٹھنا سو سال کی بے ریا خالص عبادت سے بہتر ہے۔ (عمدۃ السلوک ۴۳۔۴۵)

صحبتِ صلحاء بے ریا عبادت سے افضل کیوں؟

ایک مرتبہ مفتی محمد شفیع نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا: حضرت! شاعر لوگ جب شعر کہتے ہیں تو کسی کو گھٹا دیتے ہیں اور کسی کو بڑھا دیتے ہیں۔ ... یہ ایک انسانی فطرت ہے، گھٹا بڑھا دیتے ہیں، افراط وتفریط کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔..... حضرت تھانویؒ نے پوچھا: کیسے؟ انہوں نے کہا: حضرت! مولانا رومؒ نے جو یہ شعر کہا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مجھے تو اس میں افراط وتفریط نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صحبت میں ذرا سی دیر بیٹھنا سو سال کی بے ریا خالص عبادت سے بہتر ہے۔۔ اگر یہ کہہ دیتے کہ سو سال کی عبادت سے بہتر ہے تو کہا جا سکتا تھا کہ ہاں بھئی! ریا والی عبادت ہو گی جس سے واقعی بہتر ہے، وہ کہتے ہیں: نہیں سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے، اس لئے مجھے اس میں افراط وتفریط نظر آتی ہے۔

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اچھا! میں اس شعر کو پڑھوں۔ انہوں نے کہا: جی حضرت! آپ پڑھیں۔ تو حضرت نے پڑھا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء   بہتر از "لکھ" سالہ طاعت بے ریا

یعنی اللہ والوں کی صحبت کا ایک لمحہ ایک لاکھ سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

اب وہ اور زیادہ حیران ہوئے کہ سو سال سمجھ میں نہیں آ رہے تھے اور حضرت نے لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرتؒ نے بات سمجھائی۔ حضرت نے فرمایا: دیکھو! اگر کوئی بندہ لاکھ سال تک عبادت کرے تو کیا اس کو اپنے ایمان کو محفوظ لے جانے کا یقین ہوتا ہے؟ عرض کیا: حضرت یقین تو کسی کو نہیں ہو سکتا کہ پتہ نہیں موت کے وقت کیا ہو گا۔ حضرت نے فرمایا: دیکھیں! شیطان بدبخت نے کتنی عبادت کی تھی۔

ہزاروں سال۔ چپے چپے پہ سجدے کیے۔ بالآخر محروم ہوگیا۔ بلعم بعور نے تین سو سال عبادت کی اور اس کو دھتکار دیا گیا۔ اس لئے یہ یقین تو کسی کو بھی نہیں کہ موت کے وقت کیا ہوگا۔ اتنی عبادت کے باوجود بھی خطرہ ہے کہ پتہ نہیں موت کے وقت کیا ہوگا۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لاکھ سال کے بعد بھی خطرہ ہے۔ کچھ نہیں کہ سکتے اور اگر اللہ تعالی والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی انسان اختیار کرلے تو نبی علیہ گواہی دے رہیں: ﴿هُمْ رِجَالٌ لَایَشْقیٰ جَلِیْسُهُمْ﴾ جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا" (اور بدبخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے) جب اللہ کے محبوب علیہ نے فرمایا کہ وہ بدبخت نہیں ہوسکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کو اللہ تعالی موت کے وقت ایمان کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ چنانچہ لاکھ سال کی عبادت سے بھی وہ نتیجہ نہ ملا جو ان کی ایک لمحہ کی صحبت سے مل گیا۔ اس لئے یہ صحبت زیادہ اعلی ہوتی ہے۔

(خطبات فقیر ۲۶۱۲۲-۲۶۳)

مقاصد بیعت

بیعت کے مقاصد متعدد ہوتے ہیں:

(۱)۔۔ توبہ کرنا: جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ طالب کسی بزرگ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا اور ان بزرگ کو اپنی توبہ کا گواہ بناتا ہے اور ان سے دعا و توبہ کا خواستگار ہوتا ہے جس کی برکت سے اپنی توبہ پر قائم رہے۔

(۲)۔۔۔ بیعت تبرک: جس کا یہ حاصل ہے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر محض داخلِ سلسلہ ہونے کے لئے بیعت ہو جائے کہ ان بزرگ اور ان کے سلسلہ سے محبت ہے، اللہ تعالی ان بزرگ کیساتھ قیامت کو محشور فرمائے، نابالغ بچوں کو عامۃً اسی مقصد کے لئے بیعت کرادیا جاتا ہے۔

(۳)۔۔ جہاد: جس کا حاصل یہ ہے کہ اعلائے دین کے لئے خدائے پاک کے دی ہوئی تمام صلاحیتوں اور قوتوں: جان، مال، عزت، طاقت وغیرہ کو خدا کے راستے ہیں ان بزرگ کی تجویز کے مطابق خرچ کرنا۔

(۴)..... بیعت سلوک: جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی معرفت و رضامندی حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں حائل ہونے والے اخلاقِ رذیلہ و اعمالِ سئیہ کو چھوڑ کر اخلاقِ فاضلہ و اعمالِ صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنا اور جس قدر مجاہدہ و ریضت، تزکیۂ نفس، و اصلاحِ نفس کے لئے شیخ تجویز کریں اس کو بطیب خاطر اختیار کرنا جس سے نفس کو فانی ملوفات کی بے محل رغبت باقی نہ رہے، بلکہ خدائے پاک کی ذات و صفات سے گہرا اور دائمی تعلق و استحضار قائم ہو جائے، شیخ اپنے مشائخ کے واسطہ سے رسول اکرم علیہ کا نائب ہوتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۴/۴۰۲،۴۰۳)

☆.....''اِعْلَمْ اَنَّ الْبَيْعَةَ الْمُتَوَارِثَة بَيْنَ الصُّوفِيَّة عَلٰى وُجُوهٍ: اَحَدُهَا: بَيْعَةُ التَّوْبَةِ مِنَ الْمَعَاصِيْ، وَالثَّانِي: بَيْعَةُ التَّبَرُّكِ فِيْ سِلْسِلَةِ الصَّالِحِيْنَ''۱۵ (القول الجمیل الفصل الثانی، سنۃ البیعۃ: ۱۱۲، بکلکتہ، ماخذ: فتاوی محمودیہ: ۴/۴۰۲،۴۰۳)

بیعت کا حکم

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بیعت طریقت ہماری روشن شریعت میں سنت ہے، واجب نہیں، اس واسطے کہ اصحابؓ نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی اور اس کے سبب سے نزدیکی چاہی اور کسی دلیل شرعی سے بیعت کے چھوڑنے والے پر گناہ گار ہونے کا حکم نہیں لگایا اور ائمہ دین نے بیعت چھوڑنے والے پر انکار نہ کیا اور یہ انکار نہ کرنا گویا اس پر اجماع ہو گیا کہ وہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے، کیونکہ سنت کی حقیقت یہی ہے کہ مسنون فعل واجب ہونے کی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ (عمدۃ السلوک: ۴۷)

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال نمبرا: بیعت توبہ کا حکم کیا ہے یہ فرض ہے یا واجب ہے؟

جواب: نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ بدعت ہے بلکہ سنت عمل ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے فرائض زندہ ہوتے ہیں۔

☆..... فتاویٰ محمودیہ میں لکھا ہے: پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے راہ سنت پر چلنا اور احکام خداوندی کے مطابق زندگی گزرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ پاک نے یہ دولت عطا فرمادی اور اس نے کسی کو پیر نہیں بنایا تو وہ جنت کا مستحق کیوں نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۴۰۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: عقائد حسنہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ کی تحصیل ہر شخص پر واجب ہے خواہ اساتذہ سے، خواہ کتابوں سے پڑھ کر یا بزرگان دین کی صحبت میں رہ کر ہو یا خواہ بذریعہ مطالعہ۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں جو حضرات بحالت ایمان حاضر ہو وہ تو برکت صحبت سے ان کو یہ چیز حاصل ہوگئی، ان کے باطن میں ایک نور پیدا ہو گیا جس کے ذریعہ سے وہ حضرات حق و باطل، صحیح و غلط بے تکلف فرق کر لیتے تھے، اتنا تقویٰ قلب میں پیدا ہو جاتا تھا کہ عمومی حالات میں بھی نفس و شیطان پر قابو رکھتے تھے، بعد میں آپ کے خلفاء اور دیگر صحابہ کے فیض صحبت سے دوسروں کو اس نوع کا نفع حاصل ہوتا رہا، پھر بعد زمانہ اور تغیر ماحول بناء پر اس مقصد کی تحصیل کے لئے مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت پیش آئی۔ جن حضرات نے اس نسبت کو حاصل کیا اب بھی ان کی صحبت سے بہت نفع پہونچتا ہے اور اب اس دور میں عمومی استعداد اتنی ضعیف ہو چکی ہے کہ بغیر پیر کامل سے رابطہ کئے اور بغیر ان کی ہدایت پر عمل کئے اخلاق رذیلہ زائل نہیں ہوتے اور اخلاق فاضلہ حاصل نہیں ہوتے تاہم آج بھی کوئی سلیم الفطرۃ (جو لاکھوں میں سے ایک ہوگا) اپنے عقائد، اخلاق، اعمال کو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق خود ہی بنالے تو اس کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۴۱۴-۴۱۵)

☆..... اَنَّ الْبَیْعَۃَ سُنَّۃٌ وَلَیْسَتْ بِوَاجِبَۃٍ ...... وَلَمْ یَدُلَّ دَلِیْلٌ عَلٰی تَاْثِیْمِ تَارِکِھَا، وَلَمْ یُنْکِرْ اَحَدٌ عَلٰی تَارِکِھَا"۔

(القول الجمیل، الفصل الثانی: ۱۲، کلکتہ، ماخذ: فتاویٰ محمودیہ ۴/۴۰۵)

"بیعت سنت ہے واجب نہیں ہے، اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تارک بیعت گناہگار ہے اور بیعت کے تارک پر کسی نے انکار نہیں کیا"

☆..... شیخ ظفر احمد العثمانی فرماتے ہیں "وَبِالْجُمْلَۃِ فَالتَّصَوُّفُ عِبَارَۃٌ عَنْ عِمَارَۃِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، اَمَّا عِمَارَۃُ الظَّاهِرِ

فَبِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ،وَاَمَّاعِمَارَةُ الْبَاطِنِ فَبِذِكْرِ اللّٰهِ وترك الركون الى ماسواه... وَكَانَ يَتَيَسَّرُ ذٰلِكَ لِلسَّلَفِ بِمُجَرَّدِ الصُّحْبَةِ الخ"(اعلاء السنن کتاب الادب والتصوف والاحسان:۱۸/ ۴۳۸،ادارۃ القرآن کراچی، ماخذ فتاوی محمودیہ،۴/۴۰۵)

☆......حضرت مولانا خیر محمد جالندھری تحریر فرماتے ہیں: بیعت کا مقصد نسبتِ احسان کو حاصل کرنا ہے جو کہ حدیث شریف" اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الحديث" میں مذکور ہے۔اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحب نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے، گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہوجاتی ہے۔مگر ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے۔لہذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے۔(خیر الفتاوی:۱/۳۶۹)

☆......شیخ الحدیث حضرمولانا عبدالحق" تحریرفرماتے ہیں: اسی طرح باطن کی اصلاح اوراس سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لئے کسی متبع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ یادرہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاجاً ہے۔فتاوی حقانیہ،۲/۲۷۷)

سوال: اگرکوئی آدمی یہ بیعت نہ کرے تو کیا ہوتا ہے؟

جواب: اس سنت کی برکات سے محروم ہوجاتا ہے۔حدیث پاک میں ہے۔"مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهُ اَجْرُمِاةِ شَهِيْدٍ""جس نے فسادات کے وقت میں میری ایک سنت پر عمل کیا اس کے لئے سوشہیدوں کا ثواب ہوگا"(تصوف وسلوک:۴۱)

بیعت کے مشروع ہونے میں حکمت

بیعت کے مشروع ہونے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالی کا قانون اسی طرح پر جاری ہے کہ اللہ تعالی کے بھید جو دلوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔وہ ظاہری اقوال وافعال سے ظاہر ہوں اور قول وفعل دل کے بھیدوں کے قائم مقام ہوں، چنانچہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ اور قیامت کی تصدیق ایک پوشیدہ امر ہے تو ایمان زبان کے اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق کا قائم مقام ہوگیا اور اسی اقرار زبانی پر ایمان کے احکام ہوئے جیسا کہ مومن کی جان ومال کی حفاظت اور اس کی امداد کا واجب ہونا، یا بیچنے اور خریدنے والے کی رضامندی قیمت اور چیز کے دینے میں ایک پوشیدہ امر ہے تو ایجاب وقبول کو اسی چھپی ہوئی مرضی کا قائم مقام کردیا اور اسی ایجاب وقبول پر خریدنے اور بیچنے کے احکام جاری ہوئے، یعنی قیمت فروخت میں قبضہ کرنا اور ہبہ اور وراثت وغیرہ، پس اسی طرح توبہ کرنا اور گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا اور پرہیزگاری کی رسی کو مضبوط پکڑنا ایک پوشیدہ امر ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کردیا اور اسی پر عہد کو پورا کرنے کا واجب ہونا اور عہد کو توڑنا حرام ہونا وغیرہ احکام جاری ہوئے۔(عمدۃ السلوک:۴۸)

بیعت کا ایک انعام

حضرت قاری محمد طیب کا واقعہ ہے، کتابوں میں لکھا ہے، کہ ایک عورت نے ان سے بیعت کی اور اس کے بعد اس عورت کا ان سے کوئی رابطہ بھی نہ رہا، بیس سال گزر گئے اور بیس سال گزرنے کے بعد جب اس عورت کی وفات کا وقت آیا تو وہ عورت کہتی تھی ہ دیکھو! مولانا بیٹھے ہیں

اور مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں وہ دیکھو! مولانا بیٹھے ہیں کلمہ پڑھا رہے ہیں، دو مرتبہ اس نے کہا اونچی آواز سے کلمہ پڑھا اللہ کو پیاری ہوگئی، تو یہ بیعت کی نسبت کی ایک برکت ہوتی جو بندے کے ایمان کی حفاظت کا سبب بن جاتی ہے۔ (خانۂ دل آباد رہے: ۱۵۴)

بیعت کے فوائد

اس بیعتکے کچھ فوائد درج ذیل ہیں:

☆..... پہلا فائدہ: کہ توبہ یقینی طور پر قبول ہو جاتی ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ توبہ تو ہر کوئی اپنے گھر میں بیٹھ کے مصلے پر توبہ کر سکتے ہیں، مگر اس توبہ کی قبولیت کی گرنٹی کوئی نہیں، اگر اللہ تعالی چاہے تو وہ قبول کرلے اور اگر نہ چاہے تو وہ قبول نہیں کرے گا، کوئی اللہ تعالٰی کی طرف سے وعدہ نہیں ہے، لیکن یہ جو سنت طریقہ ہے توبہ کرنے کا، کسی ایسے بندے کے ساتھ ملکر توبہ کے کلمات پڑھ لیں، کہ جس کے پڑھنے کی نسبت اوپر چلتے چلتے نبی علیہ السلام تک پہونچتی ہو، اس پر اللہ تعالی کی طرف سے توبہ کی قبولیت یقینی ہے، آپ توبہ کریں، کہ جس پر اللہ تعالی نے تسلی دی ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾ بیشک اللہ تعالی غفور ہے اور رحیم ہے، یعنی تسلی دی جارہی ہے، کہ ہم تمہاری توبہ کو یقیناً قبول کرلیں گے، پہلا فائدہ اس بیعت کا، کہ پچھلے گناہ اللہ تعالی معاف فرمادیتے ہیں، توب قبول ہو جاتی ہے، توب قبول ہونے کا کیا مطلب؟ کہ جتنے چھوٹے بڑے گناہ آج تک کئے ان سب کے اوپر اللہ تعالی قلم پھیر دیتے ہیں، ان سب کو اللہ تعالی نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔

☆......دوسرا فائدہ: کہ جب کوئی مرد یا عورت یہ بیعتِ توبہ کرے، تو مشائخ اس کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں، طریقہ بتاتے ہیں، اب اگر وہ یہ ذکر کرینگے، دس منٹ، پندرہ منٹ مراقبہ کرے، درود شریف، استغفار پڑھے، بہت آسان سے معمولات ہوتے ہیں، تو گویا وہ ذکر کرنے والے بن گئے اور اللہ تعالی فرماتے ہیں، قرآن مجید میں: ﴿فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروگا، کیا مطلب؟ کہ اے میرے بندو! تم اگر مجھے یاد کروگے، تو میں پروردگار تمہیں نئے نئے اعماں کی توفیقیں عطا کروں گا، تو اب اگر یہ بیعت ہونے کے بعد ذکر کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالی کی طرف سے اس کو نئے نئے اعماں کی توفیق مل جاتی ہے یہ بیعت کا دوسرا فائدہ ہوا چنانچہ پہلے نماز پڑھنی بوج نظر آتی تھی، بیعت کی ایسی برکت، کہ خود بخود نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے، پہلے نیکی کرتے ہوئے دم گھٹنے لگتا تھا، اس کی برکت سے اب نیکی کرنے سے دل خوش ہو جاتا ہے، تو گویا نئے نئے اعماں کی اللہ تعالی توفیق دیدیتے ہیں، پہلے فقط پانچ نمازیں پڑھتی تھے، اب اللہ تعالی اس کو تہجد کی بھی توفیق عطا فرمادیتے ہیں، تو یہ بیعت کا دوسرا فائدہ کہ اس سے بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیقیں نصیب ہوتی ہیں۔

☆..... تیسرا فائدہ: حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک بندہ اگر مومن کسی دوسرے مومن کیلئے پیٹھ پیچھے دعا مانگے، تو وہ دعا اللہ تعالی کے یہاں قبول ہو جاتی ہے، "دُعَاءُ الْمُؤْمِنِ لِلْمُؤْمِنِ مُسْتَجَابٌ" ایسی دعا اللہ تعالی قبول کر لیتے ہیں، یہ حدیث پاک میں آچکا، اب جب یہ حدیث پاک میں ثابت ہوگئی بات، تو جب بیعت کرلیا جاتا ہے تو اس کے بعد پھر اس بندے کیلئے اس کے شیخ دعا کرتے ہیں، جس طرح ماں باپ اپنی ساری اولاد کیلئے دعا کرتے ہیں، استاد اپنے سارے شاگردوں کیلئے دعا کرتے ہیں، اسی طرح مشائخ اپنے تمام مرید مرد اور

عورتوں کیلئے دعائیں کرتے ہیں، جمع کا صیغہ سے، توان کی دعاؤں میں اس عورت کا حصہ پڑ گیا اور چونکہ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے، اس لئے کتنی پریشانیاں، مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جو مشائخ کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ بندے کے اوپر سے ہٹا دیا کرتے ہیں، تو یہ بیعت کا تیسرا فائدہ کہ نیک لوگوں کی دعاؤں میں بندے کا حصہ پڑ جاتا ہے۔

☆...... چوتھا فائدہ: اس بیعت کی برکت سے اللہ تعالی بندے کو حفاظتِ ایمان کے ساتھ اپنے وقت پر موت عطا فرماتے ہیں، اپنے اپنے وقت پر تو جانا سب نے ہے، لیکن اس روحانی تعلق کی یہ برکت ہوتی ہے، کہ اللہ تعالی موت کے وقت اس کو ایمان کے ساتھ کلمہ کے ساتھ جانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اس کی دلیل حدیث پاک سے نبی ﷺ ارشاد فرمایا: کہ نیک لوگوں کی محفل ہوتی ہے جس میں وہ بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں، ان کی مجالس میں جو آتا جاتا ہے، تو یہ بندہ بھی محروم نہیں رہتا، اس کی بھی بخشش کر دی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالی والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی انسان اختیار کرلے تو نبی ﷺ گواہی دے رہیں ﴿هُمْ رِجَالٌ لَايَشْقَى جَلِيْسُهُمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا'' (اور بدبخت وہ ہوتا ہے جو موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے) جب اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ وہ بدبخت نہیں ہوسکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کو اللہ تعالی موت کے وقت ایمان کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق دے دیتے ہیں، علماء نے بدبخت کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسے بندے کو اللہ تعالی موت کے وقت کلمہ پر ہی موت عطا فرماتے ہیں، کلمہ سے محروم نہیں کرتے، اگر محروم کریں، پھر تو وہ بدبخت ہو گئے اور اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وہ بدبخت ہو نہیں سکتا، لہذا یہ دلیل کہ ایسے بندے کو اللہ تعالی موت کے وقت ایمان پر جانے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں، یہ اتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس پر ہی انسان اگر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا رہے تو ہو کر نہیں سکتا۔

☆...... پانچواں فائدہ: یہ کہ اس بیعت کی برکت سے اللہ تعالی قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ قیامت کے دن بندے کو عرش کا سایہ نصیب ہو جائے، اسکی دلیل حدیث پاک سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے اللہ تعالی سات بندوں کو جگہ عطا فرمائیں گے، ان سات میں سے دو بندے وہ ہونگے ''هُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ'' اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے، اللہ تعالی ان کو بھی عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، یہ بیعت کا ایک تعلق ہوتا ہے، یہ اللہ کی رضا کیلئے محبت ، عقیدت کا ایک تعلق ہوتا، اس محبت کے صدقے اللہ تعالی قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے، اب سوچیں! کہ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے۔

☆...... چھٹا فائدہ: یہ کہ اس کی برکت سے اللہ تعالی قیامت کے دن بندے کو جنت میں جگہ عطا فرمائیں گے، اس کی دلیل، حدیث پاک سے نبی ﷺ ارشاد فرمایا'' اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ '' قیامت کے دن بندہ اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے محبت ہوگی، تو جب کوئی بندہ یہ روحانی تعلق جوڑتا ہے، تو اس کو اپنے استاد کے ساتھ، شیخ کے ساتھ ایک قلبی، دینی محبت ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا ایسا سرمایہ ہے کہ اس سرمایہ کی وجہ سے اگر استاد کو اللہ تعالی نے قیامت کے دن رحمت سے جگہ عطا فرمادی جنت میں، تو اللہ تعالی شاگرد کو بھی انہیں کے ساتھ جنت عطا فرمائے گا، اب کون کہہ سکتا ہے کہ استاد کو جنت ملے گی؟ تو ذرا سنئے! اس کی دلیل کہ نبی ﷺ تو جنت میں تشریف لے جائیں گے ہی

سبھی، اب ان کے ساتھ مل کر توبہ کے کلمات پڑھے صدیق اکبرؓ نے، صدیقؓ کو ان سے محبت تھی لہذا صدیق اکبرؓ بھی جنت میں پہونچیں گے، اب جن کا تعلق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھا اور انہوں نے ان سے توبہ کے کلمات پڑھے وہ بھی اپنے استاد کے ساتھ جنت میں پھر جن کو ان سے توبہ کے کلمات پڑھے وہ بھی اپنے استاد کے ساتھ جنت میں اور یوں نیچے والے بھی جنت میں۔ (خانہ دل آباد رہے: ۱۲۹۔۱۷۵)

بیعت کی افادیت کے لئے عقلی دلائل

☆...... ساتواں فائدہ: جس طرح ایک نوجوان فوج میں ملازمت اختیار کرے اور وردی پہن کر کسی جگہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہو تو ہر آدمی اس کی عزت کرتا ہے اور اس کی بات مانتا ہے، اس کی عزت فوج کی عزت اور اس کی ذلت فوج کی ذلت سمجھی جاتی ہے۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تم کس قبیلے یا خاندان سے ہو؟ فوج کی نسبت اور وردی کی عزت کام آتی ہے، اسی طرح جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت ہو جاتا ہے اس کو سلسلہ کے بزرگوں سے روحانی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی کے ہاں اس نسبت کی وجہ سے اس کی عزت وقدر بڑھ جاتی ہے۔

☆...... آٹھواں فائدہ: دو اینٹیں ایک ہی جگہ بن کر تیار ہوئیں۔ ایک کو مسجد کے فرش میں لگا دیا گیا، دوسری کو بیت الخلاء میں لگا دیا گیا۔ ایک کا مرتبہ اتنا بڑھا کہ وہاں پیشانی ٹیکتے پھرتے ہیں اور دوسری کا مرتبہ گرا کہ بیت الخلاء میں ننگے پاؤں جانا گوارا نہیں کرتے۔ یہ نسبت تھی، اچھی نسبت نے عزت بخشی اور بری نسبت ذلت کا سبب بنی۔ اسی طرح جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت ہو جاتا ہے اسے اچھی مل جاتی ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں اس کا اکرام ہوتا ہے۔

☆...... نواں فائدہ: قرآن پاک پر اگر ایک سادہ گتہ جلد کی شکل میں چڑھا دیا جائے تو اگر چہ اس پر کوئی آیت یا کوئی لفظ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کے باوجود فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ جس طرح آیات لکھے ہوئے صفحات کے بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی بے وضو نہیں چھو سکتے۔ کہنے کو وہ گتہ ہے مگر قرآن پاک کے ساتھ یک جان ہونے سے اس کا مرتبہ بڑھ گیا۔ سبحان اللہ۔ جو شخص مشائخ طریقت سے بیعت کے ذریعے جڑ جاتا ہے اسے بھی ان اہل اللہ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ انشاء اللہ اسی نسبت کی وجہ سے رحمت وکرم کا معاملہ ہوگا۔ بقول شخصے عمل کی اپنے اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے...... رہے سلامت تمہارے نسبت مرا تو بس آسرا یہی ہے۔ (تصوف وسلوک: ۳۲)

سوال: ایک آدمی بیعت کے کلمات تو پڑھ لیتا ہے مگر زندگی نہیں بدلتا تو کیا فائدہ؟

جواب: گو ایسے شخص نے بیعت سے پورا فائدہ تو حاصل نہ کیا مگر خالی بھی نہ رہا کم از کم دو فائدے ضرور ملے۔ ایک تو یہ کہ بیعت وقت جو توبہ کے کلمات پڑھے اس کی برکت سے انشاء اللہ پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ مشائخ طریقت نے احادیث کی روشنی میں کہا ہے کہ جو آدمی سچے دل سے بیعت کے کلمات پڑھ لیتا ہے، سو سال کا کافر اور مشرک کیوں نہ ہو اللہ تعالی اس کے گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔ سر سے

اتنے بڑے بوجھ کا دور ہو جانا معمولی بات تو نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ ہوگا کہ موت کے وقت جب دنیا کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے آخرت کے احوال سامنے کھلنے لگ جاتے ہیں اس وقت یہ نسبت کام آتی ہے، گنہگار سہی مگر موت ایمان اور اسلام پر آتی ہے علمائے کرام نے لکھا ہے کہ انکشاف آخرت کے ساتھ دنیا کا ہوش جمع ہو سکتا ہے۔ فرعون نے آخرت کی جھلکی دیکھی مگر اسے بنی اسرائیل کے حالات یاد تھے کہنے لگا "آمَنْتُ بِالَّذِیْ آمَنَتْ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ"، ممکن ہے اسی لئے حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ نے فرمایا کہ جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی (یعنی اللہ اللہ کی نسبت مل گئی) اسے ذکر کے سوا موت نہیں آسکتی۔ (تصوف وسلوک: ۳۲-۳۳)

بیعت کے متعلق سوالات و جوابات

☆......سوال نمبر ۱: اس بیعت توبہ کے بارے میں اور بھی روایات ہیں یا نہیں؟

☆......جواب: اس طرح کی کئی احادیث موجود ہیں۔

☆......مسلم شریف میں حضرت عوف بن مالک اشجعی سے ایک روایت ہے اور ابن ماجہ میں بھی ایک روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ﷺ نے چند غریب مہاجرین سے بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہ کریں گے۔

☆......ایک روایت میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے بیعت لی کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کریں گے۔

☆......ایک روایت میں انصاری عورتوں سے بیعت لی کہ وہ میت پر بین نہیں کیا کریں گی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے۔ (تصوف وسلوک: ۲۷، نیز ملاحظہ فرمائیں عمدۃ السلوک: ۴۶-۴۷)

☆......سوال نمبر ۲: اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے کئی طرح کی بیعتیں ثابت ہیں مگر صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بیعت خلافت اور بیعت جہاد کے سوا اور کسی بیعت کا ثبوت نہیں ملتا؟

☆......جواب: اس کا الزامی جواب تو بہت آسان ہے کہ جب ایک فعل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو کسی اور سے نقل کرنے کی کیا ضرورت ہے تاہم تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت سیدنا علیؓ سے ثابت ہے اسی لئے تمام اہل طریقت حضرات کے پاس مستند شجرۂ سلسلہ موجود ہے خلفائے راشدین جب بیعت خلافت لیتے تھے۔ تو اس میں بیعت توبہ شامل ہوتی تھی۔ خلیفہ وقت کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ اس لئے بیعت نہ لیتے تھے کہ کہیں بیعت خلافت میں شبہ نہ پڑ جائے اور فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ فقط صحبت پر اکتفا ہوتا تھا جب خلفائے راشدین کا دور ختم ہوا اور خلافت کا معاملہ امور مملکت کے انتظام و انصرام اور نظم و نسق تک سمٹ کر رہ گیا تو سلف صالحین نے بیعت توبہ (بیعت طریقت) والی سنت کو زندہ کیا۔ الحمدللہ آج بھی یہ سنت امت میں جاری و ساری ہے۔

(تصوف وسلوک: ۲۷-۲۸، نیز ملاحظہ فرمائیں عمدۃ السلوک: ۴۷)

☆......سوال نمبر۳: صحابہ کرامؓ کو ایمان کی ان بلندیوں پر پہنچنے کے بعد پھر اس بیعت کی کیا ضرورت تھی؟

☆......جواب: ایک تو یہ امت کی تعلیم کے لئے تھی اور دوسرے گناہوں سے بچنے کے لئے (بیعت توبہ) تھی روایت کے الفاظ میں "وَلَاتَسْرِقُوْا وَلَاتَزْنُوْا وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ" نہ چوری کروگے، نہ زنا کروگے، اور نہ ہی اولاد قتل کروگے" پس ثابت ہوا کہ کبائر سے اجتناب کے لئے بیعت تھی۔

☆......سوال نمبر۴: صحابہ کرامؓ کو اس بیعت کا کیا فائدہ تھا؟

☆......جواب: اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار بنتا تھا۔ چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں ﴿فَمَنْ وَفّٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ "جو کوئی تم میں سے اس عہد پر قائم رہا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے"

☆......سوال نمبر۵: کبائر سے بچنا تو ایمان والوں کے لئے کلمہ پڑھ لینے کے بعد ویسے ہی ضروری تھا تو بیعت کے ذریعے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ان گناہوں سے بچنے کا عہد ایک فالتو عمل نظر آتا ہے؟

☆......جواب: قرآن پاک میں سورۃ الممتحنہ میں صحابیاتؓ سے بھی اس طرح کی بیعت کا تذکرہ ہے وہاں نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ﴾ "آپ انہیں بیعت کر لیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے" معلوم ہوا کہ ان گناہوں سے توبہ تو وہ لوگ گھر بیٹھ کر تنہائی میں بھی کر سکتے تھے۔ مگر نبی ﷺ سے بیعت کرنے میں ایک بے بدل فائدہ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بھی ان حضرات کے بارے میں استغفار کے کلمات ادا ہوتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ "اور اللہ غفور اور رحیم ہے" پس مغفرت اور رحمت کی بارش ہو جاتی۔

☆......قرآن پاک میں بھی اسی عنوان سے متعلقہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ اس آیت کریمہ میں ﴿فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ﴾ "وہ اللہ سے استغفار کرتے" کے ساتھ ﴿وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ "ان کے لئے رسول اللہ ﷺ بھی استغفار کرتے" بھی ہے اور آخر میں فرمایا گیا: ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ "یہ پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا" نتیجہ یہ نکلا کہ نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کرنے کا یہ فائدہ تھا کہ نبی رحمت ﷺ بھی ان کی مغفرت کے لئے استغفار کریں اور اسی کو بہانہ بنا کر ان کے گناہوں کی بخشش کر دی جائے۔ اسی بیعت توبہ کا نام آج بیعت طریقت ہے۔

☆......سوال نمبر۶: کیا ہر عالم اور صوفی یہ بیعت لے سکتا ہے؟

☆......جواب: جس طرح نبی اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو خلافت سپرد فرمائی۔ اور باطنی نعمت بھی منتقل فرمائی۔ جیسا کہ حدیث پا

ک میں ہے۔ "مَاصَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهُ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ" "اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا میں نے اسے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا"

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے یہ سلسلہ آگے چلا اور آج تک اولیائے امت میں یہ نعمت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہے پس بیعت صرف وہ شخص لے سکتا ہے جس نے کسی ولی اللہ کی صحبت میں رہ کر نعمت باطنی حاصل کی ہو اور ان بزرگوں نے انہیں اس کام پر مامور کیا ہو۔ جو آدمی ازخود بیعت لینا شروع کردے اس کی مثال "ٹپکے کے آم" کی سی ہے جس کے نسب کا پتہ نہیں ہوتا۔ پس ایسے شخص سے بیعت نہ کرنی چاہئے۔

☆......سوال نمبر ۷: کیا کوئی عورت بھی یہ بیعت لے سکتی ہے؟

☆......جواب: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عورت ولایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچ سکتی ہے مگر شریعت نے رشد وہدایت کے منصب کی ذمہ داریاں اس کے نازک کندھوں پر نہیں ڈالیں اس لئے کبھی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ گو کہ اسے نبیوںؑ کی ماں ہونے کا شرف نصیب ہے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کا بوجھ مردوں کے کندھو پر رکھا، اسلئے انبیاء کی وراثت بھی مردوں ہی کے سپرد کی گئی۔ پس کوئی بھی عورت بیعت نہیں لے سکتی۔ (تصوف وسلوک.۲۹)

☆......فتاوی محمودیہ میں لکھا ہے: حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی، خلفائے راشدین اور بعد کے اکابر اہل اللہ کے یہاں بھی یہ دستور نہیں ملتا، اس لئے عورت کو پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۱۷)

☆......حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اخذ بیعت اہل تصوف کے نزدیک عورت کو درست نہیں، مگر ہاں کسی کو شغل وظیفہ بتا دینا جائز ہے۔" (فتاوی رشیدیہ:۳۹۱)

☆......سوال نمبر ۸: کیا بیعت کیلئے ہاتھ میں ہاتھ دیکر کلمات پڑھنا ضروری ہے؟

☆......جواب: حضرت نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اور بزرگان دینؒ کا عام معمول یہی رہا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ بیعت کرنا درحقیقت اس مقصد کا عہد کرنا ہے، جس کیلئے بیعت کی جاتی ہے اور عہد کرتے وقت عام طور پر ہاتھ میں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

☆......قال الله تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ (الفتح ۱۰)

☆......وقال الحافظ ابن کثیر: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَیْعَةِ الرِّضْوَانِ کَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی اَهْلِ مَکَّةَ، فَبَایَعَ النَّاسُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَللّٰهُمَّ اَنَّ عُثْمَانَ فِیْ حَاجَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ، فَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی اھ" (ابن کثیر:۴/ ۲۳۸، دارالسلام ریاض، بحوالہ فتاوی محمودیہ:۴/ ۴۰۶)

☆......حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: ہاتھ میں ہاتھ دیکر کلمات پڑھنا سنت ہے اس پر

ضرور عمل کرنا چاہیے۔ اگر لوگ بہت زیادہ ہوں تو چادر پھیلا کر اسے پکڑ لیں۔ یہ بھی عمل نبوی ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت پتھر چھوٹا تھا۔ اٹھانے کی سعادت حاصل کرنے والے زیادہ تھے تو نبی ﷺ اسے اپنی چادر میں رکھ دیا اور سب لوگوں نے چادر پکڑ کر حجر اسود کو اٹھایا۔ اگر مجمع اس سے بھی زیادہ ہو تو فقط کلمات پڑھا کر نیت کر کے بیعت لی جاسکتی ہے۔ صحابہؓ نے مجاہدین سے اسی طرح جہاد پر بیعت لی۔

(تصوف وسلوک: ۲۹)

☆..... سوال نمبر ۹: کیا عورتیں بھی ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کریں؟ جس پیر کے سامنے غیر محرم عورتیں بے پردہ آتی ہوں اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہوتی، ایسا پیر عند الشرع پیر کہلانے کا مستحق ہے یا شیطان ہے، ایسے پیر کی عزت کرنی جائز یا نہیں؟

☆..... جواب: پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حضور اکرم ﷺ کی سنت کے اتباع کی سعادت نصیب ہو جاوے، جو شخص خود خلاف سنت کام کرتا ہو، یہاں تک کہ بیعت بھی خلاف سنت کرتا ہو، اس سے بیعت ہو کر تو سارے ہی کام خلاف سنت ہوں گے اور کبھی بھی اتباع سنت کی توفیق نہ ہوگی، ایسے شخص کو پیر نہ بنایا جائے، حضور اکرم ﷺ نے کبھی نامحرم عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہیں فرمایا اور پردہ کی بہت سخت تاکید فرمائی ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۴/۴۱۵-۴۱۶)

☆ وعن عائشةؓ قالت مامس رسول الله ﷺ يد امراة قط الا ان ياخذ عليها فاذا اخذ عليها فاعطته قال اذهبى فقد بايعتك "حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ بوقت بیعت رسول اکرم ﷺ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا بلکہ ایک کپڑا پکڑ وا دیتے اور (وعظ وتلقین کے بعد) ارشاد فرماتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی"۔

☆ وعن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ يمتحن من هاجر اليه من المومنات بهذه الاية:

﴿يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

قال عروة: ان عائشةؓ فمن اقر بهذا الشرط من المومنات قال لها رسول الله ﷺ: "قد بايعتك" كلاما. لا والله مامست يده يد امرأة فى المبايعة" الحديث (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ (ولا تنکحوا المشرکات): ۲/۳۹۶، ماخذ حاشیہ فتاوی محمودیہ: ۴/۴۱۶)

بلکہ اگر کسی نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کے لئے عرض بھی کیا لیکن حضرت نے انکار فرمایا، كما قال العلامه الآلوسیؒ: قلنا: الله ورسوله ارحم بنا من انفسنا، يارسول الله ﷺ! الا تصافحنا؟ قال: "لا اصافح النساء......" ا۔

(روح المعانی ۲۸/۸۱، تحت آیۃ البقرۃ، رقم: ۱۲، بحوالہ بالا)

☆..... سوال نمبر ۱۰: بچوں کی بیعت کا کیا جواز ہے؟

☆..... جواب: بچوں کی بیعت جائز ہے جو کہ بیعت تبرک ہے۔

حضرت مولانا نازو وار حسین تحریر فرماتے ہیں: کہ مرید کے لئے بھی بیعتِ تقوی کے شرائط ہیں اور وہ یہ کہ بیعت ہونے والا عاقل، بالغ اور شوق والا ہو۔ اس لئے کہ نابالغ اور دیوانہ خود ایمان کا مکلّف نہیں تو تقوی اور عبادتوں میں مجاہدہ کرنے کا کیونکر ہوسکتا ہے؟ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک لڑکا حاضر ہوا تا کہ آپ ﷺ سے بیعت کرے آنحضرت ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے واسطے برکت کی دعا کی لیکن بیعت نہ لی۔ بعض بزرگوں نے لڑکوں کو بیعت کرنا جائز رکھا ہے وہ برکت اور نیک فالی کے لئے ہے، اور دلیل اس کی صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ زبیرؓ کو بیعت کے واسطے لائے اور وہ سات یا آٹھ برس کے تھے پس رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی طرف توجہ کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے پھر ان سے بیعت لی۔ (عمدۃ السلوک: ۵۷، نیز ملاحظہ فرمائیں: تصوف وسلوک: ۳۰)

☆......سوال نمبر ۱۱ کیا غائبانہ بھی بیعت کی جاسکتی ہے؟

☆......جواب: جی ہاں! جس طرح نبی ﷺ صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ بیعت لی۔ تو اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کو بھی غائبانہ بیعت میں شامل کیا۔ حالانکہ وہ تو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ لہٰذا غائبانہ بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ (تصوف وسلوک ۳۰)

☆......وقال الحافظ ابن کثیر: عن انس بن مالکؓ قال: لما امر رسول اللہ ﷺ ببیعۃ الرضوان کان عثمان بن عفانؓ رسول رسول اللہ ﷺ الی اھل مکۃ، فبایع الناس، فقال رسول اللہ ﷺ: "اللھم ان عثمان فی حاجۃ اللہ تعالی وحاجۃ رسولہ، فضرب باحدیٰ یدیہ علی الاخر اھ" (ابن کثیر ۴/ ۲۳۸، دار السلام ریاض، ماخذ: فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۰۶)

☆......سوال نمبر ۱۲: کیا خط کے ذریعے یا ٹیلی فون پر بیعت کی جاسکتی ہے؟

☆......جواب: جی ہاں! جب غائبانہ بیعت ثابت ہے تو خط کے ذریعے بیعت اسی میں شامل ہے ٹیلی فون کے ذریعے بیعت تو بدرجہ اولی جائز ہے۔

حکم تکرار بیعت

طریقہ تو یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے۔ جگہ جگہ بیعت کرنے والے کی مثال چمچے کی مانند ہے۔ جو طرح طرح کے کھانوں میں ڈوبا رہتا ہے۔ مگر ذائقے سے محروم رہتا ہے۔

یک دست گیر محکم بگیر (تصوف وسلوک ۳۰)

اگر کوئی شخص ایک مدت تک پیر کی خدمت میں اچھے اعتقاد کے ساتھ رہا اور اس کی صحبت میں کوئی فائدہ نہ ہوا تو واجب ہے کہ اس کی بیعت کو ترک کرے اور دوسرا پیر تلاش کرے ورنہ اس کا مقصود اور معبود شیخ ہوگا نہ کہ خدا اور یہ شرک ہے۔ حضرت عزیزان علیؒ رامیتنی پیر طریقہ نقشبندیہ فرماتے ہیں: رباعی:

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت — وز تو نہ رمید صحبتِ آب وگلت
زنہار زصحبتش گریزاں می باش — ورنہ نکند روحِ عزیزاں بحلت

جب تو کسی کی صحبت میں بیٹھا اور تیرے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں جمعیت حاصل نہ ہوئی اور آب وگل کے اثرات تجھ سے زائل نہ ہوئے تو تجھے چاہئے کہ اس کی صحبت سے بھاگے ورنہ عزیزاں کی روح تجھے نہیں چھوڑے گی، یعنی میں اپنے فرض سے بری الذمہ ہوں گا۔ لیکن اس پیر سے نیک گمان رکھے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بزرگ تو کامل و مکمل ہو لیکن تیرے لئے اس کی صحبت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ (عمدۃ السلوک:۵۲)

☆...... فتاوی حقانیہ میں لکھا ہے کہ: طریقت و بیعت چونکہ اخذِ فیض کے لئے کی جاتی، تو اگر پہلی جگہ سے بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے، لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۲/۲۵۷)

☆...... سوال نمبر ۱۳: بندہ ایک پیر سے بیعت کر چکا ہے لیکن ابھی اس پیر میں کچھ مخالف سنت امور نظر آئے ہیں۔ کیا میں اس سے بیعت ختم کر کے دوسرے جگہ بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

☆...... جواب: فقہاء اور صوفیاء کے نزدیک دوسری جگہ بیعت کرنا ممنوع نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ عذر شرعی کی وجہ سے ہو۔
(کمافی تنقیح الفتاوی:۲/۳۶۹)

☆ قال الشيخ محمد بن عبد الله النقشبندى: "وجوزوا التعدد بل فى حياة الشيخ الاول اذا رأى الطالب رشده فى موضع آخر يجوز له من غير انكار لشيخه الاول ان يذهب اليه باخذ عليه ويتخذه شيخاً ثانيا فيجوز استفادة التعليم والصحبة مع مشائخ متعددة وينبغى ان يعلم ان الشيخ هوالذى يدل المريد على الحق تعالى واكثر مايلاحظ هذالمعنى واوضح فى تعليم الطريقة وشيخ التعليم استاد الشريعة ودليل الطريقة الخ". (کتاب البہجۃ السنیۃ فی آداب الطریقۃ النقشبندیۃ:۳۰، باب فی بیان المشیخۃ و آدابها، ماخذ فتاوی فریدیہ:۱/۳۷۴)

☆...... سوال نمبر ۱۴: اگر کوئی شخص ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا اور پھر کچھ دنوں کے بعد اپنی کم فہمی یا کسی دوست کے کہنے سے دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا، بعد بیعت ہونے کے اس کو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ سے بیعت ہونے کے بعد دوسرے بزرگ سے بیعت نہیں ہونا چاہئے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے جبکہ وہ دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا ہو؟

☆...... جواب: ایسا شخص استخارہ کرے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، اب جس سے نفع پہونچنا میرے لئے مقدر ہے میرے دل میں اس کو ڈالدے اور اس سے نفع پہونچا اور دوسرے کی طرف سے میرے دل کو اس مقصد سے خالی فرما، پھر دل کا رجحان جس کی طرف ہو اس کی خدمت میں جاتا رہے اور ہدایات پر عمل کرتا رہے، دوسرے سے بھی بدظن نہ ہو، نہ بدگوئی کرے۔ (فتاوی محمودیہ:۴/۴۰۷-۴۰۸)

☆...... سوال نمبر ۱۵: ایک شخص متبع سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے اس کے بعد کسی دوسرے متبع سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے، شیخ ثانی نے قبل بیعت اس سے دریافت کیا کہ کہیں مرید تو نہیں؟ تب اس شخص نے جھوٹ بولا اور کہا کہ نہیں، (الف)...... اس جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس شخص مذکور کی بیعت اول تو نہیں ٹوٹی؟ (ب)...... اور شیخ ثانی سے بیعت صحیح ہو گئی یا نہیں؟ (ج)...... بعد تسلیم بیعت ثانی جھوٹ بولنے کے

گناہ کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

☆......جواب: (الف) جھوٹ بولنا گناہ ہے جیسا کہ روایت میں ہے: ''عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ قال: آیة المنافق ثلث: اذا حدث کذب، واذا وعد اخلف، واذا أوتمن خان''.

(صحیح البخاری باب علامة المنافق کتاب الایمان ۱۰/۱، قدیمی، وکذا فی مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب الکبائر وعلامة النفاق ۲۱/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور بیعت ہوتے وقت سب گناہوں سے توبہ کی جاتی ہے اور عہد کیا جاتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا اور یہ بھی کہ اگر گناہ ہو گیا تو توبہ کروں گا، گناہ کرنا خلاف عہد ہے مگر توبہ کرنے سے بیعت باقی رہ جاتی ہے، فسخ نہیں ہو جاتی۔ ارتکاب کبائر سے بیعت فسخ نہیں ہوتی۔

(تربیت السالکین ۳۹/۱، دارالاشاعت کراچی)

وعن انسؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ''کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون''.

(مشکوۃ المصابیح باب الاستغفار والتوبة، کتاب الدعوات: ۲۳۷/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ومسند احمد ۱۹۸/۳، دار احیاء التراث بیروت)

پس اگر شخص مذکور نے توبہ کر لی تو بیعت سابق باقی ہے۔

(ب) بیعت ایک قسم بیعت توبہ ہے وہ شیخ ثانی بلکہ ثالث ورابع وغیرہ سے بھی درست ہے، کیونکہ اس کا حاصل تجدید توبہ ہے جس کا بار بار کرتے رہنا نصوص سے ثابت ہے۔ نماز اور خارج نماز میں بکثرت توبہ واستغفار منقول ہے، کسی شیخ کے ہاتھ پر توبہ کرنے سے زیادہ خیال رہتا ہے، بیعت مجاہدہ وریاضت میں ایک ہی شیخ سے عادۃً نفع ہوتا ہے۔

(ج) اس کی تلافی توبہ واستغفار ہے۔''عن عبد اللہ ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ''التائب من الذنب کمن لاذنب له''(مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب التوبة والاستغفار ۲۴۱/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

دوسری جگہ بیعت کے صورتیں

فایدہ: اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالامال ہو۔
سالک کو اپنے مرشد کے علاوہ دوسرے مشائخ سے استفادہ کرنے کی درج ذیل صورتیں پیش آسکتی ہیں۔

(۱)... بیعت کا تعلق ایک شیخ سے تھا مگر روزگار یا تعلیم کے سلسلہ میں کسی دوسرے ملک جانا پڑا۔ وہاں کا ماحول انتہائی خراب، شیخ سے رابطہ مشکل مگر اپنے ہی سلسلہ کے کسی مقامی بزرگ کی صحبت میسر ہے تو ایسی صورت میں اپنے مرشد کی اجازت سے اس مقامی بزرگ کو پیر بنالے۔ پہلے والے شیخ پیر طریقت ہوں گے۔ دوسرے پیر تعلیم، ایک وقت میں دو شیوخ سے تعلق کتب میں منقول ہے۔

(۲)......مرشد سے بیعت کا تعلق تو بہت عرصے رہا مگر فائدہ نہیں ہوا تو ان کا ادب واحترام دل میں رکھتے ہوئے ان کی اجازت سے کسی دوسری جگہ بیعت کرلے، مقصود تو اصلاح ہے۔

(۳)...... اپنے شیخ کے اکابرین میں سے کوئی بزرگ بقید حیات ہوں اور دل ان سے بیعت برکت کیلئے آمادہ ہو۔ تو شیخ کی اجازت سے بیعت برکت کرسکتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ نے حضرت مرشد عالم کو اسباق طے کروائے۔ اور مزید توجہات کے لئے اپنے

پیر خانے مسکین پوری شریف بھیجا۔ حضرت سید فضل علی قریشیؒ نے کئی دن توجہات دیں پھر اجازت وخلافت دی اور بیعت کیا یہ بیعت ثانی اپنے پیر ومرشد کی رضا وخوشنودی سے ہوئی۔ (تصوف وسلوک: ۷۸۔۷۹)

☆..... سوال نمبر ۱۶: کیا ایک شیخ کی وفات کے بعد کسی دوسرے شیخ سے بیعت کرنا ضرور ہے؟

☆..... جواب: جی ہاں! اگر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا حصول نہیں ہوا تو تجدید بیعت ضروری ہے۔ مثلاً ایک طالب علم کسی قاری صاحب سے قرآن پاک پڑھ رہا ہو اور وہ قاری صاحب فوت ہو جائیں تو طالب علم قرآن پاک پڑھنا بند نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے استاد سے پڑھنا اور قرآن پاک مکمل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ البتہ جن حضرات کو نسبت کے حصول کی بشارت مل چکی ہو انہیں تجدید بیعت کرنا ضروری نہیں۔ (تصوف وسلوک ۳۱)

☆ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعتِ ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریق اولی جائز ہوگی۔
(ماخذ: فتاوی حقانیہ: ۲/ ۲۵۷)

☆ عمدۃ السلوک میں لکھا ہے: اسی طرح اگر پیر کامل ہو اور اس فنا ہونے والی دنیا سے کوچ کر جائے اور مرید ابھی درجہ کمال کو نہ پہنچا ہو تو چاہئے کہ وہ شخص بھی دوسرا پیر تلاش کرے کیونکہ مقصود اللہ تعالی ہے نہ کہ پیر۔

☆ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کے اس فنا ہونے والی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ کے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی بیعت کی اور اس بیعت سے مقصود صرف دنیاوی کام ہی نہ تھے بلکہ باطنی خوبیوں کا حاصل کرنا بھی تھا۔
(عمدۃ السلوک: ۵۲)

☆..... سوال نمبر ۱۷: سلوک کے منازل طے کرنے کے بعد یعنی تعلیمات وغیرہ مکمل ہونے کے بعد، خلافت کے بھی عطا ہونے کے بعد، اپنے پیر کے وصال فرمانے کے بعد کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع ہونا ضروری ہے، کیا ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے؟

☆..... جواب: اصل مقصود تزکیہ باطن ہے جس کی بدولت احسان وحضور کی کیفیت نصیب ہو جائے خواہ اجازت وخلافت عطاء ہو یا نہ ہو، اس کیلئے پوری جدوجہد کی ضرورت ہے، اگر ایک شیخ کی نگرانی میں احسان وحضور کی کیفیت مستحکم نہ ہو اور اجازت وخلافت مل جائے تب بھی کام میں لگے رہنا چاہئے اور شیخ کا انتقال ہو جائے تو پھر دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اگر اسی سلسلے کے دوسرے شیخ ہوں تو بہتر ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۰۶۔۴۰۷)

☆ فان کان بظهور خلل فيمن بايعه فلاباس، وكذلك بعد موته اوغيبة منقطعة، واما بلاعذر فانه يشبه المتلاعب ويذهب بالبكرة ويصرف قلوب الشيوخ عن تعهده. (القول الجمیل، الفصل الثانی، ۲: کلکتہ)

☆ ولاباس ان يلقنه فيقول: قل: اخترت الطريقة النقشبنديه او القادريه او الجشتيه الخ.
(القول الجمیل، الفصل الثانی، ۱۲: کلکتہ، بحوالہ فتاوی محمودیہ: ۴/ ۴۰۶۔۴۰۷)

اگر کوئی شخص اپنے شیخ کی عطا کردہ تعلیمات نیز اجازت وخلافت پر قناعت کر کے بیٹھ جائے اور آگے کوئی ترقی کرنا منظور نہ ہو تب بھی وہ گنہ

گارنہیں ،صوفیا کا مقولہ مشہور ہے۔

اے برادر بے نہایت گہیست　　　　ہر چہ بروئے می رسی بروے مایست

اکابرین میں بھی دونوں قسم کے ذوق کے حضرات گزرے ہیں اور موجود بھی ہیں (فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۰۶-۴۰۷)

☆......سوال نمبر ۱۸: اگر کوئی کہے کہ اولیاء کا فیض ان کے مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اس لئے دوسرے شیخ کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

☆......جواب: یہ ہے کہ اولیاء کا فیض مرنے کے بعد ضرور ہوتا ہے لیکن اس قدر اور اس طرح پر نہیں ہے کہ ناقص کو کمال کے درجے پر پہنچا سکے (مگر بہت ہی کم یعنی جس کو اللہ تعالی چاہے) اور ایسے شخص کو جس کا زندہ پیر سے بظاہر کوئی بیعت کا تعلق نہ ہو اویسی کہتے ہیں، جیسے حضرت اویس قرنی مگر در حقیقت وہ بھی باطن میں اس تعلق سے آزاد نہیں اگر چہ بظاہر معلوم و مفہوم نہ ہو۔

بات یہ ہے کہ فیض دینے والے اور لینے والے میں ایک نسبت شرط ہے جو زندگی سے زیادہ تعلق رکھتی ہے اور وفات ہوتے ہی چلی جاتی ہے ۔لیکن فنا اور بقا کے بعد جو مناسبت اندرونی طور پر حاصل ہو جاتی ہے اس کے ذریعے اہل قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ زندگی میں یعنی کہ وہ ناقص کو کامل بنا سکے۔الا ماشاء اللہ مختلف انبیاءؑ کو بھی دنیاوی زندگی دے کر اس فنا ہونے والی دنیا میں بھیجنے کا یہی مقصد ہے ورنہ ایک نبی بعد ممات بھی تمام رہتی دنیا تک کافی ہوتا۔(عمدۃ السلوک ۵۲-۵۳)

☆......سوال نمبر ۱۹: کیا کسی شخص کیلئے اپنے پیر کی اجازت وخلافت کے بغیر لوگوں کو مرید بنانا جائز یا نہیں؟

☆......جواب: کسی کے مرید کرنے کی صحت کیلئے خلافت اور اجازت شرط نہیں ہیں۔البتہ برکت کے حصول کیلئے خلافت اور اجازت شرط ہیں۔نیز اہلیت کیلئے اپنا ظن کافی نہیں ہے۔اہل فن کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔

☆......قال الشيخ محمد بن عبد الله النقشبندی عن الرازیؒ ولايخفى ان من تصدر للمشيخة من غير اذن فما يفسده اكثر مما يصلحه وعليه اثم قاطع الطريق فانه بمعزل عن رتبة المريدين الصادقين فضلا عن المشائخ العارفين الخ" (كتاب البهجة السنية فی اداب الطريقة النقشبندية ۳۵-باب فی بيان المشيخة ،ماخذ فتاوی فریدیہ ۱/ ۳۶۸)

☆......سوال نمبر ۲۰: ایک شخص مثلاً سلسلہ قادریہ میں کسی مرشد سے بیعت کر چکا ہے تو اب وہ اپنے مرشد کے حین حیات ہی اسی سلسلہ قادریہ میں دوسرے مرشد سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۱)......کیا بعد از وفات مرشد اول دوسرے مرشد سے بیعت کر سکتا ہے؟ اور اگر دوسرے سلسلہ میں ہو تو پھر کیا حکم ہوگا۔

(۲)......بعض حضرات کا خیال ہے کہ طریقت کے بغیر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔کیا واقعی ولایت کیلئے بیعت شرط ہے؟

جواب: (۱)......جائز ہے۔(کمافی تنقیح الفتاوی الحامدیہ، والبهجة السنية فی اداب الطريقة النقشبندية :۳۰، والقول الجميل:۲۹)

(۲)......صالحین کا تعامل دوسری جگہ بیعت کرنے پر واقع ہے خواہ اسی سلسلہ میں ہو، یا دوسری سلسلہ میں۔البتہ بیک وقت متعدد سلاسل

کے اوراد کا مشق کرنا مضر صحت بدن ودماغ ہے۔

(۳) بیعت امر مستحب ہے، البتہ حصول ولایت کیلئے جتنے ذرائع ہیں ان میں شاہراہ اور کامیاب ذریعہ یہی ہے۔(جیسا کہ البھجۃ السنیۃ فی داب الطریقۃ النقشبندیہ:۳۰، والقول الجمیل:۲۹۔ میں ہے)(فتاویٰ فریدیہ:۱/۳۶۸۔۳۶۹)

☆ سوال نمبر۲۱: جو لوگ بیعت کے مخالف ہیں کیا انہوں نے یہ حدیثیں نہیں پڑھیں؟

☆ جواب: پڑھی تو یقیناً ہونگی مگر سمجھی یقیناً نہیں۔ ورنہ اتنے واضح مسنون عمل پر یوں اعتراض نہ کرتے۔ بیعت طریقت کی مخالفت کرنے والوں کا حال چند الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔﴿وَكَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ﴾ (یونس ۳۹) "ایسے کلام کو جھلانے لگے جس کے علم کا ابھی تک انہوں نے احاطہ بھی نہیں کیا۔"

☆ سوال نمبر۲۲: بیعت طریقت کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے؟

☆ جواب: بیعت کے اغراض ومقاصد وضاحت سے بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) نہ اس میں کشف وکرامات کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

(۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔

(۳) نہ دنیاوی کاموں میں کامیابی مثلاً غلبہ ہو، مقدمات فتح ہوں وغیرہ وغیرہ ضروری ہے۔

(۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔

(۵) نہ ایسی محویت کا حاصل ہونا لازمی ہے کہ اپنے پرائے کی خبر نہ ہو۔

(۶) نہ ہی رنگوں اور انوار کا نظر آنا ضروری ہے۔

(۷) نہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا ضرور ہے۔

بلکہ اصل مقصد تو شریعت کے احکام پر چل کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔(تصوف وسلوک:۳۱)

خلاصہ کلام: بیعت طریقت کرنے سے انسان کو اپنے مشائخ سلسلہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک سے ایک روحانی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ وضاحت کیلئے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں

☆ مثال نمبر۱: ایک آدمی نیا گھر بنوائے خوب سجائے وائرنگ کروائے فانوس لگوائے مگر اس کے فانوس میں اس وقت تک روشنی نہیں آسکتی جب تک کہ وہ وائرنگ کا کنکشن پاور ہاؤس سے نہ جوڑے۔

اسی طرح انسان جب دل کے فانوس کا کنکشن سلسلہ کے مشائخ کی وائرنگ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک سے جوڑتا ہے جو رحمتوں کا خزینہ ہے تو پھر سالک کے دل میں روشنی آتی ہے انوار وبرکات نبی ﷺ کے قلب مبارک سے مشائخ کے قلوب سے ہوتے ہوئے سالک کے قلب میں آتے ہیں۔

☆......مثال نمبر۲: ایک ٹرین کئی ڈبوں پر مشتمل ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ایک اور ڈبہ جوڑ دیا جائے تو جہاں ٹرین پہنچے گی، وہ ڈبہ بھی پہنچ جائے گا یوں سوچئے کہ سلسلہ کے مشائخ ٹرین کی مانند نبی اکرم ﷺ اس ٹرین کے انجن کی مانند اور سالک اس سے جڑنے والے ڈبے کی مانند، یہ ٹرین اللہ کی رضا والے اسٹیشن پر جارہی ہے اگر یہ ڈبہ جڑا رہے گا تو جہاں انجن منزل پر پہنچے گا اس تھرڈ کلاس ڈبے کو بھی منزل پر پہنچنا نصیب ہوگا۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

آمدم بر سر مطلب وہ حضرات جواب تک بیعت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار رہے ہیں انہیں چاہئے کہ اس سعادت عظمیٰ کے حصول میں دیر نہ لگائیں بلکہ کسی جامع الشریعت والطریقت ہستی سے اپنے باطنی رشتے کو جوڑیں۔ حقیقت یہی ہے کہ آج کے پرفتن دور میں کسی شیخ کامل کے ذریعے سلسلے میں داخل ہونے والے کی مثال "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا" "اور جو اس میں داخل ہوا امن پا گیا" کا مصداق ہے۔

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

(تصوف وسلوک ۴۳-۴۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صوفیاء کے سلاسل

آج کل ہمارے اطراف میں چار سلسلے یہ مشہور ہیں: (۱)......چشتی (۲) ......قادری (۳)......نقشبندی (۴)......سہروردی۔

(۱)... سلسلہ چشتیہ: خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کی طرف منسوب ہے۔

(۲). سلسلہ قادریہ: حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے

(۳)..... سلسلہ نقشبندیہ: حضرت بہاؤالدین نقشبندی کی طرف منسوب ہے۔

(۴).. سلسلہ سہروردیہ: شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی طرف منسوب ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی سلسلے ہیں جو دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں۔

☆ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: وبعد از زمان ایں خانوادھا، خانوادھائے دیگر پیدا شدند، چوں جامیہ، قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ، کبیردیہ، اویسیہ، وخانوادۂ خواجگان خانوادۂ معینیہ کہ احیائے طریقہ چشتیہ است ونقشبندیہ کہ احیائے خانوادۂ خواجگان است" (ھمعات.۱۵)

☆ علامہ الشکارپوریؒ فرماتے ہیں: "ان الطرق الی اللہ کثیرۃ: کالشاذلیۃ، والسھروردیہ، والقادریہ، الی غیر ذلک" (قطب الارشاد ۵۴۴، فصل ان العلماء من المتکلمین والفقہاء والمحدثین الخ، ماخذ فتاوی محمودیہ ۴/۳۷۰)

مشائخ طریقتؒ کے سلسلوں کی کیفیت

☆..... سلسلۂ عالیہ قدوسیہ نقشبندیہ:

پیر خواجہ عبید اللہ احرار کو خواجہ مولانا یعقوب چرخی سے ان کو خواجہ علاء الدین عطاء سے ان کو خواجہ امیر کلال سے ان کو خواجہ محمد بابا سماسی سے ان کو خواجہ عزیزاں رامتینی سے ان کو خواجہ یوسف محمود الخیر فغنوی سے ان کو خواجہ محمد عارف ریوگری سے ان کو خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے ان کو خواجہ یوسف ہمدانی سے ان کو خواجہ ابوعلی فارمدی سے (نیز ابوعلی فارمدی سے ان کو خواجہ ابوبکر شبلی سے انکو سید الطائفہ جنید بغدادی سے ان کو شیخ سری سقطی سے ان کو شیخ معروف کرخی سے ان کو شیخ داؤد طائی سے ان کو خواجہ حبیب عجمی سے ان کو امام الاولیاء حسن بصری سے ان کو حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے) ابوالقاسم گرگان ان کو خواجہ ابوالحسن خرقانی سے ان کو بایزید بسطامی سے ان کو امام جعفر صادق سے ان کو حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے ان کو سلیمان فارسی سے ان کو امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے۔

☆......سلسلۂ حضرات چشتیہ صابریہ قدوسیہ:

حاجی شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی کو حضرت عبدالباری سے ان کو شاہ عبدالہادی امروہی، ان کو شاہ عضد الدینؒ سے انکو شاہ محمد مکی سے ان کو شاہ محمدی سے ان کو شاہ محب اللہ الہ آبادی سے ان کو شیخ ابوسعید گنگوہی سے ان کو شیخ نظام الدین بلخیؒ سے ان کو شیخ جلال الدین تھانسیری سے ان کو قطب عالم عبدالقدوس گنگوہی سے ان کو شیخ محمد عارف ردولوی سے ان کو شیخ جلال الدین کبیر کبیر الاولیاء پانی پتی سے ان کو شیخ شرف الدین

ترک پانی پتی سے ان کو مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابرؒ سے ان کو شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی سے ان کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ان کو خواجہ معین الدین حسن سنجری سے اور ان کو خواجہ عثمان ہارونی سے ان کو خواجہ حاجی شریف زندنی سے ان کو خواجہ مودود چشتی اور ان کو خواجہ ابو یوسف چشتی اور ان کو خواجہ ابی احمد ابدال چشتی سے اور ان کو خواجہ ابو اسحاق شامی اور ان کو خواجہ ممشاد علو دینوی اور ان کو خواجہ معین الدین ابو ہریرہ بصری اور ان کو خوجہ حذیفہ مرعشی سے ان کو خواجہ ابراہیم ادھم بلخی سے ان کو خواجہ جمال الدین فضیل بن عیاض اور ان کو خواجہ عبد الواحد بن زید اور ان کو امام العارفین خواجہ حسن بصریؒ سے ان کو امیر مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ سے۔

☆......سلسلہ چشتیہ نظامیہ قدوسیہ:

طریقہ نظامیہ کی اجازت حضرت عبد القدوس گنگوہی کو اپنے مرشد شیخ درویش ابن محمد قاسم ادھی سے حاصل ہے اور ان کو سید بڈھن بہرائچی اور ان کو سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان گشت سے اور ان کو خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلی اور ان کو سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ابن احمد بدایونی اور ان کو خواجہ فرید الدین سے آنحضرت ﷺ تک۔

☆......سلسلہ عالیہ قادریہ قدوسیہ:

حضرت قطب العالم القدوس گنگوہیؒ کو طریقہ قادریہ کی اجازت اور خرقہ اپنے مرشد درویش بن محمد قاسم اودھی سے اور ان کو سید بڈھن بہرائچی اور ان کو سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان گشت سے ان کو شیخ عبید بن عیسیٰ سے ان کو شیخ عبید بن ابو القاسم سے ان کو شیخ ابو المکارم فاضل سے ان کو شیخ قطب الدین ابو الغیث سے ان کو شیخ شمس الدین حداد سے ان کو امام الاولیاء شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی سے ان کو شیخ ابو سعید مخرومی سے ان کو شیخ ابو الحسن قرشی علی الہنکاری سے ان کو شیخ جنید بغدادی سے ان کو شیخ سری سقطی سے ان کو شیخ معروف کرخی سے ان کو شیخ داؤد طائی سے ان کو شیخ حبیب عجمی سے ان کو امام حسن بصری سے ان کو امیر مومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو سرور عالم ﷺ سے۔

سلاسل صوفیہ کی انتہا حضرت علیؓ پر کیوں ہے؟ اور علیؓ سے حسن بصریؒ کی ملاقات

☆......سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ بزرگوں کے چاروں سلسلے حضرت حسن بصریؒ کے واسطے سے حضرت علیؓ تک پہونچتے ہیں اس لئے ان سلاسل کی سند مشکوک معلو ہوتی ہے اور اس میں روافض کی دسیسہ کاریوں کا شبہ ہوتا ہے، کیونکہ اولاً تو حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات میں اختلاف ہے اور اگر ملاقات ثابت بھی ہو تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ تصوف اور علمِ باطن میں کمال نہیں رکھتے تھے، اگر رکھتے تھے اور یقیناً رکھتے تھے پھر یہ باطنی سلسلہ حضرت علیؓ ہی سے کیوں چلا، دوسرے صحابہؓ سے کیوں نہ چلا؟ امید کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈال کر خلجان کو دور فرمائیں گے۔

☆......جواب: جو نسبت احسانیہ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے حاصل ہوئی تھی اس کو انہوں نے خلیفہ اول (صدیق اکبرؓ) سے، پھر خلیفہ ثانی (حضرت عمرؓ) سے پھر خلیفہ ثالث (حضرت عثمانؓ) سے راسخ اور مستحکم کیا تو یوں سمجھتے کہ ان کی نسبت رسول اکرم ﷺ اور آپ

کے خلفائے ثلاثہ کے فیضان کا مجموعہ تھی۔ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی نسبت حضور اکرم ﷺ اور شیخین کے فیضان کا مجموعہ تھی، ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تنہا ایسے شخص تھے جن کی ترتیب وتکمیل میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کسی انسان کا حصہ نہیں۔

لہٰذا جو سلاسل بھی حضرت علیؓ سے چلے وہ خلفائے ثلاثہ کے فیضان سے خالی نہیں۔ بایں ہمہ بعض سلاسل ایسے بھی ہیں کہ جن میں حضرت علیؓ کا واسطہ نہیں جیسا کہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے جمع کردہ شجرہ سے واضح ہے (جیسا کہ میں نے کلیات امدادیہ سے سلسلہ نقشبندیہ نقل کر دیا ہے) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ خلفائے اربعہؓ کو دونوں طرح کی امامت کاملہ (ظاہرہ وباطنہ) حاصل تھی اور اعلیٰ درجہ کی جانشینی کے منصب پر فائض تھے اور اس جامعیت میں دیگر صحابہؓ سے افضل تھے، اس لئے ان حضرات کے سلاسل اور باطنی فیوض میں برکات بھی زائد ہیں جن کی بدولت طالبِ صادق بہت جلد منازل طے کر کے مقامِ معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور دولتِ احسان سے مالامال ہو جاتا ہے اور اس کا قدم شریعت وطریقت میں نہایت راسخ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/۷۱-۷۲)

کسی صحابی کو کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیقؓ کو مطلق فضیلت ہونے کے باوجود فتوح کی فضیلت حضرت عمرؓ کو اور اکثر روایت حدیث کی فضیلت حضرت ابوہریرہؓ، انسؓ، عائشہؓ کو ہے، اسی طرح اشاعت علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علیؓ کو ہے۔ مشہور حدیث ''اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا'' شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ افادہ واستفادہ باطنی کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر نسبی تعلق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۱/۵۶۸)

حضرت علیؓ سے حسن بصری کا استفادہ

☆ ...سوال: کتب اسماء الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی لقاء حضرت علیؓ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلہ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے۔

☆ ...جواب: روایات ذیل سے حضرت حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے لقاء وسماع ثابت ہے۔

(۱) قال ابن سعد ولد (الحسن البصری) لسنتین بقیتا من خلافة عمرؓ ونشاء بوادی القری وکان فصیحا رأی علیا (تہذیب التہذیب)

(۲) روی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادة وعمر بن الخطاب ولم یدرکھم وعن ثوبان وعماربن یاسروابی ھریرة وعثمان ابن ابی العاص ومعقل بن سنان ولم یسمع منھم وعن عثمان وعلی الخ'' (تہذیب التہذیب)

اگر حضرت علیؓ سے بھی روایت بدوں سماع ہوتی یہاں بھی عدمِ سماع کی تصریح ہوتی۔

(۳) ...عن یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا اباسعید انک تقول رسول اللہ وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیء عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی مااخبر تک، انی فی زمان کماتری (ای فی عھد

الحجاج) کل شی ء سمعتنی اقول قال رسول الله ﷺ فھو عن علی بن ابی طالب غیرانی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا. (حاشیہ تھذیب التھذیب من تھذیب الکمال)

روایات ذیل میں سماع کی نفی ہے:

(۱)......عن قتادة والله ماحدثنا الحسن عن حیدری مشافھة (تھذیب التھذیب)

(۲)......حدثنا حمادبن زید عن ایوب قال ماحدثنا الحسن عن احد من اھل بدر مشافھة. (تھذیب التھذیب)

(۳)......سئل ابوزرعه ھل سمع الحسن احدامن البدر یین قال راھم رؤیة رای عثمان وعلیا قیل ھل سمع منھما حدیثا قال لا. رای بالمدینة وخرج علی الی الکوفة والبصرة ولم یلقه الحسن بعد وقال الحسن رأیت الزبیر یبایع علیا (تھذیب التھذیب)

(۴)......قال علی بن المدینی لم یر علیا الا ان کان بالمدینة وھوغلام (تھذیب التھذیب)

(۵)...... وفیھا ان الحسن صحب علیاوھذا باطل باتفاق اھل المعرفة فانھم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الاحنف بن قیس بن عباد وغیرھما علی وھکذا رواہ اھل الصحیح (منھاج السنة جلد ۳)

☆......روایات نفی کے جوابات:

(۱)...... پہلی دوروایتوں میں تحدیث للراوی کی نفی نہیں، مطلقاً تحدیث کی نفی نہیں۔

(۲)......روایات اثبات میں سے تیسری روایت میں گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ روایت میں عمداً حضرت علیؓ کا ذکر نہ فرماتے تھے، لہذا انکار سماع عدم علم پر مبنی ہے۔

(۳)......اصولاً نفی پر اثبات راجح ہے۔

(۴)......پانچویں روایت میں مطلقاً لقاء وصحبت کی نفی مقصود نہیں بلکہ لقاء ممتد کی نفی مقصود ہے'' لکی تتحد معانی الأثار ولا تتضاد '' چنانچہ روایت رابعہ میں دونوں کے مدینہ منورہ میں بیک وقت موجود ہونے کو تسلیم کرنے کے باوجود عدم رؤیت کا محمل صرف یہی ہوسکتا ہے کہ رؤیت طویلہ کی نفی مقصود ہے، اس روایت میں لفظ غلام قادح نہیں، اس لئے کہ غلام مختص بالصغیر نہیں، آپ حضرت عمرؓ کی شہادت سے دوسال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علیؓ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراہق ہو نگے، حضرت عمر (۲۴ھ) میں اور حضرت عثمانؓ (۳۵ھ) میں شہید ہوئے، اور (۳۶ھ) میں حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اس حساب سے اسوقت حضرت حسن بصریؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونے کے باوجود اتنی عمر تک ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقاء وعدم سماع بہت بعید ہے ،غرضیکہ آپ کو صحبت طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادہ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبت طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کرلیا جائے تو حضرت علیؓ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اس میں کیا اشکال ہے؟ (احسن الفتاوی ۱/۵۵۱-۵۵۳)

تمام سلاسل تصوف کی منزل ایک ہے

تصوف کے تمام سلاسل کی منزل ایک ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ جی! وہ کیسے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ دیکھو! پہاڑ کی چوٹی پر ایک محل بنا ہوا ہے۔ ایک راستہ اِدھر سے جاتا ہے، دوسرا اُدھر سے، تیسرا اِدھر سے اور چوتھا اُدھر سے۔ تو راستے مختلف ہیں مگر منزل ایک ہی ہے۔ اسی طرح یہ چار راستے محسوس ہوتے ہیں مگر ان سب کی منزل ایک ہی ہے۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے تھے: ''کوئی نقشبندیہ ہے، کوئی چشتی ہے، کوئی قادریہ ہے، کوئی سہروردی ہے، اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔''

تو تمام سلاسل کا مقصود اللہ رب العزت کی یاد ہے اور سلسلہ کے اسباق سے انسان کو یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ نیت انسان مشائخ کے پاس آکر سیکھتا ہے۔ نیت سے ہی تو عمل بدل جاتا ہے۔ (خطبات فقیر:۲۲/۲۶۴)

علوم شرعیہ اور تصوف میں چار چار امام کیوں؟

یہ اللہ رب العزت کا تکوینی معاملہ ہے کہ:

☆ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں اپنی چار کتابیں نازل فرمائیں۔ زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید۔

☆ اسی طرح نبی علیہ السلام کے چار خلفائے راشدین ہیں۔ ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

☆ اس سے آگے بھی اللہ رب العزت نے مہربانی کی کہ علم الشرائع میں بھی یوں تو درجنوں ائمہ سے فقہ کا آغاز ہوا۔ امام اوزاعیؒ کی اقتدا ہوئی، سفیان ثوریؒ کی اقتدا ہوئی، حمادؒ کی اقتدا ہوئی۔ لیکن ان میں سے صرف چار ایسے حضرات تھے، جن پر امت مجتمع ہوئی، امام اعظم ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ۔

اگر یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ دین میں یہ چار ہی امام کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی کے ایک درجن بیٹے ہوں اور ایک ایک کر کے وہ مرتے رہیں اور باقی چار رہ جائیں تو میراث کتنے بیٹوں میں تقسیم ہوگی؟ چار بیٹوں میں تقسیم ہوگی۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ یہ چار ہی میں کیوں تقسیم ہوگی تو کہیں گے: اللہ کی مرضی۔ ایسے ہی جو بندہ یہ پوچھے کہ اب چار ہی امام کیوں؟ تو کیا جواب دیں گے؟ جی! اللہ کی مرضی۔ یہ تو اللہ کے ہاں قبولیت ہے۔

اسی طرح علم الاحسان میں بھی چار حضرات ایسے تھے جن کو امام کا درجہ ملا۔ ان میں سے ایک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، دوسرے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، تیسرے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ، اور چوتھے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ پھر ان چاروں بزرگوں کے نام پر چار سلسلے مشہور ہو گئے۔ (خطبات فقیر:۲۲/۲۵۵۔۲۵۶)

اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت و اجازت کی وجہ

☆......سوال: چاروں سلسلے کے طریقہ اصلاح و تربیت میں کوئی اختلاف ہے یا نہیں، اگر اختلاف ہے تو بعض بزرگوں کے یہاں جو یہ

دستور ہے کہ ایک ہی شخص کو چاروں میں بیعت کرتے اور اجازت دیتے ہیں تو آخر اس کی کیا صورت ہوتی ہے؟

☆...... جواب: تربیت اصلاح میں کچھ اختلاف بھی ہے مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے، اس لئے یہ اختلاف کچھ مضر نہیں، اور چاروں سلسلوں میں بیعت کی اجازت دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو طبِ یونانی، ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک، ویدک میں مہارت ہو جانے پر جملہ طرقِ معالجہ میں اس کو ڈگری دے دی جائے اور وہ مریضوں کے امراض، طبائع، مواسم کی رعایت کرتے ہوئے جو طریقہ علاج جس کے حق میں مفید سمجھے اس کو اختیار کرے، ان طرق معالجہ میں اختلاف کثیر کے باوجود مقصود سب کا ایک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۳۷۲)

لفظ ''نقشبندی'' کی وجہ تسمیہ

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اس عاجز کو بخارا جانے کا موقعہ ملا تو وہاں کے ایک بڑے شیخ سے عاجز نے سوال کیا کہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت خواجہ بہاؤالدین ؒ لیکن ان کا نام ''نقشبند'' کے طور پر مشہور ہو گیا تھا۔ ہمارا سلسلہ اس سے پہلے صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا، سیدنا صدیق اکبرؓ سے چلا تھا تو صدیقیہ سلسلہ کہلاتا تھا۔ مگر خواجہ بہاؤ الدین ؒ کے بعد نقشبند کا نام مشہور ہو گیا۔ تو ان کو نقشبند کیوں کہتے ہیں؟ بعض کتابوں میں تو لکھا ہوا ہے کہ وہ کپڑے کے اوپر پرنٹ کرتے تھے۔ جیسے آج کل پھول بوٹے ہوتے ہیں، اس زمانے میں ٹھپے ہوتے تھے، تو وہ رنگ کے ٹھپے لگاتے رہتے تھے، تو اس کی وجہ سے ان کو نقشبند کہا گیا۔ لیکن جب ان سے عاجز نے یہ سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا، فرمانے لگے کہ ایسے نہیں تھا بلکہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاریؒ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اسم جلالہ اللہ کی شکل بنایا کرتے تھے، اگر آپ عاجز کی انگلیوں پر غور کریں تو ''ا'' ''ل'' ''ل'' ''ہ'' اس طرح اللہ کا نام کی شکل بن جاتی ہیں۔ تو وہ اس طرح انگلیوں سے اللہ کے نام کی شکل بنا کر اپنا ہاتھ سالک کے قلب پر رکھ کر اس کو توجہ دیتے تھے ''اللہ'' زور سے کہتے تھے ''كَانَ يَنْقُشُ اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰى قُلُوْبِ السَّالِكِيْنَ'' ''اللہ کا نام سالکین کے قلوب پر نقش کر دیتے تھے'' تو سالک کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرے دل پر کسی نے اللہ کا نام لکھ دیا ہے۔ اس لئے ان کا نام ''نقشبند'' پڑ گیا کہ وہ اللہ کے نام کا نقش دل میں بند کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ ''سلسلہ نقشبندیہ'' مشہور ہوا۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل

☆...... سلسلہ نقشبندیہ میں دو صحابہؓ کا فیض ہیں۔ دوسرے سلاسل میں ایک صحابیؓ واسطہ بنتے ہیں اور ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں دو صحابہؓ واسطہ بنتے ہیں۔ دوسری سلاسل میں نبی علیہ السلام سے یہ نسبت حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہوئی اور ان سے آگے حسن بصریؒ کو منتقل ہوئی یعنی حضرت علیؓ کے فوراً بعد تابعین کا نمبر آ گیا۔ لیکن ہمارا سلسلہ وہ سلسلہ ہے جس میں دو صحابہؓ کے نام آتے ہیں۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے سلمان فارسیؓ۔ (خطبات فقیر: ۳۸/۲۶)

محبوب العلماء والصلحاء، پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام حضرت مولانا ذوالفقار احمد مدظلہ العالی اپنی کتاب م ''معارف السلوک'' میں تحریر ماتے ہیں: ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے خوب کھولا ہے۔ اس کے چند فضائل مکتوبات میں سن لیجے۔

ﷺ ...... دفتر اول، مکتوب : ۱۳۱ میں لکھتے ہیں: "جاننا چاہئے کہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ اقرب (زیادہ قریب) ہے۔ دوسرے سلسلوں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتداء میں درج ہے، اوران کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس طریقے میں سنت کی اتباع کولازم رکھا گیا ہے اور بدعتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ (یعنی ہمارے اس سلسلے کی شرائط میں سے ہے کہ سنتوں کی اتباع کریں گے اور بدعتوں سے پرہیز کریں گے۔ سنتوں کی اتباع کی وجہ سے پھراس کو یہ درجہ ملا۔ آگے وہ اس سلسلے کے بارے میں فرماتے ہیں)۔

یہ حضرات حتی الامکان رخصت پرعمل کرنا جائز نہیں سمجھتے (یعنی رخصت سے بھی بچتے ہیں، تقوی پہ عمل کرتے ہیں) اگر چہ بظاہر باطنی طور پر اس کو نفع بخش سمجھیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگر چہ صورت کے اعتبار سے سیرت اور طریقے میں نقصان دہ ہی جانتے ہوں۔ (سبحان اللہ عجیب بات کہی ہے کہ) ان بزرگوں نے احوال ومواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کرلیا ہے۔ (یعنی کچھ لوگ ہیں کہ ان کو حال احوال نصیب ہوئے تو وہ حکمِ شریعت کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس سلسلے کی خوبیوں میں سے ہے کہ ہم احوال ومواجید کو حکمِ شریعت کے تحت رکھتے ہیں) اور ذوق ومعارف کو علومِ شرعیہ کا خادم سمجھتے ہیں (یعنی جتنے بھی معارف ہیں یہ شریعت کے خادم ہیں) احکامِ شریعت کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح وجد وحال کے جوز ومویز کے عوض نہیں لیتے (بچوں کو اخروٹ منقع دے دو تو وہ سونے کی انگوٹھی دے دیں گے۔ جیسے شیخ سعدیؒ اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ ٹھگ مل گیا تھا، اس نے میری سونے کی انگوٹھی دیکھی تو کہا اسے چوسو۔ میں نے چوسا تو کوئی ذائقہ نہیں۔ اس نے گڑ کی ڈلی دکھائی اور کہا اسے چکھو، میں نے چکھا تو بڑی میٹھی تھی۔ اس نے کہا: میٹھی چیز لے لو پھیکی دے دو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انگوٹھی اسی ٹھگ کو دے دی اور گڑ کی ڈلی لے لی۔ تو یہ کام بچے کرتے ہیں، اخروٹ منقع کی جگہ ہیرے جواہرات دے دیتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ احکامِ شریعت جواہرات کی مانند ہیں، الفاظ دیکھیں کیا استعمال کیے ہیں! شریعت کی کتنی تعظیم سامنے آتی ہے!) اور صوفیاء کی بے اصل باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے، اور نصِ شرعیہ کے مقابلہ میں فص کو ترجیح نہیں دیتے (فص اصل میں ابن عربیؒ کی ایک کتاب ہے "فصوص الحکم" جس میں انہوں نے تصوف کی باتیں لکھیں ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ جہاں نص آجاتی ہے وہاں فص کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ کیا عجیب بات لکھی ہے!) فتوحاتِ مدنیہ (سننِ نبویہ ﷺ) کے مقابلے میں فتوحاتِ مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے (فتوحاتِ مکیہ تصوف کی کتاب ہے۔ فرمایا کہ جہاں قرآن اور حدیث کی بات آجاتی ہے، وہاں فتوحاتِ مکیہ کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے) اور انکا حال دائمی ہے (یہ ہمیشہ شریعت کے اوپر پابندی کے ساتھ چلنے والے لوگ ہیں)۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے فضائل

اس نسبت کو اس لئے بلند کہا گیا کہ یہ نسبت سیدنا صدیقِ اکبرؓ سے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ صحابہؓ میں سے عشق اور اتباع میں سب زیادہ لے گئے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے فضائل میں بعض عجیب نکات لکھے۔

☆ .....مکتوباتِ معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۱ میں فرماتے ہیں: "اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے فنا ونیستی کے میدان کے شہسوار سیدنا صدیقِ اکبرؓ ہیں۔ جن کی شان میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص چاہے کہ زمین پر مردہ کو چلتا ہوا دیکھے تو اسے چاہئے کہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ لے (یعنی انانفس کو مار لیا تھا، کہ اپنا آپ ہی مٹا دیا تھا۔ ان کی فنائیت پر تو محبوب ﷺ نے مہر لگادی) کیونکہ دوسرے صحابہ کرامؓ میں بھی اس کمال کے پائے جانے کے باوجود اس کمال کے ساتھ ان کے ذکر کی تخصیص بھی اس کمال میں ان کے کامل امتیاز کی خبر دینے والی ہے (اگر چہ باقی صحابہ کرام کو بھی یہ کیفیت حاصل ہوگی لیکن محبوب ﷺ نے نام لے کر ان کو ایک امتیازی شان عطا فرمادی)۔ اس لئے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا ایمان تمام امت کے ایمان سے افضل ہوا جیسا کہ وارد ہوا ہے (حدیثِ پاک ہے کہ اگر میرے پوری امت کے ایمان کو ابوبکرؓ کے ایمان کیساتھ تولا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان بڑھ جائے گا)۔ کیونکہ ایمان کا کمال فنا ونیستی کے کمال پر مبنی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس لئے انہوں نے آنسرور ﷺ کے ساتھ ایک ایسا اتحاد و تعلق پیدا کیا جو کسی دوسرے شخص کو میسر نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "مَاصَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا صَبَبْتُهُ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ"، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینے میں ڈالا وہ سب کچھ میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا (سبحان اللہ، نسبت کے انتقال پر یہ مہر ہے۔ ایسی پکی نسبت ہے کہ محبوب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو میرے سینے میں ڈالا میں نے اسے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ ایسا تعلق پیدا کر لیا تھا کہ فرماتے ہیں)" مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا ان دو کے بارے میں تم کیا گمان رکھتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہے (ان کو نبی ﷺ کے ساتھ معیتِ کبریٰ حاصل تھی۔ اس وجہ سے ان کی نسبت بہت مضبوط نسبت ہے۔ اور یہ نسبت کیونکہ ان سے آگے منتقل ہوئی تو کہتے ہیں کہ یہ نسبت بہت فائق نسبت ہے۔ امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سرور انبیاء ﷺ کی بارگاہ تک ان کا وسیلہ حضرت صدیقِ اکبرؓ ہیں۔ جس قدر وسیلہ قوی ہوگا وصول کا راستہ اقرب ہوگا۔ اور قرب کی منزلیں جلد طے کر لی جائیں گی۔ اور جو اس سلسلے کے اکابر کی تحریر میں آیا ہے کہ ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے یہ درست ہے۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو نبی ﷺ سے نسبتِ اتحادی حاصل تھی، جسکی تفصیل درج ذیل ہے)۔

صدیقِ اکبرؓ کی نبی ﷺ سے نسبتِ اتحادی

سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو نبی ﷺ کے ساتھ ایک مقام حاصل تھا جسے معیتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے ارادے سے نبی ﷺ کی کامل اتباع فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبی ﷺ سے کمال طبعی مناسبت ومشابہت نصیب تھی۔ ان کی شخصیت میں، زندگی کے حالات میں، فکر میں، ان کے خدائی معاملے میں حتیٰ کہ ان کے اہل وعیال میں اور موت کے وقت کے حالات میں بھی نبی ﷺ سے ایک عجیب مشابہت نظر آتی ہے۔ اس معیت کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) غارِ حرا سے واپسی پر نبی ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے آپؐ کو کچھ خاص صفات گنوائیں اور فرمایا: "كَلَّا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِيْ الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ" اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایسے عمدہ اخلاق کے ہوتے ہوئے اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے۔

ادھر ابوبکر صدیقؓ کا معاملہ دیکھیے کہ جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا تو سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت

مانگی تو ان کی اس کی اجازت مل گئی، لیکن جب ہجرت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے تشریف لے جا رہے تھے تو رئیس مکہ ابن الدغنہ نے ان کو روکا اور روکنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: "اِنَّکَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْکَلَّ، وَتَقْرِی الضَّیْفَ، وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ" مقصد یہ تھا کہ آپ جیسے اچھے لوگوں کا مکہ مکرمہ میں ہونا بہت ضروری ہے، آپ شہر چھوڑ کر نہ جائیں۔ جو الفاظ حضرت خدیجہؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال فرمائے، وہی الفاظ ایک کافر سردار نے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے لئے استعمال کیے۔ اخلاق میں ایسی کمال مماثلت تھی۔

(۲)... قرآن پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: ﴿بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (التوبہ: ۲۸)

جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں فرمایا: "اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ" اور "اَرْاَفُ اُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ"۔

(۳)... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارے میں فرمایا: "اَنَا اَغْیَرُ وُلْدِ آدَمَ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ" "میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے"۔

اور ابن سعد نے لکھا: "کَانَ اَغْیَرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْبَکْرٍ" "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے زیادہ ایمانی غیرت صدیق اکبرؓ میں تھی۔

(۴)... قرآن پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ﴾ (یٰس: ۶۹)

اور ادھر سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ: ابوبکرؓ نے نہ جاہلیت کے زمانے میں کبھی شعر کہا نہ اسلام لانے کے بعد کبھی شعر کہا"۔

(۵)... شراب کی ممانعت سے پہلے جبکہ شراب کی عادت عرب میں بہت عام تھی، اس وقت بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگایا، اور تاریخ الخلفاء کے مطابق سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے بھی کبھی شراب نوشی نہیں کی۔

(۶)... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبعی صفائی پسندی اور طہارت پر اللہ رب العزت نے گواہی دی، فرمایا: ﴿وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ () وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ﴾ سیدنا صدیقِ اکبرؓ میں بھی یہی صفائی پسندی کی خوبی تھی۔ ہجرت کے موقع پر جب ام ایمن کی بکریوں کو دوہنے کا موقع آیا تو کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے اول تو بکری کے تھن کو دھو کر صاف کیا اور جب پیالہ بھر کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے لگے تو اسے کپڑے سے ڈھک دیا کہ مٹی یا کوئی اور شے اس میں نہ گرے۔

حالات میں مناسبت

(۷) حرم شریف کے اندر ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گلے میں عقبہ بن ابی معیط نے پھندا ڈالا ان کو اس سے چھڑایا گیا، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ پر بھی کافروں نے حملہ کیا اپنے نرغے میں لے لیا اور بالآخر انہیں اس نرغے سے چھڑایا گیا۔

(۸)... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے عمرؓ جیسے شیر مسلمان ہوئے، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی ترغیب سے حمزہؓ جیسے اللہ کے شیر مسلمان ہوئے۔

(۹)... جب قریش مکہ کے دباؤ میں آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ابوطالب نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ بھتیجے! مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جو میں نہ اٹھا سکوں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چچا! اگر یہ کفار میرے ایک ہاتھ پہ سورج اور ایک ہاتھ پہ چاند بھی رکھ دیں تو جو پیغام میں لے کر آیا ہوں

اسے پہنچانے سے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

یہی معاملہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے ساتھ پیش آیا کہ جب ابتدائے خلافت میں کچھ لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے اور مشکل وقت آ گیا تو حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے کہا کہ ان کے ساتھ اتنی سختی مت کریں۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے جواب دیا: "اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ" عمر تم جاہلیت میں اتنے بہادر تھے، اسلام لانے کے بعد اتنے کمزور ہو گئے؟ پھر فرمایا کہ وہ لشکر جسے نبی ﷺ نے بھیجا، میں اسے لازماً بھیجوں گا، اور مجھے اس کی پروا نہیں کہ جنگل کے درندے مسلمان عورتوں کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹیں۔ صحابی کہتے ہیں: "فَقَامَ مَقَامَ الْاَنْبِیَاءِ" کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے ایسی استقامت دکھائی جیسے کوئی نبی مقامِ نبوت پہ ہوتے ہوئے دکھاتا ہے۔

(۱۰) ....قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دو میں سے دوسرا کہا، فرمایا: ﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾

اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو نبی ﷺ نے اپنے مبارک ارشاد میں فرمایا: "یَا اَبَا بَکْرٍ مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا"

(۱۱) ....نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ "آپ غم نہ کریں"

نبی ﷺ نے بالکل یہی الفاظ سیدنا صدیقِ اکبرؓ سے کہے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ "آپ غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہیں"۔

(۱۲) ....اللہ تعالیٰ کی یہ معیت ایسی تھی کہ ہر دو حضرات کے ناموں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی نام کی معیت تھی۔ صحابہ کرام نبی ﷺ کو "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ" کہہ کر پکارتے تھے اور جب سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو بلاتے تھے تو نہ امیر المومنین کہتے تھے نہ ابوبکر بلکہ "یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" کہہ کر پکارتے تھے۔

(۱۳) ....چنانچہ ہجرت کے موقع پر قریشِ مکہ نے نبی ﷺ کو ڈھونڈنے والے کے لیے سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے ڈھونڈنے پر بھی سو اونٹوں کا ہی انعام مقرر کیا۔

سوچ میں مناسبت

(۱۴) ....بدر کے قیدیوں کے متعلق جب نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا تو کسی نے کوئی مشورہ دیا، کسی نے کوئی۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کیا جائے۔ نبی ﷺ نے ان کے مشورے کے اوپر اپنا فیصلہ فرمایا۔

(۱۵) ....صلح حدیبیہ میں عمرؓ بہت حیران تھے کہ ہم تو تب نہ ڈرے جب بدر میں صرف ۳۱۳ صحابی تھے، تو اب ہزاروں میں ہونے کے باوجود کیوں دب کہ صلح کر رہے ہیں۔ لیکن اگرچہ نبی ﷺ کے فیصلے پر باقی صحابہ کو کچھ شک ہوا، سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی رائے وہی تھی جو نبی ﷺ کی تھی۔

ہر کام میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ نبی ﷺ کی اتباع کرتے تھے

(۱۶) ....فدک ایک باغ تھا جس کی آمدنی نبی ﷺ بنو ہاشم کے جوان بچے بچیوں پہ خرچ فرماتے تھے۔ جب سیدنا صدیقِ اکبرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی اسی عمل کو جاری رکھا۔

(۱۷) ....بنو ثقیف ایک قبیلہ تھا جس کے لوگوں نے نبی ﷺ سے نماز کی چھوٹ مانگی، اور آپ ﷺ نے ان کے مطالبے کو رد فرمایا۔ جب

سیدنا صدیقِ اکبرؓ خلیفہ بنے تو کچھ لوگوں نے ان سے زکوٰۃ کی چھوٹ مانگی تو سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے انہیں یہ چھوٹ نہ دی۔

(۱۸) نبی ﷺ نے بنو قضاعہ کے ساتھ جہاد کیا، جسے غزوہ ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد جب وہ مرتد ہوگئے تو سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح جہاد کیا جیسے نبی ﷺ نے کیا تھا۔

(۱۹) نبی ﷺ کے زمانے میں حضرت عمرو بن العاصؓ امیرِ لشکر بن کر جاتے، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی پوری زندگی میں بھی وہی امیر لشکر بنتے۔

(۲۰) نو ہجری میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ امیرِ حج بن کر گئے، اور دس ہجری میں اللہ کے حبیب ﷺ امیرِ حج بن کر تشریف لے گئے۔

(۲۱) نبی ﷺ کے پاس حضرت حسنؓ آتے تو اللہ کے حبیب ﷺ ان کو کندھوں پر بٹھالیتے۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کسی گلی سے گزرے تو حضرت حسنؓ نظر آئے، تو آپ نے انہیں کندھوں پہ بٹھالیا۔

خاندان کے افراد میں بھی مشابہت تھی

(۲۲) چنانچہ نبی ﷺ کے داماد عثمانؓ اور علیؓ سابقون الاولون میں سے تھے۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے داماد زبیرؓ بھی سابقون الاولون میں سے تھے۔

(۲۳) نبی ﷺ کے داماد عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے ایک داماد بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

(۲۴) نبی ﷺ کے داماد مہاجرین میں سے تھے، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے داماد بھی مہاجرین میں سے تھے۔

(۲۵) نبی ﷺ کی صاحبزادی فاطمہؓ جنت میں عورتوں کی سردار اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(۲۶) نبی ﷺ کی بیٹی فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر میں تنگی تھی، خود چکی پیستی تھیں، جس سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی بیٹی اسماءؓ کے بھی گھر میں تنگی تھی، چکی پیستی تھیں، جس سے ان کے ہاتھوں میں بھی گٹے پڑ گئے تھے۔

نواسوں کے حالات میں بھی مشابہت تھی

(۲۷) نبی ﷺ کے نواسے حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے نواسے عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کیا۔

(۲۸) حسینؓ کو بھی شہید کیا گیا، اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی شہید کیا گیا۔

(۲۹) سیدنا حسینؓ کو شامیوں نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا، اور عبداللہ ابن زبیرؓ کو حجاج بن یوسف نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔

(۳۰) حسینؓ کی شہادت سے پہلے ان کے بھائی، بھتیجے، نیز خاندان کے سب مردوں کو شہید کر دیا گیا، پھر آخر میں ان کی باری آئی۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت سے پہلے ان کے قریبی رشتہ داروں کو شہید کیا گیا، آخر میں ان کی باری آئی۔

اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ بھی ایک جیسا ہوا

(۳۱)..... نبی علیہ السلام کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے "صَاحِبُکُمْ" کے لفظ سے اشارہ فرمایا۔ اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ میں ابوبکرؓ کی طرف "صَاحِبُکُمْ" کے لفظ سے اشارہ فرمایا۔

(۳۲) ..پھر ایسا بھی موقع آیا کہ چار رکعت نماز ہے، پہلی دو رکعت کے امام ابوبکر صدیقؓ ہیں، اور دوسری دو رکعت کے امام نبی علیہ السلام ہیں۔

(۳۳)..... نبی کو کفار نے مجنون کہا، قرآن گواہی دیتا ہے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (القلم ۵۲)
اور کتاب میں لکھا ہے کہ قریش مکہ نے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں کہا: "قَالُوْا هٰذَا اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ لَمَجْنُوْنٌ"۔

(۳۴)۔ طائف کے سفر سے واپسی پر مطعم بن عدی نامی ایک کافر نے نبی علیہ السلام کو پناہ دی۔ اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ ہجرتِ حبشہ کے لئے نکلے لیکن واپس ہوئے کہ ابن الی الدغنہ نے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو پناہ دی۔

(۳۵)۔ . نبی علیہ السلام نے فرمایا: "اَنَا اَتْقٰی وُلْدِ آدَمَ وَاَکْرَمُهُمْ عَلَی اللّٰهِ" "میں انسانوں میں سے سب سے زیادہ متقی اور مکرم ہوں، اور مجھے اس پہ کوئی فخر نہیں ہے۔" اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو اللہ تعالیٰ یہ لقب دے رہے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ (الیل۔۱۷)
اور مفسرین سب متفق ہیں کہ یہاں اتقیٰ سے مراد صدیقِ اکبرؓ ہیں۔ اور قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾ جو اتقیٰ ہے، وہی اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم ہے۔

(۳۶) ... اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾۔ جو بشارت ادھر وہی بشارت اُدھر۔

(۳۷) .. جنہوں نے نبی علیہ السلام کی اتباع کی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آل عمران ۳۱)
سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا: ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدہ ۵۴)

دنیا سے جانے کی جو کیفیت اور وقت ہے اس میں بھی مشابہت تھی

تو حالات کی دیکھیں تو اتنی مشابہت ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا سے جانے کی جو کیفیت اور وقت ہے جس میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا اس میں بھی مشابہت ہے۔

(۳۸) .... نبی علیہ السلام کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی، اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی عمر بھی ان کی وفات کے وقت ۶۳ سال تھی۔

(۳۹) .... نبی علیہ السلام کی وفات زہر کے اثر سے ہوئی، اور یہی وجہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی وفات کی بھی بنی۔

(۴۰)۔ ....جس حجرے میں نبی علیہ السلام مدفون ہوئے، وہی حجرہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا بھی مدفن بنا۔ اس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے نبی علیہ السلام کے جسم اطہر کو بنایا تھا، بنانے کے بعد وہ مٹی بچ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیقِ اکبرؓ

کو بنایا اوران کو بنانے کے بعد پھر کچھ مٹی بچ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس مٹی کو حضرت عمرؓ کے خمیر میں شامل فرمایا، اسی لئے تینوں مٹیاں ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں۔

ہم خانۂ رسول ﷺ

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں ایک عجیب بات فرماتے ہیں، فرمایا کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو کیونکہ دنیا میں نبی ﷺ سے معیت کبریٰ حاصل تھی اس لئے آخرت میں بھی جدائی نہیں ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ "ہم خانہ رسول ﷺ" ہوں گے۔ یعنی نبی ﷺ کا مکان اور سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا مکان ایک ہی ہوگا لیکن دو منزلہ ہوگا۔ نیچے والی منزل میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ اور اوپر والی منزل میں نبی ﷺ ہوں گے۔ یہ معیت اتنی کامل تھی اور اس کاملِ معیت کی وجہ سے کمالاتِ نبوت والے علوم سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے کمال درجے میں نبی ﷺ سے حاصل کیے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاریؒ پر نسبتِ نقشبندیہ کا ظہور

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخارہ کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کے بہت مقبول بندے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اوپر قبض کی کیفیت طار ہو گئی۔

☆......قبض اور بسط کا معنیٰ:

اللہ تعالیٰ کے دو اسماء ہیں، القابض، اور الباسط۔ کبھی اِس کی تجلی پڑتی ہے۔ تو قبض کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اُس کی تجلی پڑتی ہے تو بسط کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (البقرة ۲۴۵)

تو اللہ تعالیٰ سالک کی تربیت دونوں طرح سے فرماتے ہیں کبھی اِس کیفیت میں ڈالتے ہیں کبھی اُس میں مقصود یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر بسط کی کیفیت میں ڈالوں تو شکر کرتا ہے یا نہیں، اور قبض کی کیفیت میں ڈالوں تو صبر کرتا ہے یا نہیں۔ دونوں میں آزمائش ہوتی ہے۔ لیکن قبض کی کیفیت میں جمے رہنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاریؒ پر چھ مہینے قبض کی کیفیت رہی۔ حتیٰ کہ انہوں نے محسوس کیا کہ شاید میرے لئے اب آگے کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ تو اس کیفیت میں وہ اٹھے اور سوچا کہ چلتا ہوں اور بیوی بچوں کے لئے جا کر کچھ کماتا ہوں فاقے میں تو نہ رہیں۔ راستے میں ایک مسجد تھی تو وہاں پر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ تھا "اے دوست ادھر آ کہ میں تیرا ہوں، بیگانہ مت بن، تو دور کہاں جا رہا ہے؟" بس اس شعر کو پڑھا تو طبیعت دوبارہ کھل گئی اور پھر مسجد میں آ گئے۔ جب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کی کیفیت دوبارہ بسط والی ہوئی تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ عام طور پہ دیکھا گیا ہے کہ ماں جب بھی بچے کو تھپڑ لگائے تو تھوڑی دیر بعد اسی کو مٹھائی بھی دے رہی ہوتی ہے۔ جتنی سختی ہو پھر اس پر عنایات بھی اس سے زیادہ ہوتی ہیں۔ تو اس وقت ربِ کریم نے الہام فرمایا کہ اے میرے بندے! مانگ مجھ سے کیا مانگتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ایسی نسبت عطا فرما دیجئے جو سب سے اَقرب ہو (سب سے

قریب آپ تک پہنچانے والی ہو) اور سب سے آسان ہو۔ تو ان کی اس دعا کی قبولیت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نسبتِ نقشبندیہ کو ان پر ظاہر فرمادیا۔ یہ صدیق اکبرؓ کے زمانے سے چلی تو آ رہی تھی، لیکن حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کے سامنے اس کے علوم و معارف اب کھل گئے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تبلیغ کا کام تو شروع سے چلا آ رہا تھا۔ لیکن اس دور میں اللہ نے چاہا تو حضرت مولانا الیاسؒ پر اس کی تفصیلات کو کھول دیا، اور ان کو ذریعہ بنادیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ پر عنایت کی نظر فرمائی۔ اور بادشاہ جب عنایت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو غلاموں کے مزے ہوتے ہیں۔ کتنوں کی گردنیں آزاد ہوجاتی ہیں۔ تو ان کی اس دعا پر کہ اے اللہ! ایسی نسبت دیجئے کہ آپ تک پہنچنا بہت آسان ہوجائے۔ تو ربّ کریم نے یہ نسبت عطا فرمادی۔

☆......حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ مراد ہیں

چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ فرمایا کرتے تھے: ''ما مرادیم''۔ ان کی زبان فارسی زبان تھی، اس کا مطلب ہے کہ ''میں مراد ہوں''

☆......مرید اور مراد میں فرق:

ایک ہوتا ہے مرید اور ایک ہوتا ہے مراد۔ دونوں میں فرق ہے۔ فرض کریں ایک بندہ آپ سے بازار میں ملتا ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ گھر کا پتہ بتادیتے ہیں کہ بھئی شام کو ملنے کے لئے آنا۔ اور ایک آپ کو بچپن کا کوئی دوست کوئی کلاس فیلو (ہم جماعت) اچانک کئی سالوں کے بعد مل گیا تو اسے آپ گلے ملتے ہیں اور ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ یار میرے ساتھ چلو میرے گھر۔ اب اس کو تو گھر میں ہاتھ پکڑ کے لا رہے ہیں، اور دوسرے بندے کو پتہ بتا رہے ہیں کہ پہنچ جانا۔ اس لئے کہ یہ مراد تھا اور وہ مرید۔

قرآن مجید سے اس کی مثال سمجھنی ہو تو وہ یہ کہ اللہ ربّ العزت جب اپنے محبوب کو لے کر معراج گئے تو کیا فرمایا؟ ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی﴾ (الاسریٰ ۱) ''پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف'' تو اللہ اپنے محبوب کو لے گئے معراج کے لئے۔ یہ مراد کے ساتھ معاملہ تھا۔ اور جہاں مرید کا معاملہ تھا۔ فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰی لِمِیۡقَاتِنَا﴾ ''جب آئے موسیٰ ہمارے ملاقات کو'' تو دیکھا کہ وہ (موسیٰ) مرید والا معاملہ ہے، اور یہاں (نبی کریم ﷺ) مراد والا معاملہ ہے۔ اب دیکھئے کہ حضرت موسیٰ کو مانگنا پڑا: ﴿قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ (25) وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ﴾ (طٰہٰ ۲۶-۲۵) تو شرح صدر کی دعا مانگی پڑی، جبکہ نبی ﷺ کو دعا مانگنی نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ﴾ (الانشراح ۱)

تو مرید اور مراد کا معاملہ الگ الگ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ فرماتے تھے: ''ما مرادیم'' میں مراد ہوں۔ اللہ کی رحمت کی نظر مجھ پر پڑی اور اللہ نے کہا: مانگو! تو میں نے طریقہ مانگا اور مجھے مل گیا۔ یہ بھی فرماتے تھے: ''ما فضلیانیم'' میں فضلی ہوں۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے۔

☆......خوشخبری طریقہ نقشبندیہ میں محرومی نہیں:

چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی نے ایک خوشخبری دی۔ بہت بزرگوں نے اپنے اپنے دور میں خوشخبریاں دی ہیں۔ اور یہ جائز ہوتی

ہیں۔اس کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے۔اللہ تعالی اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے سے خوشخبری دلوار ہے ہیں۔فرمایا کہ ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران:۳۱) آپ کہہ دیجیئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرتے گا'' یہ خوشخبری ہے کہ: ''میرے محبوب ان کو فرمادیجئے کہ اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالی تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔

اسی طرح کی خوشخبری حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ نے بھی دی۔فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے ایسی نسبت دی ہے کہ ''در طریق ما محرومی نیست'' ''میرے اس طریق میں محرومی نہیں ہے'' جو بندہ بھی آ گیا اخلاص کے ساتھ، منزل پہ پہنچ کر رہے گا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ ٹھوکریں کھاتا پھرے اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے۔

☆ اس کو حضرت خواجہ معصومؒ نے مزید کھولا۔چنانچہ فرماتے تھے: ''ہمارے اس طریقہ میں سالک کی سستی کے سوا اور کوئی دوسری چیز رکاٹ نہیں ہے''۔

بھئی! ایک بندہ خود ہی عمل نہ کرے، اوراد وظائف نہ کرے تو کسی کا کیا قصور۔تو اپنی سستی کے سوا اور کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔جو سستی چھوڑ کر معمولات کرتا رہے گا۔اس کو نسبت کا نور پہنچ کر رہے گا۔

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''میں نے کشف میں نسبتِ نقشبندیہ کے نور کو دیکھا تو مجھے ایک بحرِ محیط، ایک سمندر کی طرح نور نظر آیا۔

☆ شاہ عبدالعزیزؒ کے والد نقشبندی تھے۔وہ فرماتے تھے: ''ایں نسبتِ نقشبندیہ بے نمک است''۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب انسان اللہ تعالی سے واصل ہوتا ہے، تو ایک ایسا مقام آتا ہے کہ سب حلاوتیں اور لذتیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔وہ بے رنگ سی کیفیت ہوتی ہے، اسے کوئی رنگ بھی نہیں دے سکتے۔اس کیفیت کو انہوں نے بے نمک کہا۔

☆ ... اندراج النہایت فی البدایت:

ایک اور عجیب بات فرماتے تھے: فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں: ''اندراج النہایت فی البدایت ہے''

اللہ تعالی نے آخر کو ابتدا میں ڈال دیا ہے، نہایت کو بدایت میں مندرج کر دیا۔اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے سلسلوں کے لوگ محنت کر کے آخر میں جو کماتے تھے، وہ سب کچھ اس سالک کو پہلے قدم پہ مل جاتا ہے۔نہیں! بلکہ اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دوسرے سلاسل میں ذکر لسانی سے کام شروع کرتے ہیں، تسبیحات سے تہلیل سے، اور کرتے کرتے آخر میں ان کے ہاں قلب کے مراقبے ہوتے ہیں۔جیسا کہ چشتیہ سلسلے میں آخر میں مراقبے ہوتے ہیں۔اور ہمارے ہاں مراقبہ پہلا قدم ہے۔

تو مقصد یہ تھا کہ جو اسباق کا طریقہ وہاں آخر پر جا کر ہوتا ہے وہ یہاں پر ابتداء میں ہو جاتا ہے۔اسی لئے اس مراقبے کی وجہ سے سالک کو تھوڑے دن میں ایک ایسی لذت ملتی ہے کہ اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔

اندراج النہایت فی البدایت کی تفصیل میں حضرت مجددؒ کے اقوال

اس اندراج النہایت فی البدایت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بہت سارے اقوال ہیں:

☆ . . مکتوبات مجددیہ کے دفتر دوم، مکتوب نمبر۴۴ میں فرماتے ہیں: ''دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ اسرارھم ان بزرگوں کے قول'' اندراج النہایت فی البدایت '' سے شبہ میں پڑ گئے ہیں اور اس بات کی حقیقت میں تردد رکھتے ہیں اور اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ اس طریق کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو۔ تعجب ہے کہ اس طریقے کے مبتدی کو دوسرے طریقے کے منتہی کے برابر انہوں نے کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان بزرگوں سے'' اندراج النہایت فی البدایت '' کے علاوہ اور کچھ وارد نہیں ہوا اور یہ عبارت ان کی برابری پر دلالت نہیں کرتی (بلکہ صرف اتنا ہے کہ جو اخیر میں ان کے اسباق کے طریقہ کار ہیں وہ اس سلسلے کے سالک کا ابتداء میں ہی دے دئے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارا کام ہی ذکرِ قلبی سے شروع ہوتا ہے)''

مزید فرماتے ہیں: ''اس عبارت کا (دوسرا) مقصود یہ ہے کہ اس طریقے میں شیخ منتہی اپنی توجہ اور تصرف سے نہایت کی دولت کی چاشنی بطور انعکاس مبتدی رشید کو عطا فرما دیتا ہے اور اسکی کی بدایت ہی میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ برابری کہاں ہے اور شبہ کا کیا مقام ہے اور اس حقیقت میں تردد کی کیا گنجائش ہے، اور یہ اندراج ایک بڑی دولت ہے۔ اس سلسلے کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا لیکن نہایت کی دولت بے نصیب بھی نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس مبتدی کو وصول کے طریقوں کے طے کرنے کی فرصت اور ان منازل کو قطع کرنے کی مہلت نہ دیں تو بھی وہ نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رہے گا۔ اور وہ نمک کا ایک ذرّہ اس کی کلیت کو ملیح و نمکین بنا دے گا۔ بخلاف دوسرے طریق والے مبتدیوں کے کہ وہ نہایت سے بہت دور ہیں اور منزل کے قطع کرنے اور مسافت کو طے کرنے میں زیر بار ہیں۔ افسوس، ہزار افسوس! اگر ان کو اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافت کو طے کرنے ان کے حق میں تجویز نہ کریں (تو نہایت افسوس ہے) ۔ اور جب اس طریقے کے مبتدی اور دوسرے طریقے کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے اربابِ بدایت پر واضح ہو گئی تو جاننا چاہئے کہ اس طریقے کے منتہیوں پر اسی قدر ثابت ہے، بلکہ اس طریقہ عالیہ کی نہایت دوسرے تمام طریقوں کے مشائخ کی نہایت سے وراء الوراء ہے۔ میری اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں، اگر انصاف سے کام لیں تو شائد یقین کر لیں کہ وہ نہایت جس کی بدایت میں نہایت کی آمیزش ہو دوسروں کی نہایت سے ضرور امتیاز رکھتی ہو گی اور ناچار وہ ان نہایتوں کی نہایت ہو گی۔ سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے، بہار گر اچھی ہے)۔

دوسرے سلسلوں کے لوگوں کی ایک جماعت ہم سے کہتی ہے کہ ہماری نہایت وصول بحق سبحانہ ہے، تم اس کو اپنی بدایت کہتے ہو، لہذا حق سے آگے کہاں جاؤ گے اور حق سے آگے تمہاری کیا ہو گی؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جلّ سلطانہ کی طرف جاتے ہیں اور ظلّیت کے شائبہ سے بھاگ کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں اور تجلیات سے اعراض کر کے متجلی کو تلاش کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں کے باطن میں ڈھونڈتے ہیں''۔

☆ ......تجلی ذاتی دائمی نصیب ہونا:

آگے فرماتے ہیں کہ دوسرے سلاسل میں اسمائے صفات کے ذکر ہیں، جیسے یا حی یا قیوم، جبکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں۔ اب اصول سمجھیں کہ انسان کثرت سے جو عمل کرتا ہے اس کا اثر جیسے اندر ہوتا ہے، باہر بھی وہی نظر آتا ہے۔ امام ربی مجدد الف ثانی

فرماتے ہیں کہ جس بندے نے ہمیشہ اسماء کا ذکر کیا ہو، تو جب اس بندے کے باطن کی نظر سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے، تو جو اس کے اندر ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے۔ کیونکہ اندر اسماء ہیں اس لئے ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی سامنے آتی ہے، پھر اس کے اوپر اسما کے پردے آجاتے ہیں۔ کیونکہ جو اندر تھا وہی باہر نظر آئے گا۔ یہ تو ایک دستور سمجھ آنے والا ہے۔ لیکن ہمارے سلسلے میں چونکہ سبق صرف اللہ کے نام ہے اور سالک صرف اسمِ ذات کا ذکر کر رہا ہوتا ہے، لہٰذا جب وہ مقام فنا پر پہنچتا ہے، تو ذات باری تعالیٰ کی تجلی ہمیشہ اس کے سامنے جلوگر ہوتی ہے، اسماء کے پردے نہیں ہوتے۔ تو اس کا نام انہوں نے رکھا ''تجلی ذاتی دائمی''۔ پس دوسرے سالکین کو تجلی ذاتی برقی ملتی ہے، یعنی ذات کی تجلی آشکارا ہوتی ہے مگر برق کی مانند لمحے کیلئے ہوتی ہے پھر اس پر صفات کے پردے آجاتے ہیں۔ چونکہ اسماء وصفات کا ذکر کیا ہوا تھا اس لئے وہی پردے سامنے آجائیں گے۔ اور چونکہ یہاں ذات کا ذکر رہا اس لئے ہمیشہ ذات کی تجلی جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں تجلی ذاتی دائمی نصیب ہونا۔

ایک دلہن کسی کو پردہ ہٹا کر چہرہ دکھائے اور پھر پردہ کر لے، جبکہ کسی دوسرے کے سامنے پردہ ہی اٹھا کر رکھ دے، تو دونوں میں فرق تو ہے۔ تو یہ بھی اس سلسلے کی ایک خصوصیت ہے کہ اسمِ ذات کی برکت کی وجہ سے جب تجلی نصیب ہوتی ہے، تو سالک کو تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ختم ہے'' لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ '' اس میں آگے انہوں نے صفات کے نام نہیں شامل کیے ''اَلْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' وہ صفاتی نام آجاتے ہیں۔ اتنا اسمِ ذات کے اوپر دہ جمے رہے۔

☆ اس تجلی ذاتی دائمی کے بارے میں مکتوبات مجددیہ، دفتر اول، مکتوب ۲۱ میں لکھا ہے: ''اور یہ تجلی ذاتی اکثر مشائخ کے نزدیک برقی ہے (یعنی برقی رح آتی ہے اور پھر صفات کے پردے ڈل جاتے ہیں) یعنی حضرت ذاتِ حق جل سلطانہ کی بارگاہ سے تمام حجابات کا دور ہو جانا برق کی مانند تھوڑے سے وقت کے لئے ہوتا ہے، پھر اسماء وصفات کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور ذات تعالیٰ وتقدس کے انوار کی شعائیں اور دبدبے ان پردوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں۔ پس حضورِ ذاتی برقی کی مانند ایک لمحے کے لئے ہوتا ہے اور غیبتِ ذاتی بہت دیر رہتی ہے۔ اور اکابر نقشبندیہؒ کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے اور ان بزرگوں کے نزدیک زائل ہو جانے والے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں۔ لہٰذا ان اکابر کا کمال تمام کمالات سے بالاتر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ ان بزرگوں کی عبارتوں میں یہ جملہ آیا ہے''اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِیْعِ النِّسَبِ'' یعنی ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے (یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ ہمارے نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، تو یہ نہ سمجھ لیں کہ اور سلاسل کے بزرگ سب نیچے اور یہ سب اوپر ہیں۔ ان سلاسل کے بزرگوں کو بھی بعض دفعہ یہی نسبت ملتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بات آگے لکھی ہے)۔

''ہاں دوسرے سلسلوں کے کامل مشائخ میں سے بعض حضرات کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن یہ حصول بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی ولایت ہی سے مقتبس ہے جیسا کہ شیخ ابوسعید خراز قدس سرہ نے اس حدیث یعنی تجلی ذاتی دائمی کے دوام کی خبر دی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جبہ شیخ ابوسعیدؒ مذکور تک پہنچا ہے جیسا کہ صاحب نفحات نے نقل کیا ہے (تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے سلاسل کے جو کاملین ہیں ان کو بھی یہ نسبت منتقل ہوتی ہے لیکن ہوتی صدیق اکبرؓ ہی سے۔ نسبت وہی ہے، صدیق اکبرؓ والی۔ تو کاملین کسی بھی سلسلے کے ہوں، ان کو کامل نسبت

حاصل ہوتی ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے کہ دیکھو یہ کیسی نسبت ہے، جو صدیق اکبرؓ سے منتقل ہو کرامت میں آگے چل رہی ہے۔ چنانچہ "اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِیْعِ النِّسَبِ" اس کے متعلق بھی انہوں نے بہت لکھا ہے)"

☆... مکتوبات مجددیہ کے دفتر اول کے مکتوب نمبر ۶ میں فرماتے ہیں: "جب بہت سی صدیاں گزرنے کے بعد اس سلسلہ عالیہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو اس نسبت کے ساتھ شرف بخشتے ہیں (یہ جو خاص نسبت ہے) تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے۔ یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی نسبت ہے اور اس نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے حضرت خواجہ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی قدس سرہم اور آپ کے خلفاء میں سے خواجہ علاؤالدینؒ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے (یہ جو عبارت ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے زیادہ بلند ہے)"۔

☆......سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا مقام:

دوسری جگہ، مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ میں عجیب بات لکھتے ہیں۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بات ہے غور کریں، "جاننا چاہئے کہ وہ طریقہ جو "اَقرَب" بہت قریب والا "اَسبق" جلد پہنچانے والا "اَسلم" تسلیم شدہ "اَحکم" سب پر غالب "اَصدق" سب سے زیادہ مضبوط "اَدَلّ" زیادہ رہنمائی والا "اَعلیٰ" سب سے بلند "اَجَلّ" زیادہ بزرگی والا "اَرفَع" سب سے زیادہ بلند والا "اَکمل" زیادہ کامل اور مکمل ہے وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے (یہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا! ان الفاظ کو پڑھ کر بندہ حیران ہو جاتا ہے)۔ اس طریقے کی یہ تمام بزرگی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ علوِ شان، روشن سنت کی متابعت کو لازم جاننے اور ناپسندیدہ بدعتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ اصحاب کرام کی طرح ان کے کام کی ابتداء ہی میں انتہا مندرج ہوگئی۔"

☆... اب دفتر اول کے مکتوب ۲۶۱ میں بات کو ذرا اور کھولتے ہیں۔ تصوف میں کچھ لوگ درمیان میں سماع اور اس طرح کی چیزوں کے بھی قائل تھے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں، ذرا بات کو سینے کسی بات کہی ہے، واقعی اس کلام سے لگتا ہے کہ اللہ نے ان سے تجدید کا کام لیا۔ "اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوص کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انہوں نے اپنے امراض کا علاج دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل دوسری چیزوں پر وابستہ جانا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس وصول الی اللہ کی بنیاد نماز کے علاوہ اور چیزوں (عبادات) پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا (بعض ایسے بھی صوفیا گزرے ہیں جو بھٹک گئے اور کہتے تھے کہ روزہ نماز سے افضل ہے)۔ مثلاً صاحب فتوحات مکیہ کہتے ہیں کہ "روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک ہے وہ صفتِ صمدیت سے متحقق ہونا ہے اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا اور عابد اور معبود کا جاننا ہے" (تو صاحبِ فتوحات مکیہ کے نزدیک روزہ گویا افضل ہے)۔ اس قسم کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے ہیں..... بلکہ اس طائفہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب اور بیقراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا، اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا، حالانکہ انہوں نے سنا ہوگا: "مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً" (آگے ایک عجیب فقرہ لکھتے ہیں)۔ اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔ (کیا عجیب بات لکھی

ہے، کہ جو لوگ اس طرح کی چیزوں کے پیچھے پڑے ہیں اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع ونغمہ کے پیچھے نہ پڑتے اور اس کا دم نہ بھرتے)......اے بھائی! جس قدر فرق نماز ونغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے۔ عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔'' (سبحان اللہ)

☆ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۸۱ میں فرماتے ہیں: ''اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں کے سات قدموں سے بہتر ہے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے جو اس طریقہ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے (وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے پاس دو طرح کے کمالات تھے، ایک کو کمالاتِ ولایت کہتے ہیں اور دوسرے کو کمالاتِ نبوت کہتے ہیں۔ یعنی ہر نبی علیہ السلام نبی بھی ہوتے ہیں، ولی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دونوں کمالات ہوتے ہیں۔ کمالاتِ ولایت نبی علیہ السلام سے اس امت میں سب سے زیادہ حضرت علیؓ نے حاصل کیے۔ اسی لیے ان سے آگے تین سلسلے چلے ہیں اور نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''انا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا جبکہ نبی علیہ السلام سے نسبتِ اتحاد کی وجہ سے کمالاتِ نبوت سب سے زیادہ صدیق اکبرؓ نے حاصل کیے۔ اور ان کمالات نبوت کی وجہ سے یہ نسبت فائق ہو جاتی ہے دوسری نسبتوں سے)۔''

☆ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرماتے ہیں: ''اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے (یعنی سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد اندراج النہایت فی البدایت ہے) اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور قسم قسم کے محل بنائے گئے ہیں، اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لاکر زمینِ ہند میں بویا گیا جس کا خمیر، مدینہ طیبہ، اور مکہ معظمہ، کی خاک سے تیار گیا [فضل] کے پانی سے سالہا سال اس کو سیراب کیا گیا اور [احسان] کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی، جب وہ کھیتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم ومعارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا (یہ نسبتِ نقشبندیہ کے بارے میں فرمایا ہے، الحمد لله لذلک)۔

☆ دفتر دوم، مکتوب ۸۳ میں ایک اور عجیب بات کہی، کہ یہ نسبت اتنی قوی ہے کہ جو بندہ فنا تک اپنا کام پہنچادے، یعنی جس کو فنائے قلب حاصل ہو جائے، اس کو عدم غفلت نصیب ہو جاتی ہے۔ ذرا سنیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ: ''بالفرض اگر کسی طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے اور ماسوائے حق سبحانہ اس کے دل میں کسی اور چیز کا گزر نہ ہو تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسویٰ سے حاصل ہوا ہے اگر تکلف اور تعمل سے اس کو یاد دلائیں تو بھی یاد نہ آئے (مقصد ان کا یہ ہے کہ جس شخص کو بھی فنائے قلبی کا مقام حاصل ہوتا ہے اس کو ایک ہزار سال کی عمر دیں اور اس کو کہیں کہ تو غیر کو یاد کر، وہ غیر کو یاد نہیں کر سکتا، اللہ کی یاد اتنی اس کے دل میں اس قدر پیوست ہو جاتی ہے کہ بھلانا بھی چاہو بھلا نہ سکو گے۔ ہزار سال بھلانے کی کوشش کرے وہ رب کو بھول ہی نہیں سکتا۔ سبحان اللہ، یہ مقام حاصل کرنا چاہئے کہ انسان اللہ کو بھولنا بھی چاہے تو نہیں بھول سکتا۔ سبحان الله)

فرماتے ہیں: جو بندہ اپنے مالک کی معرفت نہیں رکھتا اور اس کو نہیں پہچانتا، تعجب ہے کہ وہ کس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے، اور کس چیز کے ساتھ مانوس اور محبت کرنے والا ہے۔ عالم مجاز میں جو نوکر اپنے مالک کے ساتھ معرفت اور راہِ سخن نہیں رکھتا، وہ کسی شمار میں نہیں ہوتا، ہر اعتبار سے گرا ہوتا ہے (تو اگر ہم اپنے اللہ کے ساتھ تعلق نہیں جوڑیں گے تو ہم بھی تو اسی نوکر کی طرح ہو جائیں گے۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ کوشش

کر کے اس نسبت کو حاصل کریں، تاکہ اللہ رب العزت ہمارے اندر سے غفلت کو ختم کردے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں نبی ﷺ کی سنت پر کامل عمل عطا فرمادے۔''

☆.. مکتوبات مجددیہ دفتر اول کے مکتوب ۲۷۸ میں لکھا ہے: ''اور اس دولتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اسرارھم ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے اپنی سیر کی ابتدا عالم امر سے کی ہے اور قلب سے مقلّب قلب (قلب کے پھیرنے والے) کی طرف لے گئے ہیں اور انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندیہ قدس سرہ فرماتے ہیں، ''طریق ما اقرب طریق است' 'اما التزام سنت کار مشکل است''، یعنی ہمارا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے، لیکن سنت کا التزام کرنا بہت مشکل کام ہے (یعنی اس نسبت کی فوقیت اسی لئے ہے کہ سالک کو یہ کہتے ہیں کہ تم ہر کام سنت کے مطابق کرو۔ چونکہ اس میں سنت کی بہت پابندی کرواتے ہیں اس لئے اس نسبت کو پھر اللہ کی طرف سے ایک فضیلت حاصل ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ نقشبند کی نسبت کا یہ نور عطا فرمائیں، تاکہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے کچھ ایسے بھی دن گزاریں کہ جس میں ماسوا کا خیال ذہن میں نہ آئے۔ ایک اللہ کی یاد ہو اور اسی میں انسان ڈوب کے زندگی گزار رہا ہو۔ جہاز زندگی کی اور تمنائیں ہیں وہاں ایک تمنا تو یہ بھی ہونی چاہئے۔

تیرے دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی   مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری   میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے

اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے آرزو بدل جائے اور ہم اللہ کے وصل کو اپنی آرزو بنالیں۔ آمین۔ (معارف السلوک ۲۱ تا ۵۰)

☆......شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ احمد نخعیؒ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انفاس العارفین میں شیخ احمد نخعی کا واقعہ درج کیا ہے کہ شیخ احمد نخعی فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتیؒ نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نمازِ تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریقہ ہے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جائیں۔ اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا۔ کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا۔ اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی۔ اسی تردد کے عالم میں نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضۂ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرور عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی گویا در زیارت عثمانیہ با خلفاء اربعہ حاضر اند بآں جانب مبادرت کردم و بہ تقبیل ید شریفہ وایدی خلفاء کرام بہ ترتیب مشغول شدم'' میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں۔ میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دستِ مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزارِ مقدس کے سرہانے صفِ اول کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا: یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف ہے۔ اور آپ نے

اس طریقہ کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ (انفاس العارفین فارسی ۱۹۲، ورثمین :۱۱)

اصلاح وتربیت کیلئے شیخ کامل کی ضرورت

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے متعدد طریقے ہیں، لیکن سب سے زیادہ قریب اور آسان طریقہ توسل شیخ ہے۔ کیونکہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسانیت کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے کتاب اللہ اور رجال اللہ کو ذریعہ بنایا۔ کئی مرتبہ ایسا تو ہوا کہ اللہ تعالی نے نبی کو مبعوث فرمایا مگر کتاب نہیں بھیجی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب بھیج دی ہو مگر نبی کو نہ بھجا گیا ہو۔ اس سے رجال اللہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ مزید برآں کبھی کسی قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا جب تک کہ اتمام حجت کے لئے نبی کو نہ بھیجا گیا ہو۔ فرمان الٰہی ہے:﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾(بنی اسرائیل:۱۵) ''اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔''

یہ اس لئے کہ ہر انسان کو اپنی تربیت کے لئے مربی اور تزکیہ کے لئے مزکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تصوف وسلوک:۳۵)

دلائل سے پہلے حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ کے ضرورت مرشد کے بارے میں دو مثالیں پیش کئے جاتے ہیں۔

☆ حضرت مولانا حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا: کہ اصلاح اور تربیت کا باب بڑا ہی نازک اور باریک مسئلہ ہے اس کیلئے ماہر فن کی ضرورت ہے۔ بدون ماہر فن کے طالب ہزاروں فضولیات کا شکار بنا رہتا ہے نہ راہ پا تا ہے اور نہ مطلوب اور مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ غیر مطلوب، غیر مقصود میں ساری ساری عمریں خراب اور برباد ہو جاتی ہیں اور حقیقت کا پتہ تک نہیں چلتا۔ غرض شیخ کامل کے سر پر ہونے کی ضرورت ہے وہ اس راہ کا واقف ہوتا ہے۔ وہ ہر شخص کی حالت کے مطابق تعلیم کرتا ہے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا کیونکہ ہر ایک کی طلب جدا۔ مذاق جدا، قوت جدا، فہم جدا، عقل جدا، غرض ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ ہوتا ہے۔

☆......مثال: ایک شخص نے ایک مولوی صاحب سے وعظ میں سنا کہ قبر میں اس طرح عذاب ہوتا ہے اس طرح دو فرشتے منکر نکیر سوال کرتے ہیں اس کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہئے ایک روز یہ شخص قبرستان میں پہنچا اور ایک شکستہ قبر میں چادر اوڑھ کر لیٹ گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اتفاق سے ایک سپاہی کا اس قبرستان کے پاس سے گزر ہوا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ یہاں پہنچ کر گھوڑی کے بچہ پیدا ہو گیا۔ اب سپاہی پریشان تھا کہ گھوڑی کا بچہ گاؤں تک کس طرح لے جاؤں۔ ادھر ادھر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ایک قبر میں سے کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی اور سانس کی بھی آواز معلوم ہوئی۔ سپاہی لوگ ڈرتے کم ہیں قبر کے پاس کا جا کر دیکھا تو ایک شخص چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کون لیٹا ہے۔ باہر نکل باہر آ۔ اس سپاہی نے ایک چابک اس کے رسید کیا اور کہا کہ یہ گھوڑی کا بچہ گردن پر رکھ اور گاؤں تک پہنچا گھوڑی کا بچہ لاد کر گاؤں تک لے گیا اس سپاہی نے غریب سمجھ کر کر دو آنہ پیسے دے دیئے۔ اپنے گھر آیا اور مولوی صاحب کے پاس پہنچا سلام کے بعد کہا کہ مولوی جی تم نے چھوٹی سی بات کو اس قدر طول دے دیا۔ میں آج ہی امتحان کر کے آ رہا ہوں۔ میں قبرستان میں پہنچا اور ایک قبر میں لیٹ گیا وہاں فرشتے وہ غیرہ کچھ بھی نہیں آئے۔ مزاحاً فرمایا کہ نہ منکر آئے نہ معروف۔ نہ سوال نہ جواب۔ نہ دوزخ کی کھڑکی نہ جنت کی نہ سانپ نہ بچھو۔ صرف ایک بہت ہی ہلکا سا قصہ ہوا وہ یہ کہ ایک سپاہی آتا ہے وہ ایک ڈانٹ دیتا ہے پھر باہر نکلنے کو کہتا ہے باہر آ جانے پر ایک

چابک مارتا ہے گو اس سے تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ قابل تحمل ہے۔ آدمی برداشت کرسکتا ہے۔ پھر ایک گھوڑی کے بچے کو گردن پر رکھوا کر گاؤں تک لے جاتا ہے اور دو آنہ پیسے دیتا ہے۔ بس اتنا واقعہ ہے جس کو تم نے اس قدر بڑھا رکھا اور لوگوں کو ڈرا رکھا ہے پھر تفریحاً فرمایا کہ یہ تو ایک ہنسی کی حکایت ہے لیکن اس کی ایک نظیر ہے وہ یہ کہ جیسے اس شخص نے عذاب قبر اور سوال و جواب کی تفسیر سمجھی۔ ایسے ہی آج کل کے عقلاء قرآن کو اپنے زمانہ کے واقعات سے منطبق کر کے قرآن حدیث کی تفسیر کرتے ہیں جس کی حقیقت اس سے کم نہیں جیسا اس شخص نے قبر کے معائنہ کو سمجھا (ملفوظات: جلد ۸، بحوالہ ضرورت مرشد: ۱/ ۴۵۔۴۶)

کتاب اور صحبت کا اثر اور فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تصوف کتابوں سے سیکھ لیتے ہیں ہمیں شیخ کی ضرورت نہیں ہے۔ تو جناب محض کتابوں میں کیا رکھا ہے نری کتاب بینی کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک مولوی صاحب عظیم آباد پٹنہ کے حج کو آئے تھے۔ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں حجاج کے لئے ہدایات تھیں اسے دیکھ دیکھ کر سارے کام کرتے تھے وہاں ایک شخص تھا جعفر آفندی۔ آگرہ کا رہنے والا تھا۔ اسے ہندوستانی سے بہت محبت تھی جس ہندوستانی کو دیکھا اس سے ملتا۔ چنانچہ ان مولوی صاحب سے بھی ملا۔ علیک وسلیک کی۔ مولوی صاحب نے اس کتاب میں کہیں یہ لکھا دیکھا تھا کہ زرا مانگنے والوں سے بچے رہنا۔ بہت لوگ جبہ قبہ پہنے ہوئے پھرتے ہیں مگر ہوتے ہیں سائل۔ بڑے بڑے شاندار لوگ گداگری کا پیشہ کرتے ہیں مولوی صاحب کو بدگمانی ہوئی کہ یہ بھی کوئی سائل معلوم ہوتا ہے۔ ضرور کچھ مانگے گا۔ آپ نے بہت بے رخی سے پوچھا کچھ کہنا ہے یہ شخص جعفر بڑا مسخرہ تھا سمجھ گیا کہ انہوں نے مجھے سائل سمجھا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور کچھ عنایت ہو جائے۔ بہت حاجت مند ہوں بہت غریب ہوں۔ حضور چار وقت کا فاقہ ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب نے ڈانٹ کر کہا بے حیا، بے شرم! ایسا عمدہ لباس اور اتنا لمبا چوغہ پہن کر بھیک مانگتے شرم نہیں آتی۔ کہتا ہے چار وقت کے فاقہ سے ہوں جھوٹا کہیں کا۔ دور ہو یہاں سے، بے حیا کہیں کا۔ غرض خوب ہی ڈانٹا۔ مگر اس نے برا نہیں مانا اور چلا گیا۔ بڑا ہی خوش مزاج تھا۔ مولوی صاحب بڑے خوش کہ کیسی اچھی کتاب ہے۔ کیسے موقعوں پر کام دیتی ہے۔ بڑے مسرور کہ کیا موقع پر کتاب کام آئی ہے۔ سبحان اللہ!

ایک دفعہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے۔ جعفر آفندی جو وہاں ہو کر گزرے تو میں ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اب تو مولوی صاحب بڑے پریشان کہ یہ تو کوئی بڑا شخص معلوم ہوتا ہے وہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے کہنے لگے صاحب مجھے ان مولوی صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ مجھے چار وقت کا فاقہ ہے۔ اس وقت ان کی جیب میں روپے بھی بول رہے تھے اگر یہ چار آنے مجھے دیدیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ مجھے ان سے بڑی شکایت ہے۔ مولوی صاحب بے چارے ذلت کے مارے دبے جاویں۔ شرم کے مارے کٹے جاویں کہنے لگے للہ! معاف فرما دیجئے میں نے سخت گستاخی کی۔ میں نے پہچانا نہیں تھا۔ واللہ میں نے آپ کو سائل سمجھا تھا۔ وہ بولے کہ مولوی صاحب یہ تو بتائے آپ نے مجھے سائل کیسے سمجھ لیا۔ آخر آپ نے کیا علامت مجھ میں سائل ہونے کی دیکھی کہا صاحب! میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ بڑے بڑے شاندار لوگ مکہ میں بھیک مانگتے ہیں۔ وہ بولے! مولوی صاحب! کچھ عقل سے بھی تو کام لیا ہوتا۔ صاحب نری کتاب کے بھروسے تو نہیں رہنا چاہئے کہا کتاب میں بھی دیکھتا تھا اور صاحب سچ مچ بڑے بڑے عبا اور قبا والے یہاں پر بھیک

مانگتے ہوئے خود بھی دیکھ لئے تھے۔ انہوں نے پوچھا مولوی صاحب! یہ تو بتاؤ تم نے جن کو بھیک مانگتے دیکھا وہ عمامہ والے تھے یا کسی ترکی ٹوپی والے کو بھی کہیں بھیک مانگتے ہوئے تم نے دیکھا کہاں۔ ہاں صاحب واقعی سب عمامہ والے ہی تھے ترکی ٹوپی والا تو ان بھیک مانگنے والوں میں کوئی نہیں تھا۔ جعفر نے کہا کہ میں تو ترکی ٹوپی پہنے تھا۔ سو بتلائیے کتاب میں یہ کہاں لکھا تھا کہ صرف عمامہ والے ہی بھیک مانگتے ہیں۔ ترکی ٹوپی والے نہیں مانگتے۔

تو صاحب! نری کتاب سے فن حاصل کرنے کا تو یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ بھائی کتاب تو اعانت کے لئے ہوتی ہے۔ اہل مہارت کی صحبت کے بغیر بخدا اور بخدا اور بخدا جس کو فن کا حاصل ہونا کہتے ہیں۔ ہرگز میسر نہیں ہوسکتا چاہے جتنی کتابیں پڑھ چکا ہو۔ اور اگر کچھ بھی نہ پڑھا ہو لیکن اہل مہارت کی صحبت اٹھائے ہوئے ہو تو فن کا حصول ممکن ہے بلکہ کثرت سے واقع ہے۔

آخر حضرات صحابہ میں کیا بات تھی کہ بعد کے بڑے بڑے عارف اور عالم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ کیا وہ سب کے سب لکھے پڑھے تھے بہت کم ایسے تھے جو اصطلاحی عالم ہوں۔ ورنہ زیادہ تر تو امی محض ہی تھے چنانچہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ" (مسند احمد ۲: ۱۲۲) "ہم لوگ تو ایک امی جماعت ہیں نہ ہم حساب جانیں نہ کتاب جانیں" دیکھئے! حضور فخر کرتے ہیں اپنی امت کی امیت پر، تو گویا اس امت کی خاص فضیلت اُمی ہونا ہے۔ پھر باوجود اُمی ہونے کے صحابہؓ جو بے نظیر تھے کہ نہ ابوحنیفہؒ ان کے برابر، نہ اویس قرنیؒ ان کے برابر نہ جنیدؒ ان کے برابر، نہ کوئی غوثؒ ان کے برابر، نہ کوئی قطبؒ ان کے برابر، تو وہ کیا چیز تھی اور وہ کیا دولت تھی جس نے ان کو سب سے بڑھا دیا تھا۔ بس یہ دولت تھی (میرے ہمنشین پھول نے میرے اندر اثر ڈال دیا حمام خانہ کی خوشبودار مٹی ایک دن میرے محبوب کے ہاتھ سے مجھے ملی میں نے کہاں کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبوں سے میں مست ہو رہا ہوں کہاں کہ میں ایک ناچیز مٹی ہوں لیکن کچھ مدت تک پھوں کی صحبت میں رہی ہوں میرے ہم نشین پھول نے میرے اندر اپنا اثر ڈال دیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی) بس یہ تھی صحابہؓ کے پاس دولت۔ کسی کی طویل صحبت تھی کسی کی کم۔ مگر کمال سے کوئی بھی خالی نہیں رہا۔ البتہ اکملیت کے مراتب میں تفاوت تھا۔ چاہے زبان حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔ کمال تو ہر شخص نے حاصل کرلیا تھا۔ زبان اور چیز ہے کمال اور چیز ہے۔ اب کتابیں تو بہت سی پڑھ لیتے ہیں لیکن اہل مہارت کی صحبت میں رہنے کا بالکل اہتمام نہیں جہاں تم نے کتابیں پڑھی تھیں اگر کسی مربی کی صحبت میں اٹھائے ہوتے تو اپنے کو کبھی اہل مہارت میں سے نہ سمجھتے بھائی تم تو پہلے مربہ بنو پھر مربی بننا چند روز کے لئے اپنے آپ کو کسی مربی کی سپردگی میں دیدو۔ وہ تمہیں تاؤں دے دیکر مربہ بنائے گا۔ جب خوب گھل جاؤ گے اور مربہ بنانے والے بھی تصدیق کردیں گے کہ ہاں اب مربہ بن گئے تب مربہ بنو گے۔ تمہارے خود ہی یہ سمجھ لینا کہ ہم اب مربہ ہوگئے ہرگز کافی نہیں کیونکہ اے مربہ! تیرے پاس کوئی ایسی مہک اور کوئی ایسا معیار نہیں جس سے تو یہ جانچ لے کہ میں مربہ ہوگیا۔ جب تیرے پاس کوئی مہک اور معیار نہیں تو تو اپنی ذات کو بلا آلہ کے دیکھے گا تو تو اپنے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس ہی سے، جو ناقص ہے اور مربی تیرے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس سے اور وہ ہے کامل۔ لہذا اس کی جانچ معتبر ہوگی اور تیری جانچ ہرگز معتبر نہ ہوگی کیونکہ اس کے پاس تو آلہ شناخت ہے اور تیرے پاس کوئی آلہ شناخت ہے نہیں۔

جیسے کوئی سیب کا مربہ بنا کر رکھے تو خود سیب یہ جانچ نہیں کرسکتا کہ میں مربہ ہوگیا ہوں یا نہیں۔ اس کے کیا دانت ہیں جو چکھ کر بتادے گا۔

البتہ جو مربہ بنانیوالا ہے اس کے دانت ہیں جو پھل کر بتادے گا۔ وہ دانت تلے دبا کر فوراً بتادے گا کہ ہاں ہوگیا تو تم کو ابھی کسی نے دانت تلے یا پیر تلے دبایا نہیں کہیں سڑنہ گئے ہو کہیں کچے نہ پڑ گئے ہو۔ غرض اصل چیز تو حقیقت کمال ہے مگر زعم کمال اور دعویٰ کمال نے اسے خراب کر رکھا ہے۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۱، بحوالہ ضرورت مرشد: ۴۶-۴۹)

ضرورت شیخ کے بارے چند عقلی دلائل ''خلاصہ تصوف'' کے عنوان کے نیچے گزر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں اب یہاں نقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد احوال الصلحین اور اس کے بعد چند عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دلائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، محبوب العلماء والصلحاء پیر طریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی اور دیگر صوفیا کرام نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں، میں اس کو من وعن نقل کر دیتا ہوں۔

قرآن مجید سے دلائل

☆......دلیل نمبر ۱: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) ''یعنی ان کے طریقہ کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع کریں''

☆......تفسیر جلالین میں ہے ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ'' (طریق) ''مَنْ أَنَابَ'' (رجع) ''إِلَيَّ'' بِالطَّاعَةِ'' (جلالین ۳۴۷)

☆......تفسیر عثمانی میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل'' (تفسیر عثمانی ۵۴۱)

☆......تفسیر مواہب الرحمٰن میں اس آیت کے تحت فرمایا گیا ''اور ایسے شخص کی راہ چل جو ہمہ تن میری جانب جھکا ہے۔ یعنی اولاً پیغمبر ﷺ ہیں اور ثانیاً آپ کے صالحین امت ہیں۔ (مواہب الرحمٰن: ۸۳ ماخذ: تصوف وسلوک: ۳۵-۳۶)

(۱)......اس میں اتباع کا معیار ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ جس شخص کا اتباع کرو وہ صاحب اناب ہے کہ نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ خود متبوع نہیں بلکہ ان کے پاس ایک سبیل ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اس کا اتباع کرو جو علم اور توجہ الی اللہ کا جامع ہو (متبوع یعنی جس کی پیروی کی جائے) اس میں شیخ کامل بھی شامل ہے۔

(۲)......﴿مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان: ۱۵) من متعدد اشخاص کے اتباع کرنے کا مضائقہ تھا۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایک کے مقرر کرنے میں راحت، انتظام اور نفس کی حفاظت ہے مگر دین پر چلنا چاہتے ہو تو ایک شخص کو متبوع (جس کی پیروی کی جائے) مقرر کرنے میں بہت پریشانیوں سے بچ جاؤ گے اور جو شخص اس طریقہ کیخلاف کرے گا۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ دین سے بہک جائے۔

(اتباع غیب ۳۵، ماخذ ضرورت مرشد ۱۳۵)

☆......دلیل نمبر ۲: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدۃ: ۳۵) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب ڈھونڈو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو، امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔''

☆......''وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ''اَلْوَسِيْلَةُ هِيَ الَّتِيْ يَتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى تَحْصِيْلِ

الْمَقْصُوْدِ" (تفسیر ابن کثیر عربی:۵۴)

☆ "وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" کے تحت جلالین میں ہے: " مایقربکم الیه من طاعته" (جلالین:۹۹)

لہذا محققین تفسیر کا فرمان ہے کہ الوسیلہ سے مرشد مراد ہے جو سبب بنتا ہے اللہ تعالی کے قرب کا اور انسان کی اصلاح کا جب کہ "وجاهدوا فی سبیله" میں نفس کے خلاف مجاہدے (اشغال تصوف) کی طرف اشارہ ہے حدیث پاک میں ہے: "المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله" (مشکوۃ شریف) "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالی کی اطاعت میں جہاد کرے۔"

☆ مرشد عالم حضرت خواجہ غلام حبیبؒ اپنے بیانات میں اس آیت کے تحت فرماتے تھے۔ آسمان سے بارش کون برساتا ہے؟ اللہ، مگر بادل وسیلہ بن جاتا ہے۔ اولاد کون دیتا ہے؟ اللہ، مگر ماں باپ وسیلہ بن جاتے ہیں۔ دل میں انوارات کون ڈالتا ہے؟ اللہ، مگر پیر و مرشد اس کا وسیلہ بن جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ "اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو"۔

☆..... دلیل نمبر ۳: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

'اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو'۔

☆ علامہ ابن کثیرؒ صادقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "قال الضحاک هم ابوبکر وعمر واصحابهما" (تفسیر ابن کثیر:۴۰۷)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مشائخ طریقت کے سلاسل اربعہ واسطہ باواسطہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ علی کرم اللہ وجہہؓ سے ملتے ہیں۔

☆ حضرت محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: "اس جگہ قرآن مجید نے علماء و صلحاء کی بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بتلا دی کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو۔ عمل کا بھی سچا ہو۔ (معارف القرآن) صاف ظاہر ہے کہ آج کے دور میں صادقین کا مصداق مشائخ عظام ہی ہیں۔

☆......دلیل نمبر ۴: امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالی نے صرف ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کے الفاظ پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ بھی ساتھ فرمایا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرید کے مقامات ہدایت اور مکاشفہ تک پہنچنے کے کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ وہ ایسے شیخ و رہنما کی اقتداء کرے جو اسے سیدھے راستے پر چلائے اور گمراہیوں اور غلطیوں کے مواقع سے بچائے اور یہ اس بنا پر ضروری ہے کہ اکثر مخلوق پر نقص اور کوتاہی غالب ہے اور ان کے عقول و اذہان کے حق تک پہنچنے اور صواب کی غلط سے تمیز کرنے میں پورے نہیں اترتے تو پھر ایسے کامل کی اقتدا ضروری ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔ تا کہ ناقص کی عقل، کامل کے نور سے قوت پکڑے۔ ایسا ہی کرنے سے ناقص (انسان) سعادتوں کے مدارج اور کمالات کی سیڑھیوں کو عبور کر سکتا ہے" (تفسیر کبیر) پس مرشد و مربی کی ضرورت کیلئے یہ دلیل اتمام حجت کا درجہ رکھتی ہے۔

☆......دلیل نمبر ۵: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء ۶۵)

علامہ سید امیر علی ملیح آبادی اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''اس آیت میں دلالت ہے کہ بندہ گنہگار اگر کسی بندہ صالح وپرہیزگار سے دعا کروائے تو قابل قبولیت ہوتی ہے اور جولوگ اس زمانہ میں پیروں کے مرید ہوتے ہیں وہ بھی یہی توبہ ہے۔'' (تفسیر مواہب الرحمن ۱۰۹)

آیات بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آج کے دور میں بھی جو بندہ گنہگار کسی شیخ کامل متبع شریعت وسنت کو تلاش کرے گا۔ وہ ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ پر عمل کرے گا۔ اگر اس شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت توبہ کرے گا تو ﴿إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ﴾ پر عمل کرے گا۔ اگر شیخ کامل کی صحبت میں بیٹھے گا تو ﴿كُونُواْ مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ:۱۱۹) کا ثواب پائے گا۔ اگر شیخ کامل کے پندونصائح پر عمل کرے گے تو ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵) پر عمل کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ یہی راستہ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ﴾ کا مصداق ہے جس پر چلنے کی ہر چھوٹا بڑا صبح وشام دعائیں کرتا ہے۔ رہی بات کہ آج کے دور میں صاحب شریعت مشائخ کم ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان تلاش ہی چھوڑ دے یا ان کی ضرورت ہی کا انکار کر دے۔

☆ .....حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان ہے: ''اسلکوا سبیل الحق ولا تستوحشوا من قلة اهله'' ''اہل حق کے راستے کو اختیار کرو اور اہل حق کی قلت سے مت گھبراؤ''۔

☆ . اسی بارے میں امام شاطبیؒ کا قول ہے: ''اتبع طرق الهدى ولا يضرك قلة السالكين واياك طرق الضلالة ولا تغتر بكثرة السالكين'' ''ہدایت کے راستوں کی اتباع کر اور سالکین کی قلت تجھے نقصان دہ نہ ہو، گمراہی کے راستوں پر نہ چل اور سالکین کی کثرت سے دھوکہ نہ کھا''۔

☆.....حضرت شیخ عبداللہ خفیفؒ کا فرمان ہے: ''اقتدوا انجمة من شيوخنا لانهم جمعوا بين العلم والحقائق''۔ ہمارے شیوخ کی جماعت کی اتباع کرو کیونکہ یہ حضرات علم اور اسرار کے جامع ہیں''

احادیث سے دلائل

فطرت انسانی ہے کہ وہ نفوس سے جتنا اثر لیتی ہے نقوش سے اتنا اثر نہیں لیتی۔ گو کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود ان پر خشیت وحضوری کی جو کیفیت نبی علیہ السلام کی خدمت میں ہوتی تھی وہ غیبت میں نہیں ہوتی تھی۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆......دلیل نمبر ۱: حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِىْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَىْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَىْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِىْ دَفْنِهٖ ﷺ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا حضرت انسؓ فرماتے ہیں: کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز منور ہوگئی اور جس دن آپ کا وصل ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی تھی اور ہم آپ ﷺ کے دفن کے بعد ہاتھ سے مٹی بھی نہ جھاڑنے پائے تھے۔ کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔'' پس صحابہ جیسی مقدس ہستیوں نے بھی تسلیم کیا کہ ان کی جو کیفیت نبی ﷺ کی صحبت میں ہوتی

تھی وہ بغیر صحبت کے نہیں ہوتی تھی جس طرح صحابہؓ مشکوۃ نبوت سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے آج بھی مریدان باصفا اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔

☆..... دلیل نمبر۲: مسلم شریف کی راوایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حنظلہؓ گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے "نافق حنظلہ" حنظلہ تو منافق ہوگیا" راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو، ہرگز نہیں۔ حضرت حنظلہؓ نے صورتحال بیان کی کہ جب ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہوجاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ جب حضور ﷺ کے پاس سے گھر واپس آجاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: یہ کیفیت تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ پس دونوں حضرات نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر صورتحال بیان کی تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں" لیکن بات یہ ہے کہ حنظلہ گاہے گاہے" (یعنی گاہے حضوری کی کیفیت عروج پر ہوتی ہے اور گاہے اس میں کمی آجاتی ہے تاکہ معاشی ومعاشرتی نظام درست رہے) فیضان صحبت کی اس سے زیادہ واضح مثال اور کیا ہوسکتا ہے۔

☆ دلیل نمبر۳: حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک صحابیؓ کو نظر لگ گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اَلْعَیْنُ حَقٌّ" "نظر اثر کرتی ہے" (ترمذی کتاب لادب"

اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر میں عداوت ہو، حسد ہو، بغض ہو، کینہ ہو، وہ نظر اپنا اثر دکھا سکتی ہے تو جس نظر میں محبت ہو، شفقت ہو، رحمت ہو، اخلاص ہو، وہ نظر کیوں اثر نہیں دکھا سکتی۔ یہ اللہ والوں کی نظر ہی تو ہوتی ہے جو گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان میں احساس ندامت پیدا کرتی ہے اور رب کے دربار میں رب کا سوالی بنا کر کھڑا کردیتی ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی　　　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

☆..... دلیل نمبر۴: حدیث پاک میں وارد ہے کہ نبی ﷺ ہجرت کے وقت عبداللہ بن ارقات کو کافر ہونے کے باوجود ظاہری سفر کا رہبر بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آج کے دور میں کوئی سالک اگر وصول الی اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے کسی مومن کامل کو رہبر مقرر کرے گا تو اسے سفر کا رہبر مقرر کرنے والی سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ (تصوف وسلوک: ۳۵۔۴۱)

مولانا رومؒ نے اسی کیفیت کے بارے میں فرمایا ہے۔

گر ہوائے ایں سفرداری دلا　　　دامن رہبر بگیر وپس بیا

بے رفیقے ہر کہ شد از راہ عشق　　　عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

یار بید راہ راتنہا مرو　　　بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ہر کہ تنہا نادراں راہ رابرید　　　ہم بعون ہمت مرداں رسید

''اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو رہبر کا دامن پکڑ اور پیچھے چل کیونکہ بغیر ساتھی کے جو شخص راہ عشق پر چلا، تمام عمر بے کار گذری اور عشق سے آگاہی نہ ہوئی۔ راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے۔ اس میں تنہا قدم نہ رکھو، اتفاقاً جس شخص نے اس راہِ سلوک کو اکیلے خود طے کیا ہے وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے کیا ہے۔ (الظاہر:۶۱)

اس میں مولانا نے اس شبہ کے دو جواب دئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسا نادر ہوا ہے۔ ''وَالنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ'' (نادر مثل معدوم کے ہوتا ہے) امور نادرہ کی وجہ سے قواعد پر نقض وارد نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ گو ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنہا پہنچے مگر درحقیقت وہ بھی کسی کامل کی ہمت ہی سے پہنچتے ہیں کیونکہ بعض اہل اللہ سب مسلمانوں کے واسطے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے بہت سے لوگ کامیاب ہوجاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کس کی دعاء سے کامیاب ہوئے۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ بعض اہل اللہ کے مرنے پر غیر مریدوں کو بھی اپنے قلب میں تغیر معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ منکر ومعاند (دشمن۔ مخالف) نہ ہوں کیونکہ اب تک اس شخص کی غائبانہ دعا وتوجہ سے فیض ہورہا تھا جو اس کی موت سے بند ہوگیا۔ اس لئے مریدین کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی حالت میں وہ تغیر محسوس ہوتا ہے جس کے بارے میں حدیث انس گزر چکا۔ (ضرورت مرشد ۱/)

عقلی دلائل

نفس وشیطان انسان کے کھلم کھلا دشمن ہیں اور انسان کے اعمال کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں حتی کہ گمراہی کے باوجود انسان اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتا ہے۔ ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الاعراف ۳۰) ''اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں'' جس طرح درخت کو اپنے پھل وزن دار معلوم نہیں ہوتے اسی طرح انسان کو اپنے عیوب وزن دار محسوس نہیں ہوتے۔ لہذا اصلاح وتربیت کے لئے کسی مربی کی ضرورت پڑتی ہے۔ چند دلائل درج ذیل ہیں:

☆... دلیل نمبر۱: ایک طالب علم کمرہ امتحان میں بیٹھا پرچہ حل کررہا ہوتا ہے تو وہ اپنے گمان میں ہر سوال کو ٹھیک ٹھیک حل کرتا ہے۔ (اگر اسے پتہ ہو کہ میں فلاں غلطی کررہا ہوں تو کرے ہی کیوں؟) طالب علم کا پرچہ استاد کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ بعض جوابات کو ٹھیک قرار دیتا ہے اور بعض کو غلط، تب طالب علم بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اسی طرح سالک اپنے زعم میں تحدیث نعمت سمجھ کر کسی بات کا اظہار کرتا ہے۔ مگر شیخ کامل پہچانتا ہے۔ کہ یہ عُجب کی وجہ سے ہے۔ سالک اپنے خیال میں سخاوت کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے۔ مگر شیخ بتاتا ہے کہ یہ اسراف ہے پیرو مرشد کے بغیر گمراہی کے گڑھے میں گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرشد کے سایہ میں زندگی گزاری جائے۔

☆... دلیل نمبر۲: امور دنیا میں ہر چھوٹا بڑا کام سیکھنا پڑتا ہے۔ حتی کہ کرتے پر بٹن لگانے کا طریقہ بھی بغیر سیکھے نہیں آتا۔ تو کیا دین کو سیکھنے کی ضرورت نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' ''میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں'' رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دین سکھایا۔ حتی کہ صحابہ کرامؓ نے فرمایا: ''تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ'' ''ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا'' آج ظلمت

وگمراہی کے دور میں ہمیں بغیر سیکھے دین کیسے آئے گا۔ پس ثابت ہوا کہ ہمیں پیرومرشد سے دین سیکھنا پڑے گا۔

☆......دلیل نمبر۳: کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں علم الطب خود بخود دیکھ لوں گا یا انجنیئرنگ کا فن خود حاصل کرلوں گا۔ اسی طرح کوئی آدمی دین بھی خود بخود نہیں سیکھ سکتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے ''اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ'' ''علم سیکھنے ہی سے آتا ہے''۔

دلیل نمبر۴: اگر کوئی پودا کسی مالی کے ہاتھوں میں پروان چڑھے تو وہ سیدھا بھی ہوتا ہے۔ دیدہ زیب اور جاذب نظر بھی۔ جب کہ خودرو پودا ٹیڑھا بھی ہوتا ہے شاخیں فالتو پھیلی ہوئی اور بے سیقہ لٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو انسان کسی شیخ کامل سے تربیت پائے اس کی شخصیت حسن اخلاق کی وجہ سے دیدہ زیب ہوتی ہے۔ شریعت نے تربیت پانے کو اتنی اہمیت دی کہ سکھائے ہوئے کتے کے شکار کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ حلال جانا گیا۔ پس سالک کو بھی شیخ کامل کے زیر تربیت رہ کر دین سیکھنا ضروری ہے۔

چوں تو کردی ذات مرشد را قبول ہم خدا آمد ز ذاتش ہم رسول

نفس نتواں کشت الاّ ذاتِ پیر دامن آن نفس کش محکم بگیر

''تو نے پیر کی ذات کو قبول کرلیا۔ اس سے تجھے اللہ تعالیٰ بھی مل گیا اور رسول ﷺ بھی۔ اس نافرمان نفس کو پیر کی ذات کی سوائے کوئی نہیں مار سکتا۔ تو اس نفس کو مارنے والے پیر کا دامن مضبوط پکڑ''

☆ ..دلیل نمبر۵: حکایت مورچہ: پورہ قصہ پہلے گذر چکا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد وناگاہ رسید

ایک مسکین چیونٹی کے دل میں خواہش تھی کہ کعبہ یں پہنچے، اس نے کبوتر کے پاؤں کو، مضبوطی سے پکڑلیا اور اچانک پہنچ گئی۔

جس طرح اس چیونٹی نے کبوتر کے پنجے مضبوط پکڑ لئے اور اپنا مقصود حاصل کرلیا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا طالب اس راستے کے منزل طے کئے ہوئے شہباز (مرشد) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو جہاں وہ پہنچے گا اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اگر کمزوری سے پکڑا یا دامن چھوڑ دیا تو نیچے گر کر دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچے گا۔

☆......دلیل نمبر۶: اصحاب کہف کے کتے نے چند دن صلحاء کی صحبت اختیار کی تو اس کے ساتھ جنت کا وعدہ ہوا اور یہ قصہ قرآن مجید میں ہے اس پر دلیل ہے:

سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی کے حکم میں ہوگیا۔

☆..... دلیل نمبر۷: ایک شخص ہوائی جہاز پر سفر کرنا چاہے تو وہ اچھی کمپنی کا ٹکٹ خریدتا ہے۔ پھر پائلٹ پر اعتماد کر کے جہاز میں بیٹھ جاتا ہے تو پائلٹ سواری کو منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ سالک اسی طرح شیخ کامل پر اعتماد کرتے ہوئے باطنی سفر کے لئے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کرتا ہے تو شیخ اپنے مرید کو راہ سلوک پر چلا تو ہوا اللہ تعالیٰ سے واصل کردیتا ہے۔

احوال الصالحین سے دلائل

سلف صالحین کی زندگیوں سے چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

☆......دلیل نمبر۱: حضرت وحشیؓ کو نبی علیہ السلام کی چند لمحے کی صحبت سے وہ مقام مل گیا کہ اگر پوری دنیا اویس قرنیؒ جیسے حضرات سے بھر جائے تو بھی ان کی گرد راہ کو نہیں پا سکتی۔ حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں بدامنی رہی جب کہ عمر بن عبد العزیز کے دور میں امن وامان رہا تو دونوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا سیدنا امیر معاویہؓ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نبی علیہ السلام کے ہمراہ جہاد پر نکلتے تھے تو اس گھوڑے کے نتھنوں میں مٹی جاتی تھی عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ معلوم ہوا کہ صحبت کا نعم البدل کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔

☆......دلیل نمبر۲: حضرت حسن بصریؒ نے اٹھارہ بدری صحابہؓ سے علم ظاہری حاصل کیا تاہم علم باطن حضرت علیؓ سے حاصل کیا اور انوار ولایت کا اکتساب کیا۔

☆......دلیل نمبر۳: حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے اگر ابو ہاشم الصوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی دقیق باتوں سے واقف نہ ہوتا۔

☆......دلیل نمبر۴: امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے حضرت جعفر صادقؒ سے فیض پایا۔ امام اعظمؒ نے دو سال کے رابطہ کے بعد فرمایا۔ ''لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ'' ''اور وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔

☆......دلیل نمبر۵: ایک مرتبہ ابراہیم ادھمؒ حضرت امام اعظمؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: ''سیدنا ابراہیم اگئے'' طلباء نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا: ''ہم جسموں کی خدمت کرنے میں مشغول اور یہ خدا کی خدمت کرنے میں مشغول۔'' پس ایسی باخدا ہستی کو ہی مرشد کہا جاتا ہے۔

☆......دلیل نمبر۶: حضرت امام اعظمؒ نے امام ابو یوسفؒ کو وصیت فرمائی: ''وَاَكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ لِيَتَعَلَّمُوْا مِنْكَ ذٰلِكَ'' ''لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا کہ لوگ تم سے ذکر سیکھیں۔''

☆......دلیل نمبر۷: امام شافعیؒ نے حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے فیض پایا۔ آپ کا مشہور قول ہے۔ ''میں نے صوفیا کی صحبت اختیار کی اور ان کی دو باتوں سے بڑا نفع پایا۔ ایک یہ کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تم کو باطل میں مشغول کر دے گا۔'' (مدارج السالکین)

☆......دلیل نمبر ۸: امام احمد بن حنبلؒ اپنے وقت کے ولی کامل (حضرت بشر حافیؒ) کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ایک دن طلباء نے پوچھا،حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہو کر ایسے شخص کے پاس جاتے ہیں جو عالم نہیں ہے۔امام احمد بن حنبلؒ نے تاریخی جواب دیا''میں عالم بکتاب اللہ ہوں بشر حافیؒ عالم باللہ ہیں اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت نصیب ہے''اللہ اکبر کبیرا۔

☆......دلیل نمبر ۹: ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا''مَـا الْاِخْلَاصُ'' ''اخلاص کیا ہے؟''فرمایا:''اَلْاِخْلَاصُ هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ آفَاتِ الْاَعْمَالِ'' ''اعمال کے مصائب سے چھٹکارے کا نام''اس نے پوچھا:''مَا التَّوَكُّلُ'' ''توکل کیا ہے؟''فرمایا:''اَلثِّقَةُ بِاللّٰهِ'' ''اللہ پر اعتماد کرنا''اس نے پوچھا''مَا الرِّضَاءُ'' ''رضا کیا ہے؟''فرمایا:''تَسْلِيْمُ الْاُمُوْرِ اِلَى اللّٰهِ'' ''تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا''پوچھا:''مَا الْمُحَبَّةُ'' ''محبت کیا ہے؟''امام احمد بن حنبلؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ سوال بشر حافی سے پوچھو۔جب تک وہ زندہ ہیں میں جواب نہیں دے سکتا۔

☆......دلیل نمبر ۱۰: امام غزالیؒ کے ظاہری اور باطنی علوم کے مربی خواجہ بوعلی فارمدیؒ تھے جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔امام غزالیؒ اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں: میں نے طریقہ تصوف شیخ بوعلی فارمدیؒ سے اخذ کیا ہے عبادت اور ذکر میں ان کے دستور کو اپنایا ہے۔اس طرح مجھے تکالیف سے نجات ملی اور مشقتوں سے چھٹکارا ملا۔اور جو کچھ میں نے پانا تھا وہ پالیا۔(مکاشفۃ القلوب:۳۵)

☆......دلیل نمبر ۱۱: امام رازیؒ کی بیعت حضرت نجم الدین کبریٰؒ سے تھی۔

☆......دلیل نمبر ۱۲: عارف کامل مولانا رومؒ کی بیعت شمس تبریزؒ سے تھی آپ نے فرمایا۔

مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

''مولوی روم والوں کا مولا اس وقت تک نہ بن سکا۔جب تک شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بن گیا''

☆......دلیل نمبر ۱۳: مولانا جامیؒ جیسے شہرہ آفاق کی حامل شخصیت کی بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار سمرقندیؒ سے تھی۔

☆......دلیل نمبر ۱۴: حضرت علامہ سید محمد شریف جرجانیؒ کی بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندی کے شیخ حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ سے تھی۔علامہ جرجانیؒ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:''واللہ ماعرفت الحق سبحانہ وتعالیٰ مالم اصل فی خدمۃ العطارؒ'' ''اللہ کی قسم! میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو نہ پہچانا جب تک کہ میں شیخ عطارؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے حالات زندگی کے بارے میں ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' میں لکھتے ہیں: پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیہ خصوصا مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ وتلقین سے بہرہ مند ہوتے ہوئے ان کے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقہ صوفیہ حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا۔

(حجۃ اللہ البالغہ۔اردو نسخہ)

☆..... دلیل نمبر ۱۵: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسی شخصیت کا باطنی تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تھا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۶: حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین کے پاک ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتنی بارش برسے کہ گندگی کو بہالے جائے۔ دوسرے اتنا سورج چمکے کہ نجاست کو جلادے اس کا نام ونشان مٹادے۔ اسی طرح قلب کی زمین کے لئے دو چیزیں ہیں ایک ذکر الٰہی جس کی مثال بارش کی سی ہے۔ دوسرا شیخ کامل جس کی مثال سورج کی سی ہے۔ ذکر سے بھی دل صاف ہوتا ہے اور شیخ کامل کی توجہات سے بھی۔

☆..... دلیل نمبر ۱۷: حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جیسے محدث ومفسر کا باطنی تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ مرزا مظہر جان جاناںؒ سے تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا۔

☆..... دلیل نمبر ۱۸: حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اگرچہ علم کے آفتاب ماہتاب تھے تاہم ان کی بیعت کا تعلق حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے تھا۔ جب کہ حاجی صاحبؒ فقط کافیہ تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔

☆..... دلیل نمبر ۱۹: بعض حضرات نے ایک وقت میں کئی کئی مشائخ سے فیض پایا۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابوسعیدؒ نے مقام رجاء حضرت رازیؒ سے مقام غیرت شاہ شجاع کرمانیؒ سے اور مقام شفقت ابوحفصؒ حداد سے پایا۔

☆..... دلیل نمبر ۲۰: حضرت ابوعلی رودباریؒ فرمایا کرتے تھے: تصوف میں میرے استاد حضرت جنید بغدادیؒ علم فقہ میں حضرت ابوالعباس بن شریح نحو میں ثعلبؒ اور حدیث شریف میں ابراہیمؒ اور نفس کی اصلاح کے لئے بس یہی علوم ضروری ہیں'

مندرجہ بالاحقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ مشاہیر امت کو بھی کسی شیخ کامل کے زیر سایہ اور زیر تربیت رہ کر اکتساب فیض کرنے سے بلند مقامات نصیب ہوئے۔ آج بھی کوئی سالک اس منزل پر پہنچنا چاہے تو اسے انہیں راستوں پر چلنا پڑے گا۔ جن پر سلف صالحین نے چل کر وصول الی اللہ کی نعمت عظمیٰ کو حاصل کیا۔ (تصوف وسلوک: ۳۵۔۴۷)

اشد ضرورت مرشد کامل پر ایک نصیحت آموز واقعہ

حضرت شیخ امام یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں میں ابتدائی عمر میں نجار تھا (یعنی لکڑی کا کام کیا کرتا تھا) ایک دفعہ میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہوجائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں شیخ اجل حضرت امام شیخ بہاالدین نقشبندیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگوایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کھانا کھالینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب وخود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہوگیا کہ ذکر وشغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت وہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکاید نفس سے واقف ہوتا ہے، جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہوگا اسی سے روک دے گا۔ اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبندیؒ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ

اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے تاکہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں''

(تفسیر معارف القرآن، ماخذ: ضرورت مرشد: ۱/۴۴)

ضرورت مرشدِ کامل پر عارفانہ اشعار

بے عنایاتِ حق وخاصان حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

''یعنی بغیر حکم خداوندی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی ورق سیاہ ہے''۔

بنمائے بصاحب نظر گوہرِ خود را　　عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرِ چند

''کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہو سکتا''

بندہ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است　　زانکہ لطف ورشیخ زاہد گاہ ہست وگاہ نیست

''میں ایسے پیر کا غلام ہوں کیوں کہ اس کی مہربانی ہمیشہ ہے۔ شیخ اور زاہد کی مہربانی ہے کبھی ہے کبھی نہیں''۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

''اے طالب آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان ہیں۔ پس ایک کی طرف رجوع اور ہر ایک سے بیعت نہیں کرنی چاہئے''۔

ایں کہ مے بینی غلاف آدم اند　　نیستند آدم غلاف آدم اند

''یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے آدمی ہونے کا غلاف ہے یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اوپر کا غلاف ہیں''۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق　　عمر بگذشت ونشد آگاہِ عشق

''بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق ومعرفت سے آگاہ نہ ہوا''

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

''امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلادے تو اس پر عمل کرے اور اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے''۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں　　حکمت ایمانیاں راہم بخواں

صحت ایں حسن بجوئید از طبیب　　صحت آں حسن بجوئید از طبیب

صحت ایں حسن ز معموری تن　　صحت آں حسن ز تخریب بدن

''یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہوگے، کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی کتاب تو پڑھو حسن جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو کسی طبیب سے رجوع کرو اور اگر حسن روحانی کی ترقی منظور ہو تو مرشدِ کامل سے رجوع کرو۔ حسن جسمانی سے تو بدن کی درستی ہوتی ہے اور

اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفر رکرنے کی پابندی کرے تا کہ پانچ وقت سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالی سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں"

(تفسیر معارف القرآن، ماخذ: ضرورت مرشد: ۱/۴۴)

ضرورت مرشدِ کامل پر عارفانہ اشعار

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

"یعنی بغیر حکم خداوندی اور خاصانِ خدا کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی ورق سیاہ ہے"۔

بنمائے بصاحب نظر گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

"کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہو سکتا"

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف وشیخ زاہد گاہ ہست وگاہ نیست

"میں ایسے پیر کا غلام ہوں کیوں کہ اس کی مہربانی ہمیشہ ہے۔ شیخ اور زاہد کی مہربانی ہے کبھی ہے کبھی نہیں"۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

"اے طالب آدمی کی صورت میں بہت سے شیطان ہیں۔ پس ایک کی طرف رجوع اور ہر ایک سے بیعت نہیں کرنی چاہئے۔"

ایں کہ مے بینی غلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

"یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے آدمی ہونے کا غلاف ہے یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اوپر کا غلاف ہیں۔"

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

"بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق ومعرفت سے آگاہ نہ ہوا۔"

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

"امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلا دے تو اس پر عمل کرے اور اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے"۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

صحت ایں حسن بجوئید از طبیب صحت آں حسن بجوئید از طبیب

صحت ایں حسن زمعموری تن صحت آں حسن زتخریب بدن

"یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے، کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی کتاب تو پڑھو حسن جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو کسی طبیب سے رجوع کرو اور اگر حسن روحانی کی ترقی منظور ہو تو مرشدِ کامل سے رجوع کرو۔ حسن جسمانی سے تو بدن کی درستی ہوتی ہے اور

حسن روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے۔''

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است　　صراحی مے ناب وسفینہ غزل است

''جوزمانی صحبت شیخ سے خالی ہواس میں اس کے مکتوبات اور ملفوظات سے مستفید ہوتے رہو۔''

دست پیراز غائباں کوتاہ نیست　　دست او جز قبضہ اللہ نیست

''پیر کی توجہ غائبوں سے کوتاہ نہیں یعنی پیرومرشد اپنے متعلقین کی پس پشت بھی دُعا کرتا ہے۔اس کا ہاتھ سوائے اللہ کے دوسرے کے قبضہ میں نہیں ہے۔''

پیرنورانی زراہ آگہ کند　　درکلامش نوررہ ہمراہ کند

''مرشدنورانی راہِ سلوک سے خبردار کرتا ہے اوراپنے کلام میں نور کو ہمراہ کرتا ہے۔''

قال را بگذار مردِ حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

''قال کو چھوڑو اور حال پیدا کرو۔حال پیدا کرنے کیلئے کسی کام کی جوتیاں سیدھی کرو۔''

نفس نتواں گشت الا ّ پیرظل پیر　　دامن آں نفس کش راسخت گیر

''علاوہ کسی پیر کے سائے کے نفس کو اور کوئی نہیں مارسکتا۔تم نفس مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی سے پکڑو۔''

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　تاغلام شمس تبریزی نشد

''اس وقت تک مولانا رومؒ ہرگز اللہ والے نہ بنے جب تک شمس تبریزی کی غلامی نہ کی۔''

گھر ہوائے ایں سفرداری دلا　　دامن رہبر بگیرو پس بیا

درارادت باش صادق اے فریدؒ تابیابی گنج عرفاں راکلید

''یعنی اے دل اگر راہ طریقت میں چلنا چاہتا ہے تو کسی شیخ کا دامن پکڑ اور خودی کو چھوڑ دے۔اپنے راہ طریقت میں سچا اور ثابت قدم رہ تاکہ اس خزانہ کی چابیاں تجھ کو مل جائیں یعنی تو کامیاب ہو جائے۔''

یار باید راہ راتنہا مرو　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

''راہ سلوک میں مددگار رہنا چاہئے اس میں تنہا قدم نہ رکھو۔''

ہرکہ تنہا نادریں ایں راہ برید　　ہم بعون ہمت مرداں رسید

''جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے خود طے کیا وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے طے کیا ہے۔''

میسر چوں مراصحبت بجاں عاشقاں آید　　ہمیں بینم کہ جنت برزمیں از بیاں آمد

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی ادمی بناتے ہیں　　انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں

پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں　　گلا تو گھونٹ دیا ہے اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدا الا الٰہ الا اللہ

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا   دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

☆☆☆☆

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ   متبع بے دلیل ہو جاؤ
پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ   یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

☆☆☆☆

کیا کیا آتے نہیں وہ کبھی سائل کے پاس
پھر یہ ذکر وفکر کی دھڑکن ہے کیسی دل کے پاس
اب تو لے چل اک گھڑی اس صاحب محفل کے پاس
جو نظر سے دور ہو ہو کر بھی رہے نظروں کے پاس

☆☆☆☆

ہیں سبھی اہل کمال واہل دل مصروف کار
دیکھ لو خالی پڑی ہے ہر جگہ استاد کی

☆☆☆☆

تنہا نہ چل سکیں گے آپ محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں ذرا میرے ساتھ آئے

☆☆☆☆

مجھے مل گئیں منزلیں کہ ہوا کہ رُخ بدل گئے
تیر اہاتھ ہاتھ میں آگا تو چراغ راہ کے جل گئے

☆☆☆☆

عارفی پیر مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی مظہر اعجاز بن کر رہ گئی

☆☆☆☆

اپروں غیروں کو تم سناتے ہو　　شیخ سے حال دل چھپاتے ہو

راہ پر تم کیوں نہیں آتے ہو　　عمر کیوں مفت میں گنواتے ہو

☆☆☆☆

نفس کو اپنے پامال کرو　　ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو

شیخ سے کھل کے عرض حال کرو　　ذلتوں کا نہ کچھ خیال کرو

☆☆☆☆

کار کن کار بگذار از گفتار　　اندریں راہ کار باید کار

(ضرورت مرشد: ۱۰۴۰_۴۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شرائط مرشد

لیکن پیر کی چند شرطوں کو معلوم کرنا بھی ضروری ہے تا کہ صحیح طور پر کامل پیر کی تلاش ہو سکے۔

☆...... شرط اول: شرط اول قرآن مجید اور حدیث شریف کا علم ہے اور اس سے میری یہ مراد نہیں کہ نہایت درجے کا ہونا ضروری ہے بلکہ قرآن شریف کے علم تفسیر مدارک یا جلالین یا اسی قسم کی کسی تفسیر کو کسی عالم سے پڑھ لیا ہو اور اس کے معنوں اور ترجے اور مشکل الفاظ کے معانی اور شانِ نزول، اعراب، قصص، دو مختلف چیزوں میں میل (مطابقت) پیدا کرنا، ناسخ و منسوخ کا پہچاننا، قرآن مجید سے ثابت ہونے والے مسائل کا پہچاننا حاصل ہو جائے اور حدیث شریف کے علم میں کتاب مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کو پڑھ اور سمجھ چکا ہو۔ اس کے معانی اور عجیب شرحوں مشکل الفاظ کا ترجمہ اور مشکل اعراب اور تاویل معضل کی بنا پر مذہب کے فقہا کی رائے معلوم کر چکا ہو، اور بیعت لینے کے لئے قرآن مجید کے علم میں اختلاف قرأت کا یاد رکھنا اور علم حدیث میں سندوں کے حال کی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے، اور اسی طرح علمِ اصول فقہ اور اصولِ حدیث اور جزئیات فقہ اور فتاووں کا یاد رکھنا لازمی نہیں ہے اور پیر کے لئے عالم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بیعت سے غرض مرید کو شرع کے کاموں کا حکم کرنا اور خلافِ شرع باتوں سے روکنا، دل کو اطمینان اور تسلی کی طرف لے جانا، بری عادتوں سے روکنا، اچھی عادتوں کے حاصل کرنے کے لئے حکم کرنا اور پھر مرید کا ان سب باتوں پر عمل کرنا ہے۔ پس جو شخص ان باتوں سے واقف اور عالم نہیں ہو گا س سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆...... حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ تصوف تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) یہ کہ اس کی معرفت کا نور اس کے پرہیز گاری کے نور کو نہ بجھادے۔

(۲) یہ کہ اندرونی علم کیساتھ اس طرح بات نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ظاہر اس کو ناقص کر دے۔

(۳) یہ کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں ان کی توہین کر کے بزرگی حاصل نہ کرے۔

اور اس کے مانند بزرگوں کے بہت سے اقوال بیان کئے گئے ہیں، جس کا جی چاہے بڑی بڑی کتابوں میں دیکھ لے۔ اسی لئے سب بزرگوں نے کہا ہے کہ سوائے اس شخص کے جس نے استاد سے سبق پڑھا ہو اور حدیث کی روایت کی ہو اور کوئی شخص وعظ نہ کرے۔

لیکن چونکہ اس گئے گزرے زمانے میں ان باتوں کا پایا جانا بہت کم ہے اس لئے ایسا آدمی جس نے پرہیز گار علماء کی بہت مدت تک صحبت حاصل کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو، حلال، و حرام، کی تمیز حاصل کی ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام سن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے قول فعل اور حالت کو قرآن مجید اور سنت کے موافق کر لیتا ہو تو امید ہے کہ مذکورہ بالا علم نہ ہونے کی صورت میں اس قدر معلومات بھی اس کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ (فقط واللہ اعلم)

☆......شرط دوم: دوسری شرط عدالت اور تقوی ہے یعنی واجب ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اڑ (اصرار) نہ جاتا ہو اور پیر کے لئے تقویٰ اس لئے شرط ہوا کہ بیعت دل کی صفائی کیلئے شرط ٹھہری اور انسان کی فطرت اپنے ہم جنسوں کی پیروی کرنا ہے، اور

دل کی صفائی میں صرف قول بغیر عمل کے کافی نہیں ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾(الصف:۲)''اے ایمان والو!ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے''۔پس جو پیر خود اچھے عمل نہیں کرتا اور زبانی باتیں ہی بناتا ہے تو وہ بیعت کی حکمت کو ضائع کرنے والا ہے۔

☆......شرط سوم: تیسری شرط یہ ہے کہ دنیا سے نفرت کرنے والا اور آخرت کی طرف دل لگانے والا ہو۔تاکیدی عبادتوں اور ایسے ذکر اور وظیفوں پر جو کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں پوری پابندی کے ساتھ عمل کرتا ہو،دل کا تعلق ہمیشہ اللہ تعالی سے رکھتا ہو اور اس کو یادداشت کی پوری مشق ہو(یادداشت سے مراد بے ارادہ اور بے اختیار دل سے اللہ اللہ کرنا ہے)

☆......شرط چہارم: یہ ہے کہ شرع کی باتوں کا حکم کرتا ہو اور شرع کے خلاف کاموں سے روکتا ہو،اپنی رائے پر مضبوط اور پکا ہو،ہرجائی اور ہر دم خیالی نہ ہو۔یعنی وہ اپنی ایک رائے اور ایک ارشاد رکھتا ہو،مروت اور عقل سلیم والا ہو تاکہ اس پر اور اس کے بتائے اور روکے ہوئے کاموں پر بھروسہ کیا جائے۔

☆......شرط پنجم: پانچویں شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا ایسے کامل پیروں کی صحبت میں رہا ہو جن کا سلسلہ تعلق آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور دل کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو،اور یہ اس واسطے شرط ہوا کہ اللہ تعالی کا قانون اسی طرح سے جاری ہے کہ جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے اس وقت تک مراد نہیں ملتی اور جس طرح انسان کو ظاہری علم عالموں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اسی طرح باطنی علم کے لئے بھی بزرگوں کی صحبت ضروری ہے اور اسی قیاس پر لوہار اور بڑھئی وغیرہ کے پیشے ہیں۔

☆......تنبیہ: کرامات اور عادت کے خلاف باتوں کا ظاہر ہونا اس لئے شرط نہیں کہ ان کا دار مدار مجاہدوں اور ریاضتوں پر ہے اور یہ بات شرع شریف کے خلاف چلنے والوں اور کفار مثلاً جوگیوں وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے کمال کی شرط نہیں ہے اور پیشے کا چھوڑ دینا اس لئے شرط نہیں ہے کہ شرع شریف کے خلاف ہے اور وہ جو بعض کمال والے لوگ کسی حالت کے غلبے کی وجہ سے حلال روزی کمانے کی طرف خیال نہیں کرتے،ان کے فعل کو نہ ماننے پر دلیل نہ پکڑنا چاہئے۔بزرگوں نے تو یہی لکھا ہے کہ تھوڑی پر صبر کرنا شبہ شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرنا یعنی مکروہ اور شبہ کے مال اور پیشے سے بچنا ضروری ہے اور پوری طرح سے دنیا کو چھوڑ کر الگ تھلگ پہاڑوں یا جنگلوں میں رہنا اور اپنے اوپر سخت عبادتوں کو ضروری سمجھنا جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنا،تمام رات جاگنا اور بیوی سے بالکل الگ رہنا،لذیذ کھانا نہ کھانا وغیرہ جس کو ہمارے وقت کے عام جاہل لوگ کمال کی شرط جانتے ہیں اس لئے شرط نہیں کہ یہ باتیں دین میں زیادتی اور نفس پر سختی کرنے میں داخل ہیں اور آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا رهبانية فى الاسلام'' (فتح الباری ۱۸/۸۷،نیل الاوطار:۶/ ۲۳۱،کشف الخفاء ۲/ ۵۱۰،رقم ۳۱۵۴)

''اسلام میں رہبانیت(ترک دنیا)جائز نہیں''اور فرمایا:''وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا''تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر حق ہے''۔

(ترمذی ۴/ ۶۰۸،رقم ۲۴۱۳،مستدرک ۴/ ۱۶۷،رقم ۱۹۰۰،ابن حبان ۲/ ۳۰۰،رقم ۱۲۸،عمدۃ السلوک ۵۴ تا ۵۷)

☆......فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اپنی فتاوی''فتاوی محمودیہ''میں شرائط مرشد تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل یہ ہے

کہ عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کا اختیار کرنا ضروری ہے اور عقائدِ باطلہ، اخلاقِ رذیلہ، اعمالِ فاسدہ سے تحفظ ضروری ہے خواہ بذریعہ بیعت ہو یا تحصیلِ علم سے ہو یا صحبت اکابر سے ہو، لیکن تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ عموماً بغیر شیخ محقق سے بیعت ہونے کے یہ مقصد پورا حاصل نہیں ہوتا ہے۔

☆ شیخ محقق کے اوصاف یہ ہیں:

(۱) علم ضروری کتاب وسنت کا رکھتا ہو خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے سنکر۔

(۲) عدالت وتقوی میں پختہ ہو، کبائر سے اجتناب رکھتا ہو، صغائر پر مصر نہ ہو۔

(۳) دنیا سے بے رغبت ہو (حبِ مال وحب جاہ سے خالی ہے) آخرت میں رغبت رکھتا ہو، طاعتِ موکدہ واذکار منقولہ ومرویہ کا پابند ہو۔

(۴) "امر بالمعروف ونهي عن المنكر" کا عادی ہو۔

(۵) سلوک، تزکیہ باطن کی مشائخ معتبر سے حاصل کیا ہو اور ان کی صحبت میں کافی رہا ہو۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتاوی ۲، ۱۰۴۔۱۰۵ میں یہ تفصیل مذکور ہے۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند یوپی، ماخذ فتاوی محمودیہ ۴/۳۵۸۔۳۵۹، نیز ملاحظہ فرمائیں، صفحہ ۳۵۱۔۳۵۲۔۳۵۳۔۳۵۵)

☆ شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں: "فشرط من يأخذ البيعة امور:

(۱) احدها: علم الكتاب والسنة.

(۲) والشرط الثاني: العدالة والتقوى.

(۳) والشرط الثالث: ان يكون زاهدا في الدنيا راغبا في الآخرة.

(۴) والشرط الرابع: ان يكون آمر بالمعروف ناهيا عن المنكر.

(۵) الشرط الخامس: ان يكون صحب المشائخ متأدب بهم دهراً طويلاً واخذ منهم نور الباطن والسكينة"

(القول الجمیل للشاہ ولی اللہ ۶۔۹ مولیاں کاندھلہ مظفر نگر اوپردیش، بحوالہ بالا)

☆......خلاصہ یہ کہ بیعت کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا چاہئے:

بیعت کے لیے ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا چاہئے: جو صحیح معنی میں ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ہو، متبع سنت اور جامع الشریعت والطریقت ہو، تاکہ مقصد بیعت حاصل ہو سکے، اس کے خلاف تصوف وطریقت سے بالکل ناآشنا بدعتی قسم کے، نام کے ولی جو مختلف قسم کی بدعتوں کے مرتکب ہوں، فرائض وواجبات کی پرواہ نہ کرتے ہوں، تارکِ سنت ہوں، ان کو ولی اللہ سمجھنا یا ان سے بیعت ہونا قطعاً جائز نہیں۔

☆......قال تعالیٰ: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ..... اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَاصَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَاتَحِيَّةً وَّسَلٰمًا﴾ (الفرقان: ۶۳ تا ۷۵)

☆ قال جنید البغدادیؒ: مَذْهَبُنَا هٰذَا مُقَيَّدٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ لَمْ يَقْرَءِ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيْثَ لَا

يُقْتَدٰی بِهٖ فِیْ مَذْهَبِنَا وَطَرِيْقَتِنَا" (البدایۃ ۱۱/۱۱۳)

○ ۔۔ وکان جنید بغدادیؒ يقول ايضا إِذَا رَأَيْتُمْ شَخْصاً مُتَرَبِّعاً فِی الْهَوَاءِ فَلَا تَلْتَفِتُوْا إِلَيْهِ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُمُوْهُ مُقَيِّداً بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ" (الیواقیت والجواہر ۲:۹۳)

○ "الولی هو العارف بالله تعالی وصفاته بحسب مايمكن ... المواظب ای الملازم علی الطاعات حتی قيل ان الولی الكامل لايترك المندوب المجتنب عن المعاصی حتی انه يخرج بالكبيرة واصرار الصغيرعن الولاية المعرض عن الانهماك ای الاستغراق فی اللذات والشهوات" (نبراس ۲۹۵)

○ ۔ يستحب عندنا اذا فرغ الانسان من تصحيح العقائد وتحصيل المسائل الضرورية من الشرع ان يبايع شيخا راسخ القدم فی الشريعة زاهدا فی الدنيا راغبا فی الآخرة قد قطع عقبات النفس وتمرن فی المنجيات وتبتليعن المهلكات كاملا مكملا ويضع يده فی يده" (المہند علی المفند ۲۰)

☆ ۔۔۔۔بیعت سے مقصود شیخ کامل کی اتباع کر کے اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح ہے، لہذا صرف بیعت پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے کہ میں فلاں شیخ سے بیعت ہوگیا ہوں، بلکہ مقصد بیعت حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔اور شیخ کی رہنمائی میں ہروقت اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح میں لگے رہنا چاہیے۔

○ ۔ ۔"فان اهتدی الطالب بعناية الحق ۔ جل سلطانه الی مثل هذا الشيخ الكامل المكمل ووصل اليه ينبغی ان يغتنم وجوده وان يفوض نفسه اليه بالتمام وان يعتقد سعادته فی مرضياته وشقاوته فی خلاف مرضياته وبالجملة ينبغی ان يجعل هواه تابعا لرضاه۔۔ اعلم ان رعاية آداب الصحبة ومراعاة شرائطهامن ضروريات هذا الطريق حتی يكون طريق الافادة والاستفادة مفتوحا وبدونها لا نتيجه للصحبة ولا ثمرة للمجالسة"

(المکتوبات الربانیہ ۲، ۱۸۹، المکتوب الثانی والتسعون والمائتان)

(ماخذ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ لحضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت برکاتہم العالیہ ص ۲۱۴ تا ۲۱۷، خذ مفصل عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مصنفہ راقم الحروف)

شرائط مسترشد

اب جاننا چاہئے کہ مرید کے لئے بھی بیعت تقویٰ کے شرائط ہیں اور وہ یہ کہ بیعت ہونے والا عاقل، بالغ، اور شوق والا ہو، اس لئے کہ نابالغ اور دیوانہ خود ایمان کا مکلف نہیں تو تقوی اور عبادتوں میں مجاہدہ کرنے کا کیونکر ہوسکتا ہے؟

☆ ۔۔۔۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک لڑکا حاضر ہوا تا کہ آنحضرت ﷺ سے بیعت کرے آنحضرت ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے واسطے برکت کی دعا کی لیکن بیعت نہ لی۔

بعض بزرگوں نے لڑکوں کو بیعت کرنا جائز رکھا ہے وہ برکت اور نیک فالی کے لئے ہے اور دلیل اس کی صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ زبیرؓ کو بیعت کے واسطے لائے اور وہ سات یا آٹھ برس کے تھے پس رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی طرف توجہ کرتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے پھر ان

190 سے بیعت لی۔ (عمدۃ السلوک:۵۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
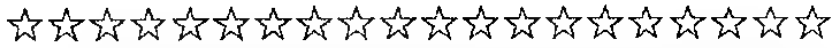
اداب

☆......ادب لغت میں: ادب باب '' کرم '' سے بھی آتا ہے اور ''ضرب'' سے بھی، کرم سے اس کا مصدر ''أدَباً''(بفتح الدال) آتا ہے: ادب والا ہونا، اسی سے ادیب ہے، جس کی جمع ادباء ہے اور باب ضرب سے اس کا مصدر ''أدْباً''(بسکون الدال) دعوت کا کھانا تیار کرنے اور دعوت دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی سے اسم فاعل ''آدب'' ہے، جس کے بارے میں علامہ بن منظور افریقی لکھتے ہیں: الآدب: الداعی الی الطعام ،قال طرفة:

نحن فی المشتاة ندعوا الجفلیٰ

لاتری الآدب فینا ینتفر

(لسان العرب ۱۰ ۹۳)

''ہم موسم سرما میں دعوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، آپ ہم میں سے کھانے کی طرف بلانے والے کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ کسی کو بھگائے یا دعوت کی طرف نہ آنے دے۔''

☆.... ادب باب افعال سے بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔

☆....باب تفعیل سے علم سکھلانے کے معنی میں مستعمل ہے۔زجاج کا قول ہے:''وھذا ماأدّب اللہ بہ نبیّہ '' أی علّم اللہ نبیہ'' (ایضا)

☆....باب استفعال اور باب تفعّل دونوں سے ادب سیکھنے اور ادب والا ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ (ایضا)

☆....ادب سے ایک لفظ ''مأدُبة '' نکلا ہے، عبداللہ بن حسین عکبری نے ''المشوف المعلم'' میں اس کے متعلق لکھا: المأدُبَة: بضم الدال وفتحها، الطعام یصنعه الرجل ویدعو الیه الناس'(المشوف المعلم: ۵۹)

''یعنی ''مأدبة'' اس کھانے کو کہتے ہیں جو آدمی لوگوں کی دعوت کے لئے تیار کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: ''ان هذ القرآن مأدبة الله تعالی فی الارض فتعلموا من مأدُبته''یہ قرآن زمین میں اللہ تعالی کا پیغام دعوت ہے سو تم اس سے علم سیکھو۔''

قرآن پر ''مأدبة ''کا اطلاق اس معنی میں کیا گیا کہ جس طرح کھانے کی طرف بلایا جاتا ہے اسی طرح قرآن کی جانب بھی بلایا گیا ہے۔ (لسان العرب ماخذ سابق، معجم مقاییس اللغة ۲ ۷۴)

مأدُبة: کی جمع مآدِب آتی ہے۔

☆......ادب اصطلاح میں: ادب کی اصطلاحی تعریف میں علماء کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں:

(۱)۔ علامہ مرتضی زبیدی نے اپنے شیخ کے حوالہ سے یہ تعریف نقل کی ہے: ''الادب ملكة تعصم عمّنْ قامتْ به عمّا يشِيْنُه''

(تاج العروس ۱/۱۴۴) ''ادب ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، ہر ناشائستہ بات سے اس کو بچاتا ہے۔''

(۲) .. ابوزید انصاری نے ادب کی تعریف کی ہے: "کل ریاضة محمودة یتخرّج بها الانسان فی فضیلة من الفضائل" (ایضا) ''ادب ایک ایسی اچھی ریاضت ہے، جس کی وجہ سے انسان بہتر اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔''

(۳) .. بعض لوگوں نے تعریف کی ہے: "ھو تعلم ریاضة النفس ومحاسن الاخلاق" (ایضا) ''ادب ریاضتِ نفس اور بہتر اخلاق کی تعلیم کا نام ہے۔''

(۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ادب کی تعریف نقل کی ہے: "الادب ھو حفظ اشعار العرب واخبارھا، والاخذ من کل علم بطرف" (کشف الظنون: ۱/۵۷، مقدمہ ابن خلدون: ۵۵۳)

''ادب عرب کے اشعار، ان کی تاریخ واخبار کے حفظ اور عربی زبان کے دوسرے علوم سے بقدر ضرورت اخذ کا نام ہے''

(۵) .. سید شریف جرجانی نے ''تعریفات'' میں اور صاحب منجد نے ''المنجد'' میں علم ادب کی تعریف کی ہے: "ھو علم یحترز به عن الخلل فی کلام العرب لفظا وکتابة" (التعریفات للجرجانی: ۶، المنجد: ۵)

''علم ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کلام عرب میں لفظی اور تحریری غلطی سے بچ سکے''۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک ہے ادب اور ایک ہے علم ادب، ادب کا مفہوم علمِ ادب سے زیادہ وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، ادب ایک خاص ملکہ کا نام ہے اس کا حُسن اگر صور وطریقہ آجائے تو تہذیب کا نام پائے، اگر کسی انسان کی زبان کی زینت بنے تو ادیب سے موسوم ہو، اگر عام عبارت میں ہو تو ادبی نثر بنے، اگر کلام میں وزن کا بھیس اختیار کرے تو شعر کہلائے اور اگر بے معنی اصوات کی ہم آہنگی کو شرف بخشے تو موسیقی بن جائے، اَدب کی تعریف میں یہ جتنے اقوال ہیں، یہ اسی صنف حسن کو اجاگر کرنے کی اپنے اپنے الفاظ میں تعبیر کی کوششیں ہیں۔

عبارا تناشتیّ وحسنک واحد

وکل الی ذلک الجمال یشیر

جہاں تک علم ادب کا تعلق ہے تو موخر الذکر دو تعریفیں اس کے مصداق، مفہوم اور مقصد کے قریب تر ہیں۔ (توضیح الدراسہ شرح باب الحماسہ ۲۵۔۲۸)

☆ ......ادب کی وجہ تسمیہ: علامہ ابن منظور افریقی نے علم ادب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے: الادب: سُمی ادبا، لانه یادب الناس الی المحامد......واصل الادب الدعاء" (لسان العرب: ۱/۹۳)

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی﴾ (النجم: ۱۷) ''آپ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ کسی اور طرف کو ہٹی'' مروی ہے کہ اس سے مراد بارگاہ رب العزت کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

☆ ...ادب کا سیکھنا حق ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً﴾ (التحریم ۶) ''اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔

☆ ...ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ انہیں عقل منداور سمجھدار بناؤ اور انہیں ادب سکھاؤ''۔

ادب کے بارے میں اقوال مشائخ

☆......حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ: بچے کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اچھی دایہ مقرر کرے اور اس کا ادب بہتر بنائے۔ (بیہقی ۸۶۶۷)

☆......سعید ابن المسیبؒ کی حکایت ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور اللہ کے اوامر ونواہی پر کاربند نہ رہا، تو وہ شخص ادب سے بے بہرہ ہے۔

☆......روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔ (کشف الخفاء ۱۶۴)

☆......استاد ابو علی دقاقؒ سے مروی ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ادب بجالانے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

☆......انہی سے مروی ہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا، جس نے نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہا، مگر اس شخص نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا (اور اسے ناک تک نہ جانے دیا)۔ استاد سے مروی ہے کہ ابو علی دقاق کا اشارہ اپنی طرف ہے، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان اور کے متعلق یہ معلوم کرے کہ اس نے نماز میں اپنا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔

☆......استاد ابو علیؒ کسی چیز کیساتھ سہارا نہ لگایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مجمع کے اندر تھے۔ آپ کے سہارے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ آپ کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھا گیا۔ مگر آپ تکیہ سے تھوڑا ہٹ گئے۔ خیال ہوا کہ شاید آپ اس لئے ہٹ گئے کہ تکیہ کے اوپر کوئی کپڑا دیا جائے، تو آپ نے خود فرمایا: میں تکیہ لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد غور ہوا تو دیکھا کہ آپ (ادب کیوجہ سے) کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

☆...... **احمد بن محمد البصریؒ** نے جلاجلی البصری سے روایت کی کہ توحید ایسا موجب ہے، جس سے ایمان (بالرسالۃ) واجب ہو جاتا ہے، لہذ جس کا ایمان نہیں اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے، جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے، لہذا جس کی شریعت نہیں، اس کا نہ ایمان ہے، نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے، جس سے ادب واجب ہوتا ہے، لہذا جس کے پاس ادب نہیں، اس کی نہ شریعت ہے، نہ ایمان اور نہ توحید۔

☆......ابن عطاءؒ سے مروی ہے کہ ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے۔ کسی نے پوچھا: اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہر وباطن میں ادب سے پیش آئے، جب تو ایسا ہوگا، تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو، ادیب کہلائے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

اذا نطقت جاء ت بكل ملاحة　　　وان سكتت جاء ت بكل مليح

''جب بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور جب چپ رہتی ہے، تو بھی ہر طرح کی ملاحت ظاہر ہوتی ہے''۔

☆......عبداللہ الرازیؒ نے عبداللہ الجریریؒ سے روایت کی کہ خلوت میں بیٹھتے وقت میں بیس سال اپنے پاؤں نہیں پھیلائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اچھے آداب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

☆......استاد ابو علیؒ سے مروی ہے کہ جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا، تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔

☆ ...کسی نے ابن سرین سے پوچھا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا، اس کی اطاعت گذاری کرنا، خوشی پر اس کا شکریہ اداء کرنا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

☆ یحییٰ بن معاذؒ سے مروی ہے کہ جب عارف باللہ، اللہ تعالیٰ کیساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے، تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کیساتھ ہلاک ہوگیا۔

☆ استاد ابوعلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ ادب کے ترک کردینے سے انسان دھتکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے بساط ادب پر سوء ادبی کی، اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کردیا جاتا ہے۔

☆ کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ لوگ علم وادب کرنے کی طرف کثرت سے راغب ہورہے ہیں، ان میں سے دنیا میں کون سا عمل اللہ تعالیٰ تک زیادہ پہنچا دینے والا ہے؟ فرمایا: "تفقه فی الدین" دنیا سے کنارہ کشی اور یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر کیا حق ہے۔

☆ یحییٰ بن معاذؒ سے مروی ہے کہ جس نے آداب خداوندی کا لحاظ رکھا، وہ ان لوگوں میں سے ہوگیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔

☆ سہلؒ سے مروی ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لئے، اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے آداب خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

☆ ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

☆ ولید بن عقبہ نے ابن مبارک سے روایت کی کہ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے گذر چکے تھے۔

☆ ...تین خصلتیں: مروی ہے کہ تین خصلتوں کے ہوتے ہوئے انسان اجنبی معلوم نہیں ہوتا: (۱)......مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی۔ (۲) ...حسن ادب۔ (۳) ...کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

اسی سلسلہ میں شیخ ابوعبداللہ مغربیؒ نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

یزن الغریب اذا ما اغترب	ثلاث فمنهن حسن الادب
وثانیه حسن اخلاقه	وثالثه اجتناب الریب

☆..... تین چیزیں زینت: جب کوئی مسافر سفر میں جائے، تو تین چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں: (۱) ...حسن ادب (۲) ...حسن اخلاق (۳) ...شکوک اور تہمت کی باتوں سے بچنا۔

☆ جب ابوحفصؒ بغداد میں آئے، تو جنیدؒ نے ان سے کہا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ اس پر ابوحفص نے جواب دیا: ظاہری حسن ادب، باطنی حسن ادب کا آئینہ دار ہے۔

☆ عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ عارف باللہ کے لئے ادب اسی طرح ضروری ہے جس طرح مبتدی کے لئے توبہ۔

☆ منصور بن خلف مغربیؒ سے مروی ہے کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اس نے جواب دیا: میں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

☆......اہل ادب تین قسم کے ہیں: ابوحاتم السجستانیؒ نے ابونصر الطوسی السراجؒ سے روایت کی کہ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں۔

(۱)......اہل دنیا: ان کے بیشتر آداب، فصاحت و بلاغت، علوم اور بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔

(۲)......اہل دین: انکے بیشتر آداب، ریاضت نفس، تادیب جوارح، حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں۔

(۳)......اہل خصوصیت: ان کے بیشتر آداب، دلوں کو پاک رکھنا، رازھائے الٰہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا، حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ، طلب اور التجاء کے مواقع اوقاتِ حضور (بدرگاہ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسن ادب۔

☆......سہل بن عبداللہؒ سے حکایت ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کرلیا، وہ شخص اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عبادت گذار ہوگیا۔

☆......مروی ہے کہ انبیاء اور صدیقین کے سوا کسی کو کمال ادب حاصل نہیں۔

☆......عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

☆......شبلی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ بات کرتے ہوئے شرم وحیاء کو ترک کردینا بے ادبی ہے۔

☆......ذوالنون سے مروی ہے کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے، کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے، یعنی حق تعالیٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

☆......کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہ فرماتا ہے: جس شخص کو میں نے اپنے اسماء وصفات میں غور وفکر کرنے پر لگائے رکھا، اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی، میں نے اس کے لئے ہلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان سے جو چاہو اختیار کرو، خواہ، ادب، یا عطب (ہلاک)۔

☆......مروی ہے کہ ایک دن ابن عطاء نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلائے اور فرمایا کہ اہل ادب کے درمیان ہوتے ہوئے ادب ترک کردینا بھی ادب ہے۔ اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں روایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ابوبکرؓ عمرؓ بیٹھے تھے کہ عثمانؓ آگئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی اور فرمایا کہ جس شخص سے فرشتے حیاء کرتے ہیں، کیا میں اس سے حیاء نہ کروں؟ (اخرجہ مسلم: ۲۴۰۱، احمد: ۲۶۵۰۰)

اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تنبیہ کردی کہ اگرچہ عثمانؓ کا احترام بڑا تھا، مگر آپ کی جو کیفیت ابوبکرؓ عمرؓ کے ساتھ تھی، اس سے زیادہ دوستی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔

یہ اشعار تقریباً اسی مفہوم کے ہیں:

في انقباض وحشمة فاذا | صادفت اهل الوفاء والكرم

ارسلت نفسي علی سجيتها   وقلت ما قلت غير محتشم

مجھ میں انقباض واحترام پیا جاتا ہے، مگر جب اہل وفاء وکرم سے صحبت ہوتی ہے، تو اپنے نفس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں اور پھر جو بھی کہنا ہوتا ہے، بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔

☆..... جنیدؒ سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت ہو جاتی ہے، تو ادب کے شروط ساقط ہو جاتے ہیں۔

☆..... ابو عثمانؒ سے مروی ہے کہ جب آپس میں صحیح محبت پیدا ہو جاتی ہے، تو مصاحب پر پاس ادب رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

☆..... نوریؒ سے مروی ہے کہ جس نے غلبہ احوال کے وقت ادب کا لحاظ نہ رکھا، اس کی حالت (وقت نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

☆..... ذوالنونؒ سے مروی ہے کہ جب کوئی مرید (جو مبتدی ہے) ادب کا خیال نہیں رکھتا، تو وہ لٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے، جہاں سے چلا تھا۔

☆..... استاد ابو علی دقاقؒ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء:۸۳) کی تشریح یوں کی کہ ایوبؑ نے ارحمنی اس لئے نہیں کہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے پاس ادب رکھا۔

☆..... اسی طرح عیسیٰؑ نے کہا، جب گذارش کی: ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (المائدۃ:۱۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے، تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، نیز عرض کیا: ﴿إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ (المائدۃ:۱۱۶) ''اگر میں نے کہا ہوگا، تو اے اللہ! تجھے اس کا علم ہے۔'' حضرت عیسیٰ نے پاس ادب رکھتے ہوئے ''لم اقل'' (میں نے نہیں کہا) نہیں کہا۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم اردو:۴۲۳تا۴۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آدابِ شیخ اجمالا

☆......حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ" (کشف الخفاء:۱/۷۰،رقم:۱۶۴)

"میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس بہت ہی اچھا ادب سکھایا"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سالک کے لئے آداب کی رعایت لازمی ہے کوئی بے ادب منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ (الحجرات:۱) "اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سبقت نہ کرو"

☆......ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات:۲)

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح (بے تکلفی کے ساتھ) زور سے کلام مت کرو جس طرح ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بقول شخصے:

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

☆......حضرت ابو حفص نیشا پوری کا قول ہے: "اَلتَّصَوُّفُ كُلُّهُ اَدَبٌ" "تصوف سراسر ادب ہے" کسی شاعر نے کہا ہے:

اَدِّبُوْا النَّفْسَ اَيُّهَا الْاَصْحَابُ طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا آدَابٌ

"اے دوستوں! اپنے نفوس کو ادب سکھاؤ۔ کیونکہ عشق کے سب راستے آداب ہی ہیں"

لہٰذا بحوائے مذکورہ بالا، ذیل میں چند (اجمالا) آداب لکھے جاتے ہیں (جو کہ "عمدۃ السلوک" سے نقل کئے گئے ہیں) جن کی پابندی مریدین کیلئے از حد ضروری ہے۔

مرید کو چاہئے کہ پیر کی خوب ادب رکھے۔ اس کی صحبت و خدمت کو اپنے اوپر واجب کرلے اور اس کی محبت میں مخمور ہو جائے۔ اپنی خواہش کو اس کی خوشی کے تابع بنادے (مرشد کی ظاہری حیثیت، قومیت، حشمت و شوکت اور پیشہ وغیرہ پر نظر نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے) اور ذکر کی جو تعلیم و تلقین پیر اس کو کرے اس کا پابند رہے اور اس کی نسبت یوں اعتقاد رکھے کہ جو فائدہ مجھ کو اپنے پیر سے پہنچ سکتا ہے وہ اس زمانے کے کسی اور بزرگ سے نہیں پہنچ سکتا۔ پیر کو یہ سمجھنا کہ اس کو ہر وقت ہمارا سب حال معلوم ہے سخت گناہ ہے اور جو فیض اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے، اور اگر واقع میں دیکھے کہ فیض اور بزرگ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے ہی پیر سے جانے اور جان لے کہ وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس کی استعداد کے موافق پیر کے خاص فیض سے ظاہر ہوا ہے۔ جس کو اس نے محبت کے غلبے کے باعث دوسرا خیال کیا ہے اور اس سے فیض جانا ہے یہ بڑا بھاری دھوکا ہے، اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ کے صدقے سے اس لغزش سے بچائے۔ آمین۔

شیخ کی خدمت میں ہر وقت باوضو رہے، کم کھانے، کم سونے اور کم کلام کرنے کی عادت ڈالے، پیر اگر دینی امور میں کچھ حکم کرے تو اس کا

بجالائے (مرشد کے فرمان کوفوراً بجالائے۔اس کے فعل کی اقتداء اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔)، پیر کی اگر مالی خدمت کرے تو اس کا اظہار نہ کرے اور اس بات کی طمع یا مطالبہ نہ کرے کہ پیر مجھ کو کچھ دے۔اور اپنا احسان شیخ پر نہ جتائے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے میری چیز کو قبول کیا اور رد نہیں کیا۔ پیر کے سامنے لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو، پیر اگر کسی کی تعظیم کو اٹھے تو مرید کو بھی چاہئے کہ پیر کی پیروی کرے اور پیر سے جب گفتگو کرے تو نرمی اختیار کرے بلند آواز سے نہ بولے اور پیر کے روبرو قہقہہ نہ لگائے۔اس کی مجلس میں نہایت ادب کے ساتھ بیٹھے (اور اس کے کلام قدسی کو نہایت غور سے سنتا رہے ادھر ادھر نہ دیکھے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے بوقت ضرورت مختصر کلام کرے۔اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے) (پیر کی مجلس میں اپنے آپ کو کسی طرح ممتاز نہ کرے) اور اپنی حیثیت سے اونچی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے اور جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے ، اپنے تئیں حقیر ظاہر کرے اور پیر کے متعلق بداعتقادی کو اپنے سینے میں نہ آنے دے، اگر کوئی آئے بھی تو استغفار کرے، (دل میں کوئی شبہ گزرنے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے عرض کر دے اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا قصور سمجھے۔اگر مرشد کوئی جواب نہ دے تو جان لے کہ میں جواب کے لائق نہ تھا۔ پیر کے قرابت داروں اور عزیزوں سے صلہ رحمی رکھے پیر بھائیوں اور طالبوں کی رعایت کرے اور پیر کی ہر ایک چیز کا ادب و احترام کرے، اور جو کچھ واقعہ سامنے آئے پیر سے بیان کرے (اپنے احوال باطنی (اچھے ہوں یا برے) مرشد کے سامنے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب روحانی ہے اطلاع کے بعد اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتما کر کے سکوت نہ کرے۔ (خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد کی خدمت میں عرض کرے اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی بیان کرے۔) پیر کے فرمان کو رد نہ کرے البتہ اگر ممکن نہ ہو تو عذر کرے، جو کچھ شیخ کرے اس پر حجت نہ کرے، حتی الامکان تاویل سے کام لے اور پیر جو حکم کرے اس کو دلیل سمجھے، اگر پیر اس جہان سے رحلت کر گیا ہو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے، پیر کے روبرو بیہودہ باتیں نہ کرے، نہ کسی کے عیب کو بیان کرے (شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں رہے۔اپنا ظاہر و باطن ایک طرح پر رکھے یعنی دل اور زبان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ رکھے۔) (شیخ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے دل تنگ نہ ہو اور بدگمانی کو راہ میں نہ آنے دے کیونکہ شیخ کی سختی طالب کے لئے صیقل کا کام کرتی ہے۔) اور پیر کے روبرو کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے جس سے وہ ناراض ہو جائے اور جب پیر ناراض ہو جائے تو برا نہ مانے اور اسکی رضا جوئی کرے، اس کی باتوں کو کان لگا کر سنتا رہے اور اس کے کاموں اور باتوں پر اعتراض نہ کرے اور بحث اور جھگڑے پر نہ آجائے۔ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ پیر کی خدمت میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو (شیخ کے پاس بیٹھ کر وظیفہ وغیرہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا لازمی ہو تو اسکی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔)، اس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ بھی کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے سایہ یا کپڑے پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے، (جس جگہ مرشد بیٹھا ہوا ہو اس طرف پاؤں نہ پھیلائے اس کی طرف منہ کر کے نہ تھوکے اگر چہ سامنے نہ ہو۔ (مرشد کا کلام دوسروں کے سامنے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں جس بات کے بارے میں یہ گمان ہو کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو اسے ہرگز بیان نہ کرے۔ کیونکہ بعض باتیں صرف خواص کے لئے ہوتی ہیں۔) (اگر کوئی مرتبہ یا

منصب عنایت ہوتو اللہ تعالی کی رضا کے لئے قبول کرے، دل میں کوئی دنیوی خیال نہ آئے۔)(اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالا مال) ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی پیروی کرے غرضیکہ "اَلطَّرِیْقُ کُلُّهٗ اَدَبٌ"(یہ راہ پوری پوری ادب کی راہ ہے)البتہ اگر کوشش کے باوجود کمی رہ جائے تو معاف ہے۔

(عمدۃ السلوک ۷۰ـ۱۷)

آداب شیخ تفصیلا

درجہ ذیل میں چند آداب بمع فوائد اجمال کے ترتیب کے مطابق نقل کئے جاتے ہیں جو کہ پیر طریقت رہبر شریعت، مفکر اسلام حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''تصوف وسلوک'' اور دیگر صوفیا کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کردیے ہیں۔

محبوب العلماء والصلحاء فرماتے ہیں کہ: یہ آداب حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ سے منقول ہیں۔ شجرہ طیبہ سے انہیں من وعن نقل کیا گیا ہے۔اور تشریح کے لئے''فائدہ'' کے عنوان سے کچھ اضافہ کردیا ہے تاکہ سالکین کو آسانی سے بات سمجھ آسکے۔گویا بامر مجبوری قالین کو ٹاٹ کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔

☆.........ادب نمبر ا: ہر طرح سے مرشد کا مطیع وفرمانبردار رہے۔کیونکہ پیر کی عقیدت اور محبت کے بغیر فیض کا در نہیں کھلتا۔اور محبت کا تقاضا اطاعت وخدمت ہے۔

☆......فائدہ: صوفیاء کے نزدیک سیدنا صدیق اکبرؓ کا سفر ہجرت مرشد کی اطاعت وخدمت اور محبت وعقیدت کی فقید المثال داستان ہے۔چنانچہ ہجرت کی رات نبی علیہ السلام جب حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لائے تو انہیں جاگتے ہوئے پایا۔ پوچھا''ابوبکرؓ آپ کیوں جاگ رہے تھے''۔عرض کیا''اے اللہ کے نبی علیہ السلام! مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ہجرت کا حکم ہوگا۔یہ بھی میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ علیہ السلام مجھے رفیق سفر بنائیں گے۔جس وقت سے یہ خیال آیا میں نے رات کو سونا چھوڑ دیا۔مبادا کہ آپ تشریف لائیں اور مجھے حاضر باش نہ پائیں۔سبحان اللہ۔

حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان داماںؒ کئی دن متواتر موسیٰ زئی شریف سے پیدل چل کر تقریباً تیس کلومیٹر دور ایک شہر درابن جاتے اور دوائی لیکر واپس آتے پھر سارے رات تیمارداری میں مشغول رہتے۔حضرت خواجہ محمد عبد المالکؒ (چونکہ قریشی والے) نے تقریبا بارہ سال حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ پر رہ کر بکریاں چرائیں حتی کہ بکرو وال (بکریاں چرانے والا) کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت مرشد عالمؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ نے ایک خوبصورت بیش قیمت نفیس ہینڈ بیگ (پرس) خریدا۔ پوچھنے پر بتایا کہ میں اس میں اپنے پیرومرشد کے استعمال کے لئے مٹی کے ڈھیلے رکھا کروں گا۔عربی کا مقولہ ہے:''اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ

یُحِبُّ مُطِیْعٌ‘‘ ’’محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے‘‘ یہی محبت وخدمت حصول فیضان کا سبب بنتی ہے۔ (تصوف وسلوک:۵۳۔۵۴)

☆......... ادب نمبر۲: مرشد کی ظاہری حیثیت، قومیت، حشمت وشوکت اور پیشہ وغیرہ پر نظر نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے۔ بلکہ اس نعمت اور فیضان کو جو اللہ تعالیٰ نے شیخ کو عنایت کیا ہے نگاہ میں رکھ کر اسے حق تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ سمجھے اور کمال صدق ویقین سے اس کی صحبت کا فیض اٹھائے۔

☆...... فائدہ: جس طرح کوئی مریض اپنے طبیب کی طبی مہارت کو سامنے رکھ کر علاج کرواتا ہے۔ اس کی ظاہری حیثیت، قومیت، حشمت وشوکت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسی طرح سالک کو بھی مرشد کی باطنی نعمت پر نظر رکھنی چاہئے، ظاہری حشمت وشوکت پر نہیں۔

☆ ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام صحابہؓ کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ سامنے سے ایک شخص کا گزر ہوا۔ نبی اکرم علیہ السلام نے پوچھا: ’’آپ لوگ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں‘‘ عرض کیا گیا ’’یہ امیر آدمی انتہائی خوش لباس ہے اگر یہ کسی سے بات کرے تو توجہ سے بات سنی جائے۔ اگر کسی طرف رشتے کا پیغام بھیجے تو قبول کرلیا جائے‘‘ تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے صاحب گزرے تو نبی علیہ السلام نے پوچھا: ’’آپ لوگ اس شخص کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں‘‘ عرض کیا گیا ’’غریب آدمی مفلس ونادار نظر آتا ہے۔ اگر بات کرے تو لوگ توجہ سے نہ سنیں۔ کہیں رشتے کا پیغام بھیجے تو قبول نہ ہو‘‘ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: ’’اگر پہلے جیسے لوگوں سے ساری دنیا بھر جائے تو سب مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس غریب نیک شخص کے برابر نہیں ہوسکتے‘‘۔

☆ ایک روایت میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو اور مال پیسے کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

☆... حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ’’سیدنا بلال آگئے‘‘ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظاہری حشمت وشوکت کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ ظاہری حالات پر نظر نہ رکھے بلکہ شیخ کی باطنی دولت کو پیش نظر رکھے۔ حقیقت یہی ہے کہ پیاسے آدمی کو ٹھنڈا پانی پینے سے غرض ہوتی ہے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ پانی مٹی کے پیالے میں ہے کہ سونے چاندی کے چمکتے برتن میں ہے۔

☆ رہی بات قومیت کی، تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُم﴾ (الحجرات۔۱۳) ’’ہم نے تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے ہاں عزت والا متقی پرہیزگار ہے‘‘۔

☆... روایت ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے جب حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت کی تو ایک صاحب نے کہا ’شاہ صاحب! آپ نے سید ہوکر ایک جاٹ سے بیعت ہے‘‘ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ’’میں جٹ دا بنا ساواڈ ٹھائے‘‘ میں نے زمیندار کی کھیتی سرسبز وشاداب دیکھی ہے‘‘ لہٰذا بیعت کی ہے‘‘۔

☆...... ادب نمبر۳: جو ورد وظیفہ تعلیم کرے اسی کو اپنا معمول بنائے اس کے علاوہ تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اپنی طرف سے شروع کئے ہوں یا کسی دوسرے نے بتائے ہوں۔ البتہ اعمال مسنونہ مستثنیٰ ہیں۔

☆......فائدہ:یہ بات عامۃ الناس میں بھی مشہور ہے کہ مریض کو ایک وقت میں ایک طبیب کی دوا استعمال کرنی چاہئے اسی طرح سالک کو فقط اپنے ہی شیخ کے بتائے ہوئے معمولات پرعمل کرنا چاہئے۔اس کی اصل 'وحرمنا علیه المراضع ' ہے۔اپنی مرضی سے یا کسی اور کے کہنے پر مزید وظائف کو اپنائے گا تو نقصان اٹھائے گا۔مبتدی کے لئے وظائف دوا کی مانند اور منتہی کیلئے غذا کی مانند ہوتے ہیں۔وظائف میں ثواب کی نیت کرنا برا نہیں ہے۔"وَفِیْ ذَالِکَ فَلْیَتَنَا فَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ" "اور حرص کرنیوالوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے" اس کی دلیل ہے۔

سالک کو چاہئے کہ اپنے عمل کو اتنا کامل بھی نہ سمجھے کہ ناز پیدا ہو اور اتنا ناقص بھی نہ سمجھے کہ مایوسی ہو۔﴿یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً﴾ (السجدۃ:۱۶) "ایمان والے اپنے رب کی عبادت خوف اور امید کے درمیان کرتے ہیں" میں یہی راز پوشیدہ ہے۔

اوراد وظائف صبح وشام کرنے کی قرآنی ﴿یُسَبِّحُ لَهُ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ہے۔

☆......ادب نمبر۴: شیخ کو اپنے حق میں سب سے انفع (زیادہ نفع پہنچنے کا ذریعہ) سمجھے اور یہ اعتماد رکھے کہ میرا اصلاح باطن اور حصول معرفت کا مطلب اسی مرشد سے با آسانی حاصل ہوگا۔ہرجائی نہ بنے اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو فیض کے برکات سے محروم رہے گا۔

☆......فائدہ:ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴾ (یوسف:۷۶) "اور ہر علم والے پر بڑا علم والا ہے" لہٰذا شیخ اگرچہ "سب سے زیادہ علم والا" نہ بھی ہو سالک کے حق میں انفع "سب سے زیادہ نفع پہنچانے کا باعث" ضرور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک بچے کو جو پیار محبت اور شفقت اپنی ماں سے مل سکتی ہے وہ کسی دوسری عورت سے نہیں مل سکتی۔حالانکہ دوسری عورتیں عقل وشکل اور اخلاق وغیرہ میں اس کی ماں سے افضل ہو سکتی ہیں۔مثل مشہور ہے کہ ماں کی محبت وہ ہمالیہ ہے جس کی بلندی یوں کو کوئی نہیں چھو سکتا۔ماں کی محبت وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائیوں تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ماں کی ماتا وہ سدا بہار پھول ہے جس پر خزاں و بہار اثر انداز نہیں ہو سکتے۔اسی طرح سالک کو جو نفع اپنے شیخ سے حاصل ہو سکتا ہے وہ کسی اور سے نہیں۔سالک شیخ کے بارے میں جتنا حسن ظن رکھے اتنا ہی فیض کا دروازہ کھلے گا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ زیادہ کم گو اور خاموش طبع تھے۔ایک مرتبہ کسی نے کہا حضرت کچھ وعظ ونصیحت فرمائیں تاکہ سالکین کو فائدہ ہو۔حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: "جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا"

حضرت مجددؒ لکھتے ہیں کہ "ہم تین پیر بھائی تھے اور ہم تینوں کا اپنے شیخ کے بارے میں مختلف گمان تھا ایک تو یہ گمان رکھتا تھا کہ میرے شیخ خود تو کامل ہیں دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتے۔دوسرے کا گمان تھا کہ میرے شیخ کامل تو ہیں مگر صاحب ارشاد نہیں ہیں جبکہ میرا یہ گمان تھا کہ اس امت میں کسی کو کامل شیخ ملے ہیں تو صدیق اکبرؓ کو نبی ﷺ ملے یا پھر اس کے بعد مجھے کامل شیخ ملے ہیں۔میرے اس حسن ظن کی وجہ سے مجھے تجدیدی کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے چن لیا" پس آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ بنے۔سالک کو چاہئے کہ ہرجائی نہ بنے اور حصول فیض کیلئے اپنے مرشد کے علاوہ کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو اس کی اصل "وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ" بن سکتی ہے۔(ایضا۔۵۲-۵۳)

☆......ادب نمبر۵: جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ کسی دوسرے بزرگ سے فیض پہنچ رہا ہے تو یہ خیال کرے کہ میرے مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

☆......فائدہ: جس طرح ایک بلب تار سے جڑا ہوتا ہے اسے جو بھی بجلی پہنچتی ہے اسی تار کے ذریعے سے پہنچتی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ بجلی تربیلا ڈیم سے آرہی ہے یا منگلا ڈیم سے، بجلی جس پاور اسٹیشن سے بھی آئے گی اسی تار سے ہوکر بلب کو ملے گی۔ اسی طرح مرید کو جو بھی باطنی فیض پہنچتا ہے وہ شیخ کے قلب سے ہوکر پہنچتا ہے اگرچہ وہ فیض پیچھے کسی بھی بزرگ کی طرف سے آرہا ہو۔ اسی لئے کوئی مرید ظاہر میں کسی دوسرے بزرگ سے فیض ملتا دیکھے تو بھی یہی گمان کرے کہ میرے شیخ کا کوئی لطیفہ اس شکل میں ظاہر ہوکر مجھے فیض پہنچا رہا ہے مرید کی توجہ کا قبلہ ہمیشہ ایک ہی ہونا چاہئے اس کو کہتے ہیں ''یک گیر محکم گیر'' ''ایک ہی شیخ بنالو اور ان کو ہی مضبوط پکڑو''

حضرت خواجہ محمد سعید قریشیؒ ایک مرتبہ سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت زوار حسین شاہؒ، حضرت مولانا محمد سعید گوہانویؒ، اور مریدین سے بھی چند حضرات رفیق سفر تھے۔ مزار مبارک پر کافی دیر مراقبہ کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ہمکلامی نصیب ہوئی مختلف امور پر گفتگو کے بعد حضرت مجددؒ نے فرمائش کی کہ اپنے خلفاء (سید زوار حسین اور مولانا محمد سعید گوہانویؒ وغیرھم) کو کچھ دن یہیں میرے پاس چھوڑ جائیں۔ حضرت خواجہؒ صاحبؒ نے اپنے خلفاء سے فرمایا کہ اب میں تو آگے سفر کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ آپ حضرات فیصلہ کرلیں کہ کیا کرنا ہے۔ مولانا محمد سعید گوہانویؒ نے پوچھا ''حضرت آپ کا حکم ہے کہ ہم یہاں ٹھہریں یا ہماری مرضی پر ہے کہ یہاں ٹھہریں یا ساتھ سفر پہ جائیں۔'' حضرت نے فرمایا:''آپ حضرات کی مرضی پر ہے میں نے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کا پیغام پہنچا دیا ہے'' مولانا گوہانویؒ نے کہا ''حضرت! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے ہمارے مجدد تو آپ ہیں''۔ سبحان اللہ۔ مرشد کیساتھ وابستگی ہو تو ایسی۔ دعوت کی جا رہی ہے حضرت مجددؒ کی طرف سے جو اپنے سلسلہ کے سرخیل بزرگ ہیں، پیغام پہنچا رہے ہیں اپنے پیر و مرشد، تو اس سب کے باوجود یہ کہنا کتنا عجیب ہے کہ حضرت! ہمارے مجدد تو آپ ہیں۔ اسی لئے ان حضرات کو ایسی ایسی کیفیات ملتی تھیں کہ آج کا سالک ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ پاتا۔ ''الا ماشاء اللہ''۔

حضرت خواجہ ابو سعید خرازؒ کے خاندان میں آباؤ اجداد سے ایک خرقہ چلا آرہا تھا مشہور تھا کہ خاندان کے مشائخ نے اپنی توجہات کو اس میں شامل کیا ہوا ہے۔ کئی مرتبہ اس خرقہ کی برکات ظہور میں آئیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کو ان کے پیر و مرشد نے جب اجازت وخلافت دی تو انہوں نے بھی ایک خرقہ عطا فرمایا۔ یہ دونوں خرقے حضرتؒ کے استعمال میں رہے۔ جب آپ پر مرض الموت کا غلبہ ہوا۔ تو آپ نے ایک خادم سے کہا کہ خرقہ لاکر میرے اوپر ڈال دو تاکہ میں اس کے فیوضات سے مستفیض ہوں۔ خادم نے پوچھا، حضرت! کونسا خرقہ؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے آباؤ اجداد کے خرقے کا بہت احترام لیکن اس وقت میرے پیر و مرشد کا عطا کردہ خرقہ لاؤ۔ میں آخری وقت میں اپنے ومرشد کے انوارات میں مستغرق ہوکر مرنا چاہتا ہوں۔ (ایضا:۶۷-۷۷)

☆......ادب نمبر۶: مرشد کے فرمان کو فوراً بجالائے۔ اس کے فعل کی اقتداء اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کی مناسبت سے کام کرتا ہے۔ جو مرید کیلئے اس کی استعداد سے عالی ہونے کی وجہ سے مضر ہوتا ہے البتہ قولی متابعت

اختیار کرتا رہے تاکہ پیر سے محبت اور مناسبت پیدا ہو جائے۔

☆......فائدہ: اس ادب کی اصل وہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے دن میں متواتر روزے رکھنے شروع کر دیئے اور رات قیام وسجود کی حالت میں بسر کرنے لگے۔ بعض صحابہ کرامؓ کو اسکا پتہ چلا تو انہوں نے بغیر اجازت طلب کئے اس کی اتباع شروع کر دی۔ اتنی ریاضت اتنا مجاہدہ کہ چند دنوں میں نقاہت وبے آرامی کی وجہ سے حالت غیر ہونے لگی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ'' ''تم میں سے کون میری طرح ہو سکتا ہے۔ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے''۔

سالک کو چاہئے کہ مرشد کے حکم کو فوراً بجالائے۔ البتہ اگر مرشد کو کوئی خاص عمل کرتا دیکھے تو اجازت طلب کرے۔ اجازت ملنے پر عمل کو اپنائے۔ نہ ملنے پر اپنے آپ کو کم ظرف کم ہمت سمجھے۔ زبان سے مرشد کے عمل ہی کو اقویٰ کہے تاکہ پیر سے محبت اور مناسبت پیدا ہو جائے۔ (ایضا:۵۵۔۵۶)

☆......ادب نمبر۷: حسب استطاعت جان ومال سے شیخ کی خدمت کرے اور اس پر احسان نہ جتلائے بلکہ شیخ کا احسان سمجھے کہ اس نے خدمت کو شرف قبولیت بخشا۔ شیخ سے کسی قسم کی طمع یا مطالبہ نہ رکھے جتنی بھی خدمت کرے خلوص وللہیت سے کرے۔ تاکہ کمال ایمان سے بہرہ مند ہو۔

فائدہ: غزوہ تبوک میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے نبی علیہ السلام کے اشارے پر اپنا سارا مال قدموں پر نچھاور کر دیا۔ ایک مرتبہ ٹاٹ کا لباس پہنے حاضر خدمت ہوئے تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا: ''ابوبکر'' ! تمہیں مکہ کی تجارت والی آسودگی یاد ہے، دیکھو آج تمہارا کیا حال ہو گیا''۔
صدیق اکبرؓ نے تڑپ کر عرض کیا: ''اما لو عشت انا عمر الدنیا و اعذب به جمیعا اشد العذاب لایفرجنی فرج الملیح''
''یہ چند سالوں کی زندگی ہے اگر ساری کی ساری زندگی شدید ترین تکالیف میں گزر جائے حتی کہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی نہ لگے تو آقا علیہ السلام تیری خاطر یہ سب کچھ آسان ہے۔ میرے ہاتھ میں آپ کا ہاتھ آ جانا میرے لئے نعمت عظمیٰ ہے''۔
حضرت صدیق اکبرؓ اس قدر جانی ومال قربانی پیش کرنے کے باوجود ایک مرتبہ گوشہ تنہائی میں بیٹھے زار وقطار رو رہے تھے اور دعا مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یا اللہ! میں اپنا مال نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مگر دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اونچا ہوتا ہے مجھے اپنے آقا علیہ السلام کی اتنی بے ادبی بھی گوارا نہیں۔ یا اللہ! میرے آقا علیہ السلام کے دل میں القا فرما کہ وہ میرے مال کو اپنے ذاتی مال کی طرح خرچ کریں۔ یہ ہے مزہ کہ خدمت بھی کرے احسان مند بھی شیخ کا ہو۔ بقول شخصے:

منت نہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی   منت از وشناس کہ در خدمت گزاشتہ

اے مخاطب! تو بادشاہ کی خدمت کر کے احسان نہ چڑھا۔ (بادشاہ کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں) یہ بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کر لیا''۔ (ایضا:۵۴۔۵۵)

☆......ادب نمبر ۸: جب شیخ کھڑا ہوتو مرید بھی کھڑا ہوجائے اور اس کے بیٹھنے کے بعد بیٹھے۔

☆......فائدہ: یہ اکرام میں داخل ہے کہ جب شیخ کھڑا ہوتو مرید بھی کھڑا ہوجائے اور جب شیخ بیٹھے تو مرید بھی بیٹھ جائے۔ بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو کھڑا ہونے سے منع کیا تو پھر مشائخ کی مجالس میں لوگ کسی کے اکرام کیلئے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ یہ حضرات ایسے موقع پر نہ تو خود کھڑے ہوتے ہیں اور نہ ہی کھڑا ہونے والوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔ شریعت محمدیہ علیہ السلام کا یہ حسن ہے کہ جہاں کسی معاملہ میں دو فریق ہوں تو دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہیں۔ دونوں میں محبت و پیار اور اکرام وتکریم کا رشتہ استوار رہے۔

شریعت نے ایک طرف تو مرید کو کھڑے ہونے کا حکم دیا تاکہ استاد کی عزت افزائی ہو اور ''انزلوا الناس منازلهم'' پر عمل ہو۔ دوسری طرف مرشد کو حکم دیا کہ لوگوں کے کھڑے ہونے کو پسند نہ کرے تاکہ عجب وتکبر سے بچ سکے۔ پس مرید کھڑے ہونے کو فرض منصبی سمجھے اور مرشد محبت و پیار سے بیٹھنے کی تلقین کرتا رہے تاکہ محبت وعقیدت کا بندھن سلامت رہے۔ کھڑا نہ ہونے کی احادیث تو معروف ہیں سہی یہاں کھڑے ہونے کے بارے میں دو احادیث پیش کیجاتی ہیں۔

☆ امام نسائی اور امام ابوداؤد حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام ہم سے گفتگو کرتے پھر آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے تھے۔

☆...امام بخاریؒ وامام مسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ تشریف لا رہے تھے۔ جب قریب آگئے تو نبی اکرم علیہ السلام نے انصار سے کہا: ''قوموا لسيدكم'' ''اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ'' پس صحابہ کرامؓ ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہوگئے۔ نبی علیہ السلام کے اسی حکم کے پیش نظر مرید اپنے سید و مرشد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ (مزید تفصیل ''قیام تعظیمی کی شرعی حکم'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں) (ایضا ۶۲-۶۳)

☆...... ادب نمبر ۹: شیخ کی صحبت میں باادب ہوکر نہایت عاجزی سے خاموش بیٹھا رہے۔ اور اس کے کلام قدسی کو نہایت غور سے سنتا رہے ادھر ادھر نہ دیکھے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے بوقت ضرورت مختصر کلام کرے۔ اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔ گفتگو آہستگی اور نرمی سے کرے نیز اپنی آواز مرشد کی آواز سے بلند نہ کرے۔ کوئی بات ایسی نہ کہے جو پیر کی سبکی اور گرانی کا سبب بنے۔

☆......فائدۃ: سالک جب طالب صادق بن کر گوش ہوش سے نصیحت سنے۔ تو دل پر یقینی اثر ہوتا ہے ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق:۳۷) ''اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کیلئے جس کے پاس عقل ہو یا کم از کم دوسرے کی بات توجہ سے سنے'' مرشد کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ممکن ہے شیخ کسی خاص علمی نکتہ پر غور وفکر کررہے ہوں یا کسی کے دل پر باطنی توجہات ڈال رہے ہوں یا ان پر الہام کی کیفیت ہو یا کسی اہم کام یا مضمون کی طرف طبیعت متوجہ ہو۔ ایسی صورت میں کسی کا بدون اجازت کلام کرنا طبیعت پر انقباض کا باعث بنتا ہے۔ مزید برآں دوران گفتگو اپنی آواز کو مرشد کی

آواز سے بلند نہ کرے۔

☆......ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾(الحجرات:۲)

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور ان کے سامنے بات زیادہ اونچی آواز سے نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچا بول لیتے ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں محسوس بھی نہ ہو''

مرشد کی بات نہایت غور سے سننی چاہئے۔ بعض مشائخ کا قول ہے مرشد کو زبان بننا چاہئے اور مرید کو کان بننا چاہئے۔(ایضاً ۵۷۔۵۸)

☆............ادب نمبر۱۰: پیر کی مجلس میں اپنے آپ کو کسی طرح ممتاز نہ کرے اور اپنے تئیں حقیر، نیاز مند، تشنگی، اور طلب سے بھرا ہوا ظاہر کرے۔

☆......فائدہ: مرشد کی موجودگی میں کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے حاضرین پر علمی تفوق ظاہر ہو۔ نہ ہی دنیاوی جاہ وحشمت کا مظاہرہ کرے، نہ ہی کسی عمل سے یہ ظاہر کرے کہ میں شیخ کا مشیر اور ہمراز ہوں اور نہ ہی یہ جتلائے کہ مرشد مجھ پر بہت مہربان ہے۔ یہ تمام باتیں نفس کو موٹا کرتی ہیں۔ اور انانیت کی دلیل ہیں۔ حتی الوسع نیاز مندی اور عاجزی کو اپنائے۔

زمیں کی طرح جس نے عاجزی وانکساری کی خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسمان ہو کر(ایضاً:۵۱)

☆............ادب نمبر۱۱: دل میں کوئی شبہ گزرنے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے سے عرض کردے اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا قصور سمجھے۔ اگر مرشد کوئی جواب نہ دے تو جان لے کہ میں جواب کے لائق نہ تھا۔

☆......فائدہ: جو سالکین اپنے مرشد سے محبت وعقیدت کے رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بنالیتے ہیں اول تو انہیں کوئی غلط فہمی پیدا ہی نہیں ہوتی اگر دل میں کوئی سوال پیدا بھی ہو تو عموماً مرشد کی توجہات کی برکت سے خود ہی جواب بھی دل میں القا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مرشد کی زبان سے دوران گفتگو اس کا جواب دلوا دیتے ہیں۔ سالکین حیران ہو کر کہتے ہیں۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال با تو مشکل حل شود بے قیل وقال

''اے کہ تیری ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور آپ سے بغیر کہے سنے مشکل حل ہو جاتی ہے''

سالکین طریقت کے لئے مرشد کی کسی قول، وفعل پر دل میں شبہ کا پیدا ہونا سب سے بڑا شیطانی دھوکا ہے عموماً مبتدی حضرات محبت وعقیدت اور رابطہ شیخ میں کمی کی وجہ سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں ایک اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب بیعت سے پہلے مرشد میں وہ تمام شرائط نشانیاں اور صفات دیکھ لی گئیں جو ایک شیخ کامل میں ہونی چاہئیں تو پھر بیعت کے بعد شیطان کو کوئی بھی غلط فہمی پیدا کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ ہر بات میں اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے مرشد کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے اور پرکھتے رہنا فیض سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔

ابوجہل ساری عمر نبی ﷺ کو محمد بن عبداللہ کی نظر سے دیکھتا رہا کاش کہ ایک مرتبہ محمد رسول اللہ کی نظر سے دیکھ لیتا تو بیڑا پار ہو جاتا۔ بدگمانی اور

شک کی نظر اس ہستی پر ڈالنا جو اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کا ذریعہ ہے کتنا پڑا ستم ہے حق بات یہی ہے کہ ذہن اپنا بیمار ہوتا ہے کوتاہی شیخ میں نظر آتی ہے مرشد کی حیثیت تو آئینے کی مانند ہوتی ہے۔حدیث پاک ”اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ لِلْمُؤْمِنِ“ ”مومن،مومن کا آئینہ ہے“ کے مطابق مرید کو اپنی ہی خامیوں کا عکس نظر آتا ہے۔لہذا شبہ پیدا ہونے کی صورت میں فوراً مناسب طریقے سے مرشد کو آگاہ کر دینا چاہئے۔حضرت مرزا مظہر جاناںؒ کی خدمت میں ایک ہندو پنڈت حاضر ہوا۔کہنے لگا کہ مجھے کئی سالوں سے کشف القلوب نصیب ہے۔میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا دل بالکل سیاہ ہے۔حضرتؒ نے پوچھا کہ تمہیں یہ چیز کیسے ملی؟ کہنے لگا کہ ہر کام نفس کے خلاف کرنے سے۔حضرتؒ نے باتوں باتوں میں کہا کہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ کہنے لگا کہ جی نہیں چاہتا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ کام بھی تو نفس کے خلاف کر و ناں۔ہندو پنڈت اسی وقت توبہ تائب ہو کر مسلمان ہوا۔حضرتؒ نے فرمایا اب میرے قلب پر نظر ڈالو۔کہنے لگا کہ حضرتؒ اب تو نور ہی نور نظر آرہا ہے۔فرمایا کہ پہلے تمہیں اپنے قلب کا عکس میرے اندر نظر آیا تھا۔

رہا علمی مسائل کا پوچھنا اور اشکالات کا حل کرنا تو ایسی باتیں مناسب طریقے اور مناسب موقع پر ضرور پوچھنی چاہئیں۔”فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ ”اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے“ کا یہی مقصود ہے۔البتہ ہر وقت لم اور لا کے چکر میں پڑے رہنا عقلمندی نہیں۔ (ایضاً ۶۷-۶۸)

☆............ادب نمبر ۱۲: مرشد کے قرابت داروں اور عزیزوں سے محبت و مودت رکھے۔اس کے دوستوں محبوبوں اور نیز پیر بھائیوں اور طالبوں کی رعایت کرے اس کی بدگوئی اور اس کے مخالفوں سے دور رہے تاکہ استقامت حاصل ہو۔

☆..... فائدہ: مرشد سے محبت کی پہچان یہی ہے کہ مرید اپنے مرشد کے قرابت داروں اور عزیزوں سے محبت و مودت رکھے۔یہی تعلیم کتاب وسنت سے ملتی ہے قرآن مجید میں نبی علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا: ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ: ۲۳) ”آپ فرما دیجئے اے میرے قوم میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔سوائے اپنے قرابت داروں سے محبت کے“

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال. حب نبیکم وحب آل بیتہ وتلاوۃ القرآن“ ”اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو۔پیغمبر ﷺ کی محبت آپ کے اہل بیت کی محبت اور تلاوۃ قرآن“ (ایضاً: ۷۰-۷۱)

☆............ادب نمبر ۱۳: اپنے احوال باطنی (اچھے ہوں یا برے) مرشد کے سامنے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب روحانی ہے اطلاع کے بعد اصلاح کرے گا۔مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔

☆..... فائدہ: جس طرح کوئی مریض اپنے حالات سے طبیب جسمانی کو باخبر رکھتا ہے اگر نہ رکھے گا تو موت کے منہ میں چلا جائے گا،اسی طرح سالک کو چاہئے کہ اپنے مرشد یعنی طبیب روحانی کو کیفیات وواردات سے مطلع کرتا رہے ورنہ دل مردہ ہو جائے گا۔اس معاملے میں افراط وتفریط سے بچنا لازمی ہے۔افراط یہ کہ سالک اپنی کیفیات شیخ کے علاوہ ہر کہ ومہ کے سامنے بتاتا پھرے۔حالانکہ واردات وکیفیات تو عرائس باطنی ہوتی ہیں بھلا کوئی شخص غیر کو اپنی دلہن دکھاتا ہے۔تفریط یہ ہے کہ اپنے حالات شیخ کے سامنے بھی نہ کہے

اور یہ سوچتا رہے کہ مرشد صاحب کشف ہیں انہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔اعتدال کی راہ یہی ہے کہ اپنے حالات سے مرشد کو مطلع کرتا رہے۔صوفیہ کا قول ہے کہ سالک اگر اطلاع اور اتباع کا اپنا دستور بنالے گا تو اس کی ترقی میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔(ایضا ۱۷)

☆......ادب نمبر ۱۴: خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد کی خدمت میں عرض کرے اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی بیان کرے۔

☆......فائدہ: بعض سالکین لطیف الطبع ہوتے ہیں انہیں بہت خواب نظر آتے ہیں اور بعض کثیف الطبع ہوتے ہیں انہیں کم خواب نظر آتے ہیں۔زیادہ خواب نظر آنا فضیلت کی بات نہیں اور کم خواب نظر آنا بھی گراوٹ کی دلیل نہیں۔

خواب کے اقسام

خواب تین طرح ہوتے ہیں:

(۱)......حدیث نفس: سالک جو کچھ دن میں کرتا سوچتا ہے یا اس کے لاشعور میں ہوتا ہے وہی کچھ خواب میں نظر آجاتا ہے۔

(۲)......اضغاث واحلام: اوٹ پٹانگ خیالات خواب کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

(۳)......رؤیا صالحہ: سچے خواب جنہیں نبوت کا چھتیسواں حصہ کہا گیا ہے۔

ان تینوں قسم کے خوابوں میں پہچان کرنا ایک مشکل امر ہے۔باطنی بصیرت رکھنے والا ہی یہ معمہ حل کرسکتا ہے۔سالک کو چاہئے کہ جو کچھ خواب میں دیکھے وہ اپنے شیخ کی خدمت میں بے کم وکاست عرض کردے۔مرشد اگر تعبیر بتادے تو فبہا اگر خاموش رہیں تو سمجھ لے کہ تعبیر بتانا میرے لئے بہتر نہیں تھا۔یا پھر یہ خواب قابل تعبیر نہ تھا۔تعبیر الرؤیاء کے سلسلہ میں چند باتیں بڑی اہمت کی حامل ہیں:

(۱)......کئی خواب جس طرح نظر آئیں ان کی تعبیر من وعن اسی طرح ہوتی ہے

(۲)......کئی خوابوں کی تعبیر الٹ ہوتی ہے۔مثلاً کسی کو دیکھا کہ مر گیا مگر حقیقت میں لمبی زندگی پائی۔

(۳)......کئی خوابوں کی تعبیر تمثیل پر منحصر ہوتی ہے۔حضرت یوسف نے موٹی گائے دیکھی تو تعبیر رزق کی فراوانی والا سال، پتلی گائے کی تعبیر قحط زدہ سال۔

(۴)......ایک ہی خواب دو مختلف آدمی دیکھیں تو دونوں کے لئے تعبیر مختلف ہوگی۔نیک آدمی نے خواب دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں "واذن فی الناس بالحج" کے تحت عزت ملی۔کسی فاسق شخص نے دیکھا کہ اذان دے رہا ہوں۔تو "ثم اذن موذن" کے تحت چوری کرتے پکڑا گیا، ذلت ملی۔

(۵)......ایک ہی خواب مختلف موسموں میں دیکھیں تو تعبیر مختلف۔سردیوں میں آگ دیکھیں تو فائدہ پہنچے، گرمیوں میں آگ دیکھیں تو نقصان ہو۔

(۶)...... کئی مرتبہ خواب ظاہر میں اوٹ پٹانگ مگر رویاء صالحہ میں سے ہوتا ہے۔زبیدہ خاتون نے اپنے آپ کو برہنہ دیکھا پھر انسانوں، جانوروں اور پرندوں کو دیکھا کہ اس سے زنا کر رہے ہیں۔پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی، ڈر گئی کہ کہیں رسوا نہ ہو جاؤں۔مگر تعبیر یہ تھی کہ اس نے نہر

بنوائی جس سے انسانوں، جانوروں، پرندوں، اور چرندوں نے پانی پیا۔ زبیدہ خاتون کے لئے صدقہ جاریہ بنا۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اپنی ماں سے زنا کر رہا ہوں۔ بہت پریشان ہوا۔ مگر ماں سے مراد زمین اور زنا سے مراد اس سے فائدہ لینا۔ چنانچہ اسے اپنی کھیتی سے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔

سالکین کو ایک اصول ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ بالفرض سچا خواب بھی نظر آئے تو جب تک پورا نہ ہو کیا فائدہ۔ مثلاً خواب میں دیکھا کہ بادشاہ بن گیا ہوں تو کیا فائدہ جب تک حقیقت میں نہ بنے۔ حضرت یوسفؑ نے سورج، چاند، ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا مگر کنویں میں گرنا پڑا۔ مصر میں بکنا پڑا۔ عزیز مصر کے گھر کی چاکری کرنی پڑی۔ آزمائش میں سے گزرنا پڑا، نو سال جیل کاٹنی پڑی پھر بادشاہت ملی اور خواب پورا ہوا۔ جب سچے خوابوں کا بھی یہ حال ہے تو پھر اوٹ پٹانگ خوابوں پر فریفتہ کیا ہونا۔ بعض سالکین تو ہر وقت خواب ہی سناتے پھرتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوابوں کی دنیا کے شہزادے ہیں۔

درحقیقت شیطان خوابوں کے ذریعے بڑے بڑوں کو گرادیتا ہے۔ خود پسندی اور عجب پیدا کر کے فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مرشد ہی کی ذات ہے جو ان شیطانی ہتھکنڈوں سے خبردار کرتی ہے تاکہ ایمان بچ جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید روزانہ خواب میں جنت کی سیر کرتا تھا۔ صبح اٹھ کر لوگوں میں تذکرے کرتا حتی کہ اس کے قصے زبان زد عام ہوگئے ایک سال اسی حالت میں گزر گیا۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے دیکھا کہ خود پسندی اور خود فریبی کے جال میں پھنس چکا ہے فرمایا''اب جنت نظر آئے تو "لاحول ولاقوۃ" پڑھنا'' مرید سمجھا کہ شیخ مجھ سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اگلی رات خواب میں جنت کی سیر کرنے لگا تو خیال آیا کہ شیخ نے کہا تھا۔'' درحقیقت یہ شیخ کی توجہ اور برکت تھی) کہ لاحول ولاقوۃ پڑھنا۔ جب پڑھا تو سب نقشے ختم چند ہڈیاں پڑی دیکھیں۔ تب احساس ہوا کہ شیطان تو میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا تھا۔

بعض سالکین کو خواب میں بزرگ نظر آتے ہیں سالک سمجھتا ہے کہ مجھے باطنی فائدہ ہو رہا ہے۔ حقیقتاً شیطان اس کا رابطہ شیخ سے کاٹنا چاہتا ہے۔ بعض سالکین کو دیکھا کہ خواب ایک سے بڑھ کر ایک عجیب وغریب دیکھتے ہیں مگر پابندی شریعت میں سست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ فتنہ پڑنے کی واضح علامات ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:'' من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لایتمثل بی'' (بخاری کتاب الایمان) ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھ کو دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل ہرگز نہیں بنا سکتا''

اس حدیث پاک کے تحت حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ شیطان نبی ﷺ کی اس صورت مبارک میں جس میں آپ ﷺ مدینہ میں پردہ فرما ہیں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر ایک صورت میں آکر دھوکہ دے سکتا ہے چاہئے وہ اہل اللہ کی صورت ہو یا آباؤ اجداد کی۔ لہذا جو سالکین خوابوں پر اپنی روحانیت کی بنیاد رکھتے ہیں وہ بڑے خطرے میں ہوتے ہیں بعض خانقاہوں کے تو سجادہ نشین حضرات بات شروع کرتے ہیں۔ خواب سے اور ختم کرتے ہیں ہی تو خواب پر۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں سورۃ النجم کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس جگہ پہنچے: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (19)

وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ (النجم:۲۰) ''بھلا تم نے لات عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے''
تو صحابہؓ کو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے آپ نے اس سے آگے یہ کہا کہ انکی بھی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ صحابہ کرامؓ بہت حیران ہوئے۔ نماز سے فراغت پر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ نئی آیتیں اتری ہیں جو آپ ﷺ نے پڑھی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں پڑھیں چنانچہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور آیات اتریں۔ ﴿أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ ''شیطان نے اپنی گفتگو (وقف دوران) حضور ﷺ کی قرات سے ملادی تھی''۔ پھر پتہ چلا کہ شیطان نے اپنی آواز نبی ﷺ کی مبارک آواز کی مانند بنا کر یہ عبارت پڑھی تا کہ صحابہ کرامؓ کو دھوکہ دے سکے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں بحالت نماز کی یکسوئی میں صحابہ کرامؓ جیسے پاکیزہ حضرات کو دھوکہ دینے سے شیطان باز نہیں آیا تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ بلند و بانگ دعویٰ کریں۔ آج کا سالک اتنی کمزور روحانیت، مشکوۃ نبوت سے اتنا بعد، فتنے والا دور پھر نیند کی حالت میں تو شیطان کے لئے بہکانا کونسا مشکل کام ہے۔ سالک کو یوں سوچنا چاہئے کہ ہمیں تو شیطان جیتے جاگتے باقائمی ہوش وحواس بہکا دیتا ہے تو خواب کی حالت میں بہکانا کونسا مشکل کام ہے۔ پس خوابوں پر اعتماد ہرگز ہرگز نہ کرے جو کچھ دیکھے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کردے اور دعائیں کرتا رہے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ" (یا اللہ میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ شیطان مردود کی چوکیوں سے اور اس بات سے کہ وہ شیطان میرے اعمال میں حاضر ہو کر دخل دیں۔'' (ایضا ۷۷-۷۸)

☆...... ادب نمبر ۱۵: جب مرشد اس دار فانی سے رحلت فرما جائے۔ تو اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرے تا کہ تعلق روحانی باقی رہے۔

☆...... فائدہ: سالک کا انگ انگ اسی ہستی کے احسانات میں ڈوبا ہوتا ہے جو وصول الی اللہ کا ذریعہ بنے۔ اگر وہ وفات پا جائے تو ایصال ثواب کو یوں سمجھیں جیسے روزانہ تحفہ بھیج رہے ہوں۔ قرآ مجید پڑھ کر، نوافل پڑھ کر، صدقہ وخیرات کر کے، ذکر ومراقبہ کر کے درود پاک واستغفار کر کے تسبیحات پڑھ کر، نفلی روزہ رکھ کے، مساجد ومدارس بنوا کر اپنے مرشد کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔
علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ فرض اور واجب کے علاوہ ہر نفل عبادت کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔
علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے تو یہ ان کے لئے حج کا بدل ہوسکتا ہے۔ ان کی روح کو آسمان میں خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ کسی کی طرف سے حج کرنے والا شخص اللہ کے نزدیک تابع فرمان شمار ہوتا ہے۔ (ایضا ۷۹)

☆............ ادب نمبر ۱۶: شیخ کے روبرو بیہودہ باتیں نہ کرے اور نہ ہی کسی کے عیوب بیان کرے۔

☆...... فائدہ: عیب جوئی دوسروں پر تنقید اور تبصرہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوتے ہیں ورنہ دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست کی یاد چھوڑ کر لایعنی باتوں میں وقت ضائع کرے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ سعدیؒ نے تصوف کو دو شعروں میں سمجھا دیا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش دوم آنکہ درکس تو بدبیں مباش

''میرے شیخ مرشد کامل شہاب الدین سہروردیؒ نے مجھے دو نصیحتیں دریا کے کنارہ کھڑے ہوکر فرمائیں۔ (۱)......اپنی نیکیوں پر نگاہ مت رکھو(۲). دوسرے کی غلطیوں میں نگاہ مت ڈالواور درگذر کرو''

گویا تصوف کا نچوڑ دولفظوں میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ سالک اپنے پہ ''خود بیں'' نہ ہواور دوسرے پر ''بدبیں'' یعنی اپنی اچھائیوں پر نظر نہ جمائے رکھے اور دوسروں کی برائیوں پر نظر نہ لگائے رکھے۔ (ایضا:۷۰)

☆.........ادب نمبر ۱۷: شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں رہے۔ اپنا ظاہر و باطن ایک طرح پر رکھے یعنی دل اور زبان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ رکھے۔

☆.....فائدہ: جو مرید اپنے شیخ کے روبرو اور پس پشت یکساں نہ رہے اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو طبیب سے اپنا مرض چھپائے۔ یقیناً ایسے مریض کو شفاء نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ مرید اپنا سب کچھ مرشد کے سامنے اس طرح کھول دے جس طرح بیٹی اپنا سب کچھ ماں کے سامنے کھول دیتی ہے۔ شریعت نے جس طرح علاج کی خاطر طبیب کیسامنے ستر کھولنے کی اجازت دی ہے اسی طرح روحانی علاج کی خاطر مرشد کے سامنے اپنا کیا کرایا کھولنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اسے ضروری قرار دیا ہے۔ اگر مرید اپنے مرشد سے عیب چھپائے گا تو نقصان بھی خود ہی اٹھائے گا۔ بقول شخصے: اگر تم اپنا عیب چھپانے کے لئے دروازے بند کرلو گے تو سچائی بھی باہر رہ جائے گی''۔ ایسی صورت میں تو ذکر بھی فائدہ نہیں دیتا۔ (ایضا:۶۳)

☆.........ادب نمبر ۱۸: شیخ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے دل تنگ نہ ہو اور بدگمانی کو راہ میں نہ آنے دے کیونکہ شیخ کی سختی طالب کے لئے صیقل کا کام کرتی ہے۔

☆.....فائدہ: جس طرح ایک مالی کسی پودے کے فاضل حصوں کو کاٹتا ہے تو پودے کی نشوونما بھی اچھا ہوتی ہے اور وہ دیکھنے میں بھی دیدہ زیب نظر آتا ہے یا جس طرح ایک طبیب کسی مریض کے زخم پر کبھی نشتر لگاتا ہے کبھی اس میں سے گندا مواد نکالتا ہے اور کبھی اس پر مرہم لگاتا ہے حتی کہ مریض شفایاب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مرشد کامل مرید کی تربیت کے لئے بھی کبھی شفقت ومحبت سے پیش آتا ہے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے تاکہ مرید میں اخلاق حمیدہ پیدا ہوجائیں۔ مرشد کی ڈانٹ ڈپٹ مرید کی باطنی بیماریوں کیلئے تریاق کا کام دیتی ہے۔ مرشد چونکہ اخلاص کیساتھ تربیت کی خاطر روک ٹوک کرتے ہیں لہذا مرید اس زجر و توبیخ کو بھی نمکین غلاف میں پوشیدہ شکر پارے سمجھتے ہیں اور پہلے سے زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے ''پیر چپ شاہ نہیں ہونا چاہئے'' اگر مرشد اپنے مریدین کی کوتاہیوں پر خاموش رہے گا، نہ موقع پر سمجھائے گا نہ ہی تنہائی میں تو مریدین کی اصلاح کیسے ہوگی۔ مریدین کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اصلاح کی کوششیں نہ کرنا سراسر مداہنت ہے۔ اس سے پیری مریدی تو چمک جاتی ہے مگر مریدین کی تربیت نہیں ہوتی۔ حضرت مرشد عالمؒ

فرمایا کرتے تھے ''حلوہ، پیر اور مولوی کیلئے سیمنٹ کا کام کرتا ہے'' یعنی حلوہ کھالینے سے منہ بند ہوجاتا ہے۔ امراء کو تو بالخصوص استغناء کی چھری سے ذبح کرنا چاہئے۔ حضرت مرشد عالمؒ یہ فرمایا کرتے تھے۔ ''جب تک ''دب'' نہ ہو ادب نہیں ہوتا'' یہ بھی فرمایا کرتے تھے'' مرشد اگر بلاوجہ کسی چوراہے پر کھڑا کر کے مرید کو جوتے مارے تو بھی مرید کو چاہئے کہ وہ جوتا اٹھا کر دے۔'' مرشد کی بلاوجہ ڈانٹ میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ مرید کا نفس بھڑکتا ہے یا نہیں؟ مرشد اگر مرید کی کسی بھی چیز پر اسے ڈانٹتا ہے تو اس احساس کے ساتھ کہ جیسے کسی حسینہ نے چہرے پر سیاہی لگالی ہے ابھی سیاہی دھوئے گی تو چاند سا چہرہ نکل آئے گا۔ مزید برآں ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک کا مقصد اصلاح احوال ہوتی ہے۔ کوئی دل میں غبار رکھنا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مرشد مریدین کی غلطیوں، کوتاہیوں پر دل میں غبار رکھنے لگے تو پھر اس کے دل میں غبار کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ مرشد کا غصہ عارضی ہوتا ہے اگر مرید اپنی اصلاح کرلے تو غصہ شفقت و محبت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ مرشد جب کسی مرید کو ڈانٹتا ہے تو نہ اپنے کو افضل سمجھتا ہے اور نہ ہی مرید کو گھٹیا سمجھتا ہے مرید کو ڈانٹتے وقت مرشد کی کیفیت اس جلاد کی سی ہوتی ہے جسے بادشاہ حکم دے کہ شہزادے کی فلاں غلطی کی وجہ سے شہزادے کو کوڑے لگاؤ۔ جلاد تعمیل حکم کی وجہ سے شہزادے کو کوڑے بھی لگائے گا مگر دل میں شہزادے کی حقارت کی بجائے محبت ہوگی۔ پس مرشد ڈانٹ بھی رہا ہوتا ہے دل سے توجہات بھی ڈال رہا ہوتا ہے اور نیم شب کی تنہائیوں میں مرید کے لئے ہاتھ پھیلا کر دعائیں بھی کررہا ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام جب کسی کو تنبیہ کرتے تھے تو اس کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ مرشد اگر کسی مرید پر زیادہ توجہ دے اور کسی پر کم توجہ دے تو مرید دل تنگ نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ جس طرح کوئی طبیب بعض مریضوں کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھتا ہے اور بعض مریضوں کو عام وارڈ میں رکھتا ہے اسی طرح مریدین کو شیخ کی توجہ میں ظاہری تفاوت محسوس ہوتا ہے حقیقتاً دل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ (ایضاً ۶۵۔۶۷)

☆.........ادب نمبر ۱۹: مرشد کے تمام اقوال وافعال کو راست جانے اعتراض نہ کرے دل میں شک وشبہ نہ لائے۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ یاد کرے۔

☆......فائدہ: مرید اور مرشد کا تعلق شاگرد اور استاد کی بجائے مریض وطبیب کی مانند ہوتا ہے۔ جس طرح مریض کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ طبیب کی کسی بات پر چون وچرا کرے اسی طرح مرید کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مرشد کی کسی بات پر اعتراض کرے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ''ارشاد الطالبین'' میں لکھتے ہیں: ''مرشد اگر پرہیزگاری اور استقامت والا ہے تو ''احیاناً'' اس سے کوئی خلاف شرع بات سرزد ہونے پر بھی اعتراض نہیں کرنا چاہئے بلکہ تاویل کرنی چاہئے، اور کسی مجبوری، حالت استغراق یا اپنے واقف نہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے اگر کوئی ایسا شخص ہے جس میں شیخ کامل کے اوصاف نہیں ہیں اور اس کی عادت اور طریقہ ہی فاسقانہ ہے تو ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہے ایسے شخص کے کاموں اور باتوں کی تاویل ہرگز جائز نہیں۔

حضرت شبلیؒ کے مرشد حضرت عبداللہ اندلسیؒ حافظ القرآن والحدیث تھے لاکھوں سالکین ان سے وابستہ تھے۔ اور سینکڑوں خانقاہیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں۔ ایک مرتبہ جماعت کے ہمراہ عیسائیوں کی بستی سے گزرتے ہوئے کسی لڑکی پر نظر پڑی تو باطنی نعمت چھن گئی۔ شیخ نے سالکین کو واپس رخصت کیا اور لڑکی کے والد سے نکاح کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا کہ آپ ناواقف ہیں ایک صورت ہے کہ آپ سال دو سال

یہاں رہ کر ہمارے سور چرائیں تو بات آگے بڑھے گی۔ شیخ تیار ہو گئے صبح سویرے سوروں کا ریوڑ چرانے نکلتے اور رات گئے واپس لوٹتے۔ پورا ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ حضرت شبلیؒ کے دل میں شیخ کی سچی محبت جاگزیں تھی وہ جانتے تھے کہ شیخ کامل ہیں مگر کسی آزمائش میں سے گزر رہے ہیں۔ ایک سال بعد حضرت شبلیؒ اپنے شیخ سے ملنے اسی بستی پہنچے۔ دیکھا کہ شیخ وہی خطبہ والا جبہ پہنے وہی عمامہ باندھے وہی عصا ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور ریوڑ کی نگرانی کر رہے ہیں۔ حضرت شبلیؒ قریب آئے۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا ''حضرت آپ کو قرآن پاک اب بھی یاد ہے'' شیخ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا بس ایک آیت یاد ہے ''وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ'' جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا'' پھر پوچھا کہ حضرت احادیث یاد ہیں۔ فرمایا صرف ایک یاد ہے۔ ''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ'' ''جو اپنا دین بدلے اسے قتل کرو'' یہ کہنے کے بعد شیخ زاروقطار رونے لگے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ''یا اللہ! میں آپ سے ایسا گمان تو نہیں رکھتا تھا'' حضرت شبلیؒ بھی دھاڑیں مار مار کر روئے کافی دیر کے بعد حضرت شبلیؒ واپس وطن چل پڑے۔ راستے میں ایک دریا کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھا کہ حضرت عبداللہ اندلسیؒ تروتازہ مسکراتا چہرہ طبیعت میں بشاشت سامنے ظاہر ہوئے۔ حضرت شبلیؒ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پوچھا کہ حضرت! یہ کیا معمہ تھا۔ فرمایا کہ جس وقت میں سالکین کی جماعت کے ہمراہ عیسائیوں کی بستی سے گزر رہا تھا تو میرے دل میں یہ خیال آیا ''یہ عیسائی کیسے بیوقوف لوگ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنالیا'' فوراً گرفت ہوئی ایک آواز آئی ''اگر تم اسلام پر ہو تو یہ تمہارا کمال ہے یا ہمارا کمال ہے'' اس کے ساتھ ہی باطنی نعمت چھن گئی اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈال دیا۔ (یہ نکتہ قابل غور ہے کہ وہ بات جو عامۃ الناس کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی، اس کے کرنے پر بھی مقربین کی پکڑ ہو جاتی ہے) حضرت شبلیؒ اپنے شیخ کے ہمراہ واپس آئے تو خانقاہوں کی رونقیں لوٹ آئیں۔ اس واقعہ میں سالکین کے لئے کئی نصیحتیں ہیں ایک یہ کہ کمالات کو کبھی اپنی طرف منسوب نہ کریں دوسرا یہ کہ استقامت والے شیخ سے خلاف شرع بات صادر ہو جانے پر یہ سمجھیں کہ کوئی آزمائش ہے۔ تیسرے یہ کہ اپنی کیفیات حالات وواردات پر فریفتہ نہ ہوں۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہوں حضرت شبلیؒ کی اپنے شیخ سے عقیدت ومحبت سالکین کیلئے روشنی کا مینار ہے۔ (ایضاً ۶۴-۶۵)

☆.........ادب نمبر ۲۰: مباحثے اور جھگڑے وغیرہ کی صورت نہ بنائے۔ مرشد کے کلام کو رد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

☆......فائدہ: یہ ادب منتہی حضرات کے احوال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ علمی معاملات میں اگر موقعہ آجائے کہ مرشد سے اختلاف رائے ہو تو بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہیدؒ کو تصور شیخ کا حکم دیا تو سید صاحبؒ نے نہایت ادب سے معذرت کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ شعر پڑھا:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز رسم و راہ منزلہا

''مربی کامل کے کہنے پر اپنے مصلیٰ کو شراب سے رنگین کر لو کیونکہ راہ حق پر چلنے والا منزل کے طور طریقوں سے بے خبر نہیں ہوتا۔''

سید صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کے حکم سے شراب پی لوں گا پھر توبہ کروں گا مگر میرے نزدیک تصور شیخ شرک ہے۔ میں یہ نہیں

کرسکتا۔ حضرت شاہؒ نے اٹھ کر سید صاحبؒ کو سینے سے لگالیا اور فرمایا: ''الحمدللہ تم پر توحید غالب ہے۔ اب ہم تمہیں اور راستے سے لے چلیں گے۔'' مرید اختلاف رائے کی صورت میں مباحثے اور جھگڑے کی صورت نہ بنائے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، غزوہ بدر میں نبی ﷺ کی رائے تھی کہ قیدیوں کو بعض شرائط پر رہا کر دیا جائے جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان قیدیوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ جب وحی اتری تو حضرت عمرؓ کی رائے وحی کے مطابق تھی۔ شرع شریف کا حکم ہے کہ مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو ثواب ملتے ہیں اور اگر غلط ہو تو بھی اسے ایک ثواب ضرور ملتا ہے۔ شیخ کی خطا بھی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے۔ لہذا سالک کو یہی گمان رکھنا چاہئے کہ شیخ کی خطا میری صواب سے بہتر ہے ایک مرتبہ نبی ﷺ نے سہواً چار رکعت نماز پڑھتے ہوئے دو پر سلام پھیر دیا۔ نبی رحمت ﷺ کا یہ سہو امت کے لئے رحمت بن گیا اور سجدہ سہو کے مسائل واضح ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کو اس سہو پر وہ اجر ملا کہ ابوبکرؓ کی پوری زندگی کی نیکیاں بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ آپ کا مشہور قول ہے: ''یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ سَھْوَ مُحَمَّدٍ'' ''اے کاش میں محمد ﷺ کا سہو ہوتا'' (بینہ ۶۸۔۶۹)

☆ ....ادب نمبر ۲۱: مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ فرض وسنت کے سوا نفل نماز کوئی اور وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے بلکہ اس کی صحبت کیمیا اثر کو غنیمت سمجھے تا کہ شیخ کی نگاہ شفقت حاصل ہو۔ اور اس کے فیض باطن سے حصہ ملے۔ مشائخ نقشبندیہؒ فرماتے ہین کہ شیخ کی موجودگی میں وقوف قلبی کی بجائے رابطہ قلبی (شیخ کے قلب سے مربوط رہنا) زیادہ مفید ہے۔

☆......فائدہ: شیخ کے سامنے نفل نماز اور وظیفہ وغیرہ اس لئے منع کیا گیا کہ یہ کام تو سالک شیخ کی عدم موجودگی میں بھی کرسکتا ہے لہذا شیخ کی صحبت سے تو باطنی فائدہ اٹھانا چاہئے ہمہ تن گوش وہوش سے متوجہ رہنا چاہئے۔

یک چشم زدن غافل ازآں شاہ نہ باشی　　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی

''ایک لمحہ بھی اس بادشاہ سے غافل نہ ہو۔ ممکن ہے وہ نگاہ کرے اور تو آگاہ نہ ہو''

وقوف قلبی کہتے ہیں دل کا دھیان اللہ تعالی کیطرف رکھنے کو۔ رابطہ قلبی کہتے ہیں سالک اپنے آپ کو خالی سمجھے اپنے قلب کو شیخ کے قلب سے مربوط رکھے۔ اور یہ خیال کرے کہ شیخ کے قلب سے فیضان میرے دل میں آرہا ہے۔

سالک کی روحانی ترقی ذکر کے ذریعے سے بھی ہوتی ہے اور مرشد کی توجہات سے بھی۔ تاہم ذکر کرنے سے جو راستہ سالوں میں طے ہوتا ہے وہ مرشد کی توجہات سے لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا:

یک زمانہ صحبت با اولیاء، بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:

سایہ رہبر بہتر است از ذکر حق

''رہبر کا سایہ بھی ذکر حق سے بہتر ہے''

کسی عارف نے کہا کہ علماء کی محفل میں بیٹھو، تو زبان سنبھال کر بیٹھو۔ ملوک وسلاطین کی محفل میں بیٹھو تو نگاہ کو سنبھال کر بیٹھو اور اہل اللہ کی محفل

میں بیٹھو تو دل کو سنبھال کر بیٹھو۔

صحابہ کرامؓ کو نبی علیہ السلام کی چند لمحوں کی صحبت سے وہ کچھ نصیب ہوا جو غیر صحابہ کو ہزاروں سال کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ایک توجہ سے نان بائی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ (ایضاً:۵۶۔۵۷)

☆ ....ادب نمبر ۲۲: شیخ کے پس بیٹھ کو وظیفہ وغیرہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا لازمی ہو تو اسکی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔ مرشد کی موجودگی میں سالک کو رابطہ قلبی میں جو فائدہ ملتا ہے وہ ذکر وظائف سے نہیں ملتا۔ مرشد کی مثال سورج کی مانند اور مرید کی مثال پھل پھول کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح سورج کی حرارت سے پھلوں کا ذائقہ بہتر ہو جاتا ہے یا پھولوں کی رنگت میں خوشنمائی آتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح مرشد کی توجہات سے سالک کے دل میں نورانیت آتی رہتی ہے۔ اگر مرید کوئی وظائف کرنا چاہئے تو شیخ کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر کرے۔ (ایضاً:۷۶)

☆ ......ادب نمبر ۲۳: بلا اجازت اس کے سامنے کھانا نہ کھائے نہ پانی پیئے نہ وضو کرے نہ اس کے برتن استعمال کرے۔ اس کی طہارت اور وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔ جو آداب شیخ کے روبرو بجالاتا ہے وہی پیچھے بھی بجالائے تاکہ اخلاص نصیب ہو۔

☆ ......فائدہ: مرشد کے سامنے بلا اجازت کھانے پینے میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ حتی کہ مرشد اپنے دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت دے تو بیٹھ جائے ورنہ بخوشی پیچھے ہٹ جائے۔ مرشد کی نظر وہ کچھ دیکھ سکتی ہے۔ جو سالک کی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ سلسلہ عالیہ شاذلیہ کے مشائخ کا دستور ہے کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء میں توجہ شامل کر کے سالک کو کھلاتے ہیں ان کے ہاں بعض مشائخ تو خلافت واجازت سلسلہ دیتے ہوئے اس بات پر عہد لیتے ہیں کہ تم اپنی توجہات کھانے پینے کی چیزوں میں شامل کر کے سالکین کو پیش کیا کرو گے۔ تصوف کی کتب معتبرہ میں منقول ہے کہ بعض مشائخ نے خلافت دیتے وقت اپنے ہاتھ سے کوئی چیز سالک کو کھلائی۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کیلئے نہایت پرتکلف کھانوں پر مشتمل دسترخوان چنا گیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی حاضر خدمت تھے حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک چپاتی اٹھائی ایک پلیٹ میں تھوڑی سی دال ڈالی اور حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا ''مولانا! اس دسترخوان کے کونے پر بیٹھ کر یہ کھانا کھالو۔'' حضرت گنگوہیؒ برضا ورغبت کھانے میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت سخت لہجے میں کہا: رشید احمد! جی تو چاہتا تھا کہ تمہیں جوتوں والی جگہ پر بٹھاتا مگر رعایت کر لی کہ دسترخوان پر بٹھالیا۔ ''یہ کہتے ہی حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا'' حضرت! آپ نے سچ فرمایا اسی قابل تھا کہ جوتوں میں بٹھالیا تھا۔ آپ کا احسان ہے جو یہاں بیٹھنے دیا۔'' حضرت حاجیؒ نے ملاحظہ کیا کہ لوگوں کے سامنے اتنی کڑوی سن کر بھی مولانا کا نفس نہیں بھڑکا تو فرمایا''الحمد للہ'' ذکر کے اثرات محسوس ہو رہے ہیں۔'' (ایضاً:۵۸۔۶۰)

☆.........ادب نمبر ۲۴: شیخ کے سایہ پر قدم نہ رکھے اور حتی الامکان ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

☆......فائدہ: کسی چیز کو پاؤں تلے روندنا اس کی تحقیر کی علامت ہوتی ہے۔ سالک کو چاہئے کہ مرشد کے سایہ پر بھی قدن نہ رکھے۔ تا کہ بے حرمتی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسی طرح اپنا سایہ مرشد پر نہ پڑنے دے کہ بسا اوقات روشنی کا رک جانا طبعی الجھن کا سبب بنتا ہے۔ سالک ان آداب کو معمولی نہ سمجھے کیونکہ چھوٹے چھوٹے ذرات مل کر ہی ریت کے ٹیلے بن جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک دانہ خرمن کو تو نہیں بھرتا مگر ان دانوں کی مدد ضرور کرتا ہے جو خرمن کو بھر دیا کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کا قول ہے ''گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو بلکہ اس ذات کی عظمت کو دیکھو جس کی نافرمانی ہو رہی ہے'' اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی ادب ک وچھوٹا نہ سمجھو بلکہ مرشد کی ذات کو سامنے رکھو جو مالک حقیقی سے واصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ حضرت مرشد عالمؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک طالب صادق حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کہنے لگا'' حضرت کچھ دنوں سے لطائف بند ہو گئے ہیں، سمجھ نہیں آتی کیا وجہ ہے۔'' حضرت نے فرمایا'' غور کرو آپ سے کوئی نہ کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہے جس کی یہ سزا ہے'' وہ سالک کافی دیر غور کرتا رہا۔ بالآخر اسے یاد کہ چند دن پہلے مرشد کا عصا پڑا ہوا تھا۔ اور وہ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا چنانچہ توبہ استغفار کرنے سے لطائف دوبارہ جاری ہو گئے۔ (ایضا:۶۰۔۶۱)

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا: کہ فروع الایمان لکھا ہے کہ شیخ کا ایک ادب یہ ہے کہ مرید اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑنے دے۔ حضرتؒ نے فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہوں تو اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پائے ورنہ جائیں پڑنے اور اس میں حرکت ہونے سے اس کی یکسوئی میں فرق آ کر کام میں خلل پڑے گا۔ غرض اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا کدورت نہ ہونے پائے۔ (کمالات اشرفیہ، ماخذ ضرورت مرشد ۱/۳۴)

شیخ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ اس پر سایہ پڑے کہ اس بھی اُلجھن ہوتی ہے۔ پس اس کا منشاء اذیت ہونے کی وجہ سے منع کیا گیا۔ (انفاس عیسیٰ، ماخذ بالا)

☆.........ادب نمبر ۲۵: مرشد کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے اس کے مصلیٰ پر پاؤں نہ رکھے۔

☆......فائدہ: اس کی اصل حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کا عمل ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو تیسرے درجے پر کھڑے ہوتے تھے۔ جبکہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے دور خلافت میں خطبہ دینے کے لئے دوسرے درجے پ رکھڑے ہوتے تھے۔ یہ ازراہ ادب تھا مرشد کے مصلے پر نماز پڑھنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ ظاہراً اس سے ''مساوات'' کا دعویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ (ایضا:۵۸)

ادب نمبر ۲۶: جس جگہ مرشد بیٹھا ہوا ہو اس طرف پاؤں نہ پھیلائے اس کی طرف منہ کر کے نہ تھوکے اگر چہ سامنے نہ ہو۔

فائدہ: فقہائے کرام نے بیت اللہ شریف کی طرف پاؤں یا تھوکنا مکروہ لکھا ہے۔ اگر چہ بیت اللہ سامنے نہ ہو۔ جس طرح بیت اللہ مرکز انوار و تجلیات ہے اسی طرح مرشد کا قلب بھی تجلیات ذاتیہ کا مورد ہوتا ہے لہذا مرشد کیلئے بھی انہی آداب کی رعایت ضروری ہے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ طواف کرنے کے بعد کعبۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیت اللہ! تیری حرمت بھی بہت زیادہ ہے مگر "حرمة المومن ارجح من حرمة الكعبة" "مومن کی عزت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے" (ابن ماجہ:۶۰)

ادب نمبر ۲۷: شیخ کے آگے نہ چلے اور پیچھے چلنے میں شرم نہ کرے بلکہ سعادت سمجھے۔

فائدہ: مرشد کے آگے نہ چلنے سے مراد یہ ہے کہ دن کے اوقات میں چلتے ہوئے بلا ضرورت ان سے آگے نہ بڑھے۔ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے اگے چلنا پڑے تو مضائقہ نہیں، بلکہ بسا اوقات آگے چلنا بہتر ہوتا ہے۔ مثلا رات کے وقت اس نیت سے آگے چلنا کہ کوئی موذی جاندار راستے میں نہ ہو یا گزھا راستے میں نہ ہو یا کوئی ایسا پتھر نہ پڑا ہو کہ کوئی ٹھوکر کھا کر گرے یا خود مرشد ہی کسی وجہ سے آگے چلنے کا حکم دیں تو پھر آگے چلنا ہی عین ادب ہے۔ "الامر فوق الادب" "حکم ادب پر فائق ہے"

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم حرم شریف سے نکلے تو کسی کے ہاں جانا تھا۔ حضرتؒ نے میزبان سے کہا کہ آگے چلیں ہمیں راستے کا پتہ نہیں، وہ کہنے لگے "نہیں نہیں حضرت آپ ہی آگے چلیں میں راستہ بتا دوں گا" اب چلتے چلتے جب کوئی موڑ آتا تو حضرتؒ کو پیچھے مڑ کر پوچھنا پڑتا کہ کس طرف جانا ہے چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے دوبارہ میزبان سے کہا کہ آپ آگے چلیں وہ پھر معذرت کرنے لگے کہ نہیں حضرتؒ بس میں پیچھے ہی ٹھیک ہوں۔ جب تیسری مرتبہ کہنے پر بھی انہوں نے وہی جواب دیا تو حضرتؒ نے غصے میں آ کر عصا لہرایا اور کہا "تو میڈا پیر ایں یا میں تیڈا پیر ہاں" "تو میرا پیر ہے یا میں تیرا پیر ہوں" تب ان صاحب کو حقیقت سمجھ آئی اور وہ آگے چلنے لگے۔

حضرت ابو بکرؓ جب سفر ہجرت میں نبی ﷺ کے ہمراہ چلے تو کچھ دیر پیچھے پیچھے پھر آگے چلنے لگے پھر کبھی دائیں چلتے اور کبھی بائیں چلتے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب پیچھے چلتا ہوں تو خیال آتا ہے دشمن آگے سے نہ حملہ کر دے۔ جب آگے چلتا ہوں تو دائیں بائیں سے حملے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس لئے پھر دائیں بائیں چلتا ہوں۔ نبی ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ یہ عشق و محبت کی داستان تھی۔ پورے سفر میں یہی معاملہ رہا۔ جیسے پروانہ کسی شمع کے گرد طواف کر رہا ہوتا ہے۔ "هنيئا لارباب النعيم نعيمها" "اہل نعمت کو اپنی نعمت مبارک ہو" عام اصول یہی ہے کہ مرید بلا ضرورت مرشد کے آگے نہ چلے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نوجوان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی اپنے باپ کا نام لیکر نہ پکارنا اور راستہ چلتے ہوئے آگے نہ چلنا۔

عیون الاخبار میں ہے کہ حضرت عمر بن زیدؒ سے ان کے بیٹے کی تعلیم و تربیت اور حسن ادب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "میں دن میں نہیں چال مگر وہ میرے پیچھے تھا، میں رات میں نہیں چلا مگر وہ آگے تھا، اور وہ کسی ایسی چھت پہ نہیں چڑھا۔ جس کے میں نیچے تھا۔

حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے مرشد کے پیچھے راکھویں لیلے (پالتو مینڈھے) کی طرح چلتا تھا۔ (ایضا ۶۱-۶۲)

☆............ادب نمبر ۲۸: مرشد کا کلام دوسروں کے سامنے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں جس بات کے بارے میں یہ گمان ہو کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو اسے ہرگز بیان نہ کرے۔ کیونکہ بعض باتیں صرف خواص کے لئے ہوتی ہیں۔

☆......فائدہ: سالک کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مرشد کی صحبت میں سنی ہوئی معرفت کی باتیں ہر خاص و عام کو سناتا پھرے کچھ باتیں سمجھنے کے لئے استعداد کی ضرورت ہوتی ہے اگر استعداد نہ ہو تو ایسی باتیں فائدے کی بجائے نقصان دیتی ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ "کلموا الناس علی قدر عقولھم" "لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو"۔ (ایضا ۷۷-۷۸)

☆............ادب نمبر ۲۹: اگر کوئی مرتبہ یا منصب عنایت ہو تو اللہ تعالی کی رضا کے لئے قبول کرے، دل میں کوئی دنیوی خیال نہ آئے۔

☆......فائدہ: اگر مرشد کوئی منصب یا مرتبہ عطا کریں تو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے جان و دل سے قبول کرے۔ اور اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرے۔ اللہ تعالی کے ہاں قابلیت نہیں قبولیت شرط ہے۔ وہ چاہے تو خاک سے افلاک تک پہنچائے۔ کس کی مجال ہے کہے "اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا" "حضرت فضیل بن عیاضؒ کو رہزنوں کے گروہ سے چنا، ولیوں کا سردار بنا دیا۔ خالدؓ کو بت پرستی سے نکالا اور سیف اللہ کا تاج پہنا دیا۔ وہ اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو سب عیب ہنر ہیں۔ مٹھی بھر خاک قدموں کے نیچے آنے والی سے کہا: "انی جاعل فی الارض خلیفہ" لطف الٰہی کا جھونکا چلتا ہے تو مردود کو مقبول بنتے اور خاک کو کیمیا بنتے دیر نہیں لگتی۔ وہ چاہتا ہے تو کتے کو ولیوں کی صف میں بٹھا کر قرآن میں اس کے تذکرے کر دیتا ہے۔ اور "کلبھم باسط" کے الفاظ کہہ کر مرتبہ بڑھا دیتا ہے کبھی میخانہ رحمت جوش میں آتا ہے تو مطلوب خود طالب کو کھینچتا ہے پھر محروم رہنے کا کیا سوال۔ پھر تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔ رہی بات یہ کہ سالک سوچے میں اس قابل نہیں قابل تو مرتے وقت تک نہیں ہوں گے۔ جس نے سوچا میں اب اس قابل ہو گیا ہوں یہی اس کی ناقابلیت کی دلیل ہے۔ (ایضا ۹۰)

☆............ادب نمبر ۳۰: اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شیخ کی طرف بغرض بیعت رجوع نہ کرے تاکہ سعادت مندی کی دولت سے مالامال ہو۔ (اس کی تفصیل "تکرار بیعت کا حکم" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مریدوں کو وصیت

☆ مرید کا پہلا قدم

جو شخص اس طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے، اس کے لئے سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے، تاکہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو۔ کیونکہ شیوخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔

لہذا اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتداء کرنی چاہئے، جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک، گمراہی اور بدعنوانی سے خالی ہو اور وہ اعتقاد دلائل سے پیدا ہوئے ہیں۔(الرسالۃ لقشیریہ مترجم اردو:۵۸۴)

☆ ...... مرید کیلئے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے۔

جو کوئی مرید اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرے، تو اسے پہلے اس قدر علم شریعت جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کر سکے، یا تو تحقیقی طور پر یا ائمہ سے پوچھ کر حاصل کرنا چاہئے۔

☆ ...... مرید کے لئے شیخ کا پکڑنا لازمی ہے۔

چنانچہ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔

ابوعلی دقاقؒ سے مروی ہے کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اسے لگایا ہو، خود اگ گیا ہو، تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے، مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو، جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے، تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔

☆ ...... مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے۔

یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے، تو اسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کر کے اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، چنانچہ اسے تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، چھوٹی ہوں یا بڑی، چھوڑ دینا چاہئے۔

☆ ...... خصوم کو راضی کرنا۔

مرید کے لئے ان لوگوں کو جن سے اس کا کسی قسم کا بھی جھگڑا ہو، راضی کر لینا چاہئے، کیونکہ جس سے اس کے خصم راضی نہ ہوں گے۔ وہ راہ طریقت میں قطعاً کامیاب نہیں ہوسکتا، صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔

☆ ...... دنیاوی تعلقات کو کم کئے جانا۔

اس کے بعد دنیاوی تعلقات اور شواغل کو کم کرتے جانا چاہئے۔ اس لئے کہ طریقت کی بنا ہی اس بات پر ہے کہ دل دنیاوی مشاغل سے خالی ہو۔

شبلیؒ کا حصریؒ کو حکم: "شبلیؒ حصریؒ کو شروع میں فرمایا کرتے کہ ایک جمعہ کے بعد جب دوسرے جمعہ کو تم میرے پاس آنے لگو، تو اگر اس عرصہ میں تمہارے دل میں غیر اللہ کا خیال بھی آ گیا ہو تو پھر میرے پاس آنا تمہارے لئے حرام ہے۔

☆.....آداب مرید میں سے بلکہ اس کی حالت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنی خلوت کی جگہ سے نہ نکلے۔

☆.........مرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا۔

مرید کی ساری پونجی یہی ہے کہ وہ ہر کسی کی بات کو بطیب خاطر برداشت کرے اور جو کچھ اس پیش آئے، اسے رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ دکھ اور فاقہ پر صبر کرے، کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے، خواہ چھوٹی بات ہو، یا بڑی۔ جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کر سکتا ہو اسے طریق فقر چھوڑ کر بازار میں بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ جو مرید انہی باتوں کی خواہش رکھتا ہو، جن کی عام لوگ خواہش رکھتے ہیں، تو اسے اپنی خواہشات کو وہیں سے حاصل کرنا چاہئے، جہاں سے وہ لوگ حاصل کرتے ہیں، یعنی ہاتھ کی محنت کی کمائی سے۔

☆......مرید کو مشاہدات کی طرف دل نہ لگانا چاہئے۔

مرید کو جو مشاہدات ابتداء ارادت میں حاصل ہوں، ان کی طرف دل نہ لگانا چاہئے جب مرید متواتر ذکر جاری رکھے اور خلوت پذیر ہو، تو اگر اسے اسی حالت میں ایسے امور حاصل ہوں، جو پہلے حاصل نہ تھے، خواہ خواب میں، خواہ بیداری یا خواب اور بیداری کے بین بین.....مثلاً یہ کہ وہ یہ سنے کہ کوئی شخص اسے خطاب کر رہا ہے، یا کوئی اور خارق عادت بات کا مشاہدہ کرے، تو اسے اس کے ساتھ قطعاً مشغول نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہونا چاہئے اور نہ ہی اس قسم کے اور مشاہدات کا منتظر رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ تمام امور حق تعالیٰ سے ہٹا دینے والے ہیں، اس لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ان حالات کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے، تاکہ اس کا دل اس سے خالی ہو جائے، شیخ کو بھی چاہئے کہ اس کے راز کو محفوظ رکھے اور دوسروں سے اسے چھپائے رکھے۔ مگر اس کی اپنی نگاہ میں ان باتوں کو اس کے سامنے حقیر اور معمولی بتائے، کیونکہ امور تمام کے تمام آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں اور ان پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا، دھوکہ ہوتا ہے، مرید کو ان سے اور ان کی طرف نگاہ سے بچنا چاہئے اور اپنی ہمت ان امور کی طرف لگانی چاہئے، جو اس سے بلند تر ہوں۔

☆.......مشاہدات سے انس محسوس کرنا مرید کے لئے مضر ہے۔

یاد رکھو کہ مرید کیلئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر یہ ہے کہ وہ ان امور پر جو اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف ڈالے جاتے ہیں، انس محسوس کرے.....مثلاً حق تعالیٰ کا اسے اپنے قرب عطاء کرنا اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس بات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور تمہارے ہم جنسوں سے تمہیں ممتاز کر دیا ہے، کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کر دینے کا عزم کرے گا، تو اسے ان سے ہٹا کر مکاشفات حقیقت سے ہٹا دیا جائے گا۔ کتابوں میں ان امور کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

☆......شیخ کی تلاش میں ہجرت کرنا۔

احکام مرید میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے تو وہ ہجرت کر کے ایسے

شخص کے پاس چلا جائے جو مریدوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اس کے پاس رہے اور اس کے در کو اس وقت تک نہ چھوڑے، جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے۔

شیخ کا دل مرید کو قبول کرنا۔

اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کرے، تو یہ اس کے لئے سعادت کا باعث ہے۔ شیخ کے دل کا مرید کو قبول کر لینا مرید کی سعادت مندی کا بہترین ثبوت ہے اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا، وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے گا، خواہ کچھ مدت کے بعد ہی دیکھے اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا، تو اس نے بدبختی کے علامات ظاہر کر دیے اور اس قسم کا شخص بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

مرید کو نوخیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

اس راہ میں سخت ترین آفت نوخیز بچوں کی صحبت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت میں مبتلا کر دیا تو اس بات پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل وخوار کر دیا۔ بلکہ اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا، خواہ اسے ہزار ہا کرامات کا اہل کیوں نہ بنا دیا ہو اور فرض کرو کہ وہ شخص شہداء کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے (تب بھی کوئی بات نہیں) کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کیا یہ دل اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف مشغول نہیں ہوا، اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ مرید اسے معمولی بات سمجھنے لگ جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وتحسبونه هينا وهو عند الله عظيم﴾ "تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک بڑی بات ہے"۔

واسطیؒ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل وخوار کرنا چاہتا ہے تو اسے رن، بدبوؤں اور مرداروں کو طرف ڈال دیتا ہے۔
فتح موصلیؒ سے مروی ہے کہ میں تیس ایسے شیوخ کی صحبت میں رہا ہوں، جو ابدال میں شمار ہوتے تھے اور جب میں ان سے جدا ہونے لگا، تو ہر ایک نے یہی نصیحت کی اور فرمایا: نوخیزوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنے سے بچتے رہنا اور جو لوگ اس سلسلہ میں فسق کی حالت سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تو روح کی آزمائش ہے اور یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے، یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں، جو صنعت خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں اور وہ اس سلسلہ میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں، حالانکہ ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے۔ مرید کو نوخیزوں کی صحبت سے میل جول رکھنے سے بچنا ہی چاہئے، اس لئے کہ تھوڑی سی یہ صحبت رسوائی کے دروازے کھول دیے گی اور خدا سے جدا کر دے گی، ہم اللہ تعالیٰ کے پاس بری قضاء سے پناہ چاہتے ہیں۔

مرید کو حسد سے بچنا چاہیے۔

مرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس بات سے اثر پذیر ہوتا ہے کہ اس کے برادرانِ طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور خود اس سے محروم ہے۔
یاد رکھو! تمام امور اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہیں، بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت پا سکتا ہے، جب وہ ذات حق پر اکتفا کرے اور اللہ تعالیٰ

نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے، تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے، لہذا اے مرید! جب تو دیکھے کہ اللہ تعالی نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے، تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالی کے ارادت مندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

☆ ...... مرید کا کام ایثار کرنا ہے۔

یادرکھو کہ جب ایسا اتفاق ہو کہ مرید کچھ لوگوں کے اندر ہے، تو اسے سب کچھ ایثار کر دینا چاہئے اوروں کو، خواہ وہ بھوکے ہوں خواہ سیر، اپنے سے مقدم جاننا چاہئے اور جو شخص بھی اپنے آپ کو شیخ بنائے، اسے اسکی شاگردی کرنا چاہئے، خواہ وہ خود اس سے زیادہ علم کیوں نہ رکھتا ہو، یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب وہ اپنی قوت اور چالاکی سے بیزار ہو اور مرتبہ تک پہنچنا بھی اللہ تعالی کی عنایت اور احسان ہی ہو سکتا ہے۔

☆ ...... مرید صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے۔

آداب مرید میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے اور نہ ہی اس بات کے درپے ہو کہ کوئی اس کا شاگرد یا مرید ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرید مراد بن گیا، حالانکہ ابھی تک اس کی بشریت فنا نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی آفتیں ساقط ہوئی ہیں، تو وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا۔ اس کے اشارات اور تعلیم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

☆ ...... تصوف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے۔

طریقت کے بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے، جو اس کو ممنوع چیزوں سے بچانے اور غفلت ترک کے اپنے سانسوں کو اللہ تعالی کے ساتھ شمار کرنے پر ہے، نیز یہ کہ مرید ضرورت کے وقت بھی ایک رائی بھر بھی ایسی چیز جس میں شبہ ہو، حلال نہ سمجھے، چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت۔

☆ ...... مرید شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔

مرید کا یہ خاصہ بھی ہے شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ اس لئے کہ جس نے اپنی خواہشات کا ساتھ دیا، اس کے باطن کی صفائی جاتی رہی۔ مرید کے لئے بدترین خصلت یہ ہے کہ وہ ایسی خواہش کی طرف رجوع کرے جسے وہ اللہ تعالی کی خاطر ترک چکا ہے۔

☆ ...... مرید ان عہدوں پر جو اس نے اللہ تعالی کیساتھ کئے ہیں قائم رہے۔

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو عہد وہ اللہ تعالی سے کر چکا ہے اس پر قائم رہے۔ کیونکہ طریقت میں عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے، جیسا اہل ظاہر کے نزدیک دین سے پھر جانا (یعنی مرتد ہو جانا) مرید کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اختیار سے اللہ تعالی کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ امور جو شریعت نے لازم قرار دیے ہیں، مرید کی تمام قوت کو صرف کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کچھ لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''ابتدعوھا وما کتبنا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا'' (رہبانیت کو)

انہوں نے خود بخود گھڑ لیا تھا، حالانکہ ہم نے رہبانیت ان پر فرض قرار نہیں دی تھی، ہاں البتہ اللہ تعالی کی رضامندی طلب کرنا ان پر فرض کیا تھا، مگر انہوں نے اس خود ساختہ رہبانیت کا جیسے کہ حق تھا خیال نہ رکھا۔"

☆.......مرید امیدوں کو کم کرے۔

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ امیدوں کو کم کرے، کیونکہ وہ تو وقت کا بیٹا ہوتا ہے، لہذا اگر مرید کسی آئندہ چیز کی تدبیر کرے اور جس حالت میں وہ اس وقت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کی طرف امید لگائے رکھے، یا کسی نئے چیز کی امید ہو تو اس مرید سے کچھ نہ بن آئے گا۔

☆.......مرید کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں۔

مرید کی یہ شان ہونی چاہئے بلکہ اس مذہب کے تمام سالکین کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں۔ چہ جائیکہ ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے، ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے، اس کی انہوں نے وصیت کی ہے اور جس نے اس کو معمولی بات سمجھا، وہ عنقریب ایسے امور سے دوچار ہوگا، جو اسے رسوا کر دیں گے۔

☆.......مرید کو دنیا داروں سے دور رہنا چاہئے۔

مرید کی یہ بھی شان ہونی چاہئے کہ وہ دنیاداروں سے دور رہے، کیونکہ ان کی صحبت تجربہ شدہ زہر قاتل ہے، اس لئے کہ دنیادار تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اسے ان سے نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ "آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ لگیں، جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔

زاہد لوگ اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کیلئے مال اپنی ہتھلیوں سے نکالتے ہیں اور اہل صفاء اللہ تعالی کی مدد سے تحقیق کر کے اخلاق اور معرفت کو دل سے نکالتے ہیں۔

استاد امام القاسم عبدالکریم بن ہوازی قشیریؒ فرماتے ہیں: مریدوں کو میری یہ وصیت ہے، ہم اللہ تعالی سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور یہ کہ اللہ تعالی ان وصیتوں کو ان کے لئے وبال نہ بنائے۔ (الرسالۃ القشیریہ مترجم اردو: ۵۸۴ تا ۶۰۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اولیاء کرامؒ کی تعریف اور ان کی علامات

اللہ تعالیٰ شانہ، نے اپنے کلام پاک میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر متعدد جگہ فرمایا ہے۔ کہیں ان کو اولیاء اللہ فرمایا گیا ہے۔ کہیں صادقون، کہیں مقربون، کہیں سابقوب اور کہیں ابرار وغیرہ کے الفاظ تعبیر فرمایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَياةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ﴾ (یونس ۶۲، ۶۳، ۶۴) ''(یعنی) توجہ سے سنو! اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی مقصد کے فوت ہونے پر غمگین ہوتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو خوف ناک اور غمناک حادثوں سے بچاتا ہے) اور اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان والے ہیں اور گناہوں سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیاوی زندگی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے خوف و ملال سے بچنے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ (بیان القرآن، بحوالہ طبقات الصوفیہ مترجم اردو، ۳)

☆......ولی کے معنی اور تعریف:

علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں: ''استاد شیخ (ابوعلی الدقاقؒ) فرماتے ہیں ولی کے دو معنی ہیں: (۱) پہلا معنی (ولی) ''فعیل'' (کے وزن پر) ''مفعول'' کے معنی میں ہے اور وہ یہ کہ جس کے معاملات کا اللہ تعالیٰ خود نگران بن جائے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وھو یتولی الصالحین) (اور اللہ تعالیٰ لحظہ کے لئے بھی اس کی ذات کے سپرد نہیں کرتا بلکہ خود حق سبحانہ اس کی ضروریات کی کفایت کرتا ہے۔

(۲)......دوسرا (معنی ولی) ''فعیل'' (کے وزن پر) ''اسم فاعل'' سے مبالغہ (کا صیغہ) ہے (اس کا معنی یہ ہے کہ) ''ولی'' اللہ کی عبادت اور اطاعت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اس کی عبادت جاری رہتی ہے اور اس دوران اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور یہ دونوں صفات (نیکی کرنا اور گناہوں سے بچنا ولی میں) لازمی ہیں تا کہ ولی (واقعی) ولی بن جائے اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی صحیح اور مکمل طور پر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کی خوشی اور غمی میں (ہر حال میں) حفاظت کرنا (بھی ضروری ہے)''۔ (رسالہ قشیریہ، بحوالہ الطبقات الصوفیہ ۱۰-۱۱)

☆......حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں میں سب کو روزی دیتا ہوں لیکن کسب اور محنت کے ذریعہ لیکن جو میرے دوست ہوتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں ان کو بھی محنت کے ساتھ روزی دوں تو میں ان کو بلا محنت کے دیتا ہوں......خوشی میں حفاظت یہ ہے کہ اسے اترانے نہیں دیتا اور غمی میں یہ ہے کہ اسے بے صبری سے بچاتا ہے۔

(از حضرت مولانا محمد ادریس انصاری مدظلہم، مخذوب)

☆......حضرت مولانا مفتی شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں: ''اولیاء ولی کی جمع ہے، لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں آتا ہے اور دوست ومحب کے معنی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب ومحبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان وحیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہو تو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت اور (وجہ) وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ شانہ سے حاصل ہے گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے ہاں لفظ ''اولیاء

اللہ'' میں یہ درجہ ولایت مراد نہیں بلکہ ولایت ومحبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالی کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے یہ قرب محبت کہلاتا ہے۔جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ ''اولیاء اللہ'' کہلاتے ہیں۔جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں حق تعالی کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے، میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے،مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت وسکون اور کوئی کام میری رضاء کے خلاف نہیں ہوتا۔(معارف القرآن : ج۴،ص،۵۴۸)

☆...... ایک فطری خواہش

حضرت مولانا پیر طریقت ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں: جس شخص نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں ایک فطری خواہش ہوتی ہے کہ میں اللہ کا ولی بن جاؤں۔ بظاہر اعمال اچھے نہ ہوں،غفلت کی زندگی ہو،تمنا ضرور ہوتی ہے۔(خطبات فقیر:۴۱/۲۱۷)

ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت ہے

محبوب العلماء،مدظلہ العالی فرماتے ہیں: پہلی بات تو یہ کہ امام ربانی مجدد الف الثانی نے لکھا ہے کہ ہر انسان ''ولی بالقوۃ'' ہے۔اور ''ولی بالفعل'' کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔''ولی بالقوۃ'' کا مطلب یہ کہ اس میں ولی بننے کی صلاحیت ہے۔عمل کی ضرورت ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ہر بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے۔لیکن ہر بیج درخت تو نہیں بنتا۔درخت بننے کے لئے زرخیز زمین کا مل جانا،کوئی خیر خبر رکھنے والا مالی مل جانا،پانی کا مل جانا،اچھے موسم کا مل جانا،جب یہ سب چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں تو بیج اگتا ہے،پودہ بنتا ہے اور بالآخر وہ درخت بن جاتا ہے۔تو بیج میں درخت بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کے لئے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح ہر انسان میں ولی بننے کی صلاحیت تو موجود ہے مگر اس کو اچھے ماحول کی اور کسی اللہ والے کی ضرورت ہوتی ہے،تب ولی بنتا ہے۔ورنہ تو جس طرح بیج زمین میں آ کر مر جاتا ہے انسان بھی برے ماحول میں آ کر اس کی جتنی بھی استعداد ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

(خطبات فقیر:۴۱/۲۱۷،۲۱۸)

ولایت کسبی چیز ہے

محبوب الصلحاء تحریر فرماتے ہیں: ولایت کسبی چیز ہے،نبوت وہبی چیز ہے۔وہبی کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ۔اللہ تعالی نے نبوت اپنے فضل اور کرم سے جن کو عطا کی ان کو ملی اور اس کا سلسلہ اللہ تعالی کے پیارے حبیب ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا لیکن ولایت کسبی چیز ہے۔کسبی کا معنی ہے کہ محنت کر کے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک آدمی یہ نیت کر لے کہ مجھے پہلوان بننا ہے پھر اس کے بعد وہ اکھاڑے میں جانا شروع کر دے،اچھی غذا کھانا شروع کر دے،ورزش کرے تو واقعی دو چار سال کے بعد وہ پہلوان بن

جائے گا۔اس کے muscels (پٹھے) مضبوط بنے ہوئے ہوں گے،اس کو دوسرے کو پچھاڑنے کے داؤ پیچ آتے ہوں گے، وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے محنت کی ہے۔تو جس طرح پہلوان بننا یہ کسبی چیز ہے۔اسی طرح ولایت کو حاصل کرنا بھی کسبی چیز ہے۔جو انسان ولی بننا چاہے وہ نیکی تقویٰ کی زندگی اختیار کرے ولی بن سکتا ہے، یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔(خطبات فقیر ۴۲: ۲۱۸)

ولایت کی دو قسمیں

(۱)......ولایت عامہ: جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کو عمومی ولایت حاصل ہوگئی ۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے خود فرما دیا: ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾. (البقرة:۲۵۷)

یہ عمومی ولایت تو ہر کلمہ گو کو حاصل ہے۔غافل ہے یا باعمل ہے جیسی بھی زندگی گزار رہا ہے لیکن کلمہ پڑھا ہے، یہ کلمہ کا پڑھ لینا اتنا بڑا عمل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۲)......ولایت خاصہ: دوسری ہے ولایتِ خاصہ۔جس کو ہم حقیقتاً ولایت سمجھتے ہیں اور جس کی تمنا ہم دل میں رکھتے ہیں۔عام طور پر ولی کا لفظ اسی ولایت پر بولا جاتا ہے کہ فلاں بندہ ولی ہے،فلاں بڑے ولی گزرے ہیں۔اس سے مراد یہی ولایت ہوتی ہے۔یہ بھی کسبی چیز ہے، حاصل کی جاسکتی ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولایت کیسے حاصل کی جائے؟اس کا مفہوم ذہنوں میں اچھی طرح واضح ہونا چاہئے کہ ولایت ہوتی کیا ہے؟ دیکھیں!

☆......ولایت اچھے خواب دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

☆......رنگوں کو دیکھنے کا نام نہیں ہے۔

☆......پانی پہ چلنے کا نام نہیں ہے۔

☆......ہوا میں اڑنے کا نام نہیں ہے۔

☆......مقدمات فتح ہو جانے کا نام نہیں ہے۔

☆......دعائیں قبول ہو جانے کا نام ولایت نہیں ہے۔

☆......دشمن پہ غالب آجانے کا نام نہیں ہے۔

☆......دنیا میں شہرت ہو جانا اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

☆......انسان زیادہ باتیں کرنے والا بن جائے اس کا نام ولایت نہیں ہے۔

ولایت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ولایت کہتے ہیں کہ انسان اللہ رب العزت کی نافرمانی کو ترک کر دے،اس کی زندگی سے گناہ نکل جائیں،اس کو مقام تسلیم نصیب ہو جائے۔

جیسے فرمایا ابراہیم کے بارے میں: ﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (البقرة:۱۳۰) ”جب ان کے پروردگار نے کہا کہ سر تسلیم خم کرو! تو وہ (فوراً) بول اٹھے میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا“ جو اللہ کے سامنے جھک جائے اور تہیہ کر لے کہ میں

نے آج کے بعد علم اور ارادے سے گناہ نہیں کرنا۔ وہ اللہ کا ولی ہے۔

تقویٰ والے اللہ کے والی

جو بندہ بھی ارادہ کر لے کہ میں نے آج کے بعد علم اور ارادہ سے گناہ نہیں کرنا اور پھر خلافِ شریعت کاموں سے بچے، یہ شخص ولی ہے۔ یہ متقی شخص ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (الانفال ۳۴) ''جو متقی ہوتے ہیں وہی اللہ کے ولی ہوتے ہیں'' تو یہ سادہ سی بات ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ جی ولی بننے کے لیے پتہ نہیں سالوں بھوکا رہنا پڑے گا...... گھر کو چھوڑ کر جانا پڑے گا...... بیوی سے دور ہونا پڑے گا...... صاف ستھرا لباس پہننا چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سب غلط تصورات ہیں۔ شریعت کے دائرے میں جو چیز جائز ہے آپ اس کو کیجئے لیکن دائرہ شریعت کے اندر رہیے۔ جو شخص اپنے آپ پہ اتنا قابو پالے کہ کوئی کام شریعت کے خلاف نہ کرے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے خصوصی اولیاء میں شامل ہے۔ اب اس نے ارادۂ گناہ چھوڑ دیا، یہ اللہ کا ولی بن گیا ہے۔ اب اس کے زندگی دائرہ شریعت کے اندر گزر رہی ہے یہ گناہوں کو کرنے کے حیلے بہانے نہیں ڈھونڈتا، اب اس کی فطرت ایسی اچھی ہوگئی کہ بس جو حکمِ شریعت ہے اس پہ سر جھکا دیتا ہے، ہر کام سنت کے مطابق کرتا ہے، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، دن رات اسی محنت میں، اسی کام میں لگا ہوا ہے، یہ اللہ کا ولی ہے۔

ہر قسم کا بندہ ولایت حاصل کر سکتا ہے

جو بندہ شریعت کے آگے سرِ تسلیم خم کر چکا، اب یہ چاہئے دفتر بھی جائے، کھیتی باڑی بھی کرے، بزنس بھی کرے، ہر کام کرے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ سکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹی میں، دفتروں میں، زندگی گزارنے والے بھی ولی بن سکتے ہیں۔ یہ جو تصور دل میں آجاتا ہے کہ ولی بننے کیلئے تو شاید کچھ چھوڑ چھاڑ کر مصلے سے چپکنا پڑے گا۔ نہیں! ایسی بات نہیں۔ جو عبادت مصلے پہ ہوتی ہے، وہ تو کرنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی باقی ہر کام شریعت کے مطابق کرنا، اس کا نام ولایت ہے۔ اتنی سادہ سی بات ہے۔ بس ایک عہد چاہئے کہ آج کے بعد میں نے گناہ نہیں کرنا۔ جس آدمی نے اللہ کے سامنے یہ کہہ دیا کہ اللہ! آج سے میں نے دل سے مان لیا کہ میں تیرا بن گیا، اسے ولایت مل گئی۔

لمحوں میں ولایت ملتی ہے

کوئی سالوں کی ضرورت نہیں، کوئی مہینوں کی ضرورت نہیں، لمحوں میں ولایت ملتی ہے۔ ایک عہد کرنا ہے...... ایک کمٹمنٹ کرنی ہے کہ میں نے آج کے بعد گناہ نہیں کرنا۔ اور پھر شریعت کے مطابق چلے۔ جیسے سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

☆...... شریعت کے راکھویں لیلے

بعض دفعہ قربانی کے موقع پہ لوگ مینڈھے بکرے پالتے ہیں تو ان کو رسی نہیں ڈالتے۔ نہلا دھلا کر شام کو لوگ نکلتے ہیں تو جانور ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ مالک بات کرنے کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ بھی کھڑا ہوجاتا ہے۔ مالک چل پڑتا ہے تو وہ بھی چل پڑتا ہے، مالک دائیں مڑا تو یہ بھی دائیں مڑ جاتا ہے۔ اس کو ہم کہتے ہیں راکھواں لیلا۔

جو ولی ہوتا ہے وہ شریعت کا رکھواں لیلا ہوتا ہے۔ جو شریعت نے کہا یہ پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، یہ اللہ کا ولی ہے۔ گورا ہے کالا ہے...... عربی ہے، عجمی ہے...... امیر ہے یا غریب ہے...... یہ مخمل قالینوں پہ زندگی گزارتا ہے یا جھونپڑی میں رہتا ہے۔ ... جو بھی ہے اس سے فرق نہیں پڑتا، بس دیکھنا یہ ہے کہ ہر کام شریعت کے مطابق کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ عبید اللہ احرارؒ۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے گھوڑے چاندی کی میخوں سے باندھے جاتے تھے۔ اللہ نے ان کو اتنا مال پیسہ دیا تھا لیکن وہ کبار اولیا میں سے تھے۔

ولایتِ خاصہ کے درجات

اس ولایت کے اگے دو حصے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں: ولایتِ صغریٰ اور دوسری کو کہتے ہیں: ولایت کبریٰ۔ اس کا فرق ذرا سمجھ لیجئے۔

(۱)...... ولایتِ صغریٰ: ولایت صغریٰ کہتے ہیں کہ انسان عہد کرے کہ میں نے اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی اور اس کے اوپر استقامت کے ساتھ جم جائے۔ اگر چہ دل گناہ کی طرف مائل ہو رہا ہو مگر پھر بھی شریعت پر لگا رہے تو اس کو کہیں گے ولایت صغریٰ۔ طلب تو ہوتی ہے لذات کی، دل تو چاہتا ہے کہ میں راستہ چلتے ہوئے دیکھوں دائیں بائیں کون ہے؟ مگر یہ آنکھوں کو محفوظ رکھتا ہے، نظر کو بچاتا ہے۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے طبیعت مغموم سی ہوتی ہے، مگر زکوٰۃ دیتا ہے۔ صبح اٹھتے ہوئے سستی محسوس ہوتی ہے مگر تہجد پڑھتا ہے، تکبیر اولی کے ساتھ نمازیں پڑھتا ہے۔ تو جس بندے کو میلان تو محسوس ہوتا ہو مگر وہ اپنے آپ کو قابو کر کے شریعت کے اوپر ہمیشہ چلاتا رہے، اس کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ یہ ولی ہے اور اس کو ولایت صغریٰ حاصل ہے۔

(۲)...... ولایتِ کبریٰ: اور ایک ہے ولایت کبریٰ۔ ولایت کبریٰ کے حامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اتنا ذکر کرتے ہیں، اتنا اللہ والوں کی صحبت میں رہتے ہیں اور ان کے دل اتنے منور ہو جاتے ہیں کہ ان کی طبیعتیں شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہیں۔ مکروہاتِ شرعیہ ان کے لئے مکروہات طبعیہ بن جاتے ہیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا، طبیعت بھی کراہت کرنے لگ جاتی ہے۔

☆...... ولایت سے پہلے اور بعد کا فرق

جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوچھا: بیعت ہونے سے پہلے اور بعد میں تمہیں اپنے اندر کیا فرق نظر آیا؟ تو انہوں نے تین باتیں بتائی تھیں:

(۱)...... ایک فرمایا کہ حضرت بیعت ہونے سے پہلے جب میں مطالعہ کرتا تھا تو بہت اشکالات پیش آتے تھے اور بہت جگہ پہ مجھے تعارض نظر آتا تھا اور اس کو رفع کرنے کے لئے مجھے کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، علماء اساتذہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، پھر جا کے وہ رفع ہوتا تھا۔ جب سے بیعت ہوا ہوں مجھے نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔

(۲)...... حضرت نے پوچھا: دوسری تبدیلی کونسی؟ کہنے لگے: دوسری تبدیلی مجھے اپنے اندر یہ محسوس ہوئی ہے کہ جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا، طبیعت بھی کراہت کرتی ہے۔ دل ہی نہیں چاہتا اس کام کے کرنے کو۔

(۳) حضرت نے فرمایا: تیسری تبدیلی کیا ہوئی؟ فرمانے لگے تیسری چیز یہ کہ اب دین کے معاملے میں لوگوں کی تعری یا بدتعریفی میرے لیے برابر ہے، جوحق بات ہوتی ہے میں وہ کہہ دیتا ہوں۔

تو حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! الحمد للہ دین کے تین درجے ہیں: (۱)......ایک ہے علم (۲)......دوسرا ہے عمل (۳)......تیسرا ہے اخلاص۔

...علم کا کمال یہ ہے کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے۔

عمل کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں۔

اور اخلاص کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کی مدح اور ذم انسان کی نظر میں برابر ہو جائے۔

مبارک ہو! تمہیں بیعت کی برکت سے اللہ تعالی نے علم میں بھی کمال عطا کر دیا، عمل میں بھی کمال عطا کر دیا اور اخلاص میں بھی کمال عطا کر دیا۔

تو جن کو ہم ولایت کبریٰ کے اولیا کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے مزاج اتنے سلیم الفطرت بن جاتے ہیں، شریعت کے ایسے مطابق ڈھل جاتے ہیں کہ بس جو حکم خدا ہے وہی ان کی اپنی بھی طبیعت چوائس ہو جاتا ہے۔ (خطبات فقیر:۴۱/۲۱۷-۲۳۱)

☆ مفتی شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں: اس ولایت خاصہ کے درجات بے شمار اور غیر متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاءؑ کا حصہ ہے۔ کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے۔

اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب (دل) اللہ تعالی کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالی کے لئے کرتا ہے جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالی کے لئے کرتا ہے اس کے حب وبغض او محبت وعداوت میں اپنی ذات میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالی کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک ناپسند ہو۔ اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام طاعت، یعنی اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں۔ پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم وبیش ہوتے ہیں۔

☆......حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ''اولیاء اللہ (خدا کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں، جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا اسی درجہ کی ولایت ہوگی۔ اس اعتبار سے ہر مومن ولی ہے''۔

کتاب وسنت کے عرف میں ''ولی'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقویٰ پایا جاتا ہو وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اس کا قلب اللہ تعالی کی محبت اور اسکی خشیت سے لبریز ہو اور ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کَانُوۡا

یَتَّقُوْنَ﴾ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نورِ ایمانی اور نورِ تقوی سے منور ہو یعنی عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو اور حتی الوسع حق عبودیت میں مقصر نہ ہو' (معارف القرآن ج ۳، ص ۶۰۶، ماخذ: اولیاء اللہ کی ابانت کہ، بال ۱۵)

اللہ کے ولی، اللہ کی حفاظت میں

جس کو ہم ولایت کبریٰ کا انسان کہتے ہیں، یہ وہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت ہی گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتی، میلان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فرشتہ بن جاتا ہے، نہیں فرشتہ نہیں ہوتا مگر اس پر اللہ تعالی کی اتنی رحمت ہو جاتی ہے اور اس نے اتنا ذکر کیا ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ بس پھر شریعت پر چلنا اور گناہ سے بچنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کو ولایت کبریٰ کے مقام کے اولیا کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ﴾ (الحجر: ۴۲) ''جو میرے بندے ہیں (بدبخت شیطان!) تیرا ان پر داؤ نہیں چل سکتا''۔
وہ محفوظ ہو جاتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ پھر اللہ ان کی شیطان سے حفاظت فرماتے ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

نبی اور ولی میں فرق

کوئی ولی کبھی کسی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا ہے اس لئے کہ نبی میں سب کمالات ولایت ثابت ہو جاتے ہیں تب اسکے بعد اسکو اعلیٰ درجہ نبوت کا دوسروں کی تکمیل کے لئے دیا جاتا ہے کہ پھر اس کو نہ سوء خاتمہ کا ڈر رہتا ہے نہ معزول کیا جاتا ہے اور ولی پہلے درجہ میں ہوتا ہے سوا سکے لئے یہ سب احتمال باقی رہتے ہیں دوسرے جس قدر ولی کو کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ سب کمالات نبوت سے حاصل ہوتے ہیں تیسرے بندوں کو اللہ سے جس قدر مراتب قرب ہیں ان سب میں سب سے اعلیٰ درجہ نبوت کا ہوتا ہے نہ اس درجہ کو صدیق پہنچتا ہے نہ شہید صالح اسی لئے انبیاء سب سے زیادہ مقرب اور ان کے نفوس سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں جس قدر اور ہیں ان کے نفوس اس درجہ کے کامل نہیں ہیں۔

نبوت اور ولایت میں فرق

ایک ہوتی ہے ولایت اور ایک ہوتی ہے نبوت۔ ان میں کیا فرق ہے؟:
ایک فرق تو پہلے بتا دیا کہ ولایت کسبی چیز ہے اور نبوت وہبی چیز ہے۔ اور ایک دوسر فرق سمجھ لیں کہ اولیا محفوظ ہوتے ہیں، انبیا معصوم ہوتے ہیں۔ اولیا محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی اولیا کو گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں۔ جیسے بچہ آگ کی طرف جا رہا ہو تو ماں پکڑ لیتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ٹائلٹ کا دروازہ کھلا ہے، چھوٹا بچہ اندر بھاگتا ہے، ماں واپس پکڑ لیتی ہے، جانے نہیں دیتی۔ اسی طرح اگر بالفرض اس ولایت کے مقام کا بندہ اگر کسی وقت گناہ کی طرف قدم بھی اٹھانا بھی چاہے، اللہ تعالی بڑھتے قدموں کو روک لیتے ہیں، محفوظ فرما لیتے ہیں۔
تو اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ معصوم کا کیا مطلب؟ وہاں معصیت کا تصور ہی نہیں ہوتا، خیال ہی نہیں آتا۔ تو موٹی بات کہ اولیاء کرام اللہ تعالی گناہوں کے قریب جانے سے روکتے ہیں اور انبیاء کی یہ شان ہوتی ہے کہ اللہ تعالی گناہوں کو ان کے قریب جانے سے روک دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالی یوسفؑ کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ

السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ﴾ (یوسف ۲۴)''اس طرح ہم نے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیا ان سے''
انبیاء کے قریب ہی نہیں جانے دیا، وہ اتنی عظیم ہستیاں ہوتی ہیں۔ (خطبات فقیر:۴۱/۲۳۲_۲۳۳)

شرط ولایت

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: ''یہ ولی کی شرط میں سے ہے کہ وہ (گناہوں سے) محفوظ ہو جس طرح نبی کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہو پس وہ آدمی جس کے اعمال پر شریعت کو اعتراض ہے (یعنی اس کے اعمال شریعت کے خلاف ہیں) تو وہ آدمی (اپنے آپ کو ولی سمجھنے کے) دھوکہ میں ہے''۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۹۰، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم ۱۱)

☆..........حکایت: نیز فرماتے ہیں: ''کسی آدمی کی ولایت کا ذکر کیا جاتا تھا حضرت بایزید بسطامیؒ نے اس کی زیارت کا ارادہ فرمایا جب اس کی مسجد تک پہنچے تو اس کے (گھر سے) نکلنے کے انتظار میں بیٹھ گئے، جب وہ آدمی نکلا تو اس نے مسجد میں ناک سنک دی یہ دیکھ کر حضرت بایزید واپس لوٹ گئے اور سلام تک نہ کیا بلکہ فرمایا کہ یہ تو ایسا آدمی ہے کہ اس کو آداب شریعت کا پاس نہیں ہے یہ اسرارِ خداوندی کی پاسداری کس طرح کر سکتا ہے؟'' (رسالہ قشیریہ ص ۲۶۰، ماخذ: با ۱۱)

☆.....فائدہ: ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بزرگ اور ولی کیلئے ضروری ہے کہ وہ گناہوں سے حتی الوسع بچتا ہو، آداب شریعت کا خیال رکھتا ہو، ولی سے گناہ تو ہو جاتا ہے لیکن وہ جلدی سے توبہ کر لیتا ہے اور اس پر گناہ کا اثر نہیں رہتا۔
حدیث شریف میں ہے: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَاذَنْبَ لَهُ'' گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کئے ہی نہیں۔ (الجامع الصغیر علامہ سیوطی)

اولیاء کرام خوف دنیا سے محفوظ ہوتے ہیں

تفسیر معارف القرآن: ص ۵۴۷ تا ۵۴۸ ج ۴ میں ہے: ''حضرات اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام وراحت عزت و دولت میں ذرا سی کم ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیا اللہ کا مقام ان سب سے بلند و بالا ہوتا ہے ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت وآرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگردان ہوں اور نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے جس کی مدافعت میں پریشان ہوں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے   بر پیش ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

نہ تو خوشی ہمیں کوئی سہارا دیتی ہے اور نہ غم کوئی نقصان پہنچاتا ہے ہماری ہمت کے سامنے جو کچھ بھی آتا ہے (ہمارا) مہمان بن جاتا ہے۔
اللہ جل شانہ کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان حضرات پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کا رنج وراحت سود وزیاں پر کاہ (تنکا) کی بھی حیثیت نہیں رکھتے بقول شاعر:

یہ ننگ عاشقی ہیں سود وحاصل دیکھنے والے

یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

ولی وہ ہے جس کی زیارت سے خدایاد آئے

☆......حدیث: حضرت سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوب سمجھ اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم زدہ ہوں گے آپ ﷺ نے (ان کی علامت میں) ارشاد فرمایا (جب انہیں دیکھا جائے تو) ان کی زیارت سے خدایاد آئے''

(درمنثور ص ۳۰۹ ج ۳، بحوالہ ابن مبارک، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابوالشیخ، ابن مردویہ تفسیر قرطبی: ص ۳۵۷ ج ۸، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم اردو۔ ۲)

ولی بننے کا طریقہ

''بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک آدمی سے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ولی بن جاؤ، اس نے عرض کیا جی ہاں۔ تو فرمایا دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں رغبت نہ کرو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کردو اپنے چہرہ سمیت اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ وہ بھی تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہیں اپنا ولی بنالے''۔ (ایضا)

اولیاء اللہ کی صفات

اولیاء لوگوں سے صرف خدا کیلئے محبت رکھتے ہیں

☆......حدیث: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (یہ وہ) قوم ہے جو بغیر دولت (کی لالچ) کے اور بغیر حسب نسب (کی روعایت) کے صرف خدا کی (محبت کی وجہ سے) آپس میں محبت کرتے ہیں، جب لوگ گھبراہٹ میں (مبتلا) ہوں گے یہ اس وقت گھبرانے والے نہیں ہوں گے اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے یہ اس وقت غم سے محفوظ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ﴾ (یونس ۶۲، ۶۳، ۶۴) (درمنثور ص ۳۱۰ ج ۳، بحوالہ ابوداؤد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ تفسیر قرطبی: ص ۳۵۷ ج ۸، حلیہ ابی نعیم، شعب الایمان للبیہقی، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم اردو۔ ۶)

☆......حدیث: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں میری محبت ان کیلئے ثابت ہوگئی ہے، اور جو لوگ میری خاطر آپس میں ملاقات کرتے ہیں میری محبت ان کیلئے بھی حق ہوگئی ہے، اور جو لوگ میری خاطر آپس میں مل بیٹھتے ہیں میری محبت ان کیلئے بھی ضروری ہوگئی ہے (یہ سب) وہ لوگ ہیں جو میری مساجد کو میرے ذکر سے آباد رکھتے ہیں اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتے اور میری اطاعت کی طرف بلاتے ہیں یہی میرے اولیاء ہیں جن کو میں اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا، اپنے قرب میں ٹھکانا دوں گا، انہیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھوں گا اور لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں

داخل کردوں گا یہ اس میں عیش کریں گے اور ہمیشہ کیلئے (اسی جنت میں) رہیں گے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (یونس ۶۲، ۶۳، ۶۴) (درمنثور ۳۱۰ ج ۳ بحوالہ ابن مردویہ، ماخذ: الطبقات الصوفیہ مترجم ص ۶۔۷)

حضرت علیؓ کے نزدیک ولی کی پہچان

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''اولیاءاللہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے (کثرت) بیداری سے پیلے پڑ چکے ہیں، (کثرت) گریہ سے آنکھیں چندھیا گئی ہیں، بھوک کے پیٹ دبلے رہتے ہیں، ہونٹ خشکی سے مرجھائے ہوئے ہیں''۔ (قرطبی: ج ۸ ص ۳۵۸، ماخذ بالا: ۷)

ولی سب سے زیادہ قرب خداوندی کس طرح حاصل کرتے ہیں؟

حدیث: حمزہ حبیبؓ مرسلا روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پوشیدہ سجدوں سے زیادہ کسی بھی افضل شے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرسکتا''۔ (الجامع الصغیر امام سیوطیؒ ماخذ بالا: ۷۔۸)

☆...... فائدہ: اس حدیث میں پوشیدہ سجدوں سے مرادرات کو خدا کی عبادت اور تہجد ادا کرنا جب لوگ گہری نیند سوتے ہیں یہ اس وقت اللہ کی رحمت شفقت اور دوسری عنایات سے مستفید ہوکر اپنے درجات بلند کر رہا ہوتا ہے اور خدا سے قرب پا کر مقام ولایت پر مستفیض ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ریاکاری سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے عبادت کرنی چاہئے وہ عبادت دن میں ہو یا رات میں لوگوں کے دکھلاوے کیلئے عبادت کرے گا نہ تو قرب خدا حاصل ہوگا نہ ولایت بلکہ ایسے لوگوں کو ریاکاری اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی بہت بڑی سزا دی جائے گی۔ (ایضاً ۸)

اولیاءاللہ وہ ہے جو کثرت نوافل اور فرائض کی پابندی کرتے ہیں

حدیث: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے مجھے (میرے) ولی کے متعلق ایذاء پہنچائی تو وہ میرے ساتھ باہمی مقابلہ کرنے کیلئے سامنے آ گیا (یعنی مجھے جنگ کا موقعہ دیدیا اور بعض روایات میں (بارزنی) آتا ہے یعنی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج کردیا) اور جو کچھ میں نے (اپنے) ولی پر فرض کیا ہے اس کی ادائیگی سے زیادہ کسی شے کے ساتھ میرا بندہ قرب حاصل نہیں کرسکتا، اور ہر وقت میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ جس کام کو میں کرنا چاہتا ہوں اس میں اتنا تردد کبھی نہیں کرتا جتنا اپنے مومن بندے کی روح قبض کرتے وقت کرتا ہوں یہ اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور جیسا وہ اس کو برا سمجھتا ہے میں بھی اس کو برا سمجھتا ہوں۔ لیکن موت تو اس کے لئے ضروری ہے (اس لئے آکر ہی رہتی ہے)۔ (یہ حدیث مسند احمد ص ۵۵۔۵۷ ج ۵، نوادر الاصول حکیم ترمذیؒ، مسند ابویعلیٰ موصلیؒ، معجم اوسط طبرانیؒ، کتاب الصب ابونعیمؒ، اور ابن عساکر میں بھی مروی ہے۔ کنز العمال ص ۲۳۰، حدیث نمبر ۱۱۵۷، از حاشیہ رسالہ قشیریہ، بحوالہ بالا ۹)

☆...... فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا ولی تب بنتا ہے جب وہ فرائض کی پابندی کے ساتھ نوافل کی کثرت

کرے محض خاندانی اور گدی نشین نہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے غلط طریقہ سے اپنے آپ کو ولی جتلاتا ہو۔ اور جو مذکورہ علامت پر کاربند رہے اور اللہ تعالیٰ کا ولی بن جائے تو اس کو تکلیف پہنچانا اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینا ہے اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کو تکلیف دیتا ہے تو عذاب خداوندی آ کر ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء کی صحیح پہچان نصیب فرمائے اور ان کو دکھ دینے سے بچائے۔

حضرت یحییٰ ابن معاذؒ کے نزدیک ولی کی پہچان

حضرت یحییٰ بن معاذؒ اولیاء کی صفت (یہ) بیان کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبیدہ خاطر ہونے کے بعد انس ومحبت کو اپنا لباس بنالیا ہے اور مقام ولایت تک پہنچنے کی وجہ سے مجاہدہ کے بعد روح سے تعلق قائم رکھا ہے''۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے نزدیک ولی کی پہچان

اولیاء حجاب اُنس میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں اور دولہنوں کو نامحرم نہیں دیکھا کرتے۔ یہ دلہنیں محبت کے پردے میں رپوش ہیں ان کو کوئی (عام آدمی) دنیا اور آخرت میں نہیں پہچان سکتا''۔ (جیسا کہ مشہور ہے ولی راولی سے شناسد یعنی ولی کو ہر شخص نہیں پہنچانتا صرف ولی ہی پہچانتا ہے)

☆......حکایت عجیبہ

بوبکر صیدلانیؒ (یہ ایک نیک آدمی تھے) نے فرمایا کہ میں حضرت ابوبکر طمستانیؒ کی قبر مبارک میں مقبرہ حیرہ میں تختی لگاتا تھا جس میں ان کا نام بھی تھا لیکن یہ تختی اکھیڑ لی جاتی اور چوری ہوجاتی تھی جبکہ اس کے علاوہ باقی قبروں میں سے کوئی (تختی) نہ چرائی جاتی تھی جس سے میں بہت حیران ہوا اور استاد ابوعلی دقاقؒ سے اس کے متعلق ایک روز سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس بزرگ نے تو دنیا میں اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور تو چاہتا ہے کہ ان کی قبر کو اس تختی کے ساتھ مشہور کردے جسے تو اس میں گاڑ دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے اظہار کو پسند نہیں کرتے۔ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی''۔

اولیاء کی تین علامات

حضرت معروف کرخیؒ سے پوچھا گیا کہ اولیاء کی علامت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا تین ہیں: (۱)......ان کے افکار اللہ کیلئے ہوتے ہیں (۲) ان کی محنت اللہ کی اطاعت میں ہوتی ہے (۳)......اور ان کی طلب اور دوڑ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ ([illegible] الصوافیہ ص ۱۱۳-۱۱۴)

اولیاء کے ذکر سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے

حضرت بشر بن الحارث الحافیؒ نے ارشاد فرمایا تیری نصیحت کیلئے اتنا کافی ہے کہ موتی کی ایک جماعت ایسی ہے جن کے ذکر سے دلوں کو زندگی ملتی ہے، اور ایک قوم زندوں کی ہے جن کے دیکھنے سے دل زنگ آلود ہوجاتے ہیں۔

فقراء تین قسم کے ہوتے ہیں

حضرت عباس بن دہقانؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بشر بن حارثؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ اس وقت رضا اور تسلیم کے متعلق ارشاد فرمارہے تھے، ایک شخص جو صوفی بنا پھرتا تھا اس نے کہا اے ابونصر! تو نے لوگوں کے ہاتھ سے نیکی کا راستہ چھین لیا تا کہ تمہاری منزلت آشکارا ہو، اگر تو واقعی زاہد ہوتا اور دنیا سے بے تعلق ہوتا، تو توان کے ہاتھ سے پکڑتا تا کہ ان کے ہاں سے تیرا مرتبہ کھو جاتا، اور جو کچھ وہ تجھے ہدایا دیتے ان کو فقراء کے لئے دے دیتا پھر توکل کر کے بیٹھ جاتا اور غیب سے گزارہ کی روزی حاصل کرتا۔

اس کی یہ بات حضرت بشرؒ کے ساتھیوں پر بڑی گراں گزری، تو حضرت بشر نے فرمایا: اے جوان جواب سن! فقراء تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) وہ فقیر جو کسی سے نہیں مانگتا اور اگر اس کو دیا جائے تو لیتا بھی نہیں یہ شخص روحانیین میں سے ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالی سے مانگتا ہے اللہ تعالی اس کو عطا کرتا ہے، اور اگر اللہ تعالی پر کسی معاملہ میں قسم اٹھالے تو اللہ تعالی اس کی قسم کے مطابق کر دیں۔

(۲) ایک فقیر وہ ہوتا ہے جو سوال نہیں کرتا اور اگر اس کو دیا جائے تو اس کو قبول کر لیتا ہے، یہ فقراء میں درمیانہ درجہ کا ہے اس کا طرز توکل کا اور اللہ تعالی کی طرف سکون حاصل کرنے کا ہوتا ہے یہ وہ شخص ہے جس کیلئے حظیرۃ القدوس سے خوان رکھا جاتا ہے۔

(۳) ... ایک فقیر وہ ہوتا ہے جو صبر کو حرز جان بنائے رکھتا ہے اور صرف دفع الوقتی سے کام لیتا ہے، جب اس کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اللہ تعالی کے بندوں کی طرف نکل جاتا ہے اور اس کا دل سوال کے وقت اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے اس مانگنے کا کفارہ صدق سوال ہوتا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا حضرت بس کافی ہو گیا اللہ تعالی آپ سے راضی ہو۔ (ایضا ۷۷۔ ۷۸)

اولیاء مر کر بھی زندہ ہیں

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے اطاعت شعاروں کو ان کی وفات کے باوجود زندہ بنادیا ہے اور نافرمانوں کو ان کی زندگی میں ہی ان کو مردہ بنا رکھا ہے۔ (یعنی) نیک لوگوں کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے حالات و آثار کا تذکرہ ہوتا ہے اور ان سے عمل کی رہنمائی ملتی ہے اور بدکار جیتے جی مرے ہوئے کی طرح ہیں ان کے اعمال قابل نفرت ہیں اور نہ قابل ذکر ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ بدکار زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہیں ان کی زندگی آخرت کے اعتبار سے ان کے کسی کام کی نہیں اور یہ دنیا میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ (ایضا ۹۶۔ ۹۷)

ولی کبھی مشہور ہو جاتا ہے

''حضرت سعید بن سلام مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی مشہور تو ہو جاتا ہے لیکن (شہرت سے) فتنہ میں نہیں پڑتا (یعنی اس حال میں بھی اپنے کو ہیچ سمجھتا ہے)۔''

☆...... فائدہ: مذکورہ ارشاد کی تشریح یہ ہے کہ جو ولی مشہور ہوتا ہے تو اس کی یہ شہرت خدا کی طرف سے اس پر اور اس کے متعلقین پر بطور برکت کے ہوتی ہے جو اسے اپنے رب تعالی سے غیر متوجہ نہیں کرتی اس صورت میں یہ ولی شہرت سے سعادت پاتا ہے اور جو لوگ اس کی

اقتداء کرتے ہیں ان کی کثرت کی وجہ سے اس ولی کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔اور وہ ولی جس کی شہرت اسے یاد خداوندی سے ہٹادے ایسا شخص مفتون کہلاتا ہے اللہ تعالی ایسے آدمی سے سب کی حفاظت فرمائیں۔ (ایضا ۱۴۔۱۵)

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک مرتبہ حج سے واپسی پر کسی شہر سے گذر رہے مہینہ رمضان کا تھا شہر کے لوگوں کو پتہ چل گیا تو پورا شہران کی زیارت کیلئے امنڈ پڑا،حضرت کے پاس تھیلہ میں خورد ونوش کا سامان تھا حضرت نے اس میں سے روٹی نکالی اور سب کے سامنے کھالی یہ دیکھ کر پورا شہر یہ کہتے ہوئے واپس ہوگیا کہ یہ کیسا پیر ہے جو رمضان میں روزے بھی نہیں رکھتا،خادم نے عرض کیا حضرت کیا آپ کو روزہ یا دنہیں تھا؟ فرمایا: یاد تھا لیکن اس ہجوم کو دیکھ کر میرے نفس میں بڑائی آئی تو میں نے اس کی سرزنش کرنے کے لئے مخلوق کو اپنے پاس سے بھگا دیا لیکن یہ لوگ بھی عجیب ہیں کہ جانتے نہیں کہ مسافر پر روزہ فرض نہیں۔ میں روزہ کی قضا کرلوں گا اور اپنے نفس کو فتنہ سے محفوظ رکھا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

اشتہار خلق بند محکم است　　　　بند ایں از بند آہن کے کم است

''مخلوق میں مشہور ہوجانا مضبوط بیڑی ہے،اور یہ بیڑی لوہے کی بیڑی سے کم نہیں ہے''

طاؤس رانقش ونگاری کہ ہست خلق　　　　تحسین کنند او خجل از زشت پائے خویش

''مور کے حسن وجمال کی مخلوق تو بڑی تعریف کرتی ہے لیکن مور خود اپنے پنجوں کو دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال مخلوق کی تعریف پر فخر نہیں کرتا بلکہ اپنے نقائص کو دیکھ کر روتا اور شرمندہ ہوتا ہے۔

(املاء از حضرت مولانا محمد ادریس انصاری دامت برکاتہم،بحوالہ لطیفات صوفیہ ۱۵)

ولی دستِ سوال دراز نہیں کرتا

حضرت نصر آبادیؒ فرماتے ہیں:''اولیاء کرام (دست) سوال (دراز) نہیں کرتے بلکہ (فقر وفاقہ سے ان کے ہونٹ اور زبان خشک اور آواز پست ہوجاتی ہے۔'' (رسالہ قشیریہ ص۲۶۲،ماخذ بالا)

یعنی اولیاء کرام بوقت ضرورت بھی دست سوال دراز نہیں کرتے بلکہ ان کے فقر وفاقہ کی حالت اور مسکنت ان کے چہرہ سے جھلکتی ہے ان کے چہروں کو دیکھ کر لوگ ان کی ضروریات کا علم حاصل کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اپنی ضروریات کا کسی سے سوال نہ کرنا بھی ولایت کی علامت ہے۔ (ایضا:۱۵۔۱۶)

ولایت کا انتہائی مرتبہ

حضرت نصر آبادیؒ فرماتے ہیں:''اولیاء کے آخری مقامات انبیاء کرام کے ابتدائی مقامات ہیں۔'' (رسالہ قشیریہ ص۲۶۲،ماخذ بالا ۱۶)

ولی کے اعمال

حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں:''ولی وہ ہے جس کے عمال مسلسل (شریعت کے) موافق ہوں۔(خلاف شرع کا نہ کرتا ہو)''۔ (ایضا)

ریاکاری اور منافقت سے محفوظ

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: ''ولی وہ ہے جو نہ تو ریاکاری کرتا ہے اور نہ منافقت کرتا ہے اور جس کے اخلاق یہ ہوں اس کے دوست کم نہیں ہوتے (بلکہ بہت ہوتے ہیں)(ایضا)

ولایت کی دیگر صفات

حضرت ابوعلی جوزجانیؒ فرماتے ہیں: ''ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی ہو، مشاہدۂ حق سبحانہ میں باقی ہو اس کی ضروریات اللہ تعالیٰ پوری فرماتے ہیں اس پر انوارِ کفالت مسلسل قائم رہتے ہیں وہ اپنے نفس کے متعلق (کسی کو) خبر نہیں دیتا اور غیر اللہ کے ساتھ چین نہیں پکڑتا۔ (جس طرح مچھلی کو پانی کے بغیر سکون نہیں ملتا)''(ایضا)

ولایت کے چار مراتب اور ان کا اثر

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: ''اولیاء کرام کے مراتب اسمائے (باری تعالیٰ) کے ساتھ مختلف اعتبارات کے ساتھ ہیں ہر فریق انہیں چار اسماء میں سے کسی کے ساتھ قائم ہے اور یہ (اسماء) ''الاول'' ''الاخر'' ''الظاھر'' ''الباطن'' ہیں جو اس مرتبہ کے حاصل ہونے سے ان میں فانی ہو گیا وہی ولی کامل اور تام ہے پس جس کا مرتبہ ذات باری کے اسم ''الظاھر'' کے ساتھ قائم ہے تو وہ خدا کی قدرت کے عجائبات ملاحظہ کرتا ہے۔ اور جس کا مرتبہ ذات باری کے رسم ''الباطن'' کے ساتھ ہے تو وہ خدا کے انوار سے جو کچھ اسرار میں واقع ہوتا ہے ان کو ملاحظہ کرتا ہے، اور جس کا مرتبہ خدا کے اسم ''الاول'' کے ساتھ ہے تو اس کی مصروفیات امور ماضیہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''الاخر'' سے ہوتا ہے تو وہ امور مستقبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس ولی کی طاقت کے بقدر مکشوف ہوتا ہے ہاں جس کی امداد حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے احسان کے ساتھ کرے اور اپنی طرف سے اس کی ضروریات کی کفایت کرے (تو اپنی قدرت سے بھی آگے کے امور ظاہر ہوتے ہیں)''

حضرت بایزید بسطامیؒ کے اس ارشاد پر حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں ''یہ جو حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے (ان کا یہ ارشاد) اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کے نیک بندے ان (مذکورہ) اقسام سے بالا ہوتے ہیں نہ تو وہ انجام کار کے ذکر میں ہوتے ہیں اور نہ امور مستقبلہ کی فکر میں ہوتے ہیں۔ اور نہ سب راستوں کے درپے ہوتے ہیں اسی طرح اصحابِ حقائق مخلوقات کی مدح سرائیوں سے غافل رہتے ہیں (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں'' آپ خیال کریں گے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں''(ایضا)

اولیاء خدا تک رسائی کا ذریعہ ہوتے ہیں

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: ''ولی زمین میں اللہ کی خوشبو ہے جسے صدیقین (صدیقین وہ ہیں جن کے قول میں تضاد نہ ہو) سونگھتے ہیں تو اس کی خوشبو ان کے دلوں کو معطر کرتی ہے اور وہ اس (ولی) کے ذریعہ اپنے مولیٰ کا شوق پیدا کرتے ہیں اور نیک عادات کے درجات کے موافق عبادت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں''۔ (ایضا، ۳۶۳، ماخذ: بالا: ۱۷-۱۸)

غذائے ولایت

حضرت محمد واسطیؒ سے سوال کیا گیا ولی کو اس کی ولایت میں غذا کس طرح دی جاتی ہے؟ تو فرمایا ولایت کی ابتداء میں ولی کو عبادت کی غذا دی جاتی ہے اور بڑھاپے میں خدا تعالیٰ کی لطافت سے پردہ پوشی کے ساتھ (غذا دی جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ تعریفات اور صفات کی طرف جذب فرما دیتا ہے پھر اسے مختلف اوقات میں اپنے (سامنے) کھڑے ہونے کی لذت چکھا دیتا ہے"۔

ولی کی مزید تین صفات

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: "اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی کی علامت تین چیزیں ہیں (۱) ... اللہ کیساتھ مشغول رہنا (۲) اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ بھاگ کرنا (۳) ... اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود بنانا"۔ (ایضاً)

ولی کے مدارج ترقی

حضرت خرازؒ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے ساتھ دوستی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں پس جب وہ ذکر میں لذت پاتا ہے تو اس پر قرب کا دروازہ کھول دیتے ہیں پھر اسے اپنی مجالسِ انس تک پہنچا دیتے ہیں پھر اسے کرسی توحید پر بٹھاتے ہیں پھر اس سے پردے ہٹا دیتے ہیں اور فردانیت کے مقام میں داخل کر دیتے ہیں اور اس کے لئے اپنا جلال اور عظمت ظاہر کرتے ہیں جب اس کی نظر جلال اور عظمت خداوندی پر پڑتی ہے تو اپنی خواہشات چھوڑ بیٹھتا ہے بس اس وقت بندہ بے بس اور فانی جا بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ رہتا ہے اور اپنے نفس کے دعوؤں سے نکل جاتا ہے" (ایضاً)

اولیاء اللہ سے محبت

چونکہ یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتے ہیں اور ان کی محبت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ (مریم ۹۶) "بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے (خلائق کے دل میں) محبت پیدا کر دے گا۔"

☆ ...... حضرت شاہ عبد القادرؒ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دیگا" (موضح القرآن ماخذ: اولیاء اللہ کی اہنت کا مہال: ص ۱۷)

☆ ...... حضرت مولانا مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں کہ ایمان اور عمل صالح جب مکمل ہوں اور بیرونی عوارض سے خالی ہوں تو ان کا خاصہ یہ ہے کہ مومنین صالحین کے درمیان آپس میں بھی الفت و محبت ہو جاتی ہے، ایک نیک صالح آدمی دوسرے نیک آدمی سے مانوس ہوتا ہے اور دوسرے تمام لوگوں اور مخلوق کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

☆ ...... حدیث: بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب

کسی بندے کو پسند فرماتے ہیں تو جبرئیل امینؑ سے کہتے ہیں کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو۔ جبرئیلؑ سارے آسمانوں میں اس کی منادی کرتے ہیں اور سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر یہ محبت زمین پر نازل ہوتی ہے۔ (زمین والے بھی اس محبوب خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔

☆ حضرت ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں''۔ (معارف القرآن ۶/۵۹، بحوالہ قرطبی، ماخذ بالا: ۱۷۔۱۸)

☆ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ مقبولیت ومحبوبیت اور چیز ہے، اور شہرت اور چیز ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی ابتدا نیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں پھر رفتہ رفتہ وہ قبول عام ہوجاتا ہے۔ باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں خوب سمجھ لو!۔

اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کی صحبت میں رہنے کا حکم

اولیاء اللہ پر چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور ان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا حکم تمام اہل ایمان کو دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (توبہ: ۱۱۹) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو''

اس آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی تدبیر یہ بتائی کہ صالحین اور صادقین کی صحبت اختیار کرو، پھر ''صادقین'' کا لفظ اختیار فرما کر اللہ والوں کی پہچان بھی بتائی کہ وہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہوں، نیت و ارادہ بھی سچا ہو، قول کے بھی سچے ہوں اور اعمال بھی اچھے اور سچے ہوں۔

☆ حدیث پاک میں اولیاء اللہ کی پہچان میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں پیش کیا گیا: "عن ابن عباسؓ قال قال رجل یارسول اللہ من اولیاء اللہ قال الذین اذا رء وا ذکر اللہ" ''حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا ''یارسول اللہ ﷺ! اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ جنہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے''۔

گویا اولیاء اللہ کے اعمال اس درجہ شریعت کے حکموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ان کا ظاہر و باطن تعلق مع اللہ میں اس قدر سچا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا (اگر سیاہ اعمالی کی وجہ سے اپنا ضمیر بالکل ہی نہ برباد کر چکا ہو) تو فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ شخص اللہ والا ہے۔

چونکہ انسان طبعاً صحبت سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے حکم دیدیا گیا کہ اگر تم بھی اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کے ساتھ بیٹھ کر اللہ کے ذکر کی توفیق ہو، دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور دنیاوی فکروں میں کمی محسوس ہو اور یہی علامت ولی اللہ ہونے کی ہے۔

☆......قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں: ''اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار کی یاد دلانے اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ، جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا تا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے، آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ ان کا حضور اللہ کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (کہ منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا)'' واللہ لایھدی القوم الفاسقین'' اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ (تفسیر مظہری ۳۴/۵، خذ بالا ۱۹۔۲۰)

کیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہوتا ہے؟

حضرت قشیریؒ فرماتے ہیں: ''اس میں اختلاف کیا ہے کہ ولی بھی اپنی ولایت کو جانتا ہے یا نہیں بعض نے تو یہ کہا ہے (کہ اس کو اپنی ولایت کا جاننا) درست نہیں ولی تو اپنی ذات کو کم نظر سے دیکھتا ہے، اگر اس سے کوئی کرامت ظاہر ہو تو وہ اس سے بھی ڈرتا ہے۔ کہ یہ (شیطان کا) دھوکہ نہ ہو۔ وہ ہر وقت خوف میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا خوف یہ ہے کہ وہ جس (حال) ولایت میں ہے اس سے نیچے نہ گر پڑے اور اس کا انجام اس کے حال کے خلاف نہ ہو جائے اس مذہب کے لوگ مستقبل میں بھی ولایت کی بقاء کو ولی کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔''

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ بات درست ہے کہ ولی کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کا) ولی (اور دوست) ہے یہ حضرات حسن عافیت کا یقین ہونے کو ولایت کی شرط قرار نہیں دیتے۔ (جو شخص فی الحال ولی ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اخیر تک ولی رہے یہ ہو سکتا ہے کہ اب ولی ہو اور پھر اس کی ولایت چھین لی جائے جیسے کہ بلعم بن باعور کی ولایت حضرت موسیٰؑ پر بددعا کرنے کی وجہ سے چھین لی گئی۔

(مولانا محمد ادریس انصاری)

''اور بعض جو لوگ مستقبل میں بھی ولایت کے باقی رہنے کے علم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ) اس کے بعد ولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ولی کو کوئی کرامت بھی عطاء کی گئی ہو اور وہ کرامت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے اس بات کا علم ہو کہ وہ انجام حساب میں عذاب سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ کرامات اولیاء پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اگر چہ اسے انجامِ عاقبت کا خوف نہ رہے تب بھی ہیبت تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی جلالت شان ہر حال میں تمام اور مضبوط ہو۔ کیونکہ معمولی سی تعظیم اور ہیبت بنسبت زیادہ خوف کے دلوں کو زیادہ ہدایت دیتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ ﷺ کے صحابہ میں سے دس جنتی ہیں''۔ تو بالضرور یہ دس وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اپنی عاقبت یا سلامت جان لی اور ان کے حال پر (میں بشارت نے) کوئی فرق نہ ڈالا۔''

''اور معرفت نبوت کی صحت کی شرط معجزہ کی تعریف کی واقفیت پر ہے اسی کے ضمن میں حقیقت کرامات کا علم بھی داخل ہے تو جب وہ اپنی کرامات کو ظاہر ہوتا دیکھتا ہے تو اسے ممکن نہیں کہ وہ کرامت اور غیر کرامت میں فرق نہ کر سکے؟ (یعنی اسے کرامت اور غیر کرامت میں فرق کا علم ہو جاتا ہے تو جب وہ کرامت کی کوئی چیز دیکھتا ہے تو وہ اسی سے سمجھ لیتا ہے کہ وہ اس حال میں حق پر ہے۔''

''پھر یہ درست ہے کہ وہ مستقبل کے لئے بھی جانتا ہے کہ وہ اسی حالت (ولایت) میں باقی رہے گا اور یہ پہچان بھی اس کی کرامت ہی کے طور پر ہوتی ہے اور کرامات اولیاء کو تسلیم کرنا درست ہے چنانچہ اولیاء کرام کی بہت حکایات اس پر دلالت بھی کرتی ہیں اور ہمارے شیخ استاد ابوعلی الدقاقؒ بھی یہی بیان فرماتے تھے۔ (طبقت الصوفیہ مترجم اردو ۲۷۴،۱۲۔۱۳)

اولیاءاللہ کی اہانت کا وبال

اس کے بارے جو کچھ حضرت مولانا محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی نے اپنے کتاب ''اولیاءاللہ کی اہانت کا وبال'' میں نقل کیے ہیں میں اس کو من وعن نقل کر دیتا ہوں۔گزشتہ مباحث سے معلوم ہوگیا کہ ولی کون شخص ہوتا ہے اور عنداللہ اس کا کیا مرتبہ اور مقام ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے محبت کرنے، اس کا احترام کرنے اور اس کی صحبت میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔لیکن اس سے محبت کرنے، اس کا احترام کرنے اور اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنے کے بجائے اگر اس سے بدگمانی رکھی جائے، اس کے بارے میں غیر محتاط گفتگو کی جائے، اسے گالیاں دی جائیں، اس سے نفرت اور عداوت رکھی جائے تو کس قدر خطرناک بات ہوگی، کیونکہ اس شکل میں آدمی اللہ تعالی کے حکم پر عمل ہی نہیں کرتا اس کو معمولی سمجھ کر مقابلہ اور ضد پر آجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے صرف دو گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا ارتکاب براہ راست غیرت خداوندی کا للکارنا اور اس کی طرف سے اپنے خلاف اعلان جنگ کروانا ہے۔

(۱) ان میں سے ایک گناہ تو سود لینا اور دینا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (278) فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ﴾ (البقرہ:۲۷۸۔۲۷۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کیلئے خبردار ہو جاؤ اگر تم توبہ کرلو تم تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا۔''

(۲) ... دوسرا بڑا گناہ جس پر اللہ تعالی کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے، وہ اللہ کے محبوب بندوں سے دشمنی ہے۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ''عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وماتقرب الی عبدی بشئی احب الی ما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فادا کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا وجلہ التی یمشی بھا ولئن سألنی لا عطینہ ولئن استعاذنی لا عیذ نہ وما ترددت عن شی انا فاعلہ ترددی عن نفس المومن یکرہ الموت ونا اکرہ مساءتہ۔'' (بخاری کتاب الرقاق، باب التواضع)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں (اور یہ اس وجہ سے کہ) میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ (فرائض ادا کرنے کے بعد) نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا

نزدیک ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے تو میں ہی اس کے کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے وہ اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دے دیتا ہوں وہ اگر کسی (دشمن یا شیطان) سے میری پناہ چاہتا ہے، تو اس کو محفوظ رکھتا ہوں اور مجھ کو کسی کام میں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں، اتنا تردد نہیں ہوتا، جتنا اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے، وہ تو موت کو (جسمانی تکلیف کی وجہ سے) برا سمجھتا ہے، اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔''

☆ ... شیخ الحدیث حضر مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ تحریر ماتے ہیں: کہ تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل شانہ، سے لڑائی کرکے دنیا میں کون شخص فلاح پا سکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو اسامہؓ، وہب بن منبہؒ سے بھی نقل کی گئے ہے۔

(۲)... بعض وایتوں میں وارد ہوا ہے، جس شخص نے میرے دلی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔

(۳)... ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے۔ (فتح الباری)

(۴)... حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا، معاذ کیوں رو رہے ہو، عرض کیا میں نے اس (پاک) قبر والے (ﷺ) سے ایک بات سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (مبادا میں کہیں مبتلا نہ ہوجاؤں) میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاوہ بھی شرک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے۔ (حاکم مستدرک)

(۵)... ایک حدیث میں آیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت جبرئیلؑ نے اللہ جل شانہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضبناک شیر۔ (درمنثور)

(۶)... حضرت وہبؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میرے عزت وجلال کی قسم، جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اتر آیا ہے۔ (درمنثور ۴، ۱۹۹)

(۷)... علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ، ارشاد فرماتے ہین کہ ''جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرے، اس نے میرے ساتھ دشمنی کا اعلان کیا''۔

(۸)... یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے جو اولیاء اللہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے عداوت رکھے وہ اللہ جل شانہ سے لڑائی باندھنے کیلئے میدان میں آیا۔

(۹)... ایک حدیث میں ہے کہ ''میں اپنے ولی کے لئے ایسا انتقام لیتا ہوں، جیسا کہ جنگجو شیر اپنا بدلہ لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ اولیاء، اللہ تعالی پر ایمان لائے اور اللہ تعالی سے موالات (دوستی) کی اور اس کو پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے پسند کیا، اور اس سے بغض رکھتے ہیں جس سے اللہ نے بغض رکھا، اور اس سے راضی ہوئے جس سے اللہ راضی ہوا، اور اس سے ناراض ہوئے جس سے اللہ ناراض ہوا، اور اس کا حکم کیا جس کا اللہ نے حکم کیا، اور اس سے رک گئے جس سے اللہ نے روک دیا''۔

(۱۰) امام نوویؒ ''شرح مہذب'' میں لکھتے ہیں: ''بخاری شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے، میرے طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔

علماء کرام اولیاء اللہ ہیں

☆ خطیب بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے ''اگر فقہاء علماء اللہ تعالی کے ولی نہیں ہیں تو پھر کوئی اس کا ولی نہیں ہے''۔

☆ حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ''جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے اس نے رسول اللہ کو اذیت پہنچائی۔''

☆ حضرت ابو القاسم ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ ''میرے بھائی ایک بات سن لے! اللہ تعالی جل شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضاء کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقوی (اختیار) کرنے والے ہیں۔ یہ بات سنی ہے کہ علماء کے گوشت (غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ تعالی کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو علماء کی اہانت کرتے ہیں، اللہ تعالی ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے، مرنے سے پہلے حق تعالی شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔'' (اکابر کی شان میں گستاخی ۳۴ تا ۱۲)

اہانت ولی اللہ سوء خاتمہ پر دلالت کرتا ہے

کتنا اندیشناک معاملہ ہے، اللہ تعالی سے جس کی لڑائی ہو، اس کا بھلا ٹھکانہ کہاں اور پھر اگر اس کی سزا میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک، کان، آنکھ جاتے رہیں، تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدانخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے، کسی بددینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ آئمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے، کہ حق تعالی شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

☆ ...صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے: ''اللہ تعالی سے بندے کی لڑائی دلالت کرتی ہے، خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کے لئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی ہے اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تم ہی سوچو کہ کتنی خراب چیز ہوگی۔''

☆ ...شیخ احمد (ابن اثیرؒ) نے جامع الاصول میں لکھا ہے: ''ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے

والے ہوں، بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف واسرار کے حامل ہوں، زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت وعید اس بارے میں وارد ہوئی ہے اور بڑی خطرناک چیز ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل شانہ سے اعراض ہے اور امراض سے بھرا ہوا ہے، ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا معاذ اللہ اندیشہ ہے۔''

اہل اللہ پر اعتراض کرنے کی وجہ

علامہ سقرانی (طبقات کبریٰ) میں لکھتے ہیں: ''امام ابرتراب نخشی جو مشائخ صوفیاء میں ہیں، فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔'' (شریعت وطریقت کا تلازم ص ۲۳۹، ۲۴۶)

اہل اللہ کی اہانت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے گر جاتے ہیں

حضرت شیخ علی خواصؒ جو مشہور اولیاء میں ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ ایسے شخص کی بات پر کان دھرو، جو علماء ومشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہ حفاظت سے گر جاؤ گے۔ اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔'' (طبقات کبریٰ)

جو علماء دین کی توہین کرتا ہے ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ: ''جو لوگ علمائے دین کی توہین کرتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے۔'' (ارواح ثلثہ: ۳۰۶۔ اکابر کی شان میں گستاخی، ایضا)

بے ادب کا انجام

حضرت اقدس بقیۃ السلف شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ﴿ذٰلِکَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُوْنَ﴾ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ: ''ان یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جو ان گناہوں سے منع کرتا تھا، اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے قتل کر ڈالا اور قرآن (اللہ کی آیات) کا صریح انکار کیا۔ اور یہ گناہوں کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء ربانی گناہوں کی مداومت سے نہایت تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو اس کی برائی دل میں جم جاتی ہے حتیٰ کہ آخر نوبت کفر کے حدود تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: ''من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة'' ''جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے اس کو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے

اس کوفرائض سے محرومی کی سزادی جاتی ہے اور جوفرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔''

یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے، شریعت کے معمولی آداب کو بھی استخفاف اور فضول سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے، چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جواہم آداب میں سے ہیں۔ اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے ساتھ استخفاف اور انتہا میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم ہی سوچو کتنا خطرناک معاملہ ہے، لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپرواہی کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر ہر جزو کچھ ایسا آپس میں مربوط ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے، اللہ جل شانہ ایک سنت ان سے اٹھالیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حدیث: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب اللہ جل شانہ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اس کو تو دیکھے گا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں مبغوض بن جائے گا، اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہوجائے گی اور وہ خائن بن جائے گا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال جائے گی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کے ہاں مردود اور ملعون بن جائے گا اور جب اس درجہ پہنچ جائے گا تو تو دیکھے گا کہ اسلام کی رسی اس کے گلے سے نکل جائے گی۔

(جامع الصغیر)

حدیث: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص کسی مسلمان کو اذیت پہنچاتا ہے، وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ (جامع الصغیر)

کتنی سخت بات ہے جب عام مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں کتنا سخت ہوگا۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال، ص ۱۶۲ تا ۱۶۷، ماخذ: اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال: ۲۱ تا ۳۱)

اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے

اولیاء اللہ کو اذیت پہنچانا کیونکہ سوء خاتمہ اور کفر تک پہنچادینے والا عمل ہے۔ اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے علماء نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

امام ذہبی کبیرہ گناہ کے بارے میں اپنی مستقل تصنیف ''کتاب الکبائر'' میں لکھتے ہیں: ''اکاونواں (۵۱) گناہ کبیرہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (۵۷) وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ (الاحزاب: ۵۷-۵۸)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں، اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت میں پھٹکارا، اور ان کے واسطے ذلت کا عذاب تیار رکھا ہے، اور جو لوگ بے گناہ مسلمان مردوں اور عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں انہوں نے جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا''۔

☆ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں''۔ (بخاری)

☆ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''وہ مجھے جنگ کے لئے دعوت دیتا ہے''۔ (ایضا)

☆ ایک حدیث حضور اقدس ﷺ کا ارشاد فرمایا: ''اے ابو بکرؓ اگر تو نے ان (فقراء مہاجرین) کو ناراض کر دیا تو تو نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا''۔ (کتاب الکبائر: ١٦٩)

☆ علامہ ابن حجر مکیؒ کبیرہ گناہوں کے بارے اپنی مستقل تصنیف ''الزواجر عن اقتراحات الکبائر'' میں لکھتے ہیں: ''پینسٹھواں (٦٥) کبیرہ گناہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے''۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے اولیاء اللہ کے ستانے پر صحیح بخاری کی احادیث نقل کی ہیں، جن میں اس فعل کو براہ راست اللہ سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں: ''تنبیہ: اولیاء اللہ کی اہانت کے کبیرہ ہونے پر بعض علماء نے واضح تصریح کی ہے کیونکہ اس گناہ پر صریح وعید آئی ہے اور اس وعید سے زیادہ وعید کیا ہوگی کہ اسے اللہ سے جنگ قرار دیا گیا ہے، جس کی وعید سوائے سود کھانے کے کسی اور گناہ پر نہیں سنائی گئی۔ اور ظاہر ہے جس سے اللہ دشمنی کرے وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتا، العیاذ باللہ اس کا لازمی انجام یہ ہوگا کہ وہ کفر پر مریگا۔ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

☆ ......آگے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: ''میں نے زرکشی کی کتاب ''الخادم'' میں دیکھا ہے۔ انہوں نے اس حدیث (اللہ کی طرف سے اعلان جنگ) کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''غور کرو اس اہل اللہ کی اہانت پر وہی وعید سنائی گئی ہے جو سود کھانے پر سنائی گئی ہے۔''

☆ حافظ ابن عساکرؒ لکھتے ہیں: بھائی! اللہ مجھے اور تجھے نیکی کی توفیق دے، اور سیدھے رستے پر چلائے، یہ علماء کا گوشت بڑا زہریلا ہوتا ہے، جو ان کی اہانت کا مرتکب ہوتا ہے عادۃ اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو رسوائی کا شکار کرتا ہے اور جو کوئی بھی ان کے عیوب بیان کرتا پھرتا ہے، موت سے پہلے اللہ تعالی ان کے قلب ہلاک کر دیتے ہیں (اور العیاذ باللہ وہ اس سے محروم ہو کر مرتا ہے)

''فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ اویصیبیھم عذاب الیم'' (جلد اص ۱۱۱ تا ۱۱۲)

صاحب کتاب الزواجر نے کبیرہ گناہوں پر اپنی تصنیف ''الزواجر فی التحذیر من الکبائر'' میں اولیاء اللہ کی اہانت اور ان سے عداوت رکھنے پر بہت تفصیلی اور نفیس کلام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اکاون واں (٥١) کبیرہ گناہ اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانا اور ان سے دشمنی رکھنا ہے''۔

لکھتے ہیں: ''اہل اللہ سے دشمنی کرنا، ان کا مذاق اڑانا، ان سے بدسلوکی کرنا، ان کے بارے مین زبان چلانا، یہ سب ہمارے معاشرے میں جہالت کے عام ہو جانے کے دلیل ہے۔ قیامت کی نشانی ہے کہ جاہل اور کم ظرف لوگ سیادت حاصل کر لیں گے اور صلحاء اور متقین پیچھے کر دیئے جائیں گے، رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایسے لوگوں کو خوش نصیب ترین نہیں سمجھا جائے گا جو خود بھی کمینے ہوں گے اور ان کے باپ دادے بھی''۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انہ لا یذل من والی اللہ و لا یعز من عادی اللہ'' (ترمذی، حدیث نمبر ۳۶۴) ''جسے اللہ دوست رکھتا ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا اور جسے اللہ دشمن رکھتا ہے وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔''

جو لوگ علماء حق کے درپے آزار ہیں ان کی اہانت اور تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ یقیناً علماء کی نسبت اپنا نقصان زیادہ کرتے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں، بشرطیکہ یہ گالیاں دینے والے لوگ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیاوی عزت وجاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے، نقصان پہنچا سکیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی اور دنیوی نقصان کر رہے ہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔''

ایسے لوگ ہر چند اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب امت (ﷺ) ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

☆ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''حاملین وحی اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔''

☆ مولانا عبد الحیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ''اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور اہل علم کی تحقیر کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر اور وجہ سے ہے، تب بھی اس شخص کے فاسق وفاجر ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا وآخرت کے عذاب کا مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔'' اس کے بعد فقہائے کرام کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث شریفہ سے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔

☆ ...شیخ ابو الحسن شاذلیؒ جو اکابر صوفیاء اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ابتلا رہا ہے، ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہو سکتے ہیں، حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے کسی ولی کا انکار کر سکتا ہے۔''

شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کا مفصل ذکر فرمایا ہے، جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ: ''بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم وعبادت میں مشغول ہوتے لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنے ذات کے لئے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کیلئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لئے مل رہا ہے، حالانکہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بناء پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔'' (طبقات)

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے برا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں حالانکہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ: ''ایک مرتبہ شیخ عبدالاحد (حضرت مجدد صاحب کے والد) کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی انہوں نے صبر و سکوت فرمایا اتنے میں دیکھا غیرت الٰہی جوش انتقام میں ہے، شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا، کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے، اس کو تردد ہوا اور عورت گر کر مر گئی۔''

اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں۔ اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلاء سے بہت سہل ہے۔

اہل اللہ سے محبت کا حکم

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے۔ اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔ امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دار

جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

(۱) خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ'' آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے''۔

(۲) ....ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

(۳) ....ایک حدیث میں ہے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا'' یارسول اللہ قیامت کب آئے گی۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے (کہ انتظار و اشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے مجھے محبت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے''۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی قرین قیاس ہے۔ ان حضرات کو حضور اکرم ﷺ سے کتنی محبت تھی۔

(۴)....ایک حدیث میں آیا ہے کہ: '' آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے لہذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(۵) نبی کرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''صالح اور بہتر ہم نشین کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اسکی خوشبو تو پہنچے ہی گی، اور بڑے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی تو بدن جلادے گی یا کپڑے جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی اڑے تو اس کا دھواں اور بُو تو پہنچے ہی گی۔'' بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔

(۶) حضرت حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیرے نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکا نہ سمجھنا وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے۔ (در منثور ص ۱۶۳)

(۷) حضرت لقمان حکیمؒ کی نصیحت ہے کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر، اس سے تو بھلائی کو پہنچے گا اور ان پر رحمت نازل ہوگی تو تو اس میں شریک ہوگا۔ اور بروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائے گا۔ (در منثور ۵ ۱۶۴)

اس لئے بری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہئے۔ اور اللہ والوں کی صحبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہئے۔ ان کی صحبت اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔

البتہ فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے

البتہ جیسے ہر چیز میں اصلی نقلی کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاتا ہے یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔

اے بسا ابلیس کہ آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

مغالطہ سے برے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور اس کا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں شرک وبدعت میں مبتلا نہ ہو، نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو۔ وہ نیک ہے شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہوسکتا۔

(۱) ... نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔''

(۲)... حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو۔ جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔'' (جامع الصغیر و رقم لہ بالصحتہ)

اس لئے محبت اور تعلق رکھنے کے لئے یہ شرط تو ضروری ہے کہ اس کے دینی حالات معلوم ہیں اور شریعت کے موافق اس کا ہونا محقق ہو جائے۔ لیکن جس شخص کا حال معلوم نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف، اس سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔

(۳)..... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''بیٹا اگر تو اس پر قادر ہو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر۔ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہے۔''

محض سنی سنائی باتوں سے حکم لگا دینا ظلم عظیم ہے

تنبیہ: البتہ محض سنی سنائی باتوں سے اس پر کوئی حکم لگا دینا یا برا بھلا کہنا بے جا ہے۔ (بلکہ ظلم عظیم ہے)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب ''شریعت وطریقت'' میں جو ان کی آخری تصنیف ہے، بہت تاکید سے فرماتے ہیں: ''اہل اللہ سے محبت رکھنا اکسیر اعظم ہے، اور ان سے دشمنی سم قاتل ہے۔ میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کا عمل کرنا بہت مشکل ہے، محدث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحب تقویٰ ہونا، صاحب ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کاملین کے ساتھ اگر کوئی شخص محبت پیدا کرے تو ''المرء مع من احب'' کے قاعدے سے انشاء اللہ تعالیٰ سارے ہی دین کے اجزاء سے حصہ وافر ملے گا۔'' (شریعت وطریقت ۲۴۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ''فضائل تبلیغ'' میں نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں: کہ ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجہی ہونا، بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں، علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچوں میں شامل ہیں اور علماء سوء علماء رشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بے حد لحاظ کے قابل ہیں۔

(۱)... اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماء سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہئے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل ۳۶) ''اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی''۔ (بیان القرآن)

اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علماء سوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

☆ ... نبی کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود تورات کے مضامین کو عربی میں نقل کر کے سناتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم لوگ نہ ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق وتکذیب سے روک دیا۔

لیکن ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں گو اس کا اہل حق ہونا بھی محقق ہو۔

(۲) دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علماء حقانی، علماء رشد، علماء خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء کرامؑ کی شان ہے اس لئے ان کی لغزشوں، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرمادیں بلکہ غالب یہ ہے کہ ان کی لغزشیں ان شاء اللہ معاف ہوجائیں گی۔ اس لئے کہ آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہوجائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگزر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جل شانہ کے برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا لیکن وہ بمقتضائے عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا لوگوں کے لئے بد دینی کا سبب ہوگا اور ایسا کرنے والوں کے لئے وبال عظیم ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "ان من اجلال اللہ تعالیٰ اکرام ذی الشیبة المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیه ولا السجافی عنه واکرام ذی السلطان المقسط"۔ (ترغیب عن ابی داؤد) "تینوں اصحاب ذیل کا اعزاز اللہ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ حافظ قرآن جو افراط تفریط سے خالی ہو تیسرا منصف حاکم"۔

☆ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: "وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے، وہ ہمارے امت میں سے نہیں ہے۔" (ترغیب عن احمد والحاکم وغیرھا)

☆ عن ابی امامةؓ عن رسول اللہ ﷺ قال ثلث لا یستخف بھم الا منافق ذو الشیبة فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط" (ترغیب عن الطبرانی) "نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے (نہ کہ مسلمان، وہ تینوں شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم"۔

☆ بعض روایات میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ کہ "مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے:

(۱) ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔

(۲) ... دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہوجائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ (بیان القرآن) یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چون وچرا کا کیا حق ہے۔

(۳) .. تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپرداوئی کا معاملہ کیا جائے۔"

ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

(اولیاء کی اہانت کا مضمون حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی کتاب "اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال" سے ماخوذ ہے۔ ص ۲۱ تا ۵۲)

قدرت اور عادت کے درمیان فرق

ایک ہے کام کی قدرت (یعنی کرسکنا) اور ایک ہے اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہر انسان اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ خورد ونوش، لباس، سواری اور معاشرت کے متعلق جو امور اس کی عادت میں داخل ہیں وہ ان کے خلاف پر بھی قادر ہے گو ان کے خلاف پر عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت کے قائل ہیں ان کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ خدا کی قدرت اور عادت یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز وجدا ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کرسکتا ہے وہ سب کر ڈالے اور جو کر ڈالے اس کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے۔ ہم قادر مطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں وہ بچے کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرادیا گیا ہو یا زمین سے آگ آگیا ہو۔ مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عام جاری عادت کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بغیر انسان کو پیدا کرنا خدا کی قدرت میں شامل ہے۔ آخر ابتداء آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقہ پیدائش سے بالکل مختلف تھی اور تمام اقوام وملل کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر ازدواجی وسائل اور موجودہ قانون تناسل کے بغیر محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے جوان جوان پیدا ہوگئے تھے۔ جو شخص یہ سب کچھ تسلیم کرتا ہے قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کردے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے علیحدہ ہوکر کوئی بھی کام کرنے سے مجبور اور عاجز ٹھہرے۔ (اسلامی عقائد ۸۰/۷۸۱)

سحر

☆......سحر کی لغوی تعریف: سحر لغت میں ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو۔

☆......سحر کی اصطلاحی تعریف: کچھ اس طرح کی جاتی ہے کہ سحر کہتے ہیں کسی خبیث النفس (یعنی کسی گندے انسان) کا غیر شرعی اسباب کی مدد سے (خواہ وہ اسباب ظاہری ہوں یا مخفی ہوں) یا غیر شرعی کلمات کی مدد سے یا ارواح خبیثہ کی قوت سے مدد لے کر کسی پر اثر ڈالنا یا کوئی اثر ظاہر کرنا۔ (قاموس بحوالہ معارف القرآن مفتی محمد شفیع، خذ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۲۷)

سحر اور معجزہ میں فرق

سحر اور معجزہ میں متکلمین نے متعدد فرق ذکر کیے ہیں:

☆ ......فرق (۱) اول یہ کہ سحر ایک فن ہے کہ جو تعلیم اور تعلم کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے اور معجزہ تعلیم وتعلم سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ قرآن عزیز میں ارشاد ہے: ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا

هُم بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ. ﴾ [القرآن ۲/۱۰۲]

ترجمہ: لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ہاروت و ماروت کسی کو سحر نہیں سکھاتے تھے مگر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم منجانب اللہ آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجے گئے پس کفر مت کرو پس سیکھتے تھے ان سے وہ چیز سے جس سے میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالیں۔ اور اس سحر سے وہ کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ایسی چیز کو سیکھتے تھے جو انکو ضرر دے نہ کہ نفع۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار سحر کے تعلیم اور تعلم کا ذکر کیا ہے جس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ سحر ایک فن ہے کہ جو تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ تعلیم و تعلم اور مباشرت اسباب سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے معجزات کی بابت یہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [القرآن:۶/۱۰۹] ترجمہ: کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اس کی مثال دوا اور دعا کی سی ہے اس لئے کہ کوئی مریض اگر دوا سے صحت یاب ہوجائے تو اس کو علاج کہتے ہیں کیونکہ علاج کے معنے مباشرت اسباب کے ہیں اور اگر کوئی مریض دعا کے ذریعہ سے آرام پا جائے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں اسباب ظاہریہ کو کوئی دخل نہیں۔

☆ فرق (۲) یہ ہے کہ سحر کا معارضہ ہوسکتا ہے ایک ساحر دوسرے ساحر کے سحر کو باطل کرسکتا ہے مگر معجزہ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ اس کو باطل کرسکتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحرین فرعون سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

☆ ﴿مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ﴾ [القرآن ۱۰/۸۱] ترجمہ: یعنی جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ سب جادو ہے۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾۔ [القرآن:۱۰/۸۱] ترجمہ: تحقیق اللہ اس کو ضرور باطل فرمائے گا تحقیق اللہ مفسدین کے کام نہیں سنوارتا“۔ یعنی اس کے سحر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے اس عمل کو عن قریب باطل فرما دیں گے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلے ساحرین نے ایمان قبول کیا۔

☆ فرق (۳) یہ ہے کہ ایک ساحر کا سحر دوسرے ساحر کے سحر کے منافی ہوسکتا ہے مگر ایک نبی کا معجزہ دوسرے نبی کے معجزہ کے منافی نہیں ہوسکتا۔

☆ فرق (۴) یہ ہے کہ بعض مرتبہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیت نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن عزیز میں ارشاد ہے: ﴿یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی﴾ [القرآن ۲۰/۶۶] ترجمہ: ان کے سحر سے خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔

﴿سَحَرُوْا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ [القرآن:۷/۱۱۶] ترجمہ: لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

معلوم ہوا کہ سحر فقط تخیل اور نظر بندی ہے اور اسی وجہ سے سحر کو بقا نہیں بخلاف معجزہ کے کہ وہ باقی رہ سکتا ہے جیسے صالح علیہ السلام کا ناقہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم۔ قرآن کریم کا اگر سحر ہونا ممکن ہوگا تو تمام اشعار عرب اور تواریخ عالم کا سحر ہونا بھی ممکن ہوگا۔

☆..... فرق (۵) یہ ہے کہ سحر بدون شرائط مخصوصہ اور اوقات مخصوصہ کے عمل میں نہیں آسکتا بخلاف معجزہ کے کہ اس کے لئے زمان اور

مکان مخصوص نہیں۔

☆......فرق (٦) یہ ہے کہ سحر ہوائے نفس اوراغراض دنیویہ کے لئے ہوتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ محض دینی غرض کے لئے ہوتا ہے۔

☆ ..فرق (٧) یہ ہے کہ سحر وشعبدہ سفہاء اور جہلاء ہی میں رائج ہوتا ہے اور وہی لوگ اس کو قبول کرتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ علی رؤس الاشہاد عقلاء اور عظماء کے سامنے ظاہر کیا جاتاہ اور عقلاء ہی اسی کو قبول کرتے ہیں۔

☆......فرق (٨) یہ ہے صاحب معجزہ پاکیز ہستیاں ہوتی ہیں اور صاحب سحر گندے لوگ ہوتے ہیں۔

☆......فرق (٩) یہ ہے کہ صاحب معجزہ کا مستقبل روشن ہوتا ہے صاحب سحر کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔

☆......فرق (١٠) یہ ہے کہ معجزہ دائمی ہوتا ہے اور سحر کا اثر ایک وقتی چکر ہوتا ہے۔

☆......فرق (١١) صاحب معجزہ میں للہیت ہوتی ہے اور ساحر میں ریاکاری ہوتی ہے معلوم ہوا کہ معجزہ وسحر دو مختلف حقیقتیں ہیں ایک رحمانی ہے اور دوسرا شیطانی ہے۔ (علم الکلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
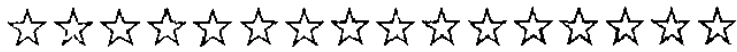
کراماتِ اولیاء

معجزات سے ملتی جلتی چیز کرامت ہے۔

☆..... کرامت کی تعریف: کرامت کے معنی بزرگی اور شرافت کے ہیں۔

☆..... اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں نیک امتی کے ہاتھ پر خرق عادت یعنی عام دستور سے ہٹ کر کوئی بات یا کوئی کام صادر ہو جائے۔

لیکن یاد رکھیں یہ اپنے نبی کے ہی فیض سے اور اس کی کمال اطاعت سے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر زندگی گزارنے کی برکت سے ہی ہوتا ہے۔ جیسے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا معجزہ نبی کی نبوت کے سچے ہونے کی دلیل ہوتی ہے اسی طرح نیک امتی (ولی) کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہونے والا کام نبی کے اتباع کے دعویٰ کی دلیل ہوتی ہے۔

کرامت کی اقسام

کراماتِ اولیاء کی دو قسمیں ہیں۔(۱)..... کرامت کبریٰ (۲) ..... کرامت صغریٰ۔

☆..... کرامت کبریٰ حقیقیہ: کہتے ہیں امتی کی زندگی اپنے نبی کی اتباع میں گذار رہی ہو ہر کام ہر شب و روز سنت مبارکہ کے مطابق ہو۔ خواہ اس کے ہاتھ پر کبھی خرق عادت کوئی بات ساری زندگی ظاہر ہوئی ہو یا نہیں یہی اصل کرامت ہے جس کو کوئی کرامت سمجھتا ہی نہیں کیونکہ کرامت و شرافت مشکل ہے اس میں انسانی نفس کے خط کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور صاحب کرامت مشکل میں اور آزمائش مبتلا ہوتا ہے۔

☆..... کرامت صغریٰ صوریہ: کہتے ہیں کسی نیک امتی کے ہاتھ پر کوئی خرق عادت چیز ظاہر ہو جائے۔

ایسے صاحب کرامت ہی ساری دنیا والی کامل سمجھتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم پر یہ بات آشکارا ہے کہ کسی امتی کے نیک ہونے کی یہی دلیل نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر ہو بلکہ اس کرامت سے بڑی اور حقیقی کرامت یہ ہے کہ امتی کی پوری زندگی نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ پر گزر جائے اور کوئی کام بھی خرق عادت ان کے ہاتھ پر ساری زندگی ظاہر نہ ہوا ایسے شخص کی ولایت پر کسی عقلمند کو شک کی بھی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ولایت کے لئے کسی خاص عمر کو پہنچنا ضروری نہیں ہے صرف زندگی شریعت کے مطابق ہو جائے۔(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین:۱۲۵/۱۲۶)

اولیاء کرام کی کرامتیں حق ہیں

کرامت اولیاء اللہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾ یعنی جب مریم کے عبادت خانے میں ذکریاؑ گئے تو وہاں ان کے پاس بے موسم کھانا دھرا ہوا دیکھا کہ جس سے تعجب کر کے پوچھنے لگے ﴿ قَالَ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ﴾ کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا ہے ﴿ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ۔مریم نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے

ہاں سے آیا ہے۔

☆..... اور بہت سے دور دراز سے بلقیس کا تخت آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کا وزیر جو نبی تھا ایک دم بھر میں لے آیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں اس تخت کا آنا بھی ثابت ہے ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ جب سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے دربار میں کھڑا ہوا دیکھا اور ہوا پر اڑنا بھی بہت سے اولیاء سے منقول ہے جیسا کہ سلیمان سرخسیؒ سے اور جمادات کا کلام سننا اس حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جس کو بیہقی اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

(۱) ..... سلیمانؓ اور ابو داؤدؒ کے آگے ایک رکابی تسبیح کرنے لگی اور وہ ان کو سنائی دی۔

(۲) ..... بخاریؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلتے دیکھا اور ہم کھانے کی تسبیح کھاتے وقت سنا کرتے تھے۔

(۳) ..... بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص بیل کو ہانکے لئے جاتا تھا تھک کر راہ میں اس پر چڑھ لیا بیل نے کہا میں اس لئے نہیں پیدا ہوا ہوں بلکہ کھیتی کے واسطے پیدا ہوا ہوں سو وہ شخص صاحب کرامت تھا کہ اس نے بیل کی گفتگو سنی کچھ نبی نہ تھا۔

(۴) ..... بخاریؒ نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ اسید بن حضیر اور عبادہ بن بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کسی معاملہ میں باتیں کرتے تھے۔ کہ اس میں کچھ رات گزر گئی اور وہ رات نہایت اندھیری تھی۔ پھر دونوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنے گھر چلے دونوں کے ہاتھوں میں دو عصٰی تھے ان میں ایک کا عصٰی روشن ہو گیا پھر جب دونوں کی راہ الگ ہوئی تو دوسرے کا عصٰی بھی روشن ہو گیا کہ وہ دونوں عصوں کی روشنی سے اپنے گھر پہنچ گئے۔ انتہی

(۵) ..... بیہقی اور ابونعیم اور ابویعلی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کہ اس کا ساریہؓ نام تھا ایک فوج کا سردار کر کے نہاوند کی طرف جو مدینے سے کئی مہینے کی راہ ہے بھیجا تھا۔ ایک روز وہاں کفار نے مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے یہ داؤں کیا کہ وہاں پہاڑ کے نیچے گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جنگ شروع ہوئی یہ حال اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں جمعہ کے روز منبر پر خطبہ پڑھتے وقت حضرت عمرؓ کو دکھلا دیا۔ انہوں نے خطبہ پڑھنے ہی میں بآواز بلند یہ فرمایا۔ "ساریة الجبل الجبل" اے ساریہ پہاڑ سے بچ پہاڑ سے بچ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی آواز ساریہ کے لشکر تک پہنچا دی وہ عمرؓ کی آواز سنکر گئے اور کافروں پر فتح یاب ہوئے۔ انتہی

یہاں دو کرامتیں ظہور میں آئیں ایک یہ کہ عمرؓ کو کئی مہینے کی راہ کی دور بات دکھائی دوسری یہ کہ حضرتؓ کی ان دور دراز لوگوں تک آواز پہنچی۔

(۶) ..... ابویعلی اور بیہقی اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں خالد ابن ابوالولیدؓ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کافر کے ہاتھ سے ایسے زہر قتل کی شیشی پی لی کہ اگر اس کا ایک قطرہ جاندار پر ڈال دیں تو ہلاک کر دے اور پھر ان کو کچھ ضرر نہ ہوا۔

(۷) ..... اور امام مستغفری نے باسناد صحیح حضرت عمرؓ کے رقعہ سے دریائے نیل کا جاری ہونا نقل کیا ہے جسے زیادہ تفصیل مطلوب ہو وہ "دلائل النبوۃ و شواھد النبوۃ و کلام المبین" وغیرہ کتب کو دیکھے المختصر جس قدر کرامات کہ صحابہؓ میں ظاہر ہوئیں اور جو ان کے بعد

تابعین اور تبع تابعین سے ظہور میں آئیں حد تواتر کو پہنچ گئی کہ ان کا انکار کرنا بے انصاف مکابر کا کام ہے خصوصا متاخرین میں حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی کرامات کا تو ایک عالم گواہ ہے اوران کے بعد آج تک اولیاء اللہ سے جو کرامات ظاہر ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ان کا بھی ایک جہان نے مشاہدہ کیا ہے اور کرتا ہے پھر انکار کرنا محض تعصب نہیں تو اور کیا ہے معتزلہ اور شیعہ نے جب اپنے سلف اور خلف میں کسی کو اس مرتبہ کا نہ پایا کہ اس کی کرامات دیکھتے تو سرے سے کرامات ہی کا انکار کر بیٹھے۔معتزلہ کی یہ حجت ہے کہ اگر ولی سے کرامت ظاہر ہو تو اس میں اور نبی کے معجزہ میں کوئی فرق نہ رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ولی دعوی نبوت کا نہیں کرتا بلکہ اپنے نبی کے پیرو ہونے کا مقر ہوا کرتا ہے گویا یہ کرامت اس کے نبی کے حق میں معجزہ ہے کہ اس کی صداقت پر دلالت کرتی ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہاں دعوے نبوت ہوتا ہے شیعہ بغیر کسی برہان قاطع کے ولایت کا باب بند کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاتم الولایت کہتے ہیں۔

کرامت میں حکمتیں

ولی سے کرامت ظاہر ہونے میں چند حکمتیں ہوتی ہیں:

☆ اول: یہ کہ اس کے نبی کی تصدیق عوام کو حاصل ہو جاوے اور قیامت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اولیاء اللہ کے سبب سے جاری رہے۔

☆ دوم: یہ کہ مبتدی ہے تو اس کا یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور پھر نہایت رغبت سے عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔اور اگر منتہی ہے تو اس کے مریدوں کے یقین کو قوت بخشتی ہے۔

☆ فائدہ: عام کو کرامت اور استدراج میں تمیز نہیں اس لئے بے نماز شراب خور فاسقوں کی خارق عادت باتیں دیکھ کر ان کے مطیع ہو جاتے ہیں اور ان خوارق کو کرامت اور فاسق کو ولی کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ولی کا درجہ مومن صالح کے بعد ہے یعنی جب مومن صالح ہو بیتا ہے اس کے بعد ذات وصفات الٰہی کا عارف ہوگا لذات ترک کرتا ہے۔اور عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوتا ہے تو جزبہ شوق الٰہی اسے بارگاہ کبریا میں کھینچ لے جاتا ہے تب وہ خاصان درگاہ میں شمار کیا جاتا ہے پھر اس وقت اس سے جو خوارق ظہور میں آویں ان کا نام کرامت اور یہ شخص ولی ہے ورا گر اس درجہ کو نہیں پہنچا بلکہ فقط مؤمن صالح تو اس کے خوارق کا نام کرامت نہیں۔اور اصطلاح میں یہ شخص ولی نہیں پھر جو سرے سے مومن صالح ہی نہیں بلکہ کبائر میں مبتلاء ہے یا مومن ہی نہیں وہ ہرگز ولی نہیں اور اس کے خوارق دام شیطانی ہیں کرامت نہیں بلکہ اس کو استدراج کہتے ہیں۔

اولیائے کرام، اللہ کے محتاج ہیں

اولیاء اللہ کے بہت سے اقسام ہیں بعض قطب بعض ابدال بعض اوتار ہیں اولیاء کرامت کے ظاہر کرنے میں اللہ کے محتاج ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام معجزات کے ظاہر کرنے میں جناب باری کے محتاج ہیں جب حکم الٰہی ہوتا ہے ظاہر کرتے ہیں آپ سے جس وقت چاہیں نہیں

ظاہر کر سکتے اسی وجہ سے کرامت کے ظاہر ہونے پر ولایت کا دارومدار نہیں۔ کیونکہ ہزار ہا اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ ان سے کبھی کرامت ظاہر نہیں ہوئی بلکہ بعض کرامت کے ظہور سے دور بھاگتے ہیں۔ اور یہ ان کے جناب باری سے اسرار ہیں ان کو وہی خوب جانتے ہیں واللہ اعلم۔

اطلاع غیب یا کشف

اللہ تعالیٰ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام بعض غیب کی چیزیں بتلا دیتا ہے سو یہ یقینی ہوتی ہے اور اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات پر کشف یا الہام سے مطلع کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بطور ظن کے ہوتا ہے اور یہ سب غیب کے جاننے میں اللہ کے محتاج ہوتے ہیں جب چاہتا ہے کسی کو ان میں سے کسی چیز کی خبر دیتا ہے تب وہ اسی قدر جانتے ہیں اور جب چاہتا ہے ان کو ان کی پشت پائے کی خبر بھی نہیں ہونے دیتا چنانچہ بہت سے امور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے جب جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی آ کر خبر کرتے تھے تب مطلع ہوتے تھے کیا خوب کہا ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

پس ہر وقت ہر چیز کی خبر خاص اللہ ہی جانتا ہے اگر کوئی کسی فرشتے یا نبی یا ولی کو یوں سمجھے گا مشرک ہوگا اور یہ شرک فی العلم ہو جاویگا

اولیاء اللہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں

اولیاء اللہ کی دعا اکثر اللہ قبول کر لیتا ہے لیکن وہ جہاں مرضی الٰہی دیکھتے ہیں دعا کرتے ہیں اور جہاں مرضی نہیں پاتے تو مارے ہیبت الٰہی کے نام بھی نہیں لیتے ان کی زندگی میں یا بعد مرنے کے ان کو حاجت روا اور مستقل نفع وضرر دینے والا سمجھ کر ان سے حاجات طلب کرنا اور دور دراز سے ان کے نام کی دہائی دینا ان کی قبروں کی نذر و نیاز کرنا ان کے نام کا تھان وجھنڈا یا چبوترہ بنا کے پوجنا علیٰ ہذا القیاس سب بدعت ہے کہ اس سے اللہ بھی اور اس کے اولیاء بھی از حد بیزار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی منع فرمایا ہے۔

احکام شرعی کسی کو معاف نہیں

کوئی عاقل بالغ اس درجہ کو نہیں پہنچتا کہ احکام شرعی کے اس سے دور ہو جاویں خواہ کوئی نبی ہو یا ولی ہو یا مومن صالح یا کوئی اور کسی سے بے عذر شرعی احکام شرعی معاف نہیں جس طرح اور سب پر فرض و واجب ہیں اسی طرح ولی و نبی پر بھی کیونکہ جس قدر خطابات تکلیف شرع میں وارد ہیں سب عام ہیں کسی کی اس میں خصوصیت نہیں اور سب مجتہدوں کا اس بات پر اتفاق ہے دوم یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص موت تک بہ تکلیف مکلف رہتا ہے۔ ﴿واعبد ربک حتی یاتیک الیقین﴾ کہ اپنے رب کی عبادت کر موت آنے تک اور سب مفسرین متفق ہیں کہ یقین سے مراد یہاں موت ہے کذا قال الملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر بعض گمراہوں نے جن کو مباحین کہتے ہیں یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب بندہ صدق دل سے ایمان لاوے اور نہایت محبت الٰہی اور صفائی قلب اُسے حاصل ہو جاوے تو اس سے شرع کی امرونہی دور ہو جاتی ہیں اور ہر گناہ اس کا مباح ہوتا ہے پھر اس کے سبب اللہ اس کو دوزخ میں داخل نہ کرے گا۔ اور ان میں سے بعض تو یہی کہتے ہیں کہ اس درجہ میں سب عبادات ظاہری اس کے ذمہ سے دور ہو جاتی ہیں فقط تفکر آیات اس کی عبادت ہوتی ہے سو یہ کفر اور گمراہی ہے کیونکہ سب سے محبت الٰہی اور صفائی قلب اور ایمان میں انبیاء علیہم السلام کامل ہیں خصوصی جناب سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے ہر ایک کمال میں اکمل ہیں کوئی فرد بشر ان کے برابر نہیں ان کے لئے تو اور زیادہ تکلیف شرعی تھی ساقط ہو جانا تو درکنار سب سے

الگ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی کہ شب بیداری کرتے ہوئے پائے مبارک پر ورم کر آئے تھے اور جو کوئی یوں کہتا تھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ ''اولا اکون عبدا شکورا'' ۔افسوس ہے کہ ہندوستان میں سلاریہ مداریہ وغیرہ لوگ یہی کرتے ہیں نماز وروزہ کو فرض نہیں جانتے کبائر کو حلال سمجھتے ہیں اور جو کوئی ان سے قرآن وحدیث کی دلیل پیش کرتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے لئے ہے ہمارا قرآن اور ہے یا ہمارے دس پارے اور ہیں سو ایسے لوگ قطعی کافر ہیں ان کے خوارق دام شیطانی ہیں ان سے دور رہنا چاہیئے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

☆......فرق (۱) جو خرق عادت مکذبین نبوت کے الزام اور تعجیز کے لئے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ معجزہ ہے اور اگر اس خرق عادت سے مقصود تشریف اور تکریم ہو تو وہ کرامت ہے خواہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو یا ولی کے، لہذا معجزہ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت عام ہے۔ معجزہ اور کرامت کا یہ فرق علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض کے باب رابع کے ابتداہی میں ذکر کیا ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے یہی فرق مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شہاب نے اس کو فرق مذکور کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت کا لغوی مفہوم بھی اسی فرق کی تائید کرتا ہے۔

☆......فرق (۲) ایک فرق معجزہ اور کرامت میں یہ ہے کہ معجزہ کا اظہار ضروری ہے بخلاف کرامت کے کہ اس کا اخفاء ضروری ہے۔ ''الا عن ضرورۃ'' یہ فرق علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ ''کما فی الیواقیت والجواھر''۔

☆......فرق (۳) بعض آئمہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ کرامت کبھی کبھی ولی کے بغیر علم اور بغیر قصد ہی کے صادر ہو جاتی ہے بخلاف معجزہ کے کہ اس کا ظہور نبی کے علم اور قصد کے بعد ہوتا ہے بسا اوقات ولی کو اپنی کرامت کا علم نہیں ہوتا۔ بخلاف نبی کے کہ اس کو معجزہ کا علم ضروری ہے۔

کرامت اور استدراج

جو خرق عادت عباداللہ المخلصین اور اخیار وصالحین میں سے کسی کے ہاتھ پر ان کی تشریف وتکریم کے لئے ظاہر ہو وہ کرامت ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اور اگر کسی فاسق وفاجر یا ملحد اور کافر کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو تو وہ مکر اور استدراج ہے۔

''خواتم الحکم میں مواقع النجوم'' سے نقل کیا ہے کہ کرامت اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے اور استدراج اعمال سیئہ کا نتیجہ ہے فاسق وفاجر کے ہاتھ پر امر خارق کا ظہور من جانب اللہ ایک فتنہ اور ابتلاء عظیم ہوتا ہے۔

کرامت اور استدراج کا فرق خود صاحب کرامت اور صاحب استدراج کے فرق سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے صالح اور طالح کا فرق کوئی دقیق نہیں محض صورت دیکھ کر انسان معلوم کر سکتا ہے کہ یہ صالح ہے اور وہ طالح۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

معونت

اوراگرامرخارق کسی مستورالحال کے ہاتھ پر ظاہر ہو کہ جس کا صالح اور فاسق ہونا معلوم نہ ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں۔

(۱).....اول: حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانہ فتن میں جو کچھ دجال سے احیاء امامت اور خوارق کا ظہور ہوگا اس کے اسرار وحکم تو اللہ ہی کو معلوم ہیں لیکن یہ ظہور موجب التباس اور اشتباہ نہیں اس لئے کہ اول تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام فتنہ دجال سے آگاہ فرما چکے ہیں۔

(۲).....دوم: یہ کہ دجال ایک شخص کو اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کرے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ بعد زندہ ہونے کے پھر اس سے کہے گا کہ کیا اب اس خرق عادت کے بعد بھی تو ایمان نہ لائے گا تو وہ شخص جواب میں یہ کہے گا کہ مجھ کو تو تیرا دجل پہلے سے بھی زیادہ منکشف ہو گیا۔ اس کے بعد دجال اس کو پھر قتل کرنا چاہے گا لیکن قتل پر قادر نہ ہوگا۔ حالانکہ کسی کا قتل خوارق میں سے نہیں ہے جس سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہ پہلی مرتبہ جو احیاء مقتول اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوا تھا وہ محض اللہ کا فعل تھا۔ اس دجال عاجز کے ہاتھ پر اس کا ظہور محض ابتلاء اور امتحان کے لئے تھا۔

(۳).....سوم: یہ کہ اس کا نفس دعویٰ اس کے کذب کی بین دلیل ہوگا ہر عاقل جانتا ہے کہ ایک جسم محدود، سراپا عجز واحتیاج کا دعوائے الوہیت میں کیسے صادق ہو سکتا ہے۔

(۴)..... چہارم: یہ کہ اس کا اعور یعنی ایک چشم ہونا اور بقول متنبی اس کا نصف الاعمیٰ اور نصف البصیر ہونا دعوائے الوہیت کی تکذیب کے لئے بالکل کافی ہے کہ معاذ اللہ خدا ہو کر اپنی آنکھ کی بھی اصلاح نہ کر سکا۔

(۵).....پنجم: یہ کہ صحیح مسلم میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث دجال میں یہ روایت آئی ہے۔ "مکتوب بین عینیہ کافر یقرأہ مؤمن کاتب وغیر کاتب الخ" ۔ "دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر مومن پڑھے گا خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا ہو"۔ پس ان امور کے ہوتے ہوئے وہ خوارق کس طرح موجب التباس اور اشتباہ بن سکتے ہیں۔ ہاں موجب فتنہ اور ابتلاء ضرور ہیں۔

خذلان ونکبت

خوارق کی ایک قسم خذلان ونکبت بھی ہے وہ یہ کہ کوئی خرق عادت مدعی نبوت کے مقصد اور مطلب کے بالکل خلاف ظاہر ہو۔ مثلاً مسیلمہ کذاب کہ جس نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اظہار اعجاز کی غرض سے کسی یک چشم کی آنکھ پر تھوک لگایا تاکہ یہ آنکھ درست ہو جائے لیکن قضائے الٰہی سے دوسری آنکھ بھی نابینا ہو گئی۔ اس کا نام خذلان اور نکبت ہے یعنی من جانب اللہ یہ اس کی تکذیب اور رسوائی ہے۔ یہ قسم حقیقت میں معجزے کے مشابہ اور مماثل نہیں بلکہ اس کا عکس اور مقابل ہے۔

(علم الکلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۲۷۹/۲۸۹)

مراتب وحی

(۱)۔ مکالمہ الٰہی بلا واسطہ: جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء میں اس سے سرفراز فرمائے گئے۔ کما ☆..... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ﴾(القرآن:۵۳/۱۰۸)

ترجمہ: پس حق تعالیٰ شانہ آپ سے قریب ہوئے اور نزول اجلال فرمایا اور دو کمان بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب ہوگئے اور اپنے بندہ کی طرف وحی بھیجی جو کچھ بھی بھیجی یعنی کلام فرمایا۔

(۲) ... تکلیم الٰہی من وراء الحجاب: جیسے موسیٰ علیہ اسلام سے حق تعالیٰ شانہ نے کوہ طور پر کلام فرمایا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ﴾۔(القرآن:۴/۱۶۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

☆ ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ﴾(القرآن:۷/۱۴۳)

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام وقت معین پر پہنچے اور رب العالمین نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے ان سے یہ کہا کہ اے رب تو مجھ کو دکھا تاکہ میں تجھ کو دیکھوں۔

☆ ﴿ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ ﴾(القرآن:۷/۱۴۴)

ترجمہ: اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے پیغام اور کلام سے برگزیدہ بنایا۔

(۳) ... ارسال ملک: یعنی فرشتہ کا اپنی ہیئۃ اصلیہ یا کسی بشر کی شکل میں متمثل ہو کر آنا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ ﴾(القرآن:۴۲/۵۱) ترجمہ: یا بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی فرشتہ پس وہ نازل کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو خدا چاہتا ہے۔

ابتداء نبوت کے وقت جبرئیل امین اصلی شکل میں وحی الٰہی لے کر نمودار ہوئے۔ باقی اکثر اوقات حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ جیسا کہ سنن نسائی میں باسناد صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مگر بعض اوقات حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی شکل کے علاوہ اور شکل میں بھی آئے ہیں۔ جیسا کے حدیث جبریلؑ میں ہے: ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک شخص آیا کہ جس کے کپڑے تو نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے جس پر کوئی اثر سفر کا بھی نہیں معلوم تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ کچھ مسائل دریافت کر کے چلے گئے۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے تمہیں دین سکھلانے کے لئے آئے تھے۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوۃ ج اص ۱۱)

(۴) ...... صلصلۃ الجرس: گھنٹہ کی طرح گونج اور آواز کا سنائی دینا جیسا کہ صحیح بخاری میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ کبھی کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وحی کی یہ قسم میرے اوپر بہت سخت ہے پس وحی مجھ سے

منقطع ہو جاتی ہے اور حالانکہ میں اس کو بہت محفوظ کر چکا ہوتا ہوں کہ جو فرشتہ نے کہا ہے اور کبھی بھی فرشتہ مرد کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے اس کو محفوظ کر لیتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سردی کے دن میں دیکھا ہے کہ وحی آپ سے منقطع ہوتی تھی اور پسینہ آپ کی پیشانی سے ٹپکتا ہوا ہوتا تھا۔ (بخاری جلد ا ص ۲)

چونکہ افادہ اور استفادہ افاضہ اور استفاضہ کے لئے یہ شرط ہے کہ سامع اور متکلم میں کوئی مناسبت ہو۔ اس لئے نزول وحی کبھی اس طرح ہوتا تھا کہ روح امین کی ملکیت اور روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ جاتی اور بشریت سے منسلخ ہو کر ملا اعلیٰ میں پہنچ جاتے یہ قسم اول ہے۔ اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت جبرئیل امین کی ملکیت اور روحانیت پر غالب آ جاتی اور روح امین متمثل بشکل ہو جاتے یہ دوسری قسم ہے۔

قسم اول کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ وحی کی یہ کیفیت مجھ پر نہایت سخت ہے اس لئے کہ بشریت سے ملکیت کی طرف منسلخ ہو جانا نہایت صعب اور دشوار ہے اور ملائک پر جو رب العزت کی جانب سے وحی آتی ہے وہ بھی اس قسم کی ہوتی ہے۔

☆ ...حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو فرشتے خوف اور ہیبت کی وجہ سے عاجزی سے پر پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور حق تعالیٰ کا کلام اس طرح سنائی دیتا ہے جیسا کہ صاف پتھر پر ایک زنجیر۔ پس جب ان کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم صادر ہوا تو اوپر والے بتاتے ہیں کہ حق بات کا حکم صادر ہوا یعنی فلاں حکم۔ (رواہ البخاری ج ا ص ۷۰۸)

☆ ...حضرت ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی کہ جب اللہ تعالیٰ ملائک پر کوئی وحی نازل فرماتے ہیں تو اہل سموات کو اس طرح سنائی دیتی ہے کہ زنجیر کی آواز ایک صاف پتھر پر۔ پس گھبرا جاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید قیامت کے متعلق کوئی حکم آیا۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱۳)

اس حدیث میں جو صلصلۃ الجرس کا لفظ آیا ہے اس سے آواز وحی مراد ہے۔ اور یہی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

☆ ......حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مرتبہ فرشتہ آتا ہے کبھی گھنٹی کی آواز میں، پس وہ وحی اس وقت منقطع ہو جاتی ہے کہ جب میں اس کو محفوظ کر چکا ہوں اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ مرد کی صورت میں آ کر کلام کرتا ہے پس جو کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ (بخاری ج ا ص ۲)

(۵)......رویائے صادقہ (سچا خواب)

(۱) ....اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى﴾ (القرآن ۳۷: ۱۰۲)

ترجمہ: (اے میرے بیٹے میں تجھ کو خواب میں ذبح کرتا ہوا دیکھتا ہوں پس بتلاؤ تمہارا کیا رائے ہے)۔

(۲) ....اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ ترجمہ: یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلا ولو اراکھم کثیرا لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلّم، انہ علیم بذات الصدور ﴾۔ (القرآن: ۸/۴۸)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو آپ کے خواب میں کم دکھایا اور اگر زائد دکھلاتے تو اے مسلمانوں تم بزدل ہوجاتے اور نزاع شروع کردیتے۔ لیکن اللہ نے تم کو سلامت رکھا اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

(۴) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کا خواب ایک کلام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے خواب میں فرماتے ہیں۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صالحہ یعنی نیک خواب کے ذریعہ سے ہوئی۔ پس جو خواب بھی آپ دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوکر رہتا تھا۔ (صحیح البخاری باب بدء الوحی جلد ۱ ص ۳)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا رویائے صالحہ یعنی نیک خواب۔ (راوہ البخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۵)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رویائے صالحہ نبوت کا چیالیسواں جز ہے۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا جلد ۲ ص ۳۹۴، بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۴)

(۸) عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل جلالہ کو باحسن صورت خواب میں دیکھا اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ اے میرے رسول ملا اعلیٰ میں کس چیز میں مکالمہ کررہے ہیں۔

(رواہ الدارمی مرسلا وللترمذی نحوہ عنہ وعن ابن عباس ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہم)

انبیاء کرامؑ کا خواب وحی ہوتا ہے

انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا رؤیا بالکل قطعی ہوتا ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدارج السالکین میں تحریر فرمایا ہے: انبیاء کرام کا خواب بھی وحی ہے اس لئے کہ وہ شیطان سے محفوظ ہے اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اسی وجہ سے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح پر خواب کی وجہ سے آمادہ ہوگئے۔

(مدارج السالکین جلد ۱ صفحہ ۲۸)

الحاصل انبیاء کرام کا رؤیا بالکل قطعی ہوتا ہے اس لئے کہ رویا انبیاء شیطان کے اثر سے بالکلیہ مامون ومصون ہوتا ہے۔ ان کا رؤیا فقط رحمانی ہوتا ہے نفسانی اور شیطانی نہیں ہوتا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی جانب سے، دوسرا رویائے حزن شیطان کی جانب سے تیسرا خواب ہے کہ انسان جو دن میں کلام وغیرہ کرتا ہے وہی شب کو خواب میں دیکھتا ہے۔ (مدارج السالکین، جلد ۱ صفحہ ۲۸)

علاوہ ازیں چونکہ انبیاء کرام کا صدق قطعی اور یقینی ہے اس لئے ان کے رؤیا کا صدق بھی قطعی اور یقینی ہے چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اصدق الناس رؤیا اصدقھم حدیثا ''سب سے زائد سچے خواب والا وہی شخص ہے کہ جو اپنے کلام میں سب سے زائد سچا ہے۔ نیز انبیاء کرام کی آنکھیں اگر چہ سوتی ہیں مگر قلوب بیدار رہتے ہیں یہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ انبیاء کرام کا خواب قطعی ہو بلکہ رویائے انبیاء فقط ظاہری آنکھوں کے لحاظ سے رؤیا ہے باقی قلب کے اعتبار سے وہ بیداری کے حکم میں ہے۔ نیز رویائے انبیاء میں جس درجہ انکشاف ہوتا ہے وہ دوسروں کے رؤیا میں نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ''لایری رؤیا الا جائت مثل فلق الصبح'' سے معلوم ہوتا ہے۔ الحاصل انبیاء کرام علیہم السلام کا رؤیا بالکل قطعی ہے اور جس طرح انبیاء کرام معصوم ہیں اسی طرح ان کا رویا بھی معصوم ہے۔

(۶)...... تفہیم غیبی: تفہیم غیبی من جانب اللہ کسی کی نظر اور فکر میں ایسی برکت کا آجانا کہ اس کی قوت نظریہ کو کشاں صواب اور رشد کی طرف لے جائے اس کا نام تفہیم غیبی اور تفہیم الٰہی ہے۔

☆...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ (78) فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾۔ (القرآن ۲۱/۷۸،۷۹)

ترجمہ: اور جب کہ داؤد اور سلیمان اس کھیتی کا فیصلہ کرنے لگے جس کو قوم کی بکریاں رات میں روند گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے پس وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور علم اور حکمت ہر ایک کو عطا کیا۔

حق تعالیٰ شانہ نے علم اور حکمت کو دونوں نبیوں کے لئے ذکر فرمایا مگر اس واقعہ معینہ میں تفہیم کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص فرمایا۔

☆...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی خاص شئے بتلائی کہ جو اور لوگوں کو نہیں بتلائی۔ فرمایا کہ نہیں جو سب کو بتلایا وہی مجھ کو بھی۔ قسم ہے خدا کی مگر ایک فہم اور سمجھ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور میرے پاس ایک یہ صحیفہ ہے کہ جس میں آپ کے ارشا فرمودہ احکام ہیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوۃ ج۲ص ۵۶۳)

☆...... حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: پس فہم اللہ کا بندہ پر ایک عظیم انعام ہے اور وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو ان امور کا ادراک اور فہم ہونے لگتا ہے کہ جو دوسرے کو نہیں ہوتا اگر چہ دوسرا شخص قوت حفظ اور اصل معنی کے سمجھنے میں اس کے برابر ہو پس یہ فہم صدیقیت کا عنوان اور ولایت نبوۃ کا خاص نشان ہے اور اس میں علماء کے مراتب مختلف ہوتے ہیں حتی کہ بعض مرتبہ ہزار عالم ایک عالم کے برابر شمار کئے جاتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فہم کو دیکھوں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ بدر سے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر دریافت فرمائی تو صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسولؐ کی وفات کی خبر دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تمہاری وفات کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معنی پر موافقت فرمائی اور یہ معنی دوسرے صحابہ پر مخفی رہے حالانکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سب سے کم عمر تھے اور ظاہر آیت میں کوئی اشارہ

وفات کی جانب نہیں۔ اگر تفہیم الٰہی نہ ہوتی تو یہ مطلب نہ سمجھ میں آتا۔(مدارج السالکین: جلد ۱صفحہ۲۲)

(۷) الہام: جو علم کہ قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہ یا ملأ اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتا ہیں۔

☆ قول تعالیٰ: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا﴾۔(القرآن:۹۱/۸) ترجمہ: پھر اللہ نے اس کے فجور اور تقویٰ کا اس کو الہام فرمایا۔

☆ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ نفس اس پر عمل کرے۔ اور فجور کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ اس سے پرہیز کرے۔

☆ حصین بن منذر خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا تعلیم فرمائی: "اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی"۔ ترجمہ: اے اللہ مجھ کو رشد و ہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے۔

☆ وقال تعالیٰ شانہ: ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾۔(القرآن:۲۸/۷) ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

☆ وقال تعالیٰ شانہ: ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ﴾۔(القرآن:۵/۱۱۱) ترجمہ: حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

☆ وقول اللہ تعالیٰ جل جلالہ: ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾۔

ترجمہ: اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ احسان کرو۔

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔

☆ کماقال تعالیٰ شانہ: ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾۔ ترجمہ: اور ہم نے سکھلایا اس کو اپنی طرف سے ایک علم۔

☆ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔"والعلم اللدنی ھو الذی لا واسطۃ فی حصولہ بین النفس وبین الباری وانما کالضوء من سراج الغیب یقع علی قلب صاف فارغ لطیف"۔

ترجمہ: علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ جو سراج غیب سے قلب صاف وشفاف پر واقع ہوتی ہے۔

☆ بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ منکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے۔"قد اخذتم علمکم میتا عن میت ونحن اخذ علمنا عن الحی الذی لایموت"(کذا فی الیواقیت والجواھر ج۲ص۹۱) تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم میتاً عن میت حاصل کیا ہے اور ہم نے علم حی لایموت سے لیا ہے۔

اور کبھی ملاء اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروع کہتے ہیں ملک الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

☆ "کماقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقھا"

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔

☆... وقال تعالیٰ: ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾۔ (القرآن ۱۲/۸)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سوتم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

☆... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد " واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن "جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نواس بن سمعان کے واسطہ سے روایت کیا ہے اس واعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطۃ الملائکہ مراد ہے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ متمثل بشر ہو کر شفاھا اور عیانا مخاطب اور کلام کرتا ہے۔

☆... کمال قال تعالیٰ: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِينَ﴾ (القرآن ۱۲/۸) ترجمہ: اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور تجھ کو پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو فضیلت دی۔

☆... کماقال تعالیٰ شانہ ﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ۔ ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک خاص کلمہ کی جس کا نام مسیح بن مریم ہوگا جو دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔

☆... وقال تعالیٰ شانہ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَاناً شَرْقِياً (16) فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَاباً فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِياً (17) قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِياً (18) قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً زَكِياً﴾۔ ترجمہ: اور ذکر کرو کتاب میں مریم کا جب کہ وہ شرقی مکان میں اپنے لوگوں سے علیحدہ ہوئیں۔ پس ایک پردہ بنایا۔ پس بھیجا ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ جو آدمی کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ حضرت مریم بولیں کہ اللہ کی پناہ تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے کہ کہ جزایں نیست کہ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا دے جاؤں۔

☆... فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطب اور سلام کرنے لگے۔ (مدارج السالکین صفحہ ۳۰۵ جلد ۱۲)

☆... ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل ہیں کہ وہ کراماً کاتبین کو دیکھا کرتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔ (کذافی الاصابہ: جلد ۳ ص ۲۶)

☆... حجۃ الاسلام قدس اللہ سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کی طرف ہے

اور دوسرا شہادت کی طرف۔ظاہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسہ ظاہرسے قلب میں داخل ہوتے ہیں اور عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کے علوم، باطنی دروازہ سے قلب میں آجاتے ہیں۔

☆ ...حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے۔بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سر الہی ہے۔جس کو حق تعالیٰ اپنے احباب کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے محدث اور معلم اور متکلم ہوں گے۔اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت میں ہے"ومارسلنامن قبلک من رسول ولانبی ولامحدث" اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جس کے باطن قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم ومعارف کے لئے کوئی دوسرا راستہ کھل گیا ہو۔بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں کہ جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لئے کہ اگر وہ اس کو بھول جائے تو جاہل رہ جائے گا۔عالم حقیقۃً وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جس وقت چاہے علم حاصل کرتا ہو بغیر حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے۔اور"علمناہ من لدنا علما" میں اسی طرف اشارہ ہے اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود قلب میں منجانب اللہ آتا ہو۔(احیاء العلوم)

☆ ...حجۃ الاسلام قدس سرہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی حوض کو لایا جائے۔دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اس کو آلات سے صاف کر کے اسی میں کوئی چشمہ جاری کردیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا۔اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے کبھی علم اس میں حواس خمسہ کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت وعزلت مجاہدہ وریاضت قلب کو کھود کر صاف کردیا جاتا ہے اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی۔حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں،مگر اس باطنی باب کا انفتاح تحصیل علوم اور صلاح وتقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدہ کبیرہ اور مراقبہ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

☆ ...کماقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بماعلم اورثہ اللہ العلم بمالم یعلم.

☆ ......وقال صلی اللہ علیہ وسلم من اخلص للہ اربعین صباحا اظھر اللہ تعالی ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ.

☆ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ.

فالمتفکر اذا سلک سبیل الصواب یصیر من ذوی الالباب وتنفتح روزنۃ من عالم الغیب فی قلبہ فیصیر عالما کاملا عاقلاً ملھمًا۔(رسالہ لدنیہ ص ۳۷)

ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اللہ تعالیٰ علم وحکمت کے چشمے اس کے

قلب سے اس کی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ مراقبہ عنداللہ اولی الالباب میں سے ہو جاتا ہے اور عالم غیب سے ایک روزن اس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔ اللھم اجعلنامنھم آمین برحمتک یاارحم الراحمین

استدراک

شیخ اکبر قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ وحی الہام کبھی بذریعہ کتابت بھی ہوتی ہے کہ من جانب اللہ کوئی لکھی ہوئی شئے عطا ہوتی ہے۔ شیخ فتوحات کے ایک اور باب میں فرماتے ہیں کہ اس کتابت کی من جانب اللہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ہر جانب سے پڑھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ بیت اللہ میں ایک فقیر کو دیکھا کہ مطاف میں سے ایک لکھا ہوا ورق اترا جس میں اس فقیر کے متعلق یہ لکھا ہوا تھا کہ تو جہنم سے آزاد کر دیا گیا۔ اس ورق کی عجیب شان تھی وہ یہ کہ جس جانب اس ورق کو پلٹا جاتا تھا کتابت بھی اسی جانب پلٹ جاتی تھی۔ اسی طرح ایک مسکین عورت کہ جو میرے تلامذہ میں سے تھی اس نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ شانہ کو خواب میں دیکھا کہ حق جل وعلا نے اس کو ایک ورقہ عطا فرمایا ہے وہ ورقہ اس کے ہاتھ میں تھا مٹھی بند تھی کسی طرح کھلتی نہ تھی۔ میں نے اس سے یہ کہا کہ تو اپنے دل سے یہ نیت کر کہ اگر حق تعالیٰ شانہ اس کے ہاتھ کو کھول دیں تو فوراً اس کو نگل جاؤں گی اس نے یہ نیت کی اور ہاتھ کو منہ کے قریب کیا۔ قریب کرتے ہی ہاتھ کھل گیا اور جبراً قہراً وہ ورق خود بخود منہ میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو الہام فرمایا کہ ہماری مشیت یہ ہے کہ اس ورقہ کے مضمون پر کوئی مطلع نہ ہونے پائے۔ اور حق تعالیٰ شانہ نے کتاب لوح محفوظ اور کتابت مخلوقین کے فرق پر مجھ کو مطلع کر دیا ہے اور یہ عجیب علم ہے جس کا ہم کو مشاہدہ ہے اور ہم اس کو دیکھ چکے ہیں۔

الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعتمد میں فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطا سے معصوم نہیں ہوتا یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رویا صالحہ میں ہے کہ انبیاء کا رویا صالحہ وحی ہوتا ہے اولیاء کا نہیں۔

☆۔۔۔امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ''اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔'' فافھم واستقم یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد و ورع قناعت و توکل، رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام ہی کے ایمان اور صفات کا ایک عکس ہوتا ہے اور مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاء کرام کے ایمان اور زہد و ورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء کا ایک ادنیٰ سایہ تو وہ اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اس کے ہمسر ہو سکتا ہے این الثری من الثریا۔ نیز الہام اولیاء فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے اور الہام انبیاء میں امر و نہی اور احکام الٰہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اس کا اخفاء اولیٰ ہے جب تک کوئی ضرورت شرعیہ ودینیہ داعی

نہ ہو۔ (سیرا کا، م محمد ادریس کاندھلوی ۲.۹/۲۴۵۔ بحوالہ مفصل عقائد اہل السنۃ والجماعۃ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت

ہاتھ پاؤں چومنے کے بارے میں جو کچھ حضرت مولانا محمد روح اللہ نقشبندی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیمی کی شرعی حیثیت''، میں نقل فرمائی ہیں جو کہ حضرت مولانا سندھیؒ کے رسالہ سے جو کہ مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے اس کی مزید تشریح فرمائی ہے، حضرت مولانا مفتی مختار الدین مدظلہ العالی کی رسالہ سے، نیز احادیث مبارکہ اور مختلف فتاویٰ میں اقوال فقہاء سے جمع کردہ ایک نادر مجموعہ ہے میں اس کو بعون الملک الوہاب نقل کر دیتا ہوں۔

ابتدائی باتیں

بزرگوں کے ہاتھ، اور پاؤں، چومنا ایک ایسا مستحسن فعل ہے جو نبی کریم ﷺ خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار۔ صحابہ کرامؓ، مفسرین کرام، محدثین عظام، فقہاء کرام سے ثابت ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت زیر نظر مضمون کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔

اس مستحب فعل کا شدومد سے انکار کرنے والے حضرات ہاتھ اور پاؤں چومنے کو سجدے میں شمار کرتے ہیں۔ جو کہ ان کی کم علمی کی دلیل ہے۔ شریعت مطہرہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام میں سجدہ کی تعریف کے وقت سات اعضاء کا زمین پر لگنا ہے۔ جیسا کہ کتبِ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

(۱)۔ امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ''باب السجود علی سبعة اعظم'' باندھ کر حضرت انسؓ کی روایت درج کی ہے کہ: ''امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء''۔ (صحیح البخاری: ص ۹۴، مطبوعہ مصر، جہرانی شریف ۱/ ۲۶)

(۲)۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ نے سیدنا عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ: ''انه سمع رسول الله ﷺ یقول اذا سجد العبد سجد معه سبعة اداب وجهه و کفاه و رکبتاه و قدماه''

(منتخب الصحیحین من کلام سید الکونین: ص ۲، ترمذی شریف ۱/ ۳۷ مطبوعہ دہلی، نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ص ۱۰)

''انہوں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے سات اعضاء چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

تقبیل کی حقیقت

ہم اگر معلم اعظم حضور اکرم ﷺ کے براہ راست فیض یافتگان صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ادبا اور تعظیما حضور اکرم ﷺ کے دستِ اقدس، پاؤں مبارک، جسم اقدس حتی کہ آپ ﷺ کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے کسی فرد اور چیز تک کو بوسہ دیتے تھے۔

لیکن چومنے کا ایک حد ہوتا ہے

لیکن ہاتھ پاؤں چومنے کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے جس درجہ میں اس کا ثبوت ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ وتابعینؒ کے جو واقعات آپ نے اس مضمون میں ملاحظہ فرمائے گے، ان کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے جس درجہ میں سنت اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت ہوا ہے، ان تمام روایات وواقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ سب کام ہوئے مگر اتفاقی طور پر کسی ایک دو آدمی نے کر لئے نہ اس کی عادت تھی نہ سب مجمع کو یہ کام کرنا تھا نہ کوئی کسی کو اس کی دعوت دیتا تھا اور نہ کوئی کسی کو حرص کرتا تھا، بس اسی سادگی اور عدم پابندی کے ساتھ جہاں ہوں جائز ودرست بلکہ مستحب بھی ہوسکتا ہے، جہاں یہ سادگی نہ رہی پابندی آگئی یا عادت پڑگئی تو وہ مفاسد سے خالی نہیں (اس کے مفاسد بعد میں نقل کردیتے ہیں) اور فقہاء کا یہ ضابطہ معروف ومشہور ہے کہ اگر کسی مستحب کام میں کچھ منکرات شرعیہ شامل ہوجائیں تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا واجب ہوجاتا ہے بشرطیکہ وہ سننِ مقصود میں سے نہ ہو۔ جیسے جماعت نماز کے بعد کے مصافحہ کو بعض فقہاء نے اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس کو نماز کی ایک سنت جیسا قرار دے دینا خلاف شرع اور گناہ ہے۔ بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے اس کو اسی حد پر رکھا جائے تو بلاشبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ سب جائز بلکہ سنت ومستحب ہیں اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہوجائے وہ گناہ ہے۔ (از مفتی محمد شفیعؒ ماخذ ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیم کی شرعی حیثیت: ۴۷۔۴۸)

تقبیل کا لغوی معنی ومفہوم

لفظ 'تقبیل''ق، ب، ل، سے مشتق ہے قَبل، یَقبُلُ، قَبلاً۔ کا معنی ہے: آنا۔ قَابَلَ: کا معنی ہے: کسی کے آمنے سامنے ہونا، ملاقات کرنا۔ جبکہ قَبَلَ یُقَبِلُ تقبِیلاً کا معنی ہے: چومنا، بوسہ لینا۔ (لسان العرب: ۱۱۔۵۴۴)

لغت عرب کی خصوصیت کی بنیاد پر (ق۔ب۔ل) سے مشتقات کے معانی بھی صیغوں اور متعلقات کی تبدیلی سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ بعض ابواب میں اس کے اندر توجہ، میلان، جھکاؤ اور اظہار پسندیدگی وقبولیت کے معانی بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ''القبلة'' کا معنی ہے: نماز کے لئے سمت توجہ، جب کہ ''مقبول'' کا معنی ہے قابلِ قبول اور پسندیدہ۔ (لسان العرب: ۱۱۔۵۴۴)

پس تعظیم بالتقبیل میں بھی کسی بابرکت ہستی یا متبرک چیز کے ساتھ محبت اور پسندیدگی شامل ہوتی ہے۔

اقسام تقبیل

احادیث مبارکہ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور صالحین کے احوال کا مطالعہ کرنے سے تقبیل کی درج ذیل اقسام سامنے آتے ہے۔

(ا) ..... تقبیل عبادت

حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا حجرِ اسود کو بوسہ دینا عبادت کے زمرے میں شامل ہے کیونکہ یہ مناسکِ حج اور افعال عمرہ میں سے ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروقؓ حج پر آئے، طواف کیا اور حجر اسود کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ اس سے فرمانے لگے: ''انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا انی رأیت النبی ﷺ یقبلک ماقبلتک'' (بخاری، کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود: ۲۔۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰۔ مسلم: کتاب الحج باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف: ۲۔۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰۔ ابن ماجہ السنن کتاب المناسک، باب استلام الحجر: ۲۔۹۸۱، رقم: ۲۹۴۳۔ نسائی، السنن الکبری: ۲:۴۰۰، رقم: ۳۹۱۸)

''میں جانتا ہوں بیشک تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی کریم علیہ کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تیرا کبھی بوسہ نہ لیتا۔'' یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپؓ نے حجرِ اسود سے بوسہ لیا۔ (حاکم المستدرک، ۱: ۶۲۹، رقم ۱۶۸۲)

(۲) ...... تقبیل تبرک

حضور اکرم ﷺ، اہلِ بیت اطہارؓ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء وصالحین کے ہاتھوں اور ان سے منسوب اشیاء کو حصول برکت کے لئے بوسہ لینا بھی احادیث اور آثار واحوال سے ثابت ہے۔

(۱) ...عبدالرحمٰن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ''ربذۃ'' کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوعؓ ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔ سو انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا: ''میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھر کم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کا بوسہ لیا۔

(مسند احمد بن حنبل ۴: ۵۴، ادب مفرد ۱: ۳۳۹)

(۲)... ایک دفعہ حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا: ''أمست النبی ﷺ بیدك؟ قال: نعم فقبلها''۔

(بخاری، الادب المفرد، باب تقبیل الید ۱: ۳۳۹، رقم ۹۷۴)

''کیا آپ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے ہاتھ سے مَس کیا ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پس ثابت نے ان کے ہاتھ کو چوما۔

(۳)... صاحب الصحیح مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاریؒ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر عرض کیا: ''دعنی حتی أقبل رجلیك، یا استاذ ین و سید المحدثین و طبیب الحدیث فی علله۔'' (ابن نقطہ التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید ۱: ۳۳)

''اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔''

(۳)...... تقبیلِ محبت وفرحت

کسی بابرکت ہستی کو محبت وفرحت سے چومنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی کیفیت حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مقام سخ پر واقع اپنے گھر سے گھوڑے پر آئے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد (شدتِ غم سے) انہوں نے کسی سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے اور ''وہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے تھے جو یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ پس انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ لی اور رو پڑے۔'' (مسند امام احمد بن حنبل ۶: ۱۱۷)

علامہ الہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں ایک طویل حدیث میں حضور ﷺ کے دنیا سے رحلت فرمانے کا واقعہ یزید بن بانبوسؒ کی روایت میں مسند امام حنبلؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے جس میں بیان ہے: ''ثم جاء ابو بکر ﷺ فرفع الحجاب فنظر الیه فقال انا لله و انا الیه راجعون مات رسول الله ثم أتی من قبل راسه وحدر فاه فقبّل جبهته ثم قال وانبیاه ثم اتی من قبل راسه وحدر فاه جبهته وقال واصفیاه ثم اتی من قبل راسه وحدر فاه وقبل جبهته واخلیلاه ... قال الهیثمیؒ ورجال احمد

ثقات (مجمع الزوائد ۹/۳۱، ۳۲) پھر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور پردہ اٹھایا۔ آپؓ نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا اور فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" رسول ﷺ رحلت فرما گئے۔ پھر آپ ﷺ کے سرہانے آکر اپنا منہ جھکایا اور حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کو چوما۔ پھر کہا ہائے میرے نبی! پھر اپنا سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا کر آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لے کر کہا ہائے میرے خالص دوست! پھر (تیسری مرتبہ) سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا کر حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور فرمایا ہائے میرے خلیل!۔

(۴) ... تقبیل مودت ورحمت

بعض اوقات مودت ورحمت کے باعث بھی بوسہ لیا جاتا ہے، یہ بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "ابشری یا عائشة! فان الله قد انزل عذرك وقرأ عليها القرآن، فقال أبواى: قومى فقبلى رأس رسول الله ﷺ" (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی قبلة الرجل ولده: ۴/۳۵۵، رقم ۵۲۰۰) 'اے عائشہ! تجھے خوشخبری ہو کہ بیشک اللہ تعالی نے تیرے عذر کے بارے میں حکم نازل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں تو میرے والدین نے مجھے کہا: کھڑی ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کے سرِ اقدس کا بوسہ لے۔"

(۲) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے وصال کا واقعہ مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا: 'يقبل عثمان بن مظعون وهو ميت حتى رأيت الدموع تسيل" "حضور اکرم ﷺ عثمان بن مظعون کی میت کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جھک کر (رحمت سے) ان کا بوسہ لیا پھر روئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک رخساروں پر آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔" (سنن کبری ۳/ ۴۰۷، ابوداؤد: کتاب الجنائز) اس قسم کی روایت معاذ بن ربیعہؓ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ وفی مجمع الزوائد عن معاذ بن ربیعةؓ قال رأیت رسول الله ﷺ قبل عثمان بن مظعون" رواہ البزار واسنادہ حسن (مجمع الزوائد باب تقبیل المیت: ۳/۲۰)

اس حدیث کو امام ترمذیؒ حضرت عائشہؓ سے نقل کر کے فرماتے ہیں: "وفي الباب عن ابن عباسؓ وجابرؓ وعائشہؓ قالوا ان ابابكر قبل النبی ﷺ وهو ميت" "یعنی ابن عباسؓ، جابرؓ اور عائشہؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کا بوسہ لیا۔ جب کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔ اور آخر میں فرماتے ہیں کہ عائشہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

(۵)...... تقبیل شفقت

(۱) ... رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بدن کو بوسہ دیا۔

(۲) ... حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے چہرہ پر بوسہ دیا جب کہ ان کو بخار میں مبتلا دیکھا۔ (کما اخرجہ ابوداؤد)

(۳) ... رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عمر بن جابرؓ سے مرفوعاً ابوداؤد وغیرہ نے شعبیؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ جب حبشہ سے لوٹے اور آپ ﷺ سے ملے۔ "فالتزمه وقبل مابين عينيه" تو حضور ﷺ نے انہیں گلے لگا لیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ (کما اخرجہ ابوداؤد: جلد ۲ کتاب الادب)

یہ واقعات وہ ہیں کہ تقبیل بزرگانہ شفقت کی بناء پر ہوئی اور اس میں فقہاء کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔

(۶)..... تقبیل تعظیم

شیخ محمد عابد سندھیؒ نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا کہ تعظیم وتکریم کے لئے دست بوسی یا قدم بوسی صرف ان لوگوں کی جائز ہے جو عالم صالح یا سلطان عادل ہو یا کوئی دینی شرف بزرگی رکھتا ہو، ان کے سوا دوسروں کے لئے جائز نہیں حرام ہے، کیونکہ نصوص حدیث سے اس کا جواز صرف دینی شرافت وفضیلت رکھنے والوں کے لئے ثابت ہے۔ ان کے سوا دوسروں کے لئے ثابت نہیں۔ البتہ علمی ودینی شرف رکھنے والوں کے لئے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی قوی روایات حدیث سے ثابت ہے۔

(۷)..... تقبیل حرام

جس طرح تقبیل کے جواز کی کئی اقسام ہیں اسی طرح تقبیل کی بعض صورتیں حرام ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۱) شاہانِ وقت یا متکبرین کے ہاتھ، پاؤں یا ان کے سامنے زمین کو چومنا۔

(۲)...... اجنبی اور غیر محرم خواتین کے ہاتھ کو چومنا۔

(۳) . غرور، تکبر اور شہوتِ خفی کے باعث کسی کا بوسہ لینا۔

احادیث متعلقہ تقبیل تعظیم

(۱) . امام ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت زارع بن عامر سے روایت کیا ہے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کی روایت ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے "فنقبل ید رسول الله ﷺ و رجله" اور رسول اللہ کے دستِ مبارک اور پاؤں مبارک کا بوسہ لیا۔

(۲).. نیز ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس قصہ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں: "قال فدنونا من النبی ﷺ فقبلنا یدیه" ۔ "یعنی ہم آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب)

اسی قصہ کو طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں مزیدہ عبدی اور نافع عبدیؒ کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔ (کذا فی مجمع الزوائد ۹ ۳۹۰)

(۳)...... طبرانی نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی معافی کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے "فاخذبیده فقبلها" اور آپؓ نے حضور ﷺ کا دستِ مبارک پکڑا اور اسے چوما۔

(قال الہیثمی وفیہ یحیی بن عبدالحمید [illegible])

(۴)..... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے: "انه قبل ید النبی ﷺ" (قال الہیثمی رواہ الطبرانی وفیہ یزید ابن ابی زیاد [illegible] مجمع الزوائد ۴۲/۸) "انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک چومے۔

(۵)..... جمع الفوائد: ۲/۱۴۳، میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کو بوسہ دیا اور موصل کے رہنے والے سے بتایا کہ بڑی نرمی کے ساتھ بوسہ دیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۸۳)

(۶)..... نیز امام ابوداؤد نے حضرت صدیقہ عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں داخل ہوتے تو وہ استقبال

کے لئے کھڑے ہو جاتیں اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیتی تھیں۔

(۷) نیز ابوداؤد نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا کہ وہ ایک انصاری صحابی سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک روز کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باہم بات چیت کر رہے تھے۔ ان میں ایک شخص ہنسی مزاح کرنیوالا بھی جوان کو ہنسا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کی کوکھ کو ایک لکڑی سے چھیڑا تو اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ (آپ نے میری کوکھ میں لکڑی لگائی ہے میں اس کا بدلہ لوں گا) آپ مجھے بدلہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہیں تھا، ننگے بدن پر آپ کی چھڑی لگی ہے اور آپ کے بدن پر کرتہ ہے۔ اس لئے انتقام پورا نہیں ہوگا، راوی کہتا ہے: "فرفع عن قميصه فاحتضنه و جعل يقبل كشحه" آپ نے قمیص مبارک کچھ اٹھا دی یہ شخص آگے بڑھا اور آنحضرت ﷺ کو لپٹ کر آپ ﷺ کے پہلو کا بوسہ لینے لگا اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میری غرض اس گفتگو سے یہی تھی۔ (قال الحاکم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبی فقال صحيح واخرجه الطبرانی فی الکبير عن اسيد بن حضير ومثله کمافی کنز العمال ۲۰۹، مستدرک ۳ / ۲۹۱)

(۸) طبرانی نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھوں سے تھاما اور اس کا بوسہ لیا۔

(۹) عبدالرحمن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم "ربذہ" کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوعؓ ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔ سو انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا: "میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھرکم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کا بوسہ لیا۔

(مسند احمد بن حنبل: ۴/۵۴، الادب المفرد ۱/ ۳۳۸)

(۱۰) طبرانی نے معجم اوسط میں سند جید کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، میں نے رسول اللہ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیا تو آپ ﷺ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔

(۱۱) حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہؓ سے روایت کر کے اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت حاضر ہوا اس نے آپ کے سر مبارک اور قدموں کا بوسہ لیا۔

(۱۲) ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت صفوان سے روایت کیا ہے "فقبلوا يديه و رجليه و قالوا نشهد انك نبی" کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا بوسہ لیا، اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ (اللہ کے) نبی ہیں۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس (یعنی بوسہ دینے) کے باب میں یزید بن اسود، ابن عمر اور کعب بن مالکؓ سے بھی روایتیں موجود ہیں۔ (قال ابو عیسیٰ الترمذی، وفی الباب عن یزید بن الاسود وابن عمر وکعب بن مالک، وفی سنن ابن ماجہ عن صفوان بن عسال ان قوما من الیہود قبلوا ید النبی ﷺ ورجلیہ ابن ماجہ کتاب الادب الترمذی ابواب الادب)

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم، سلطان عادل، اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے حضرت شیخ محمد عابد

سندھیؒ نے مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم اور سلطان عادل اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے کیوں کہ سرورِ کائنات ﷺ ان تینوں صفات کے ایسے جامع ہیں کہ جس کی کوئی نظیر عالم میں نہیں۔

حدیث انسؓ میں چومنے سے ممانعت کی توجیہ

اس کے بالمقابل حضرت انسؓ کی ایک روایت سے جو تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ ان عام لوگوں لئے ہے جو اوصاف ثلثہ مذکورہ سے خالی ہوں۔ ایک تو ابن شیبہ و ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے دوسری جامع ترمذی کی روایت ہے: ''عن انسؓ قال قال رجل یا رسول الله الرجل منایلقی اخاهُ او صدیقهٔ اینحنی له؟ قال لا، قال فیلتزمه ویقبله قال لا، قال فیاخُذبیدِہٖ ویصافحه، قال نعم هذا حدیث حسن.'' (الترمذی ۲،ابواب الادب)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے اور (تعظیما) جھکے؟ آپ نے فرمایا نہیں (دوبارہ سوال کر کے،) کہا کہ اسے گلے لگائے اور بوسہ لے؟ فرمایا نہیں۔ (انہوں نے تیسرے بار سوال کیا) کہا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا حضور ﷺ نے ''ہاں''۔

(۱)...... اولا یہ روایت مذکورہ بالا روایات کو منسوخ نہیں کر سکتی کیونکہ اس حدیث کو ناسخ ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل یا قرینے کی ضرورت ہے۔ یہاں تو حضور ﷺ کے بعد صحابہ اور خلفاءِ راشدینؓ اور تابعینؒ تک سے جواز بلا نکیر ثابت ہے۔

(۲) . ثانیا شیخ محمد عابد سندھیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن میں مذکور الصدر اوصاف ثلثہ میں سے کوئی وصف نہ ہو اس کے ساتھ یہ معاملہ معانقہ اور تقبیل کا نہ کیا جائے، صرف مصافحہ کافی ہے اور قرینہ اس کا خود سوال ہے جو حدیث میں مذکور ہے، کیوں کہ سائل نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑے عالم یا بزرگ سے ملیں تو کیا کریں بلکہ سوال عام دوست یا بھائی کا کیا ہے جس کے جواب میں آپ نے معانقہ اور تقبیل کو منع فرمایا۔

(۳)... ثالثا خود ثابتؒ نے حضرت انس کے ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا۔

حضرت ثابتؒ نے حضرت انسؓ (حضرت انسؓ وہ صحابی ہیں جو نو سال حضور ﷺ کے گھر مبارک میں رہے) سے پوچھا: ''امسست النبی ﷺ بیدک کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک کو چھوا ہے؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا نعم۔ ہاں!'' فقبلها تو حضرت ثابتؒ نے حضرت انسؓ کا ہاتھ چوم لیا۔ (الادب المفرد للبخاری ص ۱۴۴، تنویر القلوب: ۲۰۰، دارمی شریف ۱/۳۱)

وہ واقعات جن میں بعض صحابہؓ و صلحاءؒ نے دوسرے بعض صحابہؓ و صلحاءؒ کی دست بوسی کی ہے

(۱)...... حضرت امام بخاریؒ حضرت صہیبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر چومتے تھے۔ (ادب المفرد باب تقبیل الرجل)

(۲)... تمیم بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے، ان کا استقبال حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے کیا۔ حضرت عمرؓ نے مصافحہ کیا اور ان کا ہاتھ چوما۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت تمیمؒ کہا کرتے تھے کہ ہاتھ کا چومنا سنت ہے۔

(اخرجہ عبدالرزاق والخرائطی فی مکارم الاخلاق والبیھقی وابن عساکر کذافی کنز العمال ۹/۲۲۰)

(۳) طبرانی نے یحییٰ بن الحارث الزماریؒ سے روایت کیا ہے۔ انہوں فرمایا کہ میں واثلہ بن اسقعؓ سے ملا۔ ان سے کہا کہ آپ نے اس ہاتھ سے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پہ بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں میں نے عرض کیا آپ اپنا ہاتھ مجھے دیجئے تاکہ میں اس کا بوسہ لوں تو انہوں نے میری درخواست کو منظور کرلیا اور میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

(رواہ الطبرانی، وفیہ عبدالملک القاری لم اعرفہ وبقیۃ رجالہ ثقات کذافی مجمع الزوائد: ۸/۴۲، واہ الطبرانی)

(۴) حضرت عمار بن ابی عمارؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک روز سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے (تکریما) ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے آپ ہٹ جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہمیں اپنے علماء۔ اور بڑے لوگوں کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت زیدؓ نے فرمایا ذرا مجھے اپنا ہاتھ تو دکھائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنا ہاتھ نکالا تو حضرت زیدؓ نے اس کو چوم لیا اور کہا کہ ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اہل بیتؓ کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر کنز العمال: ۱۳/۹۶)

(۵) بیہقیؒ وغیرہ نے غزوۂ روم کا طویل واقعہ حضرت ابورافع سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ عبداللہ بن حذافہؓ مسلمانوں سمیت لوٹ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور جب پوری سرگزشت سنائی تو حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ (اخرجہ البیہقی وابن عساکر کذافی کنز العمال ۷/۶۱، حیاۃ الصحابہ ۱/۳۱۹)

(۶) مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابہ (۳/۲۵۴) میں حضرت ابوسفیان کے مناقب میں لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں حضرت ابوسفیانؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حرب ہے۔ آپ ان سے راضی ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کی سفارش قبول ہے میں ان سے راضی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے معاف فرمادے۔ پھر حضرت عباس کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ وہ بیشک میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا جب کہ وہ گھوڑے کی رکاب میں تھا۔

(۷)..... حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے۔ اسی مجلس میں عبداللہ بن مبارکؒ موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ "**فی تبیان الحقایق للعلامہ عثمان بن علی الزیلعی، وقال سفیان الثوریؒ تقبیل العالم وید السلطان العادل سنۃ فقام عبد اللہ بن مبارک فقبل راسہ**"۔

(تبیان الحقائق: ۶/۲۵، کتاب الکراھیۃ)

(۸)..... طبقات ابن سعد، (۶/۲۲۴) میں عاصم بن ابی النجود کے حالات میں حضرت ابووائل سے نقل کیا ہے کہ ابووائل کبھی کبھی گاؤں میں جاتے اور چند روز غائب رہتے تھے جب واپس آکر حضرت عاصمؒ سے ملتے تو ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے تھے۔

(۹) ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابوبکر بن محمد بن عمر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہاں کہ میں ایک روز حضرت ابوبکر بن مجاہد کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت شبلی اس مجلس میں تشریف لائے تو ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہوئے اور ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کا

بوسہ لیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ ابوبکر مجاہد نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے ایک خواب میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ اوراس کے بعد مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

محدثین مفسرین، فقہاء کرامؒ کے ارشادات

(۱)...... شیخ المحدثین شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے احوال میں لکھتے ہیں: صاحب الصحیح مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاریؒ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر عرض کیا: ''دعنی حتی أقبل رجلیک، یا استاذ ین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله''. (اشعۃ اللمعات فارسی ۹، جلد اول مطبوعہ نولکشور، بن نقطۃ التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید ۳۳)

''اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔''

(۲)... حضرت امام نوویؒ شارح مسلم شریفؒ سے کسی نے پوچھا ''تقبیل یدغیرہ ما حکمه '' یعنی اپنے غیر کے (دوسرے آدمی کے) ہاتھ کو چومنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: ''یستحب تقبیل ایدی الصالحین وفضلا العلماء'' صالحین (اولیاء اللہ) فضلاء اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴، وحاشیہ مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۲)

(۳)... علامہ ابن حجر مکیؒ سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ پاؤں چومنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمای: ''المصافحة للقادم سنة وکذا تقبیل ماذکر من نحو عالم وصالح وشریف ونسیب'' ''آنے والے کے ساتھ مصافحہ کرنا اور عالم دین صالح شریف اور عمدہ نسب والے کے ہاتھ اور پاؤں کے بوسہ سنت ہے۔

(۴)..... امام ابویوسفؒ اور علامہ ابراہیم بن محمد حلبیؒ فرماتے ہیں کہ ''عند ابی یوسف لایکرہ ولا بأس بالمصافحة وتقبیل ید العالم والسلطان العادل'' ''امام ابویوسفؒ کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کا بوسہ لینے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔ (شرح الاشباہ والنظائر للحموی ۲، ۴۵۱، شرح تحفۃ النصائح فارسی ۱۹۱)

(۵)..... حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں ''انه قال تقبیل ید العالم والسلطان العادل سنة '' ''بے شک عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا سنت ہے۔ (مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر برحاشیہ ملتقی الابحر ۲۳۸، مطبوعہ مصر)

محقق کامل حضرت اسعد اللہ عیسیٰ المعروف سعدی الچلپیؒ عنایہ شرح ہدایہ میں اور امام اکمل الدین بابرتیؒ نے بھی شرح ہدایہ میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے: ''عن سفیانؒ تقبیل ید العالم سنة'' (عنایہ شرح ہدایہ للسعدی، عنایہ شرح ہدایہ للامام اکمل الدین برحاشیہ فتح القدیر ص ۱۲۰، مطبوعہ مصر)

(۶)..... فقیہہ ابواللیث السمرقندیؒ اور علامہ جلال الدین السیوطیؒ اور علامہ عبدالغنی الدہلویؒ نے چومنے کے پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱)..... محبت کے طور پر (۲)..... رحمت کے طور پر (۳)... شفقت کے طور پر (۴)... احترام کے طور پر (۵)... شہوت کے طور پر۔

محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے اولاد کا والدین کے سر کو

چومنا۔شفقت کےطور پر چومنا ایسا ہے۔جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا۔عزت واحترام کےطور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا اور شہوت کےطور پر ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے چہرہ کا بوسہ لینا۔

(بستان العارفین للسمرقندی برحاشیہ تنبیہ الغافلین ۱۵۹، مصباح الزجاجہ للسیوطیؒ برحاشیہ ابن ماجہ:۲۷۱، الحاجہ للعلامہ عبدالغنی الدھلوی برحاشیہ ابن ماجہ: ۲۷۱، درمختار ۲/۲۴۳، مطبوعہ کلکتہ، مظاہر حق ۴/۵۴، مطبوعہ لکھنو)۔

(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "تقبیل ید عالم وزاہد یا مردے کبیر السن جائز است" ترجمہ: "عالم دین اور زاہد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔" (اشعۃ اللمعات فارسی: ۴/۲۲، مطبوعہ نولکشور)

(۸) امام الفضلاء حضرت علامہ سید احمد بن محمد الحمویؒ تحریر فرماتے ہیں: "مفتاح السعادت میں لکھا ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ کو چومنا جو تعظیم وتکریم کا مستحق ہے جیسے علماء دین سادات، اشراف اور ذوالاحترام حضرات ہیں۔ان کے ہاتھ چومنے میں ثواب کی امید ہے۔جیسا کہ صحابہؓ سے بھی ثابت ہے۔ (شرح الاشباہ والنظائر ۲/۴۵۲، مطبوعہ نولکشور)

(۹) علامہ قطب الدین دہلویؒ اپنی تصنیف لطیف (مظاہر حق) میں فرماتے ہیں: کہ بوسہ دینا اوپر ہاتھ عالم کے جائز ہے۔بعضوں نے کہا کہ مستحب ہے۔ (مظاہر حق: ۴/۵۴، مطبوعہ لکھنو)

(۱۰) علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشیؒ تحریر فرماتے ہیں: عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مظاہر حق ۴/۵۴)

(۱۱) علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "درمختار" کے مصنف علامہ علاؤالدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں: تبرک کے طور پر عالم اور پرہیزگار متقی شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں مجتبیٰ نامی کتاب کے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (درمختار: ۲/۲۴۳، حاشیہ جامع ترمذی: ۲/۹۸)

(۱۲) علامہ ابن عابدین شامیؒ اپنی مشہور ومعروف کتاب ردالمختار المشہور شامی شریف میں فرماتے ہیں: "عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ لینے کو سنت کہا گیا ہے۔" (ردالمختار ۵/۳۳۷)

(۱۳) عارف باللہ علامہ محمد امین الکردی الاربلی الشافعیؒ فرماتے ہیں: "یسن تقبیل الید لصلاح ونحوہ کعلم وزھد" "علم اور زہد ونیرہ کی بناء پر ہاتھ چومنا سنت ہے۔ (تنویر القلوب: ۱۹۹، مطبوعہ مصر)

(۱۴) امام ابن قیم اپنی کتاب بدائع الفوائد میں حضرت شیخ الحنابلہ ابن عقیلؒ کا ایک قصہ لکھتے ہیں کہ: حضرت شیخ الحنابلہ ابن عقیلؒ نے مصافحہ کرتے وقت بادشاہ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔تو کسی شخص نے انہیں اس فعل پر ملامت کی۔تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میرا باپ ہوتا اور میں اس کے ہاتھ کا بوسہ لیتا۔تو کیا یہ میرے لئے جائز تھا یا کہ ناجائز؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ کیوں نہیں۔ایسا کرنا تو آپ کے لئے جائز ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ جب باپ کے ہاتھ کو بوسہ لینا جائز ہے۔حالانکہ وہ مخصوص افراد کی پرورش کرتا ہے تو بادشاہ کے ہاتھ کا بوسہ لینا کس طرح جائز نہ ہوگا۔جب کہ وہ ملک کی تمام رعایا کی پرورش کرتا ہو۔اسی لئے وہ زیادہ مکرم ہے۔
(بدائع الفوائد: ۳/۱۷۶، مطبوعہ مصر)

(۱۵) علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ کتاب "شرعت الاسلام" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ: "جس نے اپنی والدہ کے پاؤں کا بوسہ لیا۔

پس اس نے خانہ کعبہ کی دہلیز کو بوسہ دیا۔ (بزھۃ المجالس ۱/۱۷۱مطبوعہ مصر)

(۱۶) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا غنیۃ الطالبین میں ارشاد ہے: ''اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھ کو انہوں نے تبرکا بوسہ لیا۔ تو یہ شرعا جائز ہے۔ (غنیۃ الطالبین:۳۱)

(۱۷)..... شیخ المشائخ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں اپنا واقعہ درج فرمایا ہے۔ نیز یہی واقعہ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ''میں (حضرت ہجویرؒ) ملک شام میں حضرت سیدنا بلال حبشیؓ مؤذن مسجد نبوی کے روضۂ مبارک کے سرہانے کی طرف لیٹا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں۔ اور حضور علیہ السلام ایک بزرگ کو آغوش مبارک میں لئے ہوئے ہیں۔ (جیسا کہ بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں) باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں۔ تو دوڑ کر برپشتِ پائش بوسہ وارم آپ کے پاؤں مبارک کی پشت پر میں (علی ہجویریؒ) نے بوسہ لیا۔ میں متعجب وحیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی اور دلی کیفیت کو جان کر ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جو تمہارے ہی ملک کے ہیں۔''

(کشف المحجوب فارسی ص ۹۳،۹۴، تذکرۃ الاولیاء فارسی ۱۳۳)

(۱۸)..... حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ عمر میں حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) سے بڑے تھے۔ مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جان نثار خادم اور عاشق جانباز تھے۔ جب تشریف لاتے تو بے اختیار حضرت کے قدموں کا بوسہ لیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کو شرم آتے۔ یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے۔ (تذکرۃ الرشید:۲/۱۸۱، تذکرۃ الخلیل:۵۸)

(۱۹)..... حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کے حج کی روانگی کا واقعہ لکھتے ہوئے آخر میں رقم طراز ہیں: اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کا قدم بوس ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل ۱۰۷)

(۲۰)..... حافظ عبدالقادر تھانویؒ اپنا واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاؤں چومنے کا بیان کرتے ہیں کہ ارکان حج ادا کر کے قافلہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ گئے۔ اور بلا خطر مدینہ طیبہ پہنچے۔ اور اطمینان کے ساتھ زیارت سے مشرف ہو کر مکہ معظمہ میں بخیر وخوبی حضرت (حاجی امداد اللہؒ) سے قدم بوس ہوئے۔ (کرامات امدادیہ:۹، از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۲۱)..... مولانا حافظ عبدالغنیؒ کہتے ہیں کہ میں والد ماجد کے ساتھ حج پر گیا۔ تو حضرت والد ماجد منشی حاجی مولوی عبدالواحد آستانہ حضرت قبلہ عالم شیخ المشائخ الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدست اسرارھم ہوتے۔ بندہ بھی ہم رکاب والد ماجد تھا۔ دولت سرائے قدس پر پہنچ کر اطلاع کی گئی۔ حضرت اقدس دولت سرائے سے دیوان خانے میں تشریف فرما ہوئے۔ چہرہ مبارک سے معلوم ہوتا تھا کہ حالتِ مراقبہ سے اٹھ کر تشریف لائے ہیں۔ والد ماجد سے ملاقات فرمائی بندہ بھی دست بوس ہوا۔ والد ماجد کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرماتے رہے۔ (کرامات امدادیہ:۴۰)

امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کا مسئلہ تقبیل میں اختلاف کی توجیہ

فتاویٰ قاضی خان کتاب خطر والاباحۃ میں ہے کہ:"ویکرہ ان یقبل الرجل فم الرجل اویدہ اوشیئا منہ وفی قول ابی حنیفہؒ ومحمدؒ ولاباس بالمصافحۃ وقال ابو یوسف لاباس بالتقبیل والمعانقۃ فی ازار واحد فان کانت المعانقۃ من فوق قمیص اوجبۃ اوکانت القبلۃ علی وجہ المسرۃ دون الشھوۃ جاز عند الکل."(فتاویٰ قاضی خان بحاشیہ عالمگیری ۳/۴۴۴)

ترجمہ:مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو یا کسی حصہ بدن کو ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے قول میں اور مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب وہ کرتے اور جبہ کے اوپر سے اور بوسہ لینا بطور مسرت واکرام کے ہو شہوت سے نہ ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کی آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقبیل ومعانقہ میں جو اختلاف امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا نقل کیا جاتا ہے وہ اس صورت میں ہے جس میں خطرہ شہوت کا یا مشابہت اس کی پائی جائے ورنہ معانقہ اور تقبیل تینوں آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔

☆..... بدائع میں شیخ ابومنصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتا ہے

شیخ ابومنصور (ماتریدیؒ) نے فرمایا کہ معانقہ اس صورت میں مکروہ ہے جبکہ ایسے طرز پر ہو جو شہوت کے ساتھ عریانی کی حالت میں کیا جاتا ہے۔لیکن جب اس سے (محض) اکرام اور احسان مقصود ہو تو مکروہ نہیں۔اور یہی حکم بوسہ لینے کا ہے جو بوسہ،شہوت کے بوسہ کی مانند ہو وہ تو ممنوع ہے ورنہ مباح (جائز) ہے اور امام ابو یوسفؒ نے جس حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا وہ اسی صورت پر محمول ہے (کہ اس میں شہوت کا خطرہ یا مشابہت نہ ہو)

☆ علامہ عینیؒ نے تقبیل کے مسئلہ پر بہت مختصر اور جامع بیان کر کے آخر میں فرمایا ہے:لیکن یہ سب کچھ جواز اس وقت ہے جب کہ (دست بوسی وغیرہ) بطور احسان واکرام کے ہو اور جب یہ (دست بوسی وغیرہ) شہوت کی وجہ سے ہو تو یہ میاں بیوی کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں۔

☆ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔دست بوسی میں فقہائے کرام مختلف ہو گئے ہیں۔امام مالکؒ نے اس کے جواز سے انکار کیا ہے اور ان روایات سے بھی جو اس میں آئی ہیں۔جب کہ دوسرے فقہاء حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔جس وقت وہ لوگ جہاد سے واپس ہوئے۔انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم فرار ہونے والے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا (ایسا نہیں) بلکہ تم حملہ پر حملہ کرنے والے ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا، میں مسلمانوں کی جماعت ہو (عبداللہ بن عمرؓ) فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیا۔دست بوسی کے جواز پر چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ الابہریؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے جو بوسہ کو مکروہ قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ تکبر اور بڑائی کی وجہ سے ہو۔اور جب اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے ہو یا اس شخص کے علم یا شرافت کی وجہ سے ہوتا ہے تو یہ جائز ہے۔

بوسہ کی دوصورتیں

(۱) ....ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی ازخود کسی کے ہاتھ وغیرہ کو چوم لے،اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۲)... دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص زید سے مطالبہ کرے کہ آپ ہاتھ یا پاؤں مجھے چومنے کے لئے دیں۔کیا زید کے لئے جائز ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے؟ایسی حالت میں بعض فقہائے کرام منع فرماتے ہیں کہ زید ہاتھ پاؤں پھیلائے، کیونکہ یہ صورت ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے تکبر پیدا ہوجانے کا احتمال غالب ہے۔اگر چہ حقیقۃً اس میں تکبر اور عُجب نہ بھی ہو۔پس بعض نے تو زید کے لئے ہاتھ پاؤں پھیلانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

☆.....فی الھندیہ :طلب من عالم اوزاھد یدفع الیہ قدمہ لیقبلہ لایرخص فیہ ولایجیبہ الی ذالک عند البعض وذکر بعضھم یجیب الی ذالک .

☆.....وفی ردالمختار تحت قولہ اجابہ لما اخرجہ الحاکم ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ ﷺ ارنی شیئا ازدادبہ یقینا فقال اذھب الی تلک الشجرۃ فادعھا فذھب الیھا فقال ان رسول اللہ یدعوک فجاءت حتی سلمت علی النبی ﷺ فقال لھا ارجعی فرجعت ثم اذن لہ فقبل رأسہ ورجلیہ وقال لوکنت آمرا احدًا ان یسجد لاحدٍ لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا وقال صحیح الاسناد ۔(من سعۃ الشرنبلالی ردالمختار:۵،۲۴۵)

اور بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے اس کو جائز فرمایا ہے البتہ ازخود زید کے ہاتھ چومنا بلا اختلاف جائز ہے۔

☆.... اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ:''اگر کیے از عالم یا زاہد التماس پائے بوسی او کند باید کہ اجابت نہ کند ونگذارد کہ بوسد ودر قنیہ گفتہ لاباس بہ است''۔

☆... مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا:''تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جاسکتا۔پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہ ہے اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائے گا۔ (امدادالفتاوی مبوب ۵/ ۲۴۵ مورخہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ۔)

☆... ...سوال:''یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ دست بوسی وغیرہ اگر جائز بھی ہوجائے تو اگر اس کے لئے جھکنے کی صورت پیش آئے تو وہ انحناء یعنی جھکنے کی وجہ سے بھی مکروہ ہوجائے گا۔

☆......جواب: جو انحناء مقصوداً (بطور عبادت ہو) ہو وہ ناجائز ہے اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔کیونکہ یہاں چومنے کے لئے ہوگا، جھکنا خود مقصود نہیں۔جیسے کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز گر جائے اور کوئی جھک کر اسے اُٹھالے۔اس جُھکنے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔حلانکہ یہ جھکنا رکوع سے بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔اس لئے کہ اس مین جھکنا مقصود نہیں بلکہ چیز اٹھانا مقصود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمین بوسی

فقہ کی کتابوں میں ایسے دو مسئلے اور بھی ہیں جن کی وضاحت مناسب ہے تاکہ مختلف مسائل آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

(۱) ایک یہ کوئی شخص دوسرے آدمی سے مصافحہ کرنے کے بعد خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لے۔ اس فعل کو فقہاء کرام نے مکروہ اور ناجائز قرار دیا ہے۔

(۲) کسی عالم یا بزرگ کے سامنے زمین کو بوسہ دینا۔ فقہاء کرام اس کو حرام اور ممنوع فرماتے ہیں۔ ایسے کام کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں سخت مجرم اور گنہگار ہیں۔ کیونکہ یہ کام بتوں کے پوجنے اور عبادت کرنے سے مشابہت رکھتا ہے۔" **وما یفعله الجهال من تقبیل ید نفسه اذا لقی الغیر فهو مکروه فلا رخصة فیه وما یفعلون من تقبیل الارض بین یدی العلماء فحرام، الفاعل والراضی به آثمان لانه یشبه عبادة الاوثان**" (تبیان الحقائق:۶/۵، کتاب الکراہیۃ کذا فی البحرالرائق والفتاوی الھندیہ والدر المختار وغیرھا ۵/۲۷۱)

خلاصہ:

(۱) اگر ہاتھ وغیرہ کا بوسہ لینا شہوت وغیرہ کے ساتھ ہو یا کسی جانب میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ یا اشتباہ ہو تو بالاتفاق اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے سوا کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

(۲) چھوٹوں پر شفقت ورحم یا متقی علماء اور بزرگوں کے اکرام اور تعظیم کے لئے بوسہ بالاتفاق جائز اور ثابت ہے بشرطیکہ جس کی دست بوسی کی جائے اس کو اس عمل سے تکلیف نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کے نفس میں تکبر وعُجب پیدا ہوتا ہو۔ ایسی حالت میں دوسری جانب کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو دست بوسی کا موقع دے۔

(۳) دنیاوی اقتدار اور حصول عزت کے لئے کسی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ چومنا ناجائز ممنوع ہے۔

(۴) محض رسم اور عادت کے طور پر بھی درست نہیں اور نہ اس میں حد سے تجاوز کرنا چاہئے کہ ہر وقت گلے ملنے لگیں یا بوسے دینے لگیں بلکہ کسی کے سفر سے واپسی یا رخصت کے موقع پر یا عرصہ دراز کے بعد ملاقات وغیرہ پر اللہ تعالی وتبارک کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اور سادگی اور بغیر پابندی وبغیر تکلف کے علماء اور بزرگوں کے ہاتھ یا پیشانی کا بوسہ لینا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ہاتھ پاؤں چومنے کے جتنے مسائل میں نے نقل کر دیے ہیں یہ ماخوذ ہے از کتاب "ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت" از مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری مدظلہ العالی: ۱۰تا۸۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قیام تکریمی وتعظیمی کی شرعی حیثیت

قیام کے اقسام

☆...... کسی آدمی کے لئے کھڑا ہو جانے کی چند قسمیں ہیں:

(۱)...... اول قسم: کوئی سفر سے آنے والے کے استقبال کے لئے کھڑا ہو۔ یا آنے والے کو کسی چیز کی بشارت یا خوشخبری دینے کیلئے کھڑا ہو یا کسی مصیبت زدہ کے ساتھ ہمدردی اور تعزیت کی غرض سے یا جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے مجبوراً کھڑا ہونا۔ محبت کی وجہ سے (ایسے شخص کے لئے جس کے ساتھ محبت جائز ہو مثلاً مسلمان بھائی۔ اور کسی کی مدد، واعانت یا خدمت کی نیت سے کھڑا ہونا، مثلاً مریض کو سواری سے اتارنا چڑھانا یا تھامنا وغیرہ۔ یہ قیام کی یہ سب صورتیں بالاجماع جائز ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲)...... دوسری قسم: کسی کے آگے ایسے طریقے سے کھڑا ہونا جیسے عجمیوں کا دستور تھا کہ کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہوتا اور اس کے سامنے یا ارد گرد باقی لوگ کھڑے رہتے قیام کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۳)...... تیسری قسم: کوئی شخص دل میں یہ چاہت اور خواہش رکھے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جایا کریں۔ اس کے بارے میں شدید وعید آئی ہے اور باتفاقِ امت یہ خواہش اور آرزو ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۴)...... چوتھی قسم: کسی آدمی کے لئے صرف تعظیم وتکریم کے طور پر کھڑا ہو جانا، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ کوئی کفر وشرک جیسا شدید اختلاف نہیں بلا شبہ نماز میں کھڑا ہونا عبادت ہے لیکن ہر قسم کا قیام عبادت نہیں ہوسکتا اور نہ ہی "قوموا للہ قانتین" کھڑے رہو اللہ کے سامنے" کے تحت لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ نماز کی تمام حرکات وسکنات عبادت ہیں۔ اگر یہ ساری حرکات نماز سے باہر بھی مطلقاً عبادت یا عبادت کے مشابہ بھی سمجھی جائیں تو اس طرح کسی کے سامنے دوزانو ہو کر التحیات کی صورت میں بیٹھنا بھی ناجائز ہوگا۔ حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جبرائیلؑ آئے اور حضور ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر باادب بیٹھے "فاسند ر کبتیہ الی ر کبتیہ ووضع کفیہ علی خذیہ ..... الی آخر الحدیث" (رواہ البخاری، مسلم وغیرہ)

علماء اور مشائخ وغیرہ کے سامنے دوزانو باادب بیٹھنا کسی کے ہاں بھی ناجائز نہیں، بالاجماع امت جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسی طرح کسی کے سامنے مطلقاً قیام بھی ممنوع نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے بہت سی صورتوں میں کسی کے لئے کھڑا ہونا بالاتفاق جائز بلکہ بعض اوقات مستحب ہے۔ مسلمان بھائی اور مہمان کے اکرام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

☆ .. "عن ابن مسعودؓ قال اذا اکرم الرجل اخاہ فانما یکرم ربہ" (مجمع الزوائد: ۸/ ۱۶)

☆ عن النبی ﷺ انه قال من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیتق الله ولیکرم جاره وفی روایة من کان یومن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه ثلاث مرات (رواہ احمد، مجمع الزوائد)

اسی طرح اپنے بڑوں، علماء اور مشائخ کی توقیر اور تعظیم کا حکم بھی ہے۔

☆ عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لیس من امتی من لم یسجل کبیرنا، الحدیث۔

☆ وعن ابن عباسؓ یرفعه النبی ﷺ قال لیس منا من لم یؤقر الکبیر، الحدیث (رواہ احمد مجمع الزوائد: ۱۴/۸)

احترام کا طریقہ

اب ہم کسی کا احترام اور تعظیم کیسے کریں؟ احترام کے حدود کیا ہیں؟ شریعت اسلام نے ہمیں ان کے واضح جوابات دیئے۔ بعض جگہ روایت کے ظاہری تعارض اور دلائل کی بناء پر علماء میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے اس قسم کے اختلافات کے لئے بھی فقہاء کے ہاں حدود متعین ہوتے ہیں۔ بعض کے ہاں کوئی چیز سنت یا مستحب ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک وہ واجب یا اس کے برعکس مکروہ وغیرہ ہوتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ فقہائے کرام کے متعینہ حدود سے تجاوز نہ کریں اور ان کے اختلافات کو اپنے حدود کے اندر رہنے دیں۔

الغرض قیام کی چوتھی قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف صرف جائز اور مکروہ کی حد تک ہے اور جو لوگ اسے مکروہ فرماتے ہیں وہ من درجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "لم یکن شخص احب الیهم من رسول الله ﷺ وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراهته لذالک هذا حدیث حسن غریب" (ترمذی ابواب الادب)

"یعنی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ تھا (اس کے باوجود) جب صحابہؓ آپ کو دیکھتے۔ تو آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہیں۔

(۲) ابو مجلزؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوانؓ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ "فقال اجلسا سمعت رسول الله ﷺ یقول من سرّہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار" (وفی الباب عن ابی امامة وهذا حدیث حسن" (الترمذی ابواب ادب) "پس حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے (تعظیما) کھڑے ہوں پس وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔

حضرت امام ترمذیؒ اور دیگر حضرات فقہاء نے ان احادیث سے قیام کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ اب جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ پہلی حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کا کھڑا ہونا، بے تکلفی، شدید محبت و تعلق اور تواضع کی بناء پر ناپسند تھا۔ اس کے جواب میں قیام سے منع کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ بے تکلفی کا مطلب یہ نہیں کہ اکرام بھی نہ کیا جائے۔ (اب صحابہؓ کو بظاہر اکرام کرنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ اور قیام کو جائز سمجھنے والے جواب یوں دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ سب سے آگے چلیں۔ حالانکہ آگے چلنا کسی کے نزدیک ناجائز نہیں ہے، تو یہاں بھی کراہت طبعی مراد ہے نہ یہ کہ شرعاً مکروہ ہے۔

دوسری حدیث کے جواب میں قیام کے موافقین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تو قیام کے خواہش کرنا ممنوع ہے، یعنی اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں اور اس خواہش کی وجہ عجب وتکبر ہے۔ پس یہ خواہش تو بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے (جیسا کہ تیسری قسم کے بیان میں گزر چکا) لیکن اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک فقیہہ صحابی ہیں انہوں نے تو رسول اللہ ﷺ کے قول مبارک سے ممانعت ہی مراد لی ہے اسی لئے تو انہوں نے منع فرمایا۔

اس کے جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اُنؓ کے تواضع اور تقوی کی وجہ سے تھا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ اس حدیث کی وعید میں نہ آجائیں۔ کیونکہ وعید اسی کے لئے ہے جس کے لئے قیام کیا جاتا ہے، کھڑے ہونے والوں کے لئے تو نہیں ہے۔

لیکن اس پر یہ شبہ کیا گیا کہ لوگوں کا کھڑا ہونا سبب بن جاتا ہے خواہش قیام کا۔ تو جس طرح خواہش قیام ممنوع ہے اسی طرح اس کا سبب بھی ممنوع ہے۔ لیکن یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں قیام کی خواہش ممنوع ہے چاہے لوگ از خود کھڑے ہوں یا نہ ہوں اب اگر لوگ کسی آدمی کے لئے کھڑے نہ ہوں لیکن اس کی خواہش ہو کہ لوگ کھڑے ہوں تو یہ شخص اس وعید کے تحت آئے گا۔ بہرحال وعید صرف خواہش قیام پر وارد ہوئی ہے جس کی غرض لوگوں میں اپنے مرتبے کو دیکھنا ہے جو کہ تفخر اور تکبر ہے۔

(۳)..... "خرج رسول اللہ ﷺ متکئا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضا بعضا" (ابوداؤد کتاب الادب ج ۲) "حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم ان کے لئے کھڑے ہوگئے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم (اس طرح) مت کھڑے ہو جس طرح کہ عجمی لوگ بعض کچھ (دوسروں) کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۴)..... حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ تاکہ ہم حضور ﷺ کے پاس اس منافق کے بارے میں استغاثہ دائر کریں۔ "فقال رسول اللہ ﷺ لایقام لی انما یقام للہ تبارک وتعالی" یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کسی اور کے لئے نہیں کھڑا ہونا چاہئے صرف اللہ کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

(رواہ احمد وفیہ راولم یسم وابن لھیعۃ وثقہ احمد وغیرہ وضعفہ یحیی بن سعید وغیرہ وھو حسن لحدیث علی ما فی شذرات الذھب لابن عماد وتقد ترجمہ فی نوعیۃ الجمع ...)

بلاشبہ یہ دونوں حدیثیں کھڑا ہونے کو واضح طور پر منع کرتی ہیں لیکن حدیث نمبر ۳ سے قیام کو ناجائز سمجھنے والے صرف وہ قیام مراد لیتے ہیں جو عجمیوں کا دستور تھا مثلاً ترکوں وغیرہ اقوام عجم کی یہ عادت تاریخ سے معلوم ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "والثالث ان یکون المقتدیٰ جالس والناس قائمین فھذا طریق الاعاجم" یعنی تیسرا یہ ہے کہ مقتدیٰ آدمی بیٹھا ہوا اور لوگ اس کے سامنے یا اردگرد کھڑے ہوں یہی دستور عجمیوں کا ہے (عرف الشذی علی سنن الترمذی، کتاب ادب، باب)

اسی طرح طبرانی اوسط میں انسؓ کی روایت سے ایک ضعیف حدیث بھی نقل کی ہے۔" انما ھلک من کان قبلکم بانھم عظموا ملوکھم بان قاموا وھم قعود" "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس طرح تباہ ہوگئیں کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرتے تھے اس طرح کہ وہ کھڑے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحسن بن قتیبۃ وھو متروک)

اسی طرح مسلم کی ایک صحیح حدیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیماری میں بوجہ عذر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہؓ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز میں مشغول تھے تو جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "کدتم انفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم وھم قعود" "کہ تم عنقریب فارس اور روم کے لوگوں کا فعل کرو گے۔ کھڑے ہوتے ہیں (اردگرد) اپنے بادشاہوں کے اور وہ (بادشاہ) بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ (مسلم کتاب الصلوات: ۱/۱۷۷)

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع وہ قیام ہے جو عجمیوں کا دستور ہے کہ کوئی شریف تو بیٹھا رہے اور عام لوگ اس کے اردگرد تعظیم کے لئے کھڑے ہوں۔

قیام کے مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہؓ کا کھڑا ہونا عجمیوں کی طرح تو نہیں تھا بلکہ وہ محض آپ ﷺ کی عزت وتکریم کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور پھر بھی رسول اللہ نے باوجود ان کے اخلاص کے، انہیں گویا منع فرمایا۔

اس کے جواب میں قیام کو جائز کہنے والے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صحابہؓ کو عجمیوں کی طرح کھڑے ہونے کی خبر دے رہے تھے اور (صرف) اسی طریقہ سے منع فرما رہے تھے (یعنی ان کی نقل سے منع کر رہے تھے) (پس ادب وعزت سے کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ صرف خلوص ومحبت ہے)

باقی رہ گئی حدیث نمبر ۴ اس کے بارے میں قیام کو جائز سمجھنے والے جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے پھر بھی یہ عجمیوں کے قیام پر محمول ہے کیونکہ قیام کی وہ صورتیں جو قسم نمبر ا کے ذیل میں بیان ہو چکی ہیں بالاتفاق جائز ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قیام ممانعت صرف اسی قیام کی ہے جو عجمیوں کی رسم ہے جس کی طرف متعدد احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور وہ قیام بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔ اب جو علماء حضرات قیام کے جواز کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں

(۵) ... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو اور نشست وبرخاست میں اتنی زیادہ مشابہت رکھتا ہو جتنا کہ حضرت فاطمہؓ رکھتی تھے۔ "اذا دخلت علیہ قام الیھا ،فاخذ بیدھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ وکان اذا دخل عیھا قامت الیہ فاخذت بیدہ واجلسہ فی مجلسھا" "یعنی جس وقت حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی، آپ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہو جاتے، اس کا ہاتھ پکڑتے اور بوسہ لیتے، اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر اسے بٹھا دیتے۔ اور جب آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تو وہ آپ کی طرف کھڑے ہو جاتی، آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک پکڑتی اس کو بوسہ لیتی اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی۔ (ابوداؤد کتاب الادب ج ۱۲)

قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ قیام دونوں جانب سے قیام محبت اور قیام استقبال ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن قیام کو جائز سمجھنے والے اس جواب کو رد کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا قیام تو قیام محبت ہو سکتا ہے لیکن حضرت فاطمہؓ کا قیام تو تعظیم وتکریم ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر حضرت فاطمہؓ کا قیام بھی قیام محبت واستقبال مان لیا جائے تو یہ بعید از قیاس بات نہیں۔ اگر چہ اس مین تعظیم وتکریم کا قوی احتمال موجود ہے۔

قیام کے قائل حضرات زید بن حارثہؓ، عکرمہؓ بن ابی جہل، عدی بن حاتمؓ، اسامہ بن شریکؓ اور حضرت عمرؓ کی روایات وواقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۶) ....حضرت زید بن حارثہؓ جب مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر معانقہ کیا اور پیشانی پہ بوسہ دیا (رواہ الترمذی ۲:۴، ابواب الادب)

(۷) ....اور جب عکرمہؓ یمن سے واپس ہوکر مدینہ منورہ آئے تو آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوئے، گلے لگایا۔ (رواہ طبرانی مجمع الزوائد ۱۱/۴۵، وقال سندہ قوی)

(۸) ....عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کھڑے ہوتے یا حرکت فرماتے (مشکل الآثار ۲/۳۷)

(۹)....حضرت اسامہ بن شریکؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے لئے کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ (فتح الباری: ۱۱/۴۵، وقال سندہ قوی)

(۱۰)....حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے لئے اٹھے اور ان کے دستِ مبارک کو چوما۔ (فتح الباری: ۱۱/۴۵)

(۱۱)....حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ جب قبول ہوئی، اسی قصہ میں آیا ہے کہ طلحہ بن عبیدؓ اٹھ کر دوڑے اور حضرت کعبؓ کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں مبارک باد دی۔ (مشکل الآثار ۲/۳۷)

اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات اور روایتین احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا قیام سفر سے آنے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور عدی وعکرمہ رضی اللہ عنھم اپنے اپنے علاقہ کے رئیس تھے۔ (بلکہ حضرت عکرمہؓ تو سفر سے آئے تھے تو ان کے لئے یہ قیام فرمانا استقبال کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور عدیؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے اور حضرت عدیؓ سے مشہور الفاظ جو روایت ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ جب میں آپ ﷺ کے ہاں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ (حرکت کرکے میرے لئے جگہ کی) وسعت فرماتے) اور آپ ﷺ نے تالیف قلب کے لئے قیام فرمایا اور ان کی مدارات کی تاکہ وہ مسلمان ہوجائیں یا پھر اس لئے کہ آپ ﷺ نے آثار سے ان کو اس کا متوقع پایا، اس لئے کھڑے ہوئے، اسی طرح کے اور احتمالات بھی ہوسکتے ہیں۔

الغرض اسی طرح کی تمام احادیث اور روایات کو قیامِ استقبال، قیامِ محبت خوشی اور بشارت کے لئے کھڑا ہونا یا تعزیت کے لئے قیام قرار دے کر استدلال کرتے ہیں اور یہ احتمالات اتنے بعید بھی نہیں ہیں، اگرچہ بعض روایات میں اکرام کا پہلو زیادہ واضح ہے۔

(۱۲)....جیسا کہ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب باہر تشریف لاتے تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ "حتی یدخل بیتہ" جب تک آپ ﷺ گھر تشریف نہ لے جاتے۔ (رواہ البزار وھکذا وجدتہ فیما جمعۃ ولعلہ عن محمد بن بلال عن ابیہ عن ابی ھریرۃ وھو الظاھر فان ھلالا تابعی ثقۃ روی عن محمد بن ابی ھلال عن ابیہ عن جدہ وھو بعید ورجال البزار ثقات، مجمع الزوائد ۸/۴۰، وفی مشکل الآثار للامام جعفر الطحاویؒ عن محمد ابن ھلال عن ابیہ عن ابی ھریرۃ نحوہ) (مشکل الآثار ۲/۳۸)

قیام کے مخالفین اس کے کئی جوابات دیتے ہیں۔ یہ قیام بوجہ ضرورت تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام کے لئے جانا چاہتا تھا۔ یا چونکہ نبی

کریم ﷺ کے گھر کا دروازہ مسجد میں تھا اور مسجد فراخ نہ تھی اس لئے صحابہ کھڑے ہو جایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ بآسانی گھر تشریف لے جاسکیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو صحابہ خدمت کے لئے تیار ہوں۔ یعنی یہ قیام، قیامِ خدمت تھا۔

(۳) قیام کی جائز قرار دینے والے حضرات سعد بن معاذؓ کی صحیح حدیث جس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، اسی حدیث سے امام بخاریؒ، مسلم اور ابوداؤدؒ نے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب (یہود) بنو قریظہ اس وعدہ پر اترے کہ جو فیصلہ بھی حضرت سعدؓ کریں گے، وہ انہیں قابلِ قبول ہوگا (تو) رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کے قریب ہی تھے پس گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ "فلما دنا من المسجد قال رسول الله ﷺ للانصار قوموا الی سید کم" یعنی جس وقت حضرت سعدؓ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری کتاب الاستیذان، ومسلم کتاب الجہاد)

اس کے جواب میں قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیام تعظیمی کے لئے نہ تھا بلکہ سعد بن معاذؓ زخمی تھے اور ان کی مرہم پٹی کی گئی تھی، ان کو گدھے سے اتارنے کے لئے آپ ﷺ نے لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ قیام مدد اور معاونت کے لئے تھا۔ اگر یہ قیام تعظیمی ہوتا تو یوں فرماتے "قوموا لسیدکم" یعنی اپنے سردار کی خاطر کھڑے ہو جاؤ، بلکہ بعض روایت میں زیادہ وضاحت بھی آئی ہے کہ "قوموا الی سیدکم فانزلوہ" اپنے سرداری طرف اٹھو اور ان کو سواری سے اتارلو۔

مخالفین قیام کے اس استدلال کا جواب موافقین حضرات یوں دیتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ ان کے پاس جا کر ان کی تعظیم وتکریم کے لئے سواری سے اتارلو۔ اور اس بات پر قرینہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ اپنے سردار کی طرف اٹھو (کھڑے ہو) تو لفظ سے ان کی تکریم وتعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

فقہاء کرام کے اقوال

مذکورہ بالا روایات میں قیام کی ممانعت اور جواز یعنی دونوں جانب بحث وکلام کی گنجائش موجود ہے اور علماء کرام نے ان پر بہت طویل بحثیں کی ہیں۔ حضرت نوویؒ نے قیام کے جواز پر پوری کتاب لکھی ہے اور طبرانیؒ وغیرہ نے اس کے جواز میں روایات وواقعات نقل کر کے ان روایات کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے قیام کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور ان کی عمدہ تاویلیں بھی فرمائی ہیں۔

(۲) ...ابن الحاج وغیرہ نے اختلافی قیام کے ناپسندیدہ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پوری تفصیل سے مدلل بحث کی ہے اور انہوں نے حضرت امام نوویؒ کے پوری رسالہ کو اپنی کتاب مدخل میں نقل کر کے اس سے عمدہ جوابات دیئے ہیں۔ جن کو فتح الباری نے بہت جامع اور مختصر انداز سے نقل کیا ہے۔ جمہور علماء نے اہلِ فضل حضرات کے آنے پر ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کو جائز بلکہ مستحب فرمایا ہے۔

(۳) ...چنانچہ مجمع البحار میں ہے: "واحتج به الجماهير لاكرام الفضل بالقيام اذا اقبلوا"۔ (مجمع البحار: ۳/۱۸۲)
یعنی جمہور علمائے کرام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل فضل کے اکرام کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے جب وہ آئیں۔

(۴) ...اور درمختار میں ہے آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب ہے۔

(۵).....اور حضرت امام حجرؒ فرماتے ہیں: ''ورجع المنذری ماتقدم من الجمع عن قتيبة والبخاری ان القيام المنهی عنه ان يقام عليه وهو جالس'' (فتح الباری: ۳۹/۱۱)

یعنی منذریؒ نے حضرت قتیبہؒ اور بخاریؒ سے (منع اور جواز کی روایات وواقعات میں جو تطبیق کی گئی ہے جو پہلے ذکر ہوچکی (اس کو) پسند فرمایا ہے اور ترجیح دی ہے (یعنی کسی مسلمان بھی کسی کے اکرام کے لئے قیام جائز ہے) اور ممنوع وہ قیام ہے کہ (کسی شخص کے اردگرد یا سامنے) لوگ کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔

(۶) .....طحطاویؒ شرح درمختار میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علماء تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں مختلف ہوگئے ہیں۔ بعض نے منع کیا ہے بوجہ ابوداؤد کی حدیث کے جوانہوں نے ابوامامہ سے روایت کی ہے پھر اس کو پورا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ بعض نے اس کو (قیام کو) جائز کہا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے لئے قیام کرتے تھے اور بعضوں نے اس میں تفصیل کی ہے جیسے قاضی خان فرماتے ہیں: ''یعنی کوئی قوم یا فرد تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اس پر کوئی اہل فضل وشرف میں سے داخل ہوجائے تو (علماء) فرماتے ہیں کہ اگر وہ عالم ہو یا اس کا والد یا اس کا استاذ ہو تو اس (قرآن پڑھنے والے) کے لئے جائز ہے کہ ان کے لئے کھڑا ہوجائے اور اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے کھڑا ہونا درست نہیں۔ اور مجمع الفتاویٰ انطاکی میں ہے کہ جب اس سے زیادہ عالم یا اس کا ایسا استاذ جس نے اس کو قرآن مجید یا علم سکھایا ہو، یا اس کا باپ ماں آجائے تو ان کے لئے کھڑا ہونا جائز اور ان کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں، اگرچہ آنے والا اہل فضل وشرافت والا ہو۔ اور شرنبلالیؒ نے ابن وہبان سے نقل کیا ہے جس پر انہوں نے تصریح کی ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں یہ کھڑا ہونا مستحب ہونا چاہیئے۔' (الطحطاوی علی درالمختار ۴/ ۱۹۲)

(۷) ...اور ردالمختار میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی قنیہ میں ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا ایسے آدمی کے لئے کھڑا ہونا جو اس پر داخل ہو اور تلاوت قرآن کرنے والے کا ایسے آدمی کے لئے جو اس کے پاس آئے، تعظیما کھڑا ہونا مکروہ نہیں، جب کہ وہ تعظیم کا مستحق ہو اور حضرت امام طحطاویؒ کی کتاب مشکل الآثار میں ہے کہ غیر کے لئے کھڑا ہونا بذاتِ خود مکروہ نہیں بلکہ مکروہ قیام کی محبت وخواہش ہے ایسے شخص کے لئے جس کے لئے (لوگ) کھڑے ہوجایا کرتے ہیں اور اگر (کوئی) کھڑا ہوگیا ایسے آدمی کے لئے جس کے لئے (لوگ) کھڑے نہیں ہوا کرتے تو مکروہ نہیں۔

آگے جاکر فرماتے ہیں کہ: اور جو وعید (حدیث شریف میں) اس پر (قیام پر) آئی ہے تو وہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو اپنے سامنے لوگوں کے کھڑا ہونے کو پسند کرتا ہو، جیسا کہ ترک اور عجمی لوگ کرتے ہیں۔ (ردالمختار ۵/ ۲۴۶، مشکل الآثار ۲/ ۳۹)

(۸)..... ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بھی کچھ اختلاف ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے یا تلاوت کرنے والے شخص کے لئے کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا ناجائز۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ قاضی خان وغیرہ مسجد میں کھڑا ہونے کی اجازت دیتے ہیں لیکن کنز العباد وغیرہ میں تعظیم وتکریم

کے لئے مسجد میں کھڑا ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے: "لا تعظمونی فی بیت ربی" "یعنی میرے رب کے گھر میں میری تعظیم نہ کیا کریں۔"

اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابو مسعودؒ نقل فرماتے ہیں: کہ اس لئے ہمارے سلف اپنے شاگردوں کو وصیت فرماتے ہیں کہ ان کے لئے مسجد میں کھڑے نہ ہوں جس وقت وہ درس دیتے ہیں اور فرمایا کہ اس میں ہمارے زمانے کے متعارف قیام جو درس کے اختتام پر مسجد سے خارج ہوتا ہے (فتح المعین لعلامۃ المسعود: ۳/۴۰۲) جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ان تمام عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس قیام کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لئے تعظیما کھڑا ہوجائے یا نہ۔ اکثر اس کے جواز بلکہ استحباب کے قائل ہیں بشرطیکہ آنے والا شخص اہل فضیلت میں سے ہو اور تعظیم وتکریم کا مستحق ہو، بلکہ بعض علماء کے اقوال سے متنازع فیہ قیام بھی کچھ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

جیسے ملا علیؒ فرماتے ہیں: یعنی امام حجۃ الاسلام فرتے ہیں کہ کسی کے لئے بطور تعظیم کھڑا ہونا مکروہ ہے اور (صرف) اکرام کے لئے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ (المرقاۃ باب القیام ۴/۵۸۲)

اور فتح الباری میں اس بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قیام بطور تعظیم مکروہ ہے اور جو اکرام کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں اور یہ اچھی تفصیل ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۴۳)

اب اگر اس سے مراد یہی ہو جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عجمیوں کے دستور کے مطابق کھڑا ہونا تو ممنوع ہے اور علماء ومشائخ کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے (جیسا کہ علامہ علی قاریؒ اس تفصیل سے گویا یہی مطلب سمجھا ہے۔

جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ مذکورہ بالا قول کے تحت لکھتے ہیں: شاید امام حجۃ الاسلام کی مراد قیام اکرام سے قیام تحیۃ وسلام ہو جو کہ محبت کے بڑھانے کے لئے ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس پر مصافحہ دلالت کرتا ہے اور قیام اعظام سے مراد ان کا وہ قیام ہو جس میں وہ امراء اور بڑے لوگوں کی عادت کے مطابق بیٹھنا ہوا اور لوگ اس کے لئے سیدھے (تعظیم کے لئے) کھڑے ہوں۔ (المرقاۃ: ۴/۵۸۲)

"حیث قال اولا باب فی القیام الاحادیث التی تدل علی الجواز ثم ترجم بعد تسعة ابواب، باب الرجل لیقوم للرجل یعظمه بذالک" (کتاب الادب ابوداود)

پھر تو جمہور علماء کے قول اور اس میں کوئی فرق نہیں اور اگر اس قول سے مراد ان کا اسی قیام تعظیم وتکریم جو دینی شرف ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہو پھر تو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ اور اکرام کی خاطر جائز ہے۔ اسی طرح گویا تنازع فیہ قیام ہی میں تفصیل (یا فرق) کرنا مقصود ہوا اور امام ابن حجرؒ نے آخر میں ہذا تفصیل حسن فرما کر غالب یہی فرق مراد لیا ہے کیونکہ بظاہر الفاظ اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں۔

اور امام ابو داؤدؒ نے سنن ابی داود میں جواز اور منع پر جو مختلف ابواب جس انداز سے وضع کئے ہیں اور اسی طرح بعض دوسرے حضرات کے اقوال سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ قیام تعظیمی کو مکروہ فرماتے ہیں اگرچہ عجم کا دستور نہ بھی ہو۔ لیکن مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے

قیام کو جائز فرماتے ہیں، بہر حال اگر اس تفصیل (فرق) کو تعظیمی قیام ہی میں مان لیا جائے تو شاید پھر اس کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہ رہے گا۔ کیونکہ مجلس سے فراغت کے بعد صحابہ ؓ کا قیام اور انتظار فرمانا حتی کہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لے جاتے اس روایت کو ضرورت پر اور حضرت فاطمہؓ کے قیام کو محبت اور انصار کے قیام کو حضرت معاذؓ کی مدد پر محمول کیا جائے (اگر چہ ان روایات میں قیام تعظیم کی کافی گنجائش ہے، تب بھی ان کو اکرام سے خالی ماننے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ان سارے واقعات میں اکرام واحترام کا تصور بھی موجود ہے۔ پھر محبت واکرام کے حکم میں بھی کوئی خاص فرق نہیں جیسے محبت اپنے محل وموقع میں جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔اسی طرح کسی مسلمان بھائی کا اکرام اور مہمان کا اکرام چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، بھی ضروری ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

البتہ کسی غیر کی توقیر و تعظیم اگر چہ فی نفسہ جائز ہے لیکن پھر بھی اکرام اور تعظیم کے حکم میں فرق صاف طور پر واضح ہے ہمیں بعض لوگوں کا اکرام کرنے کا تو حکم ہے لیکن تعظیم کی ممانعت ہے جیسے کافر مہمان وغیرہ کا اکرام جائز اور اس کی تعظیم ممنوع ہے۔

اور علامہ ابن عابدینؒ کسی آنے والے کے لئے ذبح کرنے کے حکم میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" فان قصد التعظیم لاتحل . . وان قصد الاکرام تحل" "یعنی اگر ذبح کرنے میں نیت اور قصد تعظیم کی ہے تو یہ مذبوحہ حلال نہیں اور اگر قصد اکرام کی ہے تو حلال ہے۔(ردالمحتار:۵/۱۹۶)

قیامِ اکرام اور قیامِ تعظیم میں فرق

اب سوال یہ ہے کہ قیام تعظیم اور قیام اکرام میں فرق کیسے کیا جائے۔اس فرق کو علماء کے اقوال سے کچھ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی شخص آئے اور آپ کے لئے کھڑے ہوجائیں، آگے بڑھ کر مصافحہ وسلام کریں اور اپنی جگہ پر بٹھائیں یا پھر کسی کو رخصت کرتے وقت اس کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ۔ یہ سب کچھ اکرام واحترام میں داخل ہے۔اس کے برعکس اگر کوئی غیر آپ کی طرف نہ آرہا ہو، کسی دوسری طرف جارہا ہو یا ویسے ہی راستے سے گذر رہا ہو، اس کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوجانا۔ یہ برتاؤ اکرام سے باہر اور تعظیم میں داخل ہے۔اسی طرح اور بھی قرائن ہوسکتے ہیں، جن کے ذریعے قیام اکرام اور قیام تعظیم میں تمیز کی جاسکتی ہے۔اسی فرق کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ کے قول سے بھی اشارہ مل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: قیام کے تین مراتب ہیں (پہلا یہ) کسی کے سر پر (یعنی ارد گرد سامنے جب کہ وہ بیٹھا ہوا ہو) یہ تو جابر اور متکبر لوگوں کا فعل ہے (جو بالاتفاق ناجائز ہے) (دوسرا یہ کہ) کسی کے لئے کھڑے ہوجانا جب وہ آئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور (تیسرا یہ کہ) اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہوجائے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔(فتح الباری ۱۱/۴۰)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: قیام کی تین قسمیں ہیں۔اول یہ کہ مقتدیٰ اور پیشوا آدمی کسی ضرورت سے کسی دوسری طرف جارہا ہو اور قیام کرنے والے شخص کی طرف نہیں آتا تو اس شخص کا قیام (اس مقتدیٰ) کے لئے منع ہے۔ دوسری قسم یہ کہ مقتدیٰ (امام) آدمی اس کھڑے ہونے والے شخص کے پاس آرہا ہو تو اس آدمی کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔(لیکن) میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قیام بھی ناپسندیدہ ہے جب کہ اس میں مبالغہ کیا جائے۔تیسری قسم یہ ہے کہ مقتدیٰ بیٹھا ہوا ہو اور وہ لوگ (اس کے سامنے یا ارد گرد) کھڑے ہوں۔یہی اعاجم کا دستور ہے۔(عرف الشذی علی حاشیۃ الترمذی باب الادب)

ان عبارات مین غور کرنے سے اکرام کے قیام اور تعظیم کے قیام میں فرق واضح ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی آمد پر اس کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں۔غور کا مقام ہے کہ علامہ ابن قیمؒ متنازع فیہ قیام میں، قیام سے منع کرنے والے حضرات کے ساتھ ہیں۔لیکن پھر بھی اوپر بیان کردہ دوسری قسم کے قیام کو مکروہ اور ناجائز نہیں فرماتے۔جس انداز ہ ہوجاتا ہے کہ وہ قیام جس میں اختلاف ہے۔صرف وہی قیام تعظیم وتکریم ہے جو علماء کرام اور مشائخ عظام کی عظمت وتعظیم کی وجہ سے کیا جائے۔واللہ اعلم۔

☆ ... تنبیہ: بہرحال یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قسم کے اختلاف کو چاہے کتنا ہی شدید طور پر متنازع فیہ کیوں نہ ہوں، کفر وشرک کے برابر اختلاف بنا لینا یا کفر وشرک جیسا اختلاف ماننا اور عوام کو اس غلط نظریہ کا باور کرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

چاہے کوئی قیام کو جائز سمجھتا ہو یا اس کا مخالف ہو، دونوں کے لئے ایک دوسرے پر بے جا الزامات لگانا کوئی دینی خدمت نہیں۔اسی طرح قیام وتعظیم وتکریم کو جائز سمجھ کر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ رکوع اور سجدہ تعظیم بھی جائز ہیں یہ بھی بڑا ظلم ہے۔کیونکہ رکوع اور سجدہ تحیۃ کی حرمت صراحۃً ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''اینحنی بعضنا بعضا'' (کیا ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کے لئے جھکے؟ تو فرمایا کہ نہیں) اور جب آپ ﷺ کی ذات مبارک ہی کے لئے سجدہ کرنے کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ قیام کی بعض قسمیں تو باجماع امت جائز اور ثابت ہیں۔لیکن سجدہ اور رکوع کی کوئی قسم بغرض تحیہ دین اسلام میں جائز نہیں اور نہ صراحۃً ثابت ہے۔

(از حضرت مولانا مفتی محمد مختار الدین صاحب کربوغہ شریف، خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی. بحوالہ ہاتھ پاؤں چومنے اور قیام تعظیمی کی شرعی حیثیت: ۸۸ تا ۱۰۹)

☆☆
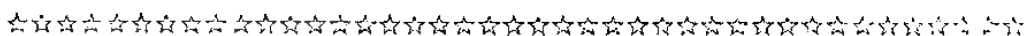
اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک سنت، وبدعت کی حقیقت

یہاں ان لوگوں کے اعتراضات دفع کرتا ہو جو یہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کرام بدعت، اور شرک کرتے ہیں، ولی اور نبی علیہ السلام کو نور ذاتی، عالم الغیب، حاضر و ناضر، مختار کل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ باتیں بالکل غلط اور تصوف سے جہالت کی علامت ہے۔ لہذا یہاں سنت اور بدعت کے درمیان فرق اور ان کے تفصیلات درج کیئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ صوفیاء کرام بدعتی نہیں ہیں بلکہ اہل السنّت والجماعت ہیں، اور یہ کہ اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ فاعلموا۔

(۱) ... نبی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹی تھی، امت محمدیہ علی صاحبھا الف الف تحیۃ تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا باقی اپنے غلط عقائد ونظریات کی بناء پر دوزخ میں جائیں گے، فرقہ ناجیہ کو حدیث میں " ما انا علیه و اصحابی" سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا معنیٰ "اہل السنۃ والجماعۃ" ہے فرقہ ناجیہ یا اہل السنّت والجماعت کون ہیں، ان کی چند علامتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ وہ ہیں جو قرآن کریم، سنت نبوی علیہ السلام اور صحابہؓ کے طریق پر بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ جو تنازع اور اختلاف کے وقت کلام اللہ اور کلام الرسول علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان پر کسی کے قول کو مقدم نہیں کرتے، جو تمام اسلامی عقائد کو ان کی صحیح اور اصلی شکل میں قبول کرتے ہیں اور کسی عقیدے کے بارے میں غلو یا افراط وتفریط کا شکار نہیں ہوتے۔ جو کسی بھی طور پر غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے، غیر اللہ سے حاجتیں اور مرادیں نہیں مانگتے، غیر اللہ کو دعاء اور استعانت کیلئے نہیں پکارتے، غیر اللہ کی نذر و نیاز نہیں مانتے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح نہیں کرتے، جو اپنی تمام عبادات، معاملات، سلوک اور زندگی کے طور طریقوں میں سنت کو اختیار کرتے ہیں اور ہر قسم کی بدعات وخرافات سے بچتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کے علاوہ امت میں سے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے اور نہ ہی امت میں کسی کے ہر قول کو بلا احتمال خطاء صواب قرار دیتے ہیں، جو تمام صحابہ کرامؓ، اھل بیت عظامؓ اولیاءؒ اور آئمہ مجتہدینؒ کا احترام کرتے ہیں اور غیر مجتہد کے لئے تقلید کو ضروری قرار دیتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور اس میں طرقِ مبتدعہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ (دیکھیے النساء ۳۶، صحیح مسلم ۲: ۱۲۷، جامع ترمذی ۲: ۸۹، غنیۃ الطالبین ۱۹۵، شرح فقہ اکبر ۱۲۰، طحطاوی علی الدر مختار ۴: ۵۳ [illegible])

(۲) ...... سنت کے مقابل طریقے کا نام بدعت ہے، لغت میں بدعت کا معنیٰ ہے: "دین میں کوئی نئی بات، نئی رسم یا نیا دستور نکالنا" شریعت میں بدعت کہتے ہیں "اِحداث فی الدین" کو، یعنی ہر وہ نیا کام جس کو دین کا حصہ سمجھ لیا جائے اور اس کی اصل کتاب وسنت میں یا قرون مشہود لہا بالخیر میں (یعنی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے تین زمانے جن کے خیر اور بھلائی کی گواہی نبی کریم علیہ السلام نے دی ہے) موجود نہ ہو، اس کو محدثات بھی کہا جاتا ہے۔ " والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق فى الشرع فى مقابل السنة فتكون مزموما" (فتح الباری ۴: ۲۱۹) (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں الاعتصام ۱۹، شرح المقاصد ۲: ۲۷۱، نبراس ۲۱)

(۳) ...... اگر کوئی نیا کام دین کی تقویت وحفاظت دین کی تائید یا انتظام کے طور پر کیا جائے اور اسے داخل دین نہ سمجھا جائے

تو یہ "احداث للدین" ہے "احداث فی الدین" نہیں۔اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا، جیسے حفاظت دین کے لئے مدارس ومکاتب کا قیام یہ کوئی دین نہیں بلکہ دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے،لہذا یہ بدعت نہیں۔

"فلم یتعلق بھا امر تعبدی یقال فی مثله بدعة، الا علی فرض ان یکون من السنة ان لا یقرا العلم الا بالمساجد وهذالا یوجد بل العلم کان فی الزمان اول یبث بکل مکان من مسجد او منزل ، اوسفر او حضر او غیر ذلک حتیفی الاسواق ، فاذا اعدا حد من الناس مدرسة یعنی باعداد ها الطلبة فلا یزید ذلک علی اعداده له منزلا من منازله ، او حائطا من حوائطه او غیر ذلک فاین مدخل البدعة هاهنا؟"(الاعتصام: ۱/۱۶۲)

(۴)...... بدعت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:ایک منشاء ماثور کے بغیر دین میں کسی نئی چیز کا اختراع کرنا اور دوسرے اس چیز کو جزءِ دین سمجھنا،جس چیز میں یہ دونوں باتیں ہوں گی وہ بدعت کہلائے گی۔اگر کسی چیز میں ایک بات ہو دوسری نہ ہو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔(فتح الباری ۴/۲۱۹)ملاحظہ فرمائیں الاعتصام ۱/۱۶۲،۱۹/۱،شرح المقاصد ۲/۲۷۱،نبراس:۲۱)

(۵)..... بدعتِ لغویہ کی دو قسمیں ہیں سیئہ اور حسنہ: بدعت لغویہ میں وہ کام بھی شامل کیے جاسکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جاری ہوئے ، بدعتِ شرعیہ، سیئہ ہی ہے، حسنہ نہیں ، یہ وہ بدعت ہے جو قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد جاری ہوئی ہو اور اسکا کوئی منشاء "صراحة، ضمنا، دلالة ، یااشارة" خیرالقرون میں نہ ملتا ہو۔

☆ امالبدعة علی قسمین بدعة لغوية وبدعة شرعية فالاول هو المحدث مطلقا عادة كانت او عبادةوهی التی یقسمونها الی الاقسام الخمسة والثانی وهو مازید علی ماشرع من حیث الطاعة بعد القراض الازمنة الثلاثة بغیر اذن من الشارع لاقولا ولا فعلا ولا صریحاولا اشارة وهی المراد بالبدعة المحکوم علیها بالضلالة.

(اللجنة: ۱۶۱ بحواله راه سنت: ۹۹)

☆ ....البدعة بدعتان بدعة خالفت کتابا اوسنة اواجماعا اواثرا عن بعض اصحاب رسول الله ﷺ فهذه بدعة ضلالةوبدعة لم تخالف شینا من ذلک فهذا قدتکون حسنة لقول عمرؓ نعمت البدعة هذه.

(موافقة صریح المعقول لابن تیمیه علی منهاج السنته ۲/۱۲۸ بحواله راه سنت: ۱۰۰)

(۶)......کفر اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بدعت ہے۔

☆ ...عن علیؓ قال: قال رسول الله ﷺ من احدث فیهاحدث او اوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین (صحیح بخاری: ۱/۲۸۱)

☆ ... عن جابر بن عبداللهؓ قال: قال رسول الله ﷺ وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة.فالصراط المستقیم هو سبیل الله الذی دعاالیه وهوالسنه. والسبل هی سبل اهل لاختلاف العائدین عن الصراط المستقیم وهم اهل البدع. ولیس المراد سبل المعاصی .لان المعاصی من حیث هی معاص لم یضعهااحد طریق

تسلک دائما علی مضاهاۃ التشریع، وانما ھذا الوصف بالبدع المحدثات۔(صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۵)(۶)(الاعتصام: ۱ / ۳۵)

بدعت کی حکم کے اعتبار سے اقسام

بدعت کی حکم کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں (۱)... ایک بدعت فی العقیدہ (۲)..... دوسری بدعت فی العمل۔

بدعت فی العقیدہ کبھی مخرِج ملت ہوتی ہے اور کبھی مخرِج ملت نہیں ہوتی، یعنی اس بدعت کا مرتکب بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مخرج ملت ہونے کی صورت میں اس کو بدعتِ مکفِّر کہا جاتا ہے، اور بدعت فی العمل مخرج ملت نہیں ہوتی البتہ موجب فسق وضلالت ضرور ہے، اس کو بدعتِ مُفسِّقہ کہا جاتا ہے۔

(۸)..... زمانہ کی نئی نئی ایجادات اور رہن سہن کے نئے نئے طور طریقے بدعت نہیں ہیں، اس لیئے کہ ان پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ "البدعة طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشرعية يقصد بالسلوک عليها مايقصد بالطريقة الشرعية "ولابد من بيان الفاظ هذالحد فالطريقة والطريق والسبيل والسنن هي بمعنى واحد وهو مارسم للسلوک عليه وانما قيدت بالدين لانها فيه تخترع واليه يضيفها صاحبها وايضا فلو كانت طريقة مخترعة في الدنيا على الخصوصي لم تسم بدعة كاحداث الصنائع والبلدان التي لاعهدبها فيما تقدم" (الاعتصام: ۱/ ۹۱)

(۹)..... بدعت کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں، مثلاً: احکام شریعت سے جہالت یا انہیں پس پشت ڈالنا، اتباع خواہشات، تعصب دینی اور تشبہ بالکفار وغیرہ۔

"هذه الاسباب الثلثة راجعة في التحصيل الى وجه واحد: وهو الجهل بمقاصد الشريعة، والتخرص على معانيها بالظن من غير تثبت اوالاخذ فيها بالنظر الاول، ولا يكون ذلک من راسخ في العلم الاترى ان الخوارج كيف خرجوا عن الدين كما يخرج السهم من الصيد المرمى".(الاعتصام: ۲/ ۱۵۶، ۱۵۷)

(۱۰)..... خلافت راشدہ کا زمانہ سنت کا زمانہ ہے اس کے بعد دوسرے صدی ھجری تک کا زمانہ بھی سنت ہی کا زمانہ ہے، دوسری صدی ھجری میں بدعات کا آغاز ہوا، اس وقت موجود صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل علم نے بدعات کی بھرپور تردید فرمائی، سب سے پہلی بدعت، انکار تقدیر کی بدعت ہے، پھر ارجاء، رفض، خروج اور اعتزال وغیرہ بدعات نے جنم لیا۔

"الثالثة: اول بدعة ظهرت بدعة القدر وبدعة الارجاء وبدعة التشيع والخوارج، وهذه البدع ظهرت في القرن الثاني والصحابة موجودون وقدانكر واعلى اهلها كماسياتي بيان ذلک ثم ظهرت بدعة الاعتزال ولم يزل المسلمون على النهج الاول ولزوم ظاهر السنة وما كان عليه الصحابةؓ الى ان حدثت الفتن بين المسلمين والبغي على ائمة الدين وظهر اختلاف الآراء والميل الى البدع والاهواء وكثرت المسائل والوقعيات الرجوع الى العلماء في المهمات. فاشتغلوا بالنظر والاستدلال واستنباط النتائج وتمهيد القواعد وانتاج القضايا

والفوائد واخذوا فی التبویب والتفصیل، والترتیب والتاصیل". (شرح عقیدہ سفارینیہ : ۱/۷۱).

(۱۱) . کوفہ، بصرہ، شام اور خراسان سے بالترتیب تشیع، ارجاء، قدر واعتزال اور جہمیہ وغیرہ نے جنم لیا، مدینہ منورہ مرکز علم نبوت ہونے کی بناء پر بدعت سے محفوظ رہا، تاہم مقام حروراء خارجیوں کا گڑھ رہا ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: الارشاد الی صحیح الاعتقاد: ۲۹۶، ۲۹۷ بحوالہ العقیدۃ الحنفیہ : ۲۹)

(۱۲) ... عصر حاضر میں بھی بہت ساری بدعات وخرافات، رائج ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، مثلاً: عرس کرنا، قبروں پر چراغ جلانا، چادریں اور غلاف ڈالنا، پختہ قبریں بنانا، قبروں پر گنبد بنانا، میت کا قل، تیجہ، چالیسواں اور برسی وغیرہ کرنا، اذان کے اول یا آخر میں زائد کلمات مثلاً صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا اضافہ کرنا، نماز کے بعد بآواز بلند مخصوص ھیئت کے ساتھ مخصوص ذکر کرنا، گیارھویں کا قائل ہونا، نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا، تعزیہ بنانا، محرم میں پانی کی سبیل لگانا، (مروجہ) عید میلاد النبی منعقد کرنا، میلاد کے جلوس نکالنا، کونڈے پکانا، اذان میں انگوٹھے چومنا، کسی خاص عمل یا خاص ذکر کو اپنی طرف سے اس نیت کے ساتھ کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا کہ ایسا کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا، حیلہ اسقاط کرنا، خاص ایام یا خاص راتوں میں مخصوص طریق پر نوافل پڑھنا، مخصوص طریقے پر اور مخصوص آیات کے ذریعے ایصال ثواب کرنا، ایصال ثواب کے لئے کسی مخصوص دن یا وقت کا تعین کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ (صحیح بخاری ۱/۲۳۰، صحیح مسلم ۱/۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۲/۱۰۵_۱/۷۷، کتاب الآثار امام محمد: ۹۶_۹۷، فتاوی بزازیہ ۱/۲۸۲، ۴/۸۱، ۱/۸۱، مدارج النبوۃ ۱/۴۲۱، صحیح ... ۱/۳۶۶، ۱/۷۷_۲/۴۳۱، مرقاۃ ۲/۴۷، فتاوی عزیزی: ۹۳۳، بحرالرائق: ۲/۱۸۳، ۱۵۹، من لایحضرہ الفقیہ ۱/۴۸، مجمع بحار: ۳/۵۵۰، مدخل ابن الحاج ۱/۱۰۵، فتاوی شرح ... ۱۴، تیسیر المقال للسیوطی: ۱۲۳ بحوالہ ... والاعتصام ۱/۳۴، مشکل الآثار: ۳/۱۴۱، فتاوی قاضی خان ۱/۹۶، ... ۲/۲۴۷)

(۱۳) ... بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، بدعتی قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ کے حوض کوثر کے پانی سے محروم رہے گا بدعتی کی تعظیم وتوقیر جائز نہیں، اس لئے کہ بدعتی کی تعظیم کرنا دین اسلام کی عمارت گرانے کے مترادف ہے۔

☆ ... وعن عمر بن الخطابؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لعائشۃ یاعائشۃ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا، ھم اصحاب البدع، واصحاب الاھواء لیس لھم توبۃ انامنھن بریء وھم منی براء. (مجمع الزوائد: ۱/۱۵۶)

☆ . وعن انس بن مالکؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ، حتی یدع بدعتہ رواہ الطبرانی واسنادہ حسن. (الترغیب والترھیب. ۱/ ۵۸)

☆ ... عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اتدرون ما الکوثر فقلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ نھر وعدنیہ ربی عزوجل علیہ خیر کثیر وھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ انیۃ عدد النجوم فیختلج العبد منھم فاقول رب انہ من امتی فیقال ماتدری مااحدثوا بعدک. (صحیح مسلم : ۱/ ۱۷۲)

☆ . عن ابراھیم بن میسرۃؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ من وقر صاحب بدعۃ فقداعان ھدم الاسلام .

(مشکوۃ المصابیح ۱/ ۳۱) مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیں : الاعتصام للشاطبی ۱۰۹)

بدعت مکفرہ کے مرتکب کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی اور بدعت مفسقہ کے مرتکب کے پیچھے گو نماز ہو جاتی ہے مگر قریب میں صحیح العقیدہ امام

ہونے کی صورت میں اسی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے۔

(ردالمحتار:۱/۵۶۰)(ماخذ مضمون بدعت عقائد اھل السنۃ والجماعۃ لحضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت برکاتہم العالیہ:ص۲۵۱ تا ۲۵۶)

بدعات کے بارے میں چند ضروری وضاحتیں

(۱)...اگر کسی موقع پر حضور اکرم ﷺ سے عمل کی دو صورتیں منقول ہوں تو وہ دونوں دین ہی کہلائیں گی اصل اکثری و آخری عمل کو سنت کہیں گے اور دوسری صورت کو جائز کہیں گے بدعت نہ کہیں گے مثلاً آمین کو نماز میں سراً کہنا یا جہراً اصل سنت سراً کہنا کہیں گے ہے اور دوسری جو جائز یعنی جہراً کہنا شرعاً جائز ہے بدعت نہیں۔

(۲)...اگر دونوں عمل ہونے میں برابر ہوں یعنی دو طریقے عمل کے رائج ہوں تو دونوں ہی سنت کہلائیں گی یعنی ایک موقع پر دو الگ الگ کام سنت ہو سکتے ہیں لیکن اس میں وجہ ترجیح بھی ہو سکتی ہے۔

(۳) دین میں بعض باتیں مقاصد میں سے ہیں اور بعض باتیں ذرائع و وسائل میں سے ہیں جو باتیں وسائل و ذرائع سے کسی دلیل کی بنیاد پر ہوں وہ بدعت نہیں بنتیں جب تک ان کو دین کا حصہ قرار نہ دے مثلاً جہاد مقصد ہے اسلحہ ذرائع میں سے ہے اگر کوئی یہ کہے کہ تلوار و سلحہ سے ہی جہاد ہو سکتا ہے اور یہی دین ہے تو تلوار و اسلحہ بدعت بن جائے گا ذرائع و وسائل کو اگر کوئی شرعی اصول متاثر نہ ہو تو ان کو بدلا جا سکتا کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۴)...کسی چیز کا نیا ہونا عربی زبان میں بدعت (لغوی) کہلاتا ہے۔شریعت میں بدعت نہیں کہلاتا مثلاً گاڑیاں جہاز وغیرہ بدعت نہیں ہیں ہاں البتہ اگر نئی چیز کو شریعت کا حصہ سمجھیں گے تو وہ بدعت قرار پائیگا۔کسی چیز کا نیا ہونا عربی زبان میں بدعت (لغوی ہے) لیکن ہر نئی چیز کو شریعت میں بدعت نہیں کہتے بلکہ بدعت شرعی اس کو کہتے جو نئی بھی ہو اور کوئی اس کو دین کا حصہ بھی سمجھے۔

(۵)...بزرگوں کے کشف والہام و کرامات دین میں حجت نہیں بنتے کیونکہ جو چیزیں شریعت میں حجت بنتی ہیں وہ چار ہیں: (الف)... قرآن کریم (ب)...حدیث (ج)......اجماع امت (د)......قیاس و اجتہاد شرعی۔

ان چاروں کے علاوہ کسی اور چیز کو حجت و دلیل بنانا خود بدعت ہے چہ جائیکہ اس کی وجہ سے بدعت کو دین بنانے کیلئے استعمال کیا جائے لہذا کشف و کرامات سے ثابت شدہ چیز کو دین نہیں کہیں گے ہاں یہ دونوں مؤید ہو سکتے ہیں۔ہاں انبیاء کے کشف والہام حجت ہوتے ہیں۔

(۶)...خیر القرون کا دور مطلق حجت نہیں بلکہ خیر القرون میں کئے گئے وہ اعمال جو امت کے ذمہ دار افراد نے کئے ہیں وہ حجت ہیں، وہ بھی جمہور نے کئے ہوں بعض کے اقوال وافعال حجت نہیں کہ جن سے جمہور کا مزاج متاثر ہو۔

(۷)...ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں کیونکہ وہ تو اصولی درجے میں خود شریعت میں مذکور ہیں اجتہاد سے تو غیر منصوصہ، منصوصہ اصولوں سے ثابت کیا جاتا ہے یہ تو مخفی احکام کا اظہار ہے نا کہ ایجاد۔

(۸)...اگر تابعین اور تبع تابعین اجتہاد نہ بھی کریں پھر بھی انکے اقوال وافعال خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے حجت ہیں اور ان کے اقوال وافعال کو احادیث (مقطوع) ہی کہا جاتا ہے جو بدعت کے حکم سے خارج ہیں اکثر مجتہدین خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۹) ....لفظ بدعت کو بعض اسلاف نے بعض جگہوں پر بدعت حسنہ فرمایا ہے تو وہ لغوی اعتبار سے فرمایا ہے ورنہ شریعت کے اصولوں میں وہ بدعت بنتی ہی نہیں ہے۔

(۱۰) . بعض لوگ سنی ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور بدعت کے دلدادہ بھی ہیں اور کمزور دلیلوں کے سہارے ہندوستانی تہذیب کو رنگ و روغن کرنے کی کوشش میں مصروف دکھائی دیتے ہیں تو ان کی خدمت اقدس میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ سنی ہونے کے مدعی ہیں برائے کرم اپنے دعویٰ کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کیا کریں اور سنت اس جاری طریقہ کو کہتے ہیں جس کی بنیاد خیر القرون کو بنایا جائے لیکن وہ ایسا اس وجہ سے نہیں کرتے کہ اس سے تو مفادات کے محلات میں زلزلہ آسکتا ہے۔

(۱۱) ...بعض غلط سلط روایات سے بدعات کا جواز ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ان کو علامہ شامیؒ کا وہ اصول ذہن میں رکھنا چاہئے جو انہوں نے اس بارہ میں فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:

(الف) بہت زیادہ کمزور روایات کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ جس کا راوی یا تو جھوٹا ہو یا جھوٹ سے متہم ہو۔

(ب)... کمزور روایت سے ثابت شدہ جزیہ وہ معتبر ہے جو کسی اصول کے تحت ہی آتا ہو اور کسی اصول شرعی سے متصادم نہ ہو۔

(ج)... ایسی روایت سے ثابت شدہ بات کو جائز ہی کہا جائے نا کہ سنت۔(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ)

بدعت کی معرفت کے چند اہم اصول

تمام اصولوں کی جڑ تو یہی ہے کہ جو کام خیر القرون میں نہ ہوا ہو اور اسکے کرنے کا سبب موجود تھا اب اس کو کرنا بدعت کہلاتا ہے۔لیکن آسانی کیلئے بدعت کو پہچاننے کے چند اصول لکھے جاتے ہیں۔

(۱). شریعت نے کسی عمل کیلئے ایک جگہ مقرر کردی تھی اب اس عمل کو اپنی خواہش سے کسی اور جگہ شروع کر دینا بدعت کہلاتا ہے مثلاً:

☆ .....مثال نمبر۱: نماز میں درود شریف کا پڑھنا آخری قعدہ میں مقرر ہے اپنی رائے سے پہلے قعدہ میں بھی مقرر کر لینا بدعت ہوگا اور شرعی خرابیاں اس سے الگ ہیں۔

☆.....مثال نمبر۲: الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کو روضہ اقدس پر حاضری کے وقت کیلئے شریعت نے مقرر کیا ہے اس کو اذان یا اور مواقع پر پڑھنا بدعت کہلائے گا۔

☆... مثال نمبر۳: سالم بن عبید صحابیؓ رسول کی مجلس میں چھینکنے والے نے الحمدللہ کہنے کی جگہ السلام علیکم کہا (جو اچھے کلمات ہی ہیں) لیکن انہوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ایک شخص نے ایسے ہی کیا تھا اور آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا(مشکوۃ المصابیح) کیوں وہاں الحمدللہ کہنا دین ہے۔السلام علیکم کہنا بدعت ہے۔

☆.....مثال نمبر۴: اذان کی جگہ مقرر ہے لیکن شیطان کو بھگانے کیلئے قبر پر اذان پڑھنا بدعت ہی کہلائے گا کیونکہ شریعت کا حکم نہیں ورنہ عیدین، جنازہ، اشراق، چاشت، اوابین، کسوف، خسوف، استسقاء کیلئے بھی اذان پڑھنے کی امت کو اجازت ہوتی لیکن کسی کو شریعت

میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲)......شریعت نے کسی عمل کو مطلق رکھا ہواب کوئی اس کو مقید کردے یعنی کسی عمل کو کرنے کیلئے امت کو آزاد کردیا ہو کوئی خود ہی اس کی جگہ یا وقت مقرر کردے تو یہ تقیید بھی بدعت کہلائے گی مثلاً: زیارت قبور کیلئے وقت مقرر کرنا، دعا کیلئے یا قرآن پڑھنے کیلئے یا صدقہ خیرات کرنے کیلئے تیسرا دن ساتواں دسواں دن گیارہویں یا چالیسواں دن یا سالانہ دن مقرر کرنا بدعت ہی کہلائے گا کیونکہ یہ شریعت میں مداخلت ہے دعا تو ہر وقت کی جاسکتی ہے۔

(۳)......شریعت نے کسی کام کی کوئی حالت مقرر کردی ہے اس کو اسی کیفیت وحالت پر کرنا ہی لازم ہے اور اس مقرر شدہ کیفیت وحالت کو تبدیل کرنا بدعت کہلائے گا۔ مثلاً: (الف)......جہری نماز میں جہر سے پڑھنا مقرر ہے لیکن ان کو سری بنادینا اور جن نمازوں میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان کو جہری بنادینا بدعت کہلائے گا (ب)......نماز کے بعد" الله اكبر استغفر الله استغفر الله استغفر الله" کی جگہ زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت کہلائے گا اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننا دین ہے اپنی مرضیاں چلانا دین نہیں بلکہ بے دینی ہے۔

(۴)......جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر کرنے کا حکم دیا ہواب اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت کہلائے گا۔

مثلاً: (الف)......نوافل کو اجتماعی طور پر جماعت سے پڑھنا یا (ب)......انفرادی طور پر بڑھی گئی نماز کی دعا اجتماعی کرنا (ج)......(نماز جنازہ کے فوراً بعد) جنازہ کی دعا کو اجتماعی اور ہاتھ اٹھا کر کرنا بدعت ہی کہلاتا ہے۔

(۵)......وہ مباح یا مستحب کام جن کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ ان کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کیا جانے لگے تو یہ مباح ومستحب کام بھی بدعت بن جائے گا اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ (عقائد اھل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۸۹ تا ۹۳)

اسباب ایجاد بدعت

(۱)......جہالت: وجہ اس کی یہ ہے کہ بدعت میں ظاہری اور نمائشی خوبصورتی ہوتی ہے اور انسان اس کی ظاہری خوبصورتی کو اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اس کا نفس اس کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ دیکھو یہ کتنی اچھی چیز ہے اور ایسی عمدہ چیز شریعت میں کیسے منع ہوسکتی ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کی حقیقی برائیوں پر نظر نہیں جاتی اور نہ ہی شریعت کا اصل حکم جہالت کی وجہ سے اس کو معلوم ہوتا ہے۔

(۲)......شیطان: وہ اس طرح کہ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اگر یہ انسان گناہ کریگا تو جب خدا خوفی کو غلبہ ہوگا تو توبہ کر کے اپنے جرموں کو توبہ کے ذریعہ دھوڈالے گا لہذا ایسی ترکیب کی جائے کہ اس کو دین کے رنگ میں گمراہ کیا جائے کہ نہ یہ اس گناہ کو گناہ سمجھے اور نہ ہی توبہ کی طرف اس کی نظر جائے یہی وجہ ہے کہ بدعتی بدعت کے جرم کے ارتکاب کے باوجود یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ جی کیا ہوا اللہ کا نام ہی تو لیا ہے حالانکہ وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ دین اللہ کے حکموں اور حضور کریم ﷺ کے طریقوں کا نام ہے۔ تاکہ اپنی مرضی سے اللہ اللہ کرنے اور اپنی اپنی خواہش پر چلنے کا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس تین آدمی (حضرت علیؓ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ کما قال صاحب مظاہر حق) آئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی (گھر کی) عبادت کے متعلق پوچھا (امہات المومنین کی طرف سے) ان کو خبر دی گئی۔ (اب ان تینوں نے سن کر) اس کو کم جانا (اور آپس میں) کہنے

لگے ہماری نبی کریم علیہ السلام سے کیا نسبت (وہ نبی ہیں) اللہ نے آپ علیہ السلام کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں (ہمارے تو نہیں بخشے) ایک کہنے لگا ہمیشہ ساری رات (نفلی) نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ (مسلسل) دن کے (نفلی) روزے رکھا کروں گا اور افطار (یعنی ناغہ) نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتیں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا (اگرچہ جائز ہے) حضور علیہ السلام (ان کی گفتگو کے کے وقت ہی) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں (آپس میں) کہی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیدہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں ناغہ بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں اور (رات کو) سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یاد رکھو) جس نے میرے طریقے سے منہ موڑا وہ میرا نہیں ہے۔ (مشکوۃ ا/۲۷، خذ: بال ۹۳،۹۴)

ملاحظہ فرمائیں کیا ان تین بزرگوں نے عبادات میں نیک کام کی کثرت کا ہی عزم کیا تھا اور عبادات بھی وہ ہیں جن کا مختلف وقتوں وحالات میں شریعت نے حکم کام کی کثرت کا ہی لیکن حضور کریم علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ کوئی کام کتنا ہی عمدہ اور اچھا ہو۔ لیکن میرے طریقے سے ہٹ جائے وہ معتبر تو کیا ہوتا وہ کرنے والا میرا اُمتی ہی نہیں ہے۔

(۳) ..حسب جاہ وشہرت: کہ لوگ نئی نئی ایجادات کو شب وروز دیکھتے ہیں اور دین کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا شروع کردیتے ہیں کیونکہ ہر نئے کام سے شہرت اور واہ واہ زیادہ ہوتی ہے اور ہر نیا کام لذیذ بھی ہوتا ہے اس لیے دین میں موسمی رنگ بھرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(۴) .....اندھی تقلید: غیر اقوام کی اندھی تقلید بھی بدعت کے ایجاد کا ایک اہم سبب ہے وہ اس طرح پر کہ نئی ایجادات نے تمام ممالک کو ایک شہر کی طرح بنا دیا ہے تو مسلمان بھی دوسروں کی رسوم کو ان کی ظاہری خوبصورتی سے متاثر ہو کر کرنے لگے پھر ثواب کے حصول کے کیلئے ان رسوم کو مسلمان کرنے لگے تاکہ آزادی سے اپنی خواہشات کی تکمیل کی جاسکے۔ پھر ایسے لوگوں کی مدد مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جیسے لوگوں نے بناوٹی دلائل سے کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیروں کی رسوم دین محمدی کے نام سے مشہور ہونے لگیں (ایضا:۹۴/۹۵)

بدعت کے نقصانات

(۱) دین مکمل ہو چکا ہے حجتہ الوداع پر حضور اکرم علیہ السلام نے دین کی تکمیل کا اعلان بھی فرمادیا ہے پھر بدعت ایجاد کرنا گویا کہ اس بات کا دعوی کرنا ہے کہ یہ دین ناقص ہے، اور جو اعلان نبی کریم علیہ السلام نے کیا وہ غیر صحیح ہے۔ یہ گمراہی ہے۔

(۲) بدعت گھڑنے والا یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ کام جو میں کررہا ہوں کس قدر اچھا ہے لیکن اس کا اچھا ہونا اللہ تعالی اور نبی آخرالزمان علیہ السلام وصحابہ وتابعین ومحدثین وفقہاء کرام کسی کی سمجھ میں نہیں آیا گویا کہ وہ بدعتی اپنے فہم کے کامل ہونے کا اور ان مذکورہ ہستیوں کے فہم کے ناقص ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ گمراہی ہے۔

(۳) گناہ کو اگر سمجھ کر ہی کیا جائے تو بھی شرعاً جرم ہی بنتا ہے لیکن اگر گناہ کو ثواب سمجھ کر کیا جائے تو وہ کفر بنتا ہے تو اسی اصول سے سمجھ لیں کہ بدعتی بدعت کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے جس سے اس جرم کی شدت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

(۴) بدعتی کو ساری زندگی توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ توبہ تو وہ کرے جو اس کو گمراہی جانے لیکن جو اس کو گمراہی تصور ہی نہیں کرتا

وہ توبہ بھی اس سے نہیں کرتا معلوم ہوا بدعتی کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

(۵) بدعت کی نحوست قوموں کو برکات وروشنی سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیتی ہے جیسا کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم بدعت کو ایجاد کرتی ہے (یعنی بدعت کی دلدادہ ہوجاتی ہے) تو اسی کی مثل سنت اس قوم سے اٹھالی جاتی ہے اس لئے سنت پر عمل کرنا بدعت سے (کہیں زیادہ) بہتر ہے۔ (مشکوۃ شریف: ۳۱، ماخذ، با:۹۲) پھر دوسری حدیث بھی مشکوۃ شریف ہی میں ہے کہ ایسی قوم قیامت تک سنت سے محروم ہوجاتی استغفر اللہ کس قدر نحوست ظاہر ہوئی بدعت کی۔

(۶) . . بدعت کی نحوست سے دل مردہ ہوجاتا ہے جس سے نیک عمل کی قوت بھی بتدریج ختم ہوتی ہے مثلا: ختم گیارہویں چالیسواں پر اچھی خاصی رقم خرچ ہوکر حج زکوۃ قربانی وغیرہ عبادات چھوٹ جاتی ہیں۔ عام طور بدعتی عبادات مالیہ سے غافل ہوتے ہیں۔

(۷)... بدعتی حضور کریمؐ والتسلیمات کے مبارک طریقوں سے منہ موڑ کر عملا سنت نبوی سے بغاوت کرتا ہے۔

(۸) پہلے اَدیان (یعنی دین) امتیوں کی دخل اندازیوں کی وجہ سے اپنی افادیت کھوبیٹھے تھے شریعت محمدیہ کی حفاظت کا ذمہ اگرچہ خدائے قدوس نے خود لیا ہے۔ لیکن اللہ ایسے لوگ ناکامی کا منہ ہمیشہ دیکھتے رہیں گے۔

☆... فائدہ: انہی غلط حرکتوں کی وجہ سے حضور کریم ﷺ نے بدعتی کے احترام سے منع فرمایا: "قال النبی ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام" (ترجمہ) جو شخص بدعتی کی تعظیم کرے اس نے اسلام کو گرانے میں بدعتی کی مدد کی۔

اس حدیث کی رو سے بدعتی نفرت کیے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس نے سنت کی قدر نہیں کی ہے البتہ اللہ تعالی ہم سب کو بدعت واہل بدعت سے محفوظ فرمادے۔ اور اہل ہواء کو ہدایت دیدے۔ (مشکوۃ شریف [illegible])

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک شرک کی حقیقت

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام شرک کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل اور غلط ہے، لہذا یہاں شرک کی حقیقت اور صورتیں بیان کیجائی جاگی، اوراس کے ضمن میں صوفیاء کرامؒ کا عقیدہ بھی واضح ہوجائے گا کہ ان کا یہ عقیدہ ہے اور ان کی طرف شرک کی نسبت کرنا لاعلمی اور جہالت ہے۔ فاعلموا۔

☆...... شرک کا معنیٰ: ''شِــرک'' ''شِـرْکَۃٌ'' اور ''اِشْـرَاکٌ'' سے اسم ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ شرکۃ اور مشارکۃ کے معنیٰ دو ملکوں کے مل جانے کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کسی ایسی شے کا پایا جانا جو دو یا دو سے زائد کے لیے ہو خواہ وہ شئے ''ذات'' ہو یا ''وصف''۔ (لغات القرآن ج ۳ص ۲۶۴)

تو شرک کے معنی ہیں: حصے داری، ساجھا۔ اشراک (شرک کرنا) کے معنی ہیں کسی کو کسی کا ساجھی اور حصے دار بنانا۔ شریک کے معنی ہیں! ساجھی، حصے دار۔ مشرک کے معنی ہیں! شریک بنانے والا، شرک کرنے والا۔

☆...... شرک کی تاریخ: شرک کی ابتداء، کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی ابتداء سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے عہد نبوت میں ہوئی۔ اس دھرتی پر سب سے پہلے قومِ نوح علیہ السلام بتوں کی نجاست سے ملوث وآلودہ ہوئی۔ اللہ تعالی نے ان کی اصلاح اور شرک وبت پرستی کی تردید کے لیے اپنے الوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ قوم نوح علیہ السلام پانچ بڑے بتوں کی پرستش کرتی تھی ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر۔

☆...... دنیا میں بت گری وبت پرستی کا آغاز: آیئے ذرا دیکھیں کہ قوم نوح علیہ السلام میں ان اوثان واصنام کی پرستش کا آغاز کیونکر ہوا۔ بلکہ دنیا میں بت گری کیسے شروع ہوئی؟ اس کا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر۔ یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک آدمیوں (اولیاء اللہ) کے نام تھے۔ جب یہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو پٹی پڑھائی کہ جہاں یہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے تم وہاں ان کے بت بنا کر نصب کردو، اوران کے نام انہی بزرگوں کے نام پر رکھ دو چنانچہ انہوں نے ایسا کیا جب تک وہ لوگ زندہ رہے ان بتوں کی عبادت نہ کی گئی مگر جب وہ لوگ مرگئے اور حقیقت حال کا علم کسی کو نہ رہا تو ان کی عبادت شروع ہوگئی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ نوح)

حضرت شیث علیہ السلام: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور آپ کا لقب شیث تھا جو شرفِ نبوت سے مشرف ہوئے۔

☆...... بیت اللہ میں بت پرستی کا آغاز:

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لحی ہے۔ (عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ عمرو بن لحی کی نسل سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رأیت عمرو بن لحی یجر قُصبَہ فی النار''۔ میں نے دیکھا عمرو بن لحی جہنم میں اپنی آنتوں کو گسیٹ رہا ہے۔

عمرو بن لحی کسی کام سے مکہ سے شام گیا، وہاں عمالیق کو دیکھا کہ، وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا تم بتوں کو کیوں پوجتے ہو۔؟ انہوں نے کہا، ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں ہم ان سے (خشک سالی میں) بارش کا سوال کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور (جنگ میں) فتح کی دعا مانگتے ہیں تو ہمیں فتح دیتے ہیں۔ عمرو نے ان سے کہا! تم مجھے بھی ایک بت دے دو میں اسے عرب لے جاؤں گا تاکہ وہ لوگ بھی اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ وہ اسے مکہ لے آیا اور نصب کر دیا اور لوگوں کی پوجا اور تعظیم کا حکم دیا۔ (سیرت ابن ھشام جلد ا ص ۷۸ ٗ ۷۹)

چونکہ یہ حرم کا متولی تھا، اس لیے مکہ اور پھر عرب میں بت پرستی پھیل گئی۔ پہلے حرم کی تولیت کا تاج قبیلہ جرہم کے سردار حارث کے سر پر تھا۔ عمرو نے لڑ کر حارث اور اس کے قبیلہ کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی بن گیا۔ اور اس ظالم ولعین نے تولیت کعبہ کے شرف عظیم سے ناجائز فائدہ لے کر بانی کعبہ ابراہیم واسمعیل علیہما السلام کے دین حنیف کو اول دفعہ بدل کر بت پرستی کی بناڈالی لعنہ اللہ۔

☆.....عرب میں بت پرستی کا شیوع:

کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے اللہ والوں کا دل اللہ کے گھر کی محبت وعقیدت کے مقدس اور پاک جذبہ سے معمور اور بھرپور ہے۔ بیت اللہ کی عقیدت کے اسی مقدس جذبہ سے عرب میں بت پرستی کا آغاز وشیوع ہوا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ، بنی اسماعیل (عرب) میں عبادت الحجارہ (بت پرستی) کا آغاز یوں ہوا کہ جب مکہ کی سرزمین (کثرت آبادی کی وجہ سے یا وسائل معاش کی کمی کے باعث) ان پر تنگ ہوگئی اور وہ فراخی ووسعت کی تلاش میں دوسرے شہروں کی طرف نکلے تو جو بھی (مستقلاً یا طلب معاش کے لیے) مکہ سے روانہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ حرم کعبہ کے پتھروں میں سے ایک پتھر حرم ہی کی تعظیم کے پیش نظر لے جاتا تھا۔ جہاں جا کر ٹھہرتا وہاں اس پتھر کو رکھ دیتا اور طوافِ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جس پتھر کو وہ اچھا سمجھتے اور پسند کرتے اس کی عبادت کرنے لگے۔ (تفسیر ابن ھشام ج اص ۷۹، ۸۰)

☆.....خلاصہ: شیطان مردود وملعون کے اغوا واضلال سے دنیا میں بت گری وبت پرستی کا آغاز ہوا۔ ابلیس لعین نے رجال صالحین کے محبین ومتبعین کے دل میں وسوسہ ڈالا، ریشہ دوانی کی، اولیاء اللہ کی یادگار کے طور پر ان کے اصنام وانصاب، مجسمے اور بت بنوائے اور اس طرح دنیا میں بت پرستی کی بنیاد قائم کی۔ پھر عرب میں بت پرستی کا شیوع ہوا، تو بیت اللہ کی عقیدت اور حرم مکہ کی تعظیم کے جذبہ سے ہوا۔ غرض شرک کی اصل واساس معرفت ومحبتِ ربانی کے جذبہ پر قائم ہے۔ جس نے بھی جب کبھی کسی کو معبود بنایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کسی تعلق ہی کی بنا پر بنایا۔ خواہ مزعومہ نسبی تعلق کی بناء پر، خواہ عبدی وقربی تعلق کی بناء پر آج بھی لوگ اولیاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کو معبود بناتے ہیں تو اس شرک کی بنیاد بھی ان اولیاء ومشائخ، ان صلحاء اُمت کا اللہ تعالیٰ سے قرب وتعلق ہے۔ اللہ رب العزت ہدایت عطا فرمائے۔

☆.....حالانکہ معبودان باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے:

(۱).....﴿ قُل ادعو الّذین زَعَمتُم مِنْ دُونہ فَلا یَملِکُونَ کَشفَ الضّر عَنْکُمْ ولا تَحوِیْل ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کش) سمجھتے ہو (ذرّہ) ان کو پکارو (تو سہی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔

(۲) ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ﴾ (سبا:۲۲) ترجمہ: آپ کہئے جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھ رہے ہوں ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

(۳) ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ﴾۔ (العنکبوت:۴۱) ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا، اور بلاشبہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے۔

(۴) ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ﴾۔ (فاطر، ع۲) ترجمہ: اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی کی گھٹلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ماسوی اللہ تو کھجور کی گھٹلی پر جو باریک سا پردہ یا چھلکی سی ہوتی ہے، اس کے بھی مالک نہیں۔

(۴) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ (الحج:۷۳)

مشرک پر جنت حرام ہے:

شریک ایسی بڑی لعنت ہے، اتنا بڑا ظلم ہے کہ مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا، یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (مائدہ:۷۲) بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا بالتحقیق اس پر اللہ نے بہشت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

مشرک کے اعمال صالحہ اکارت ہو جائیں گے

مشرک کے اعمال صالحہ غارت و برباد جائیں گے، قیامت میں اس کی نیکیوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اللہ رب العزت نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ حضرت انبیاء ورُسل علیہم السلام کے نام ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الانعام:۸۷)۔ ترجمہ: اور ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو پسند کیا، اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی، یہ ہے اللہ کی ہدایت، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے۔

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (انعام:۸۸)۔ اور اگر یہ شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے سب اکارت ہو جاتے۔

☆......شرک جو بھی کریں چاہے نبی ہو یا ولی ہو یا بزرگ ہو وغیرہ ان کے اعمال اکارت ہیں:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (زمر ۶۵)

بلاشبہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے (انبیاء علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل برباد ہوجائیں گے اور تو خسارہ میں رہے گا۔

شرک کی اقسام

امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں، دین میں شرک دو قسم پر ہے، شرکِ عظیم، یعنی اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور یہ سب سے بڑا کفر ہے، دوم شرکِ صغیر کہ کسی کام میں اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔ شرکِ عظیم کی دو قسمیں ہیں: (۱)...شرک اعتقادی (۲) ...شرک عملی، یا فعلی۔

شرک اعتقادی کے اقسام

پھر شرک اعتقادی دو قسم پر ہے:

(۱)......شرک فی العلم: یعنی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو عالم لغیب یا حاضر وناظر جاننا،

(۲)......شرک فی التصرف: اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مافوق الاسباب یعنی نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا۔

شرک فعلی کے اقسام

☆...شرک فعلی پانچ اقسام پر مشتمل ہے: (۱) شرک فی الذات (۲)......شرک فی الصفات (۳) ...... شرک فی العبادت (۴)......شرک فی الاطاعت (۵)...... اور شرک فی العادت۔

☆......حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شرک کی درج ذیل چار قسمیں کی ہیں:

(۱)......شرک فی العلم: ہر جگہ حاضر وناظر رہنا، اور ہر چیز کی خبر ہر وقت رکھنی، دُور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اُجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہہ میں، یہ اللہ تعالی ہی کی شان ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں۔

(۲)......شرک فی التصرف: عالَم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کردینا، فتح وشکست دینی، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ تعالی کی شان ہے، اور کسی نبی، ولی کی، پیر، شہید کی، بھوت اور پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے، اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہے۔ اور اس کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا، سو یہ محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ

اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

(۳)......شرک فی العبادت: بعض تعظیم کے کام اللہ نے اپنے لئے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں، جیسے سجدہ اور رکوع اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتوں اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا، اور اس کی طرف سجدہ کرنا، اور اس کی طرف جانور لے جانا، اور وہاں منتیں ماننا، اس پر غلاف ڈالنا، اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنا اور التجا کرنی اور دین ودنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر (حجر اسود) کو بوسہ دینا اور اس کی دیوار سے اپنا منہ ملنا، اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی، اور اس کے گرد روشنی کرنی، اور اس کا مجاور بن کر اس کی خدمت میں مشغول رہنا، جیسے جھاڑو دینی، روشنی کرنی، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لیے سامان درست کرنا اور اس کے کنوئیں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، غائبوں کے لیے جانا، رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنا، اس کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔

(۴)...... شرک فی العادت: اللہ نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں، جیسے ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا اور جب اولاد ہو تو اس کے شکر میں اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کا نام عبداللہ، عبدالرحمن، خدابخش (وغیرہ) رکھنا، کھیت اور باغ میں تھوڑا بہت اس کے نام کا رکھنا، ریوڑ میں سے کچھ اس کی نیاز کر رکھنا.....اور کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا اور بُرائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے، جیسے قحط اور ارزانی، صحت وبیماری، فتح وشکست، اقبال وادبار، غمی اور خوشی یہ سب اس کے اختیار میں سمجھنا اور اپنا ارادہ جس کام کا بیان کرنا ہو تو پہلے اس کے ارادہ کا ذکر کر دینا، مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کر دیں گے، اور جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی کے نام کی قسم کھانی، اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بنائی ہیں۔ پھر جو کوئی کسی انبیاء واولیاء، اماموں اور شہیدوں کی یا بھوت اور پری کی اس قسم کی تعظیم کرے، وہ شرک بن جاتا ہے (تقویۃ الایمان پہلا جلد)

(۵)......شرک فی الاطاعت: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ، ایک قوم تھی، اس کے بعض بعضوں کی عبادت کرتے تھے یعنی اہل کتاب۔ "کانوا یعبدون احبارھم ورھبانھم"۔ وہ اپنے احباب اور رہبان کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ"۔ ترجمہ: انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو خدا کے سوا رب بنا رکھا ہے۔ اور مسند امام احمدؒ اور ترمذی میں ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! یا رسول اللہ! یہود ونصاریٰ احبار ورہبان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلٰی انھم احلوا لھم الحرام وحرموا علیھم الحلال فاتبعوھم فذلک عبادتھم ایاھم"۔ ہاں! احبار ورہبان نے ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا اور انہوں نے ان کی متابعت کر لی، یہی ان کی احبار ورہبان کی عبادت تھی۔ یہ نقل کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ "فالجھلۃ من الاحبار والرھبان ومشائخ الضلال یدخلون فی ھذا الذم والتوبیخ"۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۷۷)

پس جاہل دینی پیشوا گوشہ نشین بزرگ اور گمراہ مشائخ (سبھی) اس مذہب اور اس زجر وتوبیخ میں داخل ہیں۔ ترمذی کے الفاظ یہ

ہیں۔ارشادفرمایا: وہ لوگ احبار و رہبان کی (معروف طریقے سے تو) عبادت نہیں کرتے تھے،''ولـکـنـهـم کـانـوا اذا احلوا لهم شیئاً استحلوه واذا حرموا علیهم شیئاً حرموه''۔(رواہ الترمذی، ترجمان السنۃ ج۲ حدیث ۸۲۰)

لیکن جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے وہ اس کو حلال سمجھ لیتے اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے وہ اس کو حرام سمجھ لیتے۔(یہی گویا ان کی عبادت تھی) تو یہود و نصاریٰ اور اہل عرب نے اپنے احبار و رہبان اور عمرو بن لحی کی اطاعت بایں طور کی کہ اللہ تعالی کے حلال کردہ کو ان کے حرام کہہ دینے سے حرام کر دیا اور اللہ تعالی کے حرام کردہ کو ان کے حلال کہہ دینے سے حلال کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کی عبادت قرار دیا۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا ''ذلک عبادتهم'' یہ شرک فی الاطاعت ہے۔

☆.....شرک فی الاطاعت کی حقیقت: یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کسی کی مستقل اطاعت کی جائے۔یعنی اگر کسی کا حکم، حکم الٰہی کے خلاف بھی ہو تو بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔قرآن میں اسے صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ارشادفرمایا:﴿ وان اطعتموهم انکم لمشرکون ﴾ اگر تم نے ان (اولیاء الشیطان) کی اطاعت کی تو بیشک تم مشرک ہوئے۔

☆......اطاعتِ مستقلہ کی حقیقت: یہ ہے کہ ملک و بادشاہی اللہ رب العزت کی ہے،''له الملک و له الحمد'' تو حکم وحکومت بھی خاص اللہ تعالی کا حق ہے ''ان الحکم إلا لله''۔سوائے اللہ کے حکم کسی کا بھی نہیں۔جب حکم کسی کا نہیں تو کسی کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ اطاعت مستقلہ ہے، جو صرف اللہ احکم الحاکمین کا حق ہے۔

☆.....اطاعت غیر مستقلہ: ہاں! ایک اطاعت غیر مستقلہ ہے۔یہ درحقیقت اللہ رب العزت کی اطاعت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے حکم سے ہوتی ہے جیسے رسول، اولی الامر، علماء دین وائمہ مجتہدین وغیرہم کی اطاعت، قرآن کریم میں ''اطیعوا الله'' کے ساتھ ''اطیعوا الرسول'' کا حکم تو اکثر و بیشتر آیا ہے، اور ایک جگہ واولی الامر منکم (نساء:ع۸) بھی فرمایا گیا ہے۔تو اس قسم کی اطاعت، درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اللہ تعالی کے حکم سے ہے، صاف فرمایا گیا ہے۔﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فقد أطَاعَ الله ﴾۔جس نے رسول کا حکم مانا (درحقیقت) اس نے اللہ تعالی ہی کا حکم مانا۔

☆.....تو جو اطاعت غیر اللہ کی ہو مگر ہو حکم الٰہی کے تحت! وہ نہ تو اطاعت مستقلہ ہے اور نہ ہی شرک یا حرام ہے۔وہ تو اُلٹا مطلوب ومحمود ہے۔ہاں وہ اطاعت جو حکم الٰہی کے خلاف ہو، وہ اطاعت مستقلہ ہے، جو حرام وممنوع ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرات فقہاءِ اُمت اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید واطاعت کو ناجائز و ناروا بلکہ شرک کہنے والوں کی کم فہمی واضح ہو جاتی ہے۔چونکہ حضرات فقہاء مجتہدین کی فقہ واجتہاد کتاب وسنت کے تابع ہوتا ہے، خدا اور رسولِ خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ عین اطاعتِ خدا اور رسولِ خدا ہے۔ہاں اگر بالفرض ان حضرات میں سے کسی کا کوئی حکم خدا اور رسولِ خدا کے حکم کے خلاف ہو تو پھر لازمی طور پر اس کی اطاعت جائز نہیں، وہ رد کر دیا جائے گا۔چنانچہ امام الائمہ، امام اعظم رحمہ اللہ کا واضح ارشاد ہے کہ اگر میرا کوئی حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر مارو۔''قال اترکوا قولی بخبر الرسول صلی الله علیه وسلم

وقول الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم ونقل عنه انه قال اذاصح الحديث فهو مذهبی"۔(تفسیر مظہری ج ۲)

حقیقت یہ کہ امراء وحکامِ اسلام ائمہ دین وغیرہم کی اطاعت اس وقت تک جائز وواجب ہے جب تک ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی معصیت سرزد نہ ہو۔ اگر ان کا کوئی حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو تو پھر اس کی اطاعت حرام ہے۔ احادیث پاک میں صراحت وتاکید موجود ہے۔

(۱) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے "السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"۔[متفق علیہ]

حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض ہے خواہ وہ حکم پسند آئے یا ناپسند ہو۔ جب تک اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ جب اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو مسلمان پر اس کی سمع واطاعت جائز نہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ عبدالملک کو جو بیعت نامہ لکھ کر بھیجا اس میں حمد وثنا کے بعد لکھا" واقر لك بالسمع والطاعة على سنة الله وسنت رسوله فيما استطعت به"۔ [مؤطا، کتاب جا، فی البیعت]

میں تیری بات سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں (بشرطیکہ) اللہ تعالیٰ کے حکم اور سنتِ رسول کے موافق ہو۔ (وہ بھی) اپنی طاقت کے مطابق۔

(۳) بروایت نواس بن سمعان، ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة لمخلوقٍ فی معصية الخالق"۔[رواہ فی شرح السنۃ]

خدا کے احکام خلاف ورزی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت (کا کوئی حق) نہیں۔

(۴) بروایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة فی معصيةٍ إنما الطّاعة فی المعروف"۔(متفق علیہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں (کسی کی) اطاعت (روا) نہیں۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوتی ہے۔

(۵) بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "لا طاعة لمن عصى الله" جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

(۱) شرک بالاصنام: قال تعالیٰ: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى (19) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى (20) أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَى﴾ (النجم ۱۹ ـ ۲۰، ۲۱) "بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں کچھ غور کیا؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں؟"۔

تو مشرکینِ مکہ لات ومنات اور عزیٰ کو "خدا کی بیٹیاں" ہونے کی بناء پر خدا کے ہاں مقرب ومقبول اور ان کی شفاعت کو عنداللہ منظور سمجھتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں کفار قریش کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے ان کے سامنے پڑھا ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى﴾۔ جب آپ ﷺ ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى (19) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى﴾ پر پہنچے تو مشرکین کہنے لگے کہ: "وقالوا اقد عرفنا ان الله يحيى ويميت ويخلق ولكن الهتنا هذه تشفع لنا عنده"۔ [طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۵]

کہنے لگے یقین کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے، لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

ان بتوں کے نام ہی اسماءِ الٰہی سے مشتق ہیں

ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر المسمی ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' المعروف بہ ''تفسیر ابن جریر'' میں لکھتے ہیں۔ ''اللات'' اللہ سے مشتق ہے۔ اللہ کے ساتھ ''تا'' ملا دی گئی تو لفظ اللہ کی مؤنث "اللات" بن گیا، جیسے ''عمرو'' کی مؤنث ''عمرۃ'' اور ''عباس'' کی ''عباسۃ'' اسی طرح مشرکین نے اپنے بتوں کے نام اسماء الٰہی پر رکھے تھے، چنانچہ لفظ ''اللہ'' سے ''اللات'' اور ''العزیز'' سے "العزیٰ" اور ان کا زعم (باطل) یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم التنزیل، خازن)

(۲)...... شرک بالملائکہ: اسی طرح بعض مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

(۱)...... ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ﴾ (النحل۔۵۷) اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (حالانکہ) وہ پاک ہے اور اپنے لیے جو چاہتے ہیں (یعنی بیٹے)۔

(۲)...... ﴿أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا﴾ (بنی اسرائیل ۴۰)

کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود (اپنے لیے) فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے۔

(۳)...... شرک بالجنات: مشرکین اللہ تعالیٰ سے جنوں کا بھی نسبی رشتہ قائم کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ (الصفت ۱۵۸) اور انہوں نے خدا اور جنوں میں (بھی) رشتہ داری قائم کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ سے اسی نسبی تعلق کی بناء پر مشرکین مکہ جنوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ (الانعام ۱۰۰)

اور لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آدمی جنوں کی پناہ پکڑتے تھے۔ ﴿كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ (الجن ۶) غالباً عہد جاہلیت میں مشرکین جنوں کو غیب دان سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھتے تھے اور انہیں نفع نقصان پر قادر سمجھ کر ان سے ڈرتے تھے، ان سے پناہ مانگتے مدد طلب کرتے تھے اور ان کی رضا اور خوشی کے لیے نذر نیاز پیش کرتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ حالانکہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے اور مخلوق کی پرستش وعبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت تو صرف خالق کا حق ہے۔

قرآن نے آ کر مشرکین کے ان تصورات وعقائد کو مٹایا، مگر آہ، آج اہل اسلام نام نہاد مسلمان جنات سے ڈرتے ہیں۔ اپنی جہالت سے انہیں اپنے بیماروں خصوصاً بیمار عورتوں کے سر پر چڑھاتے ہیں۔ پیشہ ور بدمعاش وبدقماش قسم کے لوگوں کو بلا کر اپنی معصوم ومظلوم بہو بیٹیوں کو ان کے آگے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ان کو سر کے بالوں سے پکڑ کر ان کے جن نکالتے ہیں۔ ان جنات کو عالم الغیب سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھی جاتی ہیں۔ پھر ان کو نکلنے اور چھوڑنے پر راضی کرنے کے لیے نذریں نیازیں پیش کی جاتی ہیں۔ مرغے بکرے وغیرہ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ جہالت کی اس ساری مہم میں عورتوں کو بے عزت کیا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کھیل میں ان

بیچاریوں کی عصمتیں لوٹ لی جاتی ہیں۔

(۴)......شرک بالانبیاء: یہود ونصاری کی ضلالت کی بنیاد بھی یہی تھی اور وہ حضرت عزیر وحضرت عیسٰی علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے، اور اللہ تعالی کے ساتھ ان کے صلبی تعلق کی بنا پر انہیں پوجتے تھے۔ قولہ تعالی: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ [التوبہ:۳۰] اور (بعض) یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاری نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

(۵)......شرک بالعباد: عموماً اللہ کے خاص بندوں اور مقبول ومقرب بزرگوں کو رب اور حضرات انبیاء واولیاء اللہ کو خود الٰہ بنادیا گیا اور خلق کثیر اس ضلالت وگمراہی کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بنی۔ یہ فتنہ دوسرے تمام فتنوں سے بہت وسیع وہمہ گیر اور زیادہ مضر ومہلک ہے اور انسانیت کی پوری تاریخ اس فتنہ سے مجروح وداغدار ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اکثر اقوام عالم اس فتنہ میں مبتلا ہوئیں۔ کیا یہود ونصاری اور کیا ہندو سکھ اور مسلمان، جہاں یہ فتنہ وسعت وہمہ گیری کے اعتبار سے دوسرے سب فتنوں سے زیادہ اور اہم ہے وہاں اس لحاظ سے بہت زیادہ حیرت وعبرت اور حسرت وافسوس کا موجب ہے کہ اللہ کے جو محبوب ومنتخب بندے شرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور جنہوں نے ہر قیمت پر شرک کو مٹانے کی سعی مسلسل کی اور اپنی جان تک قربان کر کے دنیا کو توحید کا سبق دیا، آروں سے چر گئے، آگ کے شعلوں میں پھنک گئے، سولی پر چڑھ گئے، تلوار سے کٹ گئے، ان کے وجود پاک کی تکا بوٹی ہوگئی، ان کے لہو سے زمین لالہ زار بنی، مگر ان عظیم بندگان خدا نے اف تک نہ کی ہر حال میں ہر قیمت پر اپنا فرض ادا کیا اور خلق خدا کو شرک کی لعنت سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، واحسرتا کہ اللہ کے بندوں نے خود انہی عظیم بندگان خدا کو خدا بنادیا۔ خود ان حضرات انبیاء وصلحاء اور صدیقین وشہداہی کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنادیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کو اور ان کی مبارک مزاروں اور خانقاہوں کو معبد ومسجد بنالیا۔ ان کی قبروں کی چوما چاٹی ہونے لگی۔ مزاروں پر جبہ سائی ہونے لگی۔ سجدے تڑپنے لگے۔ چڑھاوے چڑھنے لگے۔ ان کی تصویریں چومی جانے لگیں۔ ان کی تمثالیں اور مورتیاں بکنے لگیں۔ حتی کہ ان کے نام پر بت اور صنم گھڑ ڈھال کر لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔ جن نفوس قدسیہ کی حیات طیبہ کا لحہ لحہ جن کے وجود اطہر کا رُواں رُواں اور جن کے لہو پاک کا قطرہ قطرہ نشر واشاعت توحید اور سدباب واستیصال شرک کے لیے وقف تھا، ان کی وفات کے بعد ان کی مزار پاک کا ذرہ ذرہ شرک وبدعت کا مرکز بن گیا اور ان کا ہر ہر اثر ونشان توحید باری تعالی کے لئے چیلنج کی شکل وصورت اختیار کر گیا۔

☆......اولیاء وصلحاء اولین: قدیم ترمفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ود، سواع، یغوث، اور نسر نیک اولیاء اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، بہت سے لوگ ان کے مقتدی وپیروکار تھے۔ جب یہ (اولیاء اللہ) وفات پاگئے تو ان کے مقتدیوں پیروؤں نے کہا! اگر ہم ان کی شکلیں بنالیں، جب ہم ان شکلوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ کرلیں گے تو عبادت الٰہی میں بہت ذوق وشوق پیدا ہو جایا کرے گا، چنانچہ انہوں نے ان کے مجسمے بناڈالے۔ جب یہ لوگ مرگئے اور نئی نسل آئی تو شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہارے اسلاف تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کے صدقے بارش سے سیراب ہوتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کردی۔ (تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، البدایہ والنھایہ)

غور فرمایئے! مجسمہ سازی وبت گری کی ابتداء عبادت الٰہی کے جذبہ سے ہوئی اور یاد خدا میں ذوق وشوق اور ولولہ وجوش پیدا کرنے کے لئے انہوں نے آدم علیہ السلام کے ان نیک بیٹوں کے مجسمے یعنی بت بنا ڈالے۔ مآل کار جن کی پوجا ہو کر رہی۔

☆...... بت مقصود نہ تھے بلکہ بت تو صرف اولیاء وصلحاء کی عبادت کا قبلہ وذریعہ تھے

مشہور ومتداول تفاسیر وغیرہ میں اکابر مفسرین وعلماء نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ بت پرست جو بتوں کی پرستش کرتے تھے اس سے مقصود بتوں کی پوجا نہیں تھی بلکہ مقصود اصلی ان حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء کرام ومقربین کرام ومقربین بارگاہ الٰہی کی عبادت ورضا طلبی تھی جن کی شکل وصورت پر انہوں نے وہ مورتیاں بنا رکھی تھیں۔

☆..... چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور مشرکین ان بتوں کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ستاروں یا ارواح سماویہ یا گزشتہ حضرات انبیاء وصلحاء کی مورتیاں ہیں اور ان کی عبادت سے ان کا اصل مقصود ان چیزوں کی عبادت ہے جن کی شکل وصورت پر انہوں نے وہ مورتیاں بنا رکھی ہیں۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ مورتیاں ستاروں کی شکلوں پر بنائی گئی ہیں یا یہ فرشتوں اور گزشتہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی مورتیاں ہیں۔ وہ ان مورتیاں مجسموں کی تعظیم اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کی تعظیم حقیقت میں ان ملائکہ اور حضرات انبیاء سابقین کی تعظیم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۶۱)

☆..... اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے رقمطراز ہیں کہ: "ان الشفعاء لیست الا صنام انفسہابل اشخاص مقربون ھی تماثیلھم"۔ شفعاء سے بعینہٖ بت مراد نہیں بلکہ اس سے ان کی مراد وہ مقرب بندے ہیں جن کے وہ مجسمے ہیں۔

☆..... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بتوں کو صاف قبلہ تحریر فرماتے ہیں۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اگلے نیک لوگوں نے خدا کی خوب عبادت کی اور بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطاء فرما دی پس مشرکین نے ان بزرگوں کے ناموں پر پتھر (کے بت) تراش لیے ان بزرگوں کی طرف توجہ کرتے وقت وہ ان بتوں کو قبلہ بنا لیتے۔

☆...... خلاصہ: ان تصریحات وتفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ مشرکین کے معبود ذوی العقول صلحاء واولیاء اللہ تھے۔ بدبخت افراد وقبائل بظاہر بتوں کی پوجا کرتے بھی تھے تو پتھروں وغیرہ کے یہ صنم اور بت مقصود بالذات نہ تھے بلکہ ان عباد اللہ الصالحین کی طرف متوجہ ہونے کا حیلہ وذریعہ اور قبلہ تھے۔ مشرکین ان بتوں کے آگے شرکیہ اعمال کرتے ان کی پوجا پاٹ چوما چاٹی کرتے تو محض اس لیے کہ اس ذریعہ سے انہیں ان اولیاء وصلحاء کا تقرب حاصل ہو جائے گا، وہ ان سے خوش اور راضی ہو جائیں گے اور ان کی بگڑی بن جائے گی۔

ورنہ دنیا میں ایسا احمق اور بے وقوف کوئی مشرک نہیں جو یہ سمجھے کہ یہی ہمارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت ہمیں خدا تک پہنچا دیں گے یا ہماری مشکل حل کر دیں گے۔

☆...... آج قبریں اولیاء اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہیں

بالکل اسی طرح آج کے نام نہاد مسلمان حضرات اولیاء کی قبروں خانقاہوں اور ان کے بعض آثار ونشانات کی عبادت کرتے ہیں مگر اس سے مقصود قبر وغیرہ کی بالذات عبادت نہیں ہوتی، مقصود صاحب قبر اس بزرگ کی تعظیم وعبادت ہوتی ہے۔ اسی کی رضا وخوشنودی کا حصول،

مطلوب ہوتا ہے، گو بظاہر بوس وکنار سجدہ وطواف قبر کا ہوتا ہے اور منت منوتی جھنڈے نشان مکان، پیپل، بڑ، جنڈ، جال اور گھوڑے وغیرہ کی مانی جاتی ہے۔ ورنہ ایسا احمق اور اندھا کوئی شخص نہیں ہوسکتا جو مٹی چونے کی قبر اور مکان ونشان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے یا یہ یقین کرے کہ پیپل بڑ جنڈ جال یا جھنڈا اور گھوڑا انسان کو بچے دیتا ہے۔

☆ ...پھر اولیاء وصلحاء کی عبادت مقصود نہ تھی ان کی عبادت قرب ووصل الٰہی کا ذریعہ تھی

بتوں کی عبادت سے مقصود اللہ کے عظیم بندوں نبیوں اور ولیوں کی عبادت تھی۔ پھر ان اکابر کی عبادت بھی اصلاً مقصود نہیں تھی، یہ خود ذریعہ تھی بارگاہ الٰہی میں قرب ووصل کا۔ ان کا زعم تھا کہ ان اعاظم رجال کی ہم عبادت کریں گے تو یہ خوش ہوکر بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے۔ ان کے واسطے سے ہماری اِلٰہ اعلیٰ خدائے واحد تک رسائی ہوجائے گی۔ ہمیں اس طرح اس ذات واجب الوجود کا تقرب حصل ہوجائے گا۔ قریباً تمام اکابر واجلہ ائمہ تفسیر وعلماء اعلام کی یہی تحقیق ہے۔

(۱) چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔ نیک (بزرگ اولیاء اللہ) لوگ مرجاتے تو لوگ ان کی شکل وصورت پر مورتیاں گھڑ لیتے اور ان کی تعظیم میں لگ جاتے اور اس سے ان کی غرض ان وفات پانے والے بزرگوں کی تعظیم ہوتی تاکہ وہ بزرگ عنداللہ ان کے سفارشی ہوں۔ ان کے اس قول ما نعبدھم إلا سے ان کی یہی مراد ہے۔

(۲) سید شریف علی بن محمد الجرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں: بت پرست دو واجب الوجود الہوں کے قائل نہیں نہ وہ اپنے بتوں کو صفات الوہیت سے متصف مانتے ہیں گو وہ انہیں الہ کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو اس لیے بتوں کو الہ بنایا کہ وہ حضرات انبیاء یا تارک الدنیا عبادت گزار بندوں یا فرشتوں یا ستاروں کی مورتیاں ہیں اور وہ ان کی عبادت کے طور پر تعظیم کے اندر (اس لیے) مشغول ہوگئے تاکہ وہ اس سے الہ حقیقی تک پہنچ سکیں۔ عہد آخر کے شہرہ آفاق مفسر محقق علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ، ایک قول ہے کہ اصنام کی طرف شفاعت کی نسبت باعتبار سببیت ہے، یہ اس لیے کہ، جیسا کہ مشہور ہے انہوں نے اپنے عالی مقام وذی قدر صلحاء کی صورت پر ان بتوں کو بنا رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ نیک بزرگ بندے (اولیاء اللہ بارگاہ الٰہی میں) ان کی سفارش کریں گے۔

☆ ...کلمہ گو مسلمان کفار ومشرکین کے نقش قدم پر

تفسیر کبیر میں ہے:۔ انہوں نے یہ بت ان پیغمبروں اور بزرگوں کی شکل وصورت پر بنا رکھے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بزرگ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے اور اس کی مثال اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہوگئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جب وہ ان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ قبروں والے بزرگ عنداللہ ان کی سفارش کریں گے۔

امامؒ کی بیان کردہ یہ حقیقت حال کتنی دردناک ہے کہ مشرکین عرب جس طرح دنیوی ضروریات اصلاح معاش وسعت رزق وغیرہ حاجات یا نجات آخرت کی عنداللہ سفارش کے لیے اپنے بزرگوں کی شکل وصورت پر گھڑے ہوئے بتوں کے سامنے شرکیہ اعمال اور پوجا پاٹ کرتے

تھے، کہ وہ بزرگ اور خاصان خدا جن کے یہ بت ہیں یا مورتیاں، ہم سے ان شرکیہ اعمال اس تعظیم اور عبادت کی وجہ سے خوش اور رضا مند ہو جائیں گے اور اپنے خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر کے ہماری مشکلات حل اور ضروریات پوری کرا دیں گے، اسی طرح اس زمانے کے مدعیان اسلام اولیاء اللہ کی قبروں پر دنیوی حاجت روائی ومشکل کشائی یا نجات اخروی کے لیے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، قبروں کی چوماچاٹی کرتے ہیں، طواف وسجدہ کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذریں، منتیں مانتے ہیں، آہ فریاد کرتے ہیں، روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ پھر حضرت امام رحمہ اللہ کا زمانہ تو چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں یہ تصور تھا کہ یہ اولیاء اللہ ہمارے ان شرکیہ اعمال سے راضی اور خوش ہو کر بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے اور اپنے اللہ سے ہمارا کام کرا دیں گے، مگر آج تو اللہ کو سفارش کرنے یا اللہ سے کام کرا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تو اکثر وبیشتر یہی ایمان وایقان ہے کہ سب کچھ صاحب قبر حضرت صاحب کے اختیار ہے۔ مشکل کشائی یہ خود کریں گے۔ حاجت روا یہ خود ہیں۔ ایک جہنم کے ایندھن نے تو برملا یہاں تک کہہ دیا۔

لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟

☆......مشرکین سابقین اور موجودہ مسلمانوں میں توافق وتطابق

(۱)......مشرکین کا یہ قول ہے کہ! ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ بت عند اللہ ہماری سفارش کریں گے۔

(۲)......یا ان کی یہ منطق! معبود اعظم (اللہ تعالیٰ) کی ذات اس سے بلند وبالاتر ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے بشر کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ اللہ کے بزرگ بندوں (اولیاء اللہ وانبیاء علیہم السلام) کی عبادت میں لگے رہیں۔

(۳)......یا ان کا یہ کلام کہ! ان کی عبادت کے بغیر خدا کی عبادت قبول نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا رتبہ بہت بلند ہے اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ان کی عبادت ضروری ہے تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

(۴)......مشرکین مکہ کے اس مذکورہ بالا قول وکلام اور عہد حاضر کے جاہل مشرکین کا یہ ہیچ اور پوچ قول کہ! مکان پر چڑھنا ہو تو پہلے سیڑھی کا انتظام کرنا ہوگا، بھلا سیڑھی کے بغیر مکان پر کون چڑھ سکتا ہے۔؟

(۵)...... یا یہ فضول دلیل کہ بادشاہ یا حاکم اعلیٰ سے کوئی کام ہو تو براہ راست عرض نہیں کیا جا سکتا، پہلے نچلے درجہ کے حکام اور افسروں کی خدمت میں درخواست گزاری جائے گی، وہ اوپر اقتدار اعلیٰ تک پہنچائیں گے تب کام ہوگا۔ ہماری وہاں تک رسائی کہاں؟ اسی طرح کوئی بندہ براہ راست بارگاہ الٰہی میں درخواست ودعا نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی دعائیں ان بزرگوں، اللہ والوں سے کریں گے، وہ آگے اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے، اور ہمارا کام کرا دیں گے۔ تو یہ مشرکین ومسلمین کے زعم وخیال اور قول ومنطق میں مشابہت کاملہ ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ایک منطق کل کے مشرکین کی تھی اور ایک دلیل آج کے نام نہاد مسلمین کی ہے (شرک اور توحید کی حقیقت)

استعانت لغیر اللہ کے چند صورتیں

جس ذات نے انسانوں کی تخلیق کی ہے اس ذات نے اس انسان کو ہر طرح کی ضروریات مہیا کرنے کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ اس کا اعلان

ہے کہ میں تمہارے اتنا قریب ہوں کہ تم خود اپنے استنے قریب نہیں ہو اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے اور جو نہ مانگے بلکہ دوسرں سے مانگے میں اس سے ناراض ہوتا ہوں اور اس کو اس جرم میں جہنم داخل کروں گا۔ پھر ایسی ذات کو چھوڑ کر کسی مجبور ذات کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور التجائیں کرنا ادنی سی بھی عقلمندی نہیں ہے۔ اس لئے بنیادی عقائد میں سے ہے یہ بات کہ صرف اللہ ہی کو پکارا جائے کسی اور کو ہرگز ہرگز نہ پکارا جائے۔ اگر پکارا گیا تو اس پکارنے والے نے اللہ کی ذات واختیار میں کسی کو شریک کیا، غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کی چند صورتیں بمع حکم لکھی جاتی ہے۔

☆.. قسم اول: کسی کو فاعل مستقل اور قادر بالذات کے عقیدہ سے پکارنا یعنی اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو اس عقدہ سے پکارنا کہ یہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ قدرت اس کی ذاتی ہے اور بغیر کسی مدد کے ہر حاجت پوری کرسکتا ہے یہ عقیدہ رکھنے والا کافر ہے ایسے شخص کے کفر میں شک کرنے ولا بھی کافر ہے۔

☆.. قسم دوم: غیر اللہ کو قادر بالذات تو نہ سمجھے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے پاس قدرت تو ہے مگر اللہ تعالی کی دی ہوئی ہے اب یہ ہر چیز پر قادر ہے جیسے بادشاہ اپنے کچھ اختیارات اپنے وزیروں کو دے دے اسی طرح اللہ نے ان کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ اس عقیدے کا حامل شخص کافر ہے۔ اسی طرح حضور کریم ﷺ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے کفار کا یہی عقیدہ تھا۔ ایسے عقائد رکھنے والوں کے ذہن میں شیطان یہ بات داخل کر دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالی بھی عام بادشاہوں کی طرح ہیں کہ جن سے تمام انتظامات کئے نہیں جاتے اس لئے انکو سیکرٹری وغیرہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کو اسلئے معاونت کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے نہ تو تمام کام اکیلے کرسکتے ہیں اور نہ ہی تمام شعبوں کی وہ نگرانی کرسکتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالی کو بندوں پر قیاس کرنا کفر ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔

☆..... قسم سوم: غیر اللہ کو نہ قادر باذات سمجھے اور نہ ہی اس کی قدرت بعطائے الٰہی سمجھے لیکن غیر اللہ کے ساتھ معاملات ایسے کرے جیسے اللہ تعالی کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کو بھی یہی شبہ ہو کہ یہ اس غیر اللہ کو قادر بالذات سمجھتا ہے مثلا کسی کی قبر پر سجدہ کرنا ان کے نام کی منت ماننا وغیرہ یہ اس کرنے والے کا فعل حرام ہے اور یہ شرک اعتقادی نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس فعل کا کرنے والا مسلمان تو ہے لیکن فاسق وفاجر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

☆..... قسم چہارم: یہ استعانت کی صورت جائز اور مباح ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ یعنی کسی غیر اللہ سے مدد مانگنا ایسی چیزوں میں کہ جن کا تعلق اسباب سے ہو یہ صورت جائز ہے۔

☆..... شرط نمبر ۱: وہ اسباب عادیہ سے ہو جیسے روٹی سے بھوک مٹانا پانی سے پیاس دور کرنا یہ جائز ہے کیونکہ ان اشیاء کو تو شریعت نے ہی سبب قرار دے دیا ہے۔

☆..... شرط نمبر ۲: وہ اسباب شرعیہ میں سے ہو مثلا کسی سے دعا کروانا یا کسی سے جائز اور شرعی دائرہ میں تعویذ لینا یا جائز چیز کا دم کروانا۔

☆..... شرط نمبر ۳: کسی کو شرک کا شبہ نہ ہو تو بھی استعانت جائز ہے۔ تو ان شرائط کے ساتھ کسی سے مدد مانگنا جائز ہے۔

(آثار خیر مولانا خیر محمد جالندھریؒ ا/۴۰، بحوالہ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ زین العابدین صاحب ۹۷، ۹۸)

نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو قادر سمجھنا یہ شرک فی الصفات الٰہی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ ہے اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک شرک کی حقیقت۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
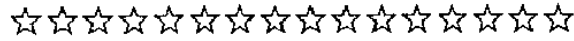
صوفیاء کرامؒ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک آپ ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو نور ذاتی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل اور غلط ہے، لہٰذا یہاں یہ واضح کر دیا جائے گا کہ صوفیاء کرامؒ کے نزدیک حضور ﷺ افضل البشر اور فخر بنی آدم ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات کے اعتبار سے صرف بشر و انسان ہی نہیں بلکہ سید البشر، افضل البشر۔ خیر البشر فخر بنی آدم اور انسانیت کے سرتاج ہیں۔ اور صفات کے لحاظ سے نور ہی نہیں بلکہ مصدر نور، منبع نور اور منیر ہیں ہر مکان و زمان میں آپ ہی کے نور ہدایت ہونے سے چمک دمک کی بہاریں ہیں۔ ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ میں ہماری طرح ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے پوری انسانیت سے فائق ہیں۔

نور اور بشر میں تعارض نہیں ہے

آپ کی ہستی میں بشریت بطور ذات نورانیت بطور صفت جمع ہے۔ بشریت کا ثبوت قرآن کریم کی ان جیسی کئی آیات سے ہوتا ہے مثلاً:

قال تعالیٰ ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ (کہف۔آیت ۱۱۰)

ترجمہ: آپ اعلان کر دیں کہ میں تو بشر ہی ہوں تم جیسا (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (نبی کی زبان سے اعلان کروانا شاید اس وجہ سے ہو کہ کوئی نبی کی محبت میں غلو کر کے گمراہ نہ ہو جائے)۔

☆......آپ ﷺ کی صفت نور کا ثبوت قرآن سے۔

قَال تعالیٰ ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾۔ (مائدہ۔آیت ۱۱۵)

ترجمہ: بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور (عند البعض یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور روشن کتاب (دونوں کا قدر مشترک مقصد ایک ہی ہے جو ضمیر سے سمجھ آرہا ہے) راہ دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے۔ الخ۔

نور کے اقسام

نور کی دو قسمیں ہیں (۱) ...نور حسی (۲)......نور معنوی نور ہدایت۔

☆... نور حسی: ایسے نور اور روشنی کو کہتے ہیں کہ جن کے وجود کے موجود ہونے کا علم حواس خمسہ ظاہرہ سے ہو جیسے ٹیوب لائٹ کی روشنی اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات کے اعتبار سے نور مانا جائے تو کیا آپ نور حسی ہیں۔؟

☆......نور معنوی یا نور ہدایت: ایسے نور کو کہتے ہیں جو ہدایت کے اعتبار سے نور ہوں جیسے علم کو نور کہا جاتا ہے اور علم نور معنوی ہے علم آنکھوں سے نظر نہیں آتا یہ تو فہم و فراست و بصیرت سے نظر آتا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نور معنوی یا نور ہدایت ہیں۔

☆...... ایک غلطی کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً بشر ہیں اور حقیقت میں نور ہیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے اگر تو مزاج بشریت

تبدیل ہوجاتا ہوتب تو یہ درست ہے لیکن اگر مزاج بشر والا ہی ہوتو پھر ظاہراً آپ کو بشر بنانے کا کیا فائدہ ہوا۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چند نور پیغام الٰہی لیکر آئے حضرت نے ان کی ظاہری بشریت دیکھ کران کو حقیقی بشر سمجھ کر ان کیلیے کھانا تیار کروایا۔لیکن انہوں نے کھانا نہیں کھایا اور اپنے عمل سے بتادیا کہ ہم کھانا نہیں کھاتے اس لیے کہ ہم حقیقت میں نور ہیں ظاہراً بشر ہیں جس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً بھی بشر ہیں حقیقتاً بھی بشر ہیں لہذا اہل ہوا کا نظریہ درست نہیں ہے۔

☆ مجدد الف الثانیؒ لکھتے ہیں:''اے بھائی! محمد رسول اللہ ﷺ اپنی اس اونچی شان کے باوجود بشر تھے اور حادث ہونے (پیدا ہونے)اور ممکن الوجود ہونے کا نشان آپ میں قائم تھا۔بشر خالقِ بشر کا مقام کیا پاسکتا ہے اور ممکن الوجود واجب الوجود کا درجہ کیا لے سکتا ہے اور حادث قدیم کا جس کی عظمت بہت اونچی ہے۔کیسے احاطہ کرسکتا ہے؟

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ابنیاء کرامؑ عام انسان کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں۔حقیقت بشری اور ذات انسانی پر سب بنی نوع انسان کے ساتھ وہ متحد اور ایک ہیں ان کی باقی بنی نوع انسان سے خصلت ان کی صفات کاملہ کی بنا پر ہے۔(نہ یہ کہ وہ انسان ہی نہ ہوں)(مکتوبات دفتر اول نمبر ۶۶۶ ص ۳۲۹ ،بحوالہ فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ۲۸۵ تا ۲۸۷)

☆......علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: سو ہمارے نبی کریم ﷺ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور بشر ہیں آپ پر بیماریاں اور ضرورتیں اترتی ہیں خدا تعالی نے خود فرمایا ہے آپ کہہ دیں میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔(الجواب الفصیح ۲/ ۲۱۶ ،بحوالہ بالا)

☆......امام نوویؒ لکھتے ہیں:''علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام اعضاء بدن اور جہاتِ وجود میں اللہ تعالی سے نور مانگا اس سے مراد حق کا بیان اس کی روشنی اور اس کی طرف راہ پانا ہے سو آپ نے اپنے تمام اعضاء اور اپنے پورے جسم میں اللہ تعالی سے نور کی درخواست کی کہ آپ کے تمام تصرفات تمام حالات میں آپ کی ہر جہات میں نور اترے۔(شرح صحیح مسلم ۱/ ۲۶۰)

☆ ... حافظ بن حجر عسقلانی بھی لکھتے ہیں:''یہ سب امور ہدایت ،بیان اور سچائی کی چمک کی طرف لوٹتے ہیں۔

☆......علامہ یوسف اردبیلی الشافعیؒ نے بھی یہاں یہ تعبیر اختیار کی ہے۔آپ کی یہ نور طلبی بتاتی ہے کہ آپ ذاتاً نور نہیں۔آپ اللہ تعالی سے صفۃ نور ہونا طلب کررہے ہیں۔

☆......سوال: اگر آپ ذاتاً نور نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے اول ماخلق الله نوری یہ خلقت میں نور ہے صفت واکتساب میں نہیں۔

☆......جواب: اگر یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ کہیں ثابت ہو تو لفظ نور یہاں روشنی کے معنی میں نہیں روح کے معنی میں ہوگا۔روح اور پھر نبی کی روح وہ ایک نورانی چیز ہے۔اور مزید یہ کہ اس وقت روح مبارک کا جسد بشری سے تعلق بھی نہیں اس اعتبار سے آپ کی روح اقدس کی پیدائش گویا ایک نور کی پیدائش تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نورانیت سے آپ کے دنیا میں تشریف لانے پر آپ کی بشریت کی نفی ہوگئی۔

ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں: ''اسی طرح آپ کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا کیا اور نور اور روح کا معنی یہاں ایک ہے ارواح سب نورانی ہیں۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمام ارواح میں سب پہلے میری روح کو خلقت بخشی''۔ (مرقات شرح مشکوۃ ۱/۱۶۷ طبع جدید، ماخذ بالا)

نور وہ چیز جو روشن ہو روشنی اس کی صفت ہو اور اس کی روشنی میں چیزیں بھی دیکھی جاسکیں۔

☆ علامہ نوویؒ خدا کے نور کے ضمن میں لکھتے ہیں: اللہ تعالی اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ دلوں کو محاسن اخلاق کی راہ دکھاتا ہے اور ان میں حق کو روشن کرتا ہے اور اسے چن لیتا ہے''۔ (مرقت ۵/۹۹)

سو یاد رہے کہ نور محمدی سید البشر پر اترا ہوا نور ہے۔ اور یہ افاضہ الہی ہے خدا کی عطا اور دین ہے، یہ صحیح نہیں کہ نور محمدی الہی سے صادر ہوا یا یہ کہ وہ اللہ کے نور کا حصہ ہے اس کی ذاتِ الہی سے کوئی شرکت نہیں۔ نور الہی سے نور محمدی کا صدور الحادی عقیدہ ہے۔

☆ ..... سایہ نہ ہونے کے متشابہ سے مغالطے میں نہ پڑیں:

بعض لوگوں کے عقیدہ میں آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونا بطور خرق عادت نہیں نور کی صفت کے طور پر تھا اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ آپ میں بشریت بالکل نہ ہو اور آپ کی پیدائش عناصر سے نہ ہو اور یہ عقیدہ بالکل عیسائیت کی گود میں لا بٹھاتا ہے کیوں کہ جو مسلمان حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے قائل گزرے ہیں۔ وہ آپ میں یہ شان بطور معجزہ اور خرق عادت تسلیم کرتے تھے، اور یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ آپ عادۃً اس نوع سے ہوں جس کا سایہ ہوتا ہے اور یہ بشریت کا صریح اقرار ہے قرآن کا انکار نہیں۔ (فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ: ۲۹۴ تا ۲۹۶)

یہ لوگ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ اگر آپ ذاتا نور تھے تو پھر آپ ساری زندگی اپنے ہر کام میں اللہ تعالی سے نور کیوں مانگتے۔ یہ سب اسلئے تھا کہ آپ کا ہر فعل اور ہر قدم کائنات کیلئے نور بن جائے یہ نور ہدایت کا پھیلانا ہے جس کی آپ نے اللہ کے حضور طلب کی تھی۔

☆ .....کیا نور سے بالا کوئی اور درجہ روشنی بھی ہے؟

روشنی کے دو پیمانے سامنے رکھئے۔ (۱) سورج (۲) چاند۔ چاند..... چاند کی روشنی جہاں بھی ہو وہیں ہوتی ہے یہ آگے نہیں پھیلتی۔ سورج جہاں ہو وہاں بھی ہے اور جہاں نہ ہو وہاں بھی اس کی روشنی پھیلی ہوتی ہے۔ دن کے وقت کمروں کے اندر جو دن کی روشنی ہے وہ سورج کی روشنی کا ہی فیض عام ہے۔ روشنی کے اس انتشار اور پھیلاؤ کو ضیاء کہتے ہیں اور جو روشنی جہاں ہو وہیں رہے اسے نور کہتے ہیں قرآن کریم میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ (یونس: ۵) اس سے یہی کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ ضیاء اپنے پھیلاؤ اور انتشار میں نور سے قوی ہے۔ سو اللہ تعالی یا حضور نبی خاتم کیلئے لفظ نور تو آسکتا ہے لفظ ضیاء نہیں اور اس سے بھی مراد نور ذات نہیں نور ہدایت ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ کے نور نبوت کی قیامت تک پھیلی ہے۔ اس سے آگے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں۔

☆ .....خدا کا نور عام ہے یا کسی ایک فرد میں محدود ہے:

فلاسفہ ''الواحد لایصدر منه الا الواحد'' کے قائل ہیں ان کے قول پر خدا کا نور کسی ایک فرد میں اترے گا اور پھر آگے پھیلے گا اور پھر یہ ایسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ خدا نور ذات ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ نور ہدایت ہے اسی طرح حضور نبی ﷺ بھی نور ذات نہیں کہ ان کا

نور بقول شیعہ صرف ایک (حضرت علیؓ) میں اترے۔آپ نورِ ہدایت ہیں جن کا نور سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔
جب یہ بات طے ہوئی کہ اللہ رب العزت کی ذات نور نہیں۔نور اس کی صفت فعل ہے۔تو یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس کا نور عام ہے کسی ایک میں محدود نہیں۔اللہ رب العزت نے سب انسانوں کو ظلمت میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنا نور (نورِ ہدایت) ڈالا۔یہ افاضہ الٰہی کسی ایک فرد پر نہ تھا۔بہت سے سعادت منداس دولت کو پاگئے۔ان سعادت مندوں کے دل وہ ظروف ہیں جن میں نورِ الٰہی ان کی بساط استعداد اور طلب کے مطابق اترتا ہے۔سب سے زیادہ جس ذات گرامی نے اس نور کو اپنے اندر جذب کیا وہ حضور ﷺ خاتم النبیین تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے شرح صدر فرمادیا تھا۔اور ہدایت کی ساری راہیں ان پر کھول دی تھیں۔
حضور ﷺ نے فرمایا:''بے شک زمین والوں میں اللہ کے کچھ ظروف ہیں اور تمہارے رب کے ظروف اللہ کے نیک بدوں کے دل ہیں اور ان میں اللہ کو سب سے پیارے وہ ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں''۔(تفسیر مظہری: ۵/ ۵۳۸)
اللہ کے ان ظروف میں اللہ رب العزت کا نور اترتا ہے کسی ایک میں نہیں سب اس اضافہ نور سے منور ہیں اور یہ آخرت تک ان کے ساتھ جائے گا۔قرآن مجید میں ہے:﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ﴾ (الحدید:۱۲) اب کیا یہ مومن اور مومنات نور من اللہ ہوگئے۔(العیاذ باللہ) یا ان کا یہ نور نورِ ذات تھا؟ یہ نورِ ذات کے ڈھلے پیمانے تھے جو ان کے آگے آگے اور دائیں چلتا ہوگا۔نورِ باری تعالیٰ کے یہ انسانی ظروف تو ایک طرف خود زمین بھی اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گی تو کیا یہ اللہ کا نورِ ذات ہوگا نہیں اللہ کی ذات نور نہیں اور نہ اب تک کسی نے اس کی ذات اور کنہ کو دریافت کیا ہے۔قال تعالیٰ:﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ﴾ (الزمر:۶۹) اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور رکھ دیے جائیں گے'' سب بنی آدم بشمول جمیع انبیاء و مرسلینؑ اپنے جدامجد حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔معلوم کریں کہ تخلیق آدم نور سے ہوئی یا آپ مٹی سے پیدا کیے گئے۔فرشتے نور سے، جنات آگ سے،اور انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان تینوں میں مٹی سے پیدا ہونے والا سبقت لے گیا اور نور والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوئے صرف شیطان اس بات کو نہ سمجھا کہ مٹی سے پیدا ہونے والا نور نار سے کیسے بڑھ سکتا ہے۔فضیلت بشری کا یہ پہلا انکار ہے جو ابلیس نے کیا۔جیسا کہ آیت مذکور ہے:﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (28) فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (29) فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ (30) إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ (الحجر:۲۸تا۳۱) ترجمہ:اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ:''میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔لہٰذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں،اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا''چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔''
اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ حضرت آدمؑ میں اللہ نے اپنی روح ڈالی تھی۔مگر حضرت آدمؑ کے بارے میں کسی نے روح من روح اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔یہ روح آدمؑ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اضافت تشریفی ہے اور وہ اللہ کی پیدا کردہ خاص روح تھی جو اللہ نے آدمؑ میں

پھونکی خالق خود روح نہیں ۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بشر (آدمؑ) کو خلقت بخشی اسے پیدا کر کے پھر اس پر اپنا نور ڈالا یہ بھی اللہ کا پیدا کردہ تھا ایک خاص شان کا نور تھا۔ مگر آدمؑ کے بارے میں کسی نے نور من نور اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔ حضرت آدمؑ خلقت میں بشر تھے صفت میں اس اترنے والے نور سے راہ پا گئے پس حضرت آدمؑ کی بشریت میں جو نوع و ذات کے اعتبار سے تھا اور ان کے نور ہدایت ہونے میں (جو بطور صفت انہیں ملا) کوئی تعارض نہ رہا۔

☆ ... حضرت خاتم النبیین ﷺ کا حضرت آدمؑ سے تسلسل:

آنحضرت ﷺ کو بھی حکم ہوا کہ اپنی بشریت کا اعلان کریں اور بشریت بھی وہی جو حضرت آدمؑ کی جملہ اولاد کی ہے البتہ اس اولاد میں آپ ایک محسوس امتیاز کے حامل ہیں کہ آپ پر وحی آتی ہے جو اوروں پر نہیں آتی ارشاد ہوا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ (الکہف ۱۱۰) ''آپ کہہ دیں میں اس کے سوا نہیں کہ بشر ہوں جیسے تم۔ وحی آتی ہے مجھ پر معبود تمہارا ایک معبود ہے۔'' یہ نص صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نوع بشر سے ہیں جیسے اور انسان اس نوع سے ہیں ہاں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نص کا منکر نہ ہوگا مگر وہی جو کافر ہو۔ مسلمان کی تو جرأت نہیں کہ وہ نص صریح کا منکر ٹھہرے۔ یہ عقیدہ کافروں کا تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا بشر ایک معمولی مخلوق ہے بھلا اس پر نبوت کیسے آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور حضور ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی بشریت اور رسالت دونوں کا ایک اعلان کریں اور ان دو میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ بشریت میں آپ جملہ بنی آدم کے ساتھ شریک ہیں مگر آپ ﷺ بے مثل بشر ہیں۔

☆ بشریت انسان کے معنی میں:

قرآن کریم میں لفظ بشر اور انسان ایک معنی میں آتے ہیں: ﴿فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَداً فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيّاً﴾ (مریم ۲۶) ''سو اگر تو دیکھے کسی بشر کو تو کہہ کہ میں نے روزہ کی نذر مانی ہے رحمٰن کی۔ سو آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گا''۔ یہاں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔

☆ دوسری شہادت: قال تعالیٰ: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین ۴) کہہ کر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا واضح کیا ہے سو اگر انبیائے کرامؑ کی بشریت کا انکار کیا جائے اور انہیں کسی اور نوع کی مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں مقام نبوت کی کھلی توہین اور بے ادبی ہوگی۔

☆...... تیسری شہادت: قال تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَاداً لِّي مِن دُونِ اللَّهِ﴾ (آل عمران ۷۹) کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو دے اسے کتاب، حکم اور نبوت اور وہ لوگوں کو کہے تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اور کتاب کا مورد ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں۔

☆...... چوتھی شہادت: قال تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (شوریٰ ۵۱) ''اور یہ کسی بشر کے بس میں نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر یہ تین صورتیں ہیں: (۱)..... اندر ہی

اندر ایک بات دل میں اترے (۲)۔ پردے کے پیچھے سے کوئی آواز سنائی دے۔ (۳)۔ یا وہ کسی کو قاصد بنا کر بھیجے جو اس کے اذن سے اسے اس کی بات کہے۔" اس آیت معلوم ہوا کہ خدا جب بھی اپنا پیغام دینے کیلئے کسی سے ہم کلام ہو تو وہ بشر سے ہی ہم کلام ہوا اور اس میں بشر کا اعزاز ہے نبوت کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔

☆......سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات دوسرے انبیاء کے متعلق تو کہی جا سکتی ہے لیکن حضور ﷺ تو نور من نور اللہ تھے وہ اس حکم میں شمار نہیں کیے جاسکتے؟

☆......جواب: اللہ تعالی نے اس آیت کے معاً بعد حضور ﷺ کو بھی اس حکم میں شریک فرمایا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (الشوریٰ ۵۲)

"اور اسی طرح ہم نے بھی آپ کی طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے اور آپ نہ جانتے تھے کیا ہے کتاب اور نہ ایمان (کی تفاصیل) لیکن ہم نے کیا ہے اسے ایک روشنی اس سے ہم اپنے بندوں کو راہ بتلا دیتے ہیں"

☆......انبیاء کا بر سبیل تواضع کوئی بات کہنا:

تواضع اپنے آپ کو نیچے رکھ کر بات کہنے کو کہتے ہیں گورنمنٹ سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر ہے ایک کلرک بھی ہے اور ایک مالی بھی اور ایک چوکیدار بھی۔ اب اگر وہ ہیڈ ماسٹر انہیں یکجا اکٹھا کر کے کہے میں بھی تمہاری طرح گورنمنٹ کا ایک ملازم ہوں گورنمنٹ سروس میں ہوں جیسے تم تواضع ایک قدرے مشترک پر لے آئی ورنہ وہ تو سارے ادارے کا سربراہ ہے تواضع کرنے والا تواضع میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا۔ ہاں وہ اپنے آپ کو قدرے مشترک میں لا کر ایک بات کہہ رہا ہے۔ یاد رکھیے انبیاء کرام تواضع میں بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ آنحضرت ﷺ نے ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اگر بطور تواضع فرمایا تو بھی آپ ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا۔ تواضع قدرِ مشترک میں آنا ہے جھوٹ بولنا نہیں ہے اگر کوئی ڈپٹی کمشنر کہے میں ڈپٹی کمشنر نہیں ہوں تو یہ تواضع نہ ہوگی جھوٹ ہوگا۔ یاد رکھیے انبیاء کرامؑ بطور تواضع کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

☆......حدیث میں حضور ﷺ کا اپنی بشریت کو بیان کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر نماز میں کوئی اور صورت پیدا ہوتی ہے تو میں تمہیں اس کی خبر کرتا لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی بشر ہوں میں بھی بھول سکتا ہوں جیسے تم سو جب میں کبھی بھولوں تو مجھے یاد کرا دیا کرو اور جب تم اپنی نماز میں شک میں پڑ جاؤ تو درست صورتِ حال معلوم کرو اور اس غلبہ فکر پر اپنی نماز پوری کرو اور دو سجدے (سہو کے) ادا کرو۔"

اس حدیث میں آپ کا اپنی بشریت کا اعلان ایک ضرورت کے موقع پر ہوا تو اسے کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ آپ محض انکساری اور تواضع کے طور پر اپنے آپ کو بشر کہہ رہے تھے۔ انکساری سے کہی بات پر دلائل نہیں دیئے جاتے بھولنا ایک انسانی فطرت ہے ایک بشری تقاضا ہے یہ پیغمبر پر بھی وارد ہوتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ لیکن منشا دونوں کے بھولنے کا الگ الگ ہے۔ ہماری غفلت اور بے توجہی ہے اور پیغمبر کی بناء پر حکمت ہے۔ علماء اہل سنت نے اس حدیث پر لکھا ہے: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ پر احکام شرع میں بھول وارد ہونے کی

دلیل ہے اور یہی جمہور علماء اسلام کو موقف ہے اور قرآن اور حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ کو اس بھول پر رہنے نہیں دیا جاتا اللہ تعالیٰ انہیں صحیح صورۃ حال بتلا دیتے ہیں۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی:۱/۲۱۲)

ام المومنین حضرت سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت علیہ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے مقدمے میرے پاس لے کر آتے ہو اور میں بھی انسان ہوں ہوسکتا ہے کہ کوئی تم میں سے اپنے دلائل میں زیادہ تیز زبان ہو سو میں تم سے کسی کے حق میں دوسرے کے حق کا فیصلہ کردوں تو یہ ایک قطعہ نار ہے جو میں اسے دوں گا وہ ہرگز اسے نہ لے''۔ (جامع ترمذی:۱/۱۶۰)

☆ صحابہ کرامؓ کا حضور علیہ کے بشر ہونے کا عقیدہ

عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم علیہ کی ہر حدیث میں لکھتا تھا۔ مجھے دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ میں حضور علیہ کی ہر بات نہ لکھا کروں ں فرمایا'' کیا آپ ہر چیز جو حضور علیہ سے سنتے ہیں لکھ لیتے ہیں حالانکہ حضور علیہ بشر ہیں جو کبھی غصے میں ہوتے ہیں کبھی خوشی میں (ایسے مواقع کی بات کس طرح سند بنائی جاسکتی ہے'' عبداللہ بن عمرہ کہتے ہیں اس پر میں لکھنے سے رک گیا اور آنحضرت کو اس کی خبر کی آپ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہاں سے جذبات بھی ہوں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا ''اکتسب فو الذی نفسی بیده ما یخرج الاحق ''۔ (سنن ابی داؤد:۲/۵۱۴، سنن دارمی:۱/۱۲۵)

اس سے پتہ چلا کہ حضور علیہ کے بشر ہونے پر سب صحابہؓ متفق تھے ہاں ان کا یہ سمجھنا کہ حضور علیہ سے جذبات میں ایسی بات بھی نکل سکتی ہے جو درست نہ ہو اسکی حضور علیہ نے اصلاح فرمادی اور کہا کہ میرے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ حضور علیہ نے اس میں ان کی اس کے اقرار بشریت سے انکار نہ فرمایا۔

☆ ... ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی فرماتی ہیں: ''آنحضرت علیہ اپنا جوتا مرمت کر لیتے تھے اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم اپنے گھروں میں کام کرتے ہو اور بشر تھے جیسے دوسرے لوگ نوع بشری سے ہیں۔''

دسویں صدی کے مجدد ملاعلی قاریؒ اور گیارھویں صدی کے شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی نے اس حدیث کو بلا جرح قبول کیا ہے لیکن بعض لوگ اس سے بغاوت کرتے ہیں۔

☆ حضرت عکرمہ کہتے ہیں: بے شک حضور علیہ نے وفات پائی اور بات یہ ہے کہ آپ بے شک انسان تھے۔ (سنن دارمی:۱/۳۹)

☆ شرح عقائد نسفی میں اسلام کا یہ عقیدہ ان الفاظ میں ہے: '' وقد ارسل الله تعالى رسلا من البشر الى البشر مبشرين لاهل الايمان والطاعة بالجنة والثواب ومنذرين لاهل الكفر والعصيان بالنار والعقاب''. (شرح عقائد نسفی:۱۳۳)

☆ ...حافظ ابن ہمام اسکندریؒ نے تعریف کی ہے: '' النبی انسان بعثه الله لتبليغ ما اوحی اليه وكذا الرسول فلا فرق بينهما بل هما بمعنى''۔ (المسائرہ)

☆.... حضور علیہ کی بشریت کے متعلق اولیاء کرام کا عقیدہ:

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں: ''جب تم انبیاء کے سردار بھی کہتے ہیں کہ مجھے بھی غصہ آتا ہے جیسے کسی اور بشر

کوغصہ آئے پھر اولیاء کرام کی بات کیا ہے اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے اہل وعیال کے ساتھ رہنے اور ان سے موانست میں تمام لوگوں کیساتھ شریک ہیں یہ مختلف قسم کے تعلقات جو لوازم بشریت میں سے ہیں خواص وعوام میں کسی سے منتفی نہیں ہوتے حق تعالی انبیاء کرامؑ کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو ایسے اجساد نہیں بنایا کہ وہ کھاتے نہ ہوں اور ظاہر بین کفار کہتے تھے اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھاتا ہے اور لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ (مبدء معاد: ۲۶)

☆..... بشریت کا اقرار کیا صحت ایمان کیلئے شرط ہے؟

آنحضرت ﷺ کی بشریت قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے اور صحابہ کرامؓ اجماعی موقف کے مطابق ہے تو یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ﷺ نوع بشر میں سے تھے صحت ایمان کیلئے کیوں شرط نہ ہوگا۔ یہی سوال حضرت الشیخ ولی الدین عراقی سے ان الفاظ میں پوچھا گیا: " هل العلم بكونه ﷺ بشرا ومن العرب شرط فى صحة الايمان اومن فرض الكفاية " آپ نے اس پر یہ جواب تحریر فرمایا: '' یہ صحت ایمان کیلئے شرط ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں کہ آپ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ نوع بشر میں سے تھے یا فرشتوں میں سے یا جنات میں سے یا یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عرب تھے یا عجم سے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں وہ شخص تکذیب قرآن کا مرتکب ہے اور اسلام جو بات خلف عن السلف کہتا چلا آیا ہے اور جس چیز کا دین میں سے ہونا بالضرورت معلوم ہو چکا ہے یہ شخص اسلام کا منکر ہے۔''

(غایۃ المواعظ للعلامہ خیر الدین ابی البرکات ۱۹/۲) (از فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ: ۲۸۱۔۳۱۷)

حالانکہ اہل بدعت کا یہ عقیدہ بہت سی خرابیوں پر مبنی ہے

☆..... خرابی نمبر ۱: اللہ کی ذات جیسے قدیم ہے تو اس کی صفات بھی قدیم ہیں کیا صفت قدیم ہیں یعنی نور کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت کرنے سے دو قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔؟ جو عیسائیت کے عقیدۂ حلول کی طرح ہی کفریہ ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کب منتقل ہوا۔؟ ولادت سے پہلے یا بعد میں تو صفت قدیم کا ذات حادث میں منتقل ہونا ہی ناممکن ہے اور یہ سوچ بھی نری جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اس کے ثبوت پر نہ کوئی آیت پیش کی جا سکتی ہے نہ ہی کوئی حدیث شریف۔

☆..... خرابی نمبر ۲: اس عقیدہ سے ان بے شمار آیات قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء کرام کو رجال (یعنی انسان وبشر) کہا گیا ہے۔

☆..... خرابی نمبر ۳: یہ عقیدہ اس لئے بھی درست نہیں کہ بشر (یعنی امتی) غیر بشر (یعنی نور نبی) کی درست اطاعت نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں کا مزاج مختلف ہوتا ہے اس لئے اگر نور کو نبی بنا کر مبعوث کیا جاتا تو قدم قدم پر امتی اپنے نبی کے ساتھ جھگڑا کرتے کیونکہ نور نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا ہے نہ غمگین ہوتا ہے ہر امتی یہی کہتا سنائی دیتا کہ جی آپ ہماری مجبوری نہیں سمجھتے ہمیں غریبی کی وجہ سے چوری کرنا، ڈاکہ مارنا، رشوت لینا پڑتی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ نبی ظاہراً تو انسان ہی ہوتا ہے لہذا کھا پی بھی سکتا ہے۔

توعرض یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کئی انبیاء کرام کے کئی مرتبہ مہمان بنے ہیں۔انہوں نے تو ظاہری بشر ہوتے ہوئے کبھی نہیں کھایا معلوم ہوا کہ ظاہری چیز حقیقت کو تبدیل کرسکتی۔

☆ خرابی نمبر ۴:اگر آپ علیہ السلام کو بشر و انسان مان لیا جائے پھر تو آپ علیہ السلام کے والدین کے بارہ میں کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔کہ ان کو بھی بشر و انسان ہی مان لیں گے لیکن اگر آپ کو نور مانیں اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بشر و انسان مانیں تو ایک جنس کا دوسری جنس کو جنم دینا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے۔اگر آپ کے ساتھ آپ کے والدین کو بھی نور مانیں تو اس میں آپ کی کیا خصوصیت رہی۔؟ پھر یہی سوال آپ علیہ السلام کے اجداد کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے جس کا حل نہیں بنتا۔

☆ خرابی نمبر ۵: آپ کو بشر و انسان مان لیں تو آپ ﷺ کی اولاد محرمات بھی انسان و بشر ہی کہلائے گی لیکن اگر آپ کو جنس کے لحاظ سے نور تسلیم کرلیں اور آپ کی مقدس اولاد کو بھی نور تسلیم کرلیں تو پھر آج تک جتنے بھی اہلسنت کے افراد ہوئے ہیں وہ بھی اگر نور ہوں تو پھر آپ کی کیا فضیلت رہی۔؟

لیکن اگر ان کو بشر تسلیم کریں تو پھر ایک جنس (یعنی نور) دوسری جنس (یعنی اولاد بشر) کو جنم دے گی تو صحیح نہ ہوگا۔کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

☆ خرابی نمبر ۶:اگر آپ کی بشریت کا عقیدہ رکھیں تو آپ کے حرم پاک میں رہنے والی وہ مقدس خواتین (یعنی امہات المومنین) جو بشر ہی تھیں،کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔لیکن اگر آپ کو نور مانیں اور امہات المومنین کو بشر۔تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا ایک جنس دوسری جنس سے ازدواجی زندگی قائم کرسکتی ہے تو اس کا جواب یقیناً نہیں میں ہی ہوگا۔

لیکن اگر امہات المومنین کو بھی نور مان لیں تو امہات المومنین کے والدین پر جا کر پھر یہی سوال سر اٹھا لے گا جس کا حل کرنا مشکل ہوگا۔

☆ خرابی نمبر ۷:اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے نور کو اشرف المخلوق نہیں بنایا گیا۔جو لوگ حضور کریم کو انسانیت سے معاذ اللہ نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔کیا وہ افضل کو مفضول بنا کر توہین کے مرتکب نہیں ہو رہے؟

☆ خرابی نمبر ۸:نوریوں کو اللہ نے حکم دیا کہ تم میرے خلیفہ حضرت آدم کو سجدہ کر کے یہ اقرار کرو کہ حضرت آدم ہم سے بہتر ہیں لیکن اگر ہم کہیں کہ نور ہونا اعزاز ہے کیا اللہ تعالیٰ نے غلط حکم دیا تھا کہ افضل کو کہہ دیا کہ تو مفضول کو سجدہ کر...... حالانکہ اللہ نے صحیح حکم دیا تھا۔

سوچیئے اور دیکھئے اس غلط عقیدہ سے کتنی فحش غلطیاں پیدا ہوئیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ آپ جنس کے لحاظ سے بشر اور صفات کے لحاظ سے نور ہیں قرآن وحدیث وعقل کے عین مطابق ہے (اگر عقل ہو) اور نوع کے لحاظ سے آپ کو نور اور لباس کے بشری ہونے کا عقیدہ بالکل ہی غلط ہے۔

۶۔ اس غلطی کی وجہ

شیطان نے یہ غلطی کی کہ حضرت ابوالبشر کو حقیر سمجھ کر سجدہ سے انکار کر دیا تھا۔اسی طرح بہت سے لوگ بشر ہونے کو حقیر..........نور ہونے کو بشر سے زیادہ عزت والا ہونا سوچ کر یہ غلط یقین رکھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں ہیں بلکہ نور ہیں کیونکہ بشر ہونا یہ عزت کی بات نہیں ہے حالانکہ

بشر ہونا یہی عزت کی بات ہے کہ نوروں نے ابوالبشر کو سجدہ کیا ہے۔ ہاں البتہ آپ بشر ہیں لیکن تمام بشروں سے کروڑوں درجہ افضل ہیں۔ نبی عام بشر نہیں ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ سمجھ آیا کہ بشر، آدمی، اولاد، آدم، عبد، رجل، انسان، جو ایک ہی مسمی کے مختلف نام ہیں، برے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ علیہ السلام ایسے بشر کہ کوئی بشر آپ جیسا نہیں، نور ایسے کہ کوئی نور آپ جیسا نہیں، انسان ایسے کہ کوئی انسان آپ جیسا نہیں ہے۔

(از عقائد اہلسنت والجماعۃ مفتی زین العابدین ۱۳۴ ۱۳۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
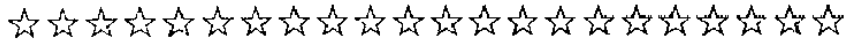
اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک عالم الغیب صفت خاصہ باری تعالیٰ ہے

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو عالم الغیب سمجھتے ہیں، حالانکہ اس غلط عقیدہ کی نسبت صوفیاء کرام کی طرف کرنا ظلم عظیم ہے حالانکہ ان کا نبی اور ولی کے بارے میں عقیدہ یہ ہے:

عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں دیا گیا تھا چہ جائیکہ اولیاء کرامؒ کو غیب کا علم دیا گیا ہو۔ اہلسنت والجماعت کے صوفیاء کرمؒ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علوم عطا کئے گئے کہ جو کسی نبی اور کسی بھی مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے۔ لیکن آپ کو وہ مقدس علوم دیے گئے ہیں کہ جو علوم آپ کی شان کے لائق تھے اور شیطانی اور مادی علوم آپ کی شان کے لائق نہ تھے اس لئے آپ کو وہ نہ دیئے گئے۔ یہاں تک کہ تمام اولین اور آخرین کے تمام مقدس علوم آپ علیہ السلام کے علوم کے مقابلہ میں ایسے ہیں کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔ لیکن آپ علیہ السلام کے علوم اللہ تعالیٰ کے علوم کے سامنے ایسے ہیں کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں اور مخلوق کے علوم محدود ہوتے ہیں۔ اور محدود علوم کا۔ خالق کائنات کے لامحدود علوم سے کسی بھی طرح کا کوئی تقابل ہی نہیں یہ تو صرف سمجھ نے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ . . ورنہ محدود کی لامحدود سے کیا مناسبت۔؟ اسی طرح اہل سنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے جو صریح جہالت ہے۔ (ایضاً)

علم غیب کی تعریف

شریعت میں علم غیب اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی کو بغیر کسی ذریعہ کے اور بغیر کسی کے بتلائے غیب کی باتیں معلوم ہو جائیں۔ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے حضور کی یہ شان نہیں (اور کسی ولی کا یہ شان ہے)۔ اس لئے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف ذرائع سے علم حاصل ہوتا تھا اور ذرائع سے حاصل ہونے والے علم کو علم غیب نہیں کہا جاتا۔

علم کے ذرائع تین ہیں

(۱)۔۔۔ حواس خمسہ ظاہرہ (یعنی دیکھنے، سننے سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں)

(۲)۔۔۔ عقل صحیح (لیکن یہ بھی دین کی تقلید میں چپے تو...... ورنہ یہ جہلت اور گمراہی پیدا کرتی ہے)

(۳)۔۔۔ انبیاء کرام کے لئے وحی (بشمول خواب والہام اور کشف وغیرہ) اور امتیوں کے لئے سچے خواب (بشمول الہام کشف وکرامات) عند البعض، لیکن یہ تیسرا ذریعہ علم یعنی نبی کے لئے وحی اور امتی کے لئے خواب یہ دونوں ذریعے غیر اختیاری ہیں کیونکہ وحی کا نزول نبی کے اختیار میں نہیں خواب کا نظر آنا امتی کے اختیار میں نہیں۔ (عقائد اھل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۳۶ تا ۱۳۷)

☆...... دلائل:

(۱)...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: ۶۵) "کہیے جو بھی آسمان

وزمین میں ہیں (جنات، انسان، فرشتے) وہ غیب کا علم نہیں رکھتے مگر اللہ"۔

انبیاء علیہ السلام پر غیب کا اظہار واطلاع ہوتی ہے، غیب کی عطا نہیں۔اس کے بتانے اور ظاہر کرنے سے کسی کو غیب کی اطلاع ہوتی ہے۔قرآن کریم نے تعلیم غیب کو اظہار غیب اور اطلاع غیب کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔عطاء غیب سے نہیں، کیوں کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔جس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔

(۲)......﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ﴾(یونس:۲۰) 'کہیے کہ غیب صرف اللہ ہی کیلئے ہے"۔

(۳)......﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾(الانعام:۵۹)اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین میں کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر وہ سب کتاب مبین میں ہیں"۔

(۴)......﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾(الحشر:۲۲)'غیب وحاضر کا جاننے والا وہی رحمٰن ورحیم ہے۔"

(۵)......﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾(الانعام:۷۳)

(۶)......﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الأَمْرُ كُلُّهُ﴾(ہود:۱۲۳)'اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کے غیب"۔

(۷)......﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾(الرعد:۹)

(۸)......﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ﴾(نحل:۷۷)

(۹)......﴿إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾(حجرات:۱۸)

(۱۰)......﴿قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾(انعام:۵۰)تم کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (میرا یہ دعویٰ نہیں ہے) اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔

(۱۱)......﴿قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانتَظِرُواْ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ﴾(یونس:۲۰)

(۱۲)......﴿قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ﴾ (الکہف:۲۶)

(۱۳)......﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾(التوبہ:۱۰۱)

☆......انبیاء میں کسی کو بھی علم غیب نہیں دیا گیا:

(۱۴)......حضرت نوحؑ فرماتے ہیں:﴿قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾(انعام:۵۰)تم کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (میرا یہ دعویٰ نہیں ہے) اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔

(۱۶) ابرہیم کے پاس فرشتے انسان کی شکل میں آئے اور انہیں نہیں پہچانا۔(دیکھئے:الذاریات:۲۴)
معلوم ہوا نہ ابراہیم کو اور نہ آپ کی بیوی کو علم غیب تھ۔

(۱۷) سی طرح لوطؑ کے پاس فرشتے خوبصورت نوعمر لڑکوں کی شکل میں آئے وہ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔(دیکھئے:ہود:۸۰)

(۱۸) خود حضور ﷺ کو زہر دیا گیا۔ کچھ عرصہ تکلیف کا احساس رہا۔ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ ستایا گیا۔ سب سے زیادہ ایذائیں دی گئیں لیکن قرآن کریم میں آپ کی زبانی اعلان کرایا:﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ (اعراف ۸۸) ''اگر میں غیب کی باتیں جاننے والا ہوتا تو میں بہت بھلائی منافع حاصل کر لیتا اور کوئی برائی نہیں لگتی۔''

(۱۹) ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فلما نبأها به قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾(التحریم: ۳)
اگر حضور ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یہ راز کی بات کیوں بیان فرماتے اور نہ ام المومنین یہ سوال فرماتیں کہ یہ راز کی بات کسی نے بتائی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتی تھیں کہ آپ ﷺ تو عالم الغیب ہیں۔ ہاں وہ اتنا ضرور جانتی تھیں کہ آپ اللہ کی اطلاع پر ہی مطلع ہوتے ہیں۔

(۲۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے کہے کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں وہ کاذب جھوٹا ہے۔ اللہ فرماتا ہے غیب کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں پہلے سے اپنے کام کے بارے میں جان لیتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہانک لاتا اور لوگوں کے ساتھ احرام سے باہر ہوتا جب وہ لوگ احرام سے باہر ہوئے۔

(۲۲) ﴿یسئلونک عن الساعة ایان مرسها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو ثقلت فی السموت والارض لا تاتیکم الا بغتة یسئلونک کانک حفی عنها قل انما علمها عند الله ولکن اکثر الناس لایعلمون﴾(احزاب:۶۳)

(۲۳) ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾(احزاب ۶۳)

(۲۴) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (25)قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾(ملک۲۶،۲۵)

(۲۵) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (48)قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾(یونس ۴۸، ۴۹)

(۲۶) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيبًا﴾(بنی اسرائیل:۵۱)

(۲۷) ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تدري نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(لقمان:۳۴)

(۲۸) ﴿إِنَّ السَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا﴾(طٰہٰ:۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم کی اس آیت کو اس طرح پڑھا "قیامت آنے والی ہے اگر ممکن ہوتا تو میں اس کو اپنے نفس سے بھی چھپالیتا۔ (درمنثور ۴/۹۸، ابن کثیر ۶/۲۳۹، جامع البیان ۲۵۹)

(۲۹)۔۔ بخاری شریف حدیث جبریل ومسلم شریف اس پر شاھد ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا۔

(۳۰) حدیث قتادہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور پہنچانتے کہ یہ لوگ چور ہیں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ۲۱۰۰، ۲۲۹)

لھذا جب انبیاء کرام غیب کا علم نہیں دیا گیا ہے تو اولیاء کو بطریق اولیٰ نہیں دیا گیا ہے۔

علم الٰہی اور علم نبوی میں فرق

☆ ۔۔۔ پہلا فرق: علم الٰہی ذرائع کا محتاج نہیں ہے اور انبیاء کرام کے علوم اور حضرت محمد ﷺ کے علوم ذرائع کے محتاج ہیں اور اسے حاصل ہونے والا علم، علم غیب نہیں ہوتا۔

☆ دوسرا فرق: علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے کہ اللہ کی ذات قدیم ہے تو صفات الٰہی بھی قدیم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں اور مخلوق حادث ہے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی حادث ہے۔ علم حادث علم غیب نہیں ہوتا۔

☆ تیسرا فرق: خدا تعالیٰ کی ذات ہر چیز کو محیط ہے تو خدا کی صفت علم بھی ہر چیز کو محیط ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ذات ہی ہر چیز کو محیط نہیں تو آپ کا علم ہر ہر چیز کو کیسے محیط ہوسکتا ہے اور علم غیب یا عالم الغیب ہونے کے لئے علم محیط شرط ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محیط نہیں لہذا آپ علیہ السلام عالم الغیب بھی نہیں ہیں۔

☆ ...... چوتھا فرق: اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود اور لامتناہی ہے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محدود و متناہی ہے اور عالم الغیب ہونے کے لئے لامحدود علم کی ضرورت ہے جو ہمارے نبی کو دیئے نہیں گئے۔

☆ ...... پانچواں فرق: اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور حضور کریم ﷺ کا علم ذاتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ذاتی ہیں اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ ذاتی ہیں اور نہ ہی آپ کو علم غیب عطائی سے نوازا گیا اس لئے کہ اگر آپ کو عطائی علم الغیب ہوتا تو آپ علیہ السلام حدیث جبرائیل (مشکوۃ ج ا ص اا پر ملاحظہ فرمائیں) میں جبرائیل کے سوال "اَخبِرنِی عَنِ السَّاعَة" کہ آپ خبر دیجئے مجھے قیامت کے وقوع کے متعلق" کے جواب میں یہ نہ فرماتے "مَاالْمَسْئُولُ اَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" "میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہوں" بلکہ عطائی علم غیب سے ضرور جواب مرحمت فرماتے لیکن آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم الغیب نام اصول وقواعد جاننے کا ہے کہ جب چاہو قواعد کی قوت کے معاملہ کو حل کرلو۔ جیسے قرآن کریم نے علم الٰہی کے بارہ میں ارشاد فرمایا "وَعِندَهُ مَفَاتِيحُ الغَيبِ لايَعلَمُهَا الاهُو" "اور اس کے پاس (یعنی اللہ کے پاس) ہیں غیب کی کنجیاں کوئی نہیں جانتا مگر وہ ہی" اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں اور کنجیوں کا استعمال مرضی پر موقوف ہوتا ہے جب چاہے تالا کھول لے۔ ایسے اختیارات حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کونہیں دیئے گئے کہ جب چاہیں غیب کی باتوں کا پتہ چلا چلیں۔ایسے اختیارات صرف اللہ تعالی کے پاس ہیں۔

☆...... چھٹا فرق: علم الٰہی کلی اور تفصیلی ہے یعنی حق تعالی کو ہر چیز کا تفصیلی علم ہے کوئی چیز اور کوئی ذرہ بھی اللہ عالی سے مخفی نہیں ہے لیکن مخلوق کا علم اللہ کے مقابلہ میں کلی نہیں بلکہ جزی ہے تفصیلی نہیں بلکہ بعض ہے حتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی......... اور عام بندوں کا علم بھیلیکن عام بندوں کے بعض وجز سے حضور کریم علیہ السلام کا بعض وجزئی علم بہت بہت بڑھا ہوا ہے مثلاً سمندر سے ایک بھری ہوئی بالٹی کا پانی بھی سمندر کے مقابلہ میں بعض ہے اور سمندر کے مقابلہ بیس دریاؤں کا پانی بھی بعض ہے۔لیکن بالٹی والے بعض اور بیس دریاؤں والے بعض میں بہت فرق ہے۔عام مخلوق کا علم حضور کریم کے سامنے ایسے ہے جیسے بیس دریاؤں کے سامنے ایک بالٹی، اور علم نبوی علم الٰہی کے سامنے ایسے ہے جیسے بیس دریا سمندر کے سامنے۔

☆...... سوال: جب حضور کریم کو عالم الغیب کہنا درست نہ ہوا تو پھر وہ غیب کی باتیں جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتائی ہیں ان کو کیا کہیں گے ۔؟

☆..... جواب: وہ باتیں جو غیب بھی تھیں اور ان کا بتانا ضروری بھی تھا ان کی خبر اور اطلاع آپ علیہ السلام کو بذریعہ وحی کردی گئی اور بے شمار ایسی باتیں جن کا بتانا مناسب نہ تھا ضرورت نہ تھی وہ آپ کو بھی نہ بتائی گئیں۔لہذا آپ کو غیب کا علم تو نہ دیا گیا ہاں البتہ غیب کی ضروری باتوں کی اطلاع اور خبریں آپ کو دے دی گئیں اور وہ باتیں آپ علیہ السلام نے امت کو بتادیں۔اور آپ کی ہی زبان مبارک سے یہ اعلان بھی کروادیا کہ عالم اغیب صرف اللہ ہیں تا کہ خواہ مخواہ آپ ہی کا نام استعمال کر کے امت میں گمراہ لوگ گمراہی کی تبلیغ نہ کرتے رہیں۔شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے والا کافر ہے۔(غنیۃ الطالبین)

اس غلط عقیدہ کے نقصانات

(۱)... شرک فی العلم الٰہی کی وجہ سے گمراہی کو اختیار کیا۔

(۲)... حضور صلی اللہ علیہ وسم کو عالم الغیب ماننے سے ہجرۃ کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے۔

(۳)... وحی کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جو عالم الغیب ہے اس سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے نہ دنیا نہ آخرت نہ لوح محفوظ نہ عرش نہ کرسی۔

(۴)..... آپ کے سفر معراج کا بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جس ذات سے کوئی چیز غائب ہی نہیں تو اس کے لئے سفر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ:۱۳۸/۱۴۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک کوئی نبی اور ولی مختار کل نہیں ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو مختار کو سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صوفیاء کرام اہل السنۃ کا عقیدہ نہیں بلکہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے۔صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ مندرجہ ذیل ہے۔فاعلموا۔

(۱)......اہل سنت والجماعت کے ہاں مختار کل صرف اللہ کی ذات ہے۔(نہ کوئی نبی مختار کل ہے اور نہ کوئی ولی) پوری کائنات کا نظام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے اپنی خدائی میں وہ جس طرح چاہیں تصرف کر سکتے ہیں۔اپنے علاوہ کسی مقدس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کا کوئی اختیار نہیں دیا۔نہ کلی نہ جزئی کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی سے اللہ کے نظام میں تصرف و مداخلت کر سکے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختار کل کا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف کفریہ عقیدہ ہے۔

تشریح مختار کل

☆...مختار کے معنی:

مختار یہ باب افتعال (اجوف) سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور باب افتعال (اجوف) سے اسم مفعول کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے۔

مختار اگر اسم فاعل بنائیں تو معنی یہ ہوگا: ہر چیز کا اختیار رکھنے والا۔تو اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی مختار کل کہنا جائز ہوگا قرآن وحدیث صحابہ وتابعین اور اجماع امت کے مطابق۔یہی عقل اور نقل کے عین مطابق ہے کیونکہ تمام اختیار چاہے تکوینی ہوں یا تشریعی ہوں وہ اللہ ہی کے پاس ہیں اس معنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کہنا کفر اور شرک ہے۔

مختار اگر اسم مفعول ہو؟ اگر مختار کو (اسم مفعول) بنائیں تو مختار کے دو معنی کئے جاسکتے ہیں (۱) .. چنا ہوا (۲)......اختیار دیا ہوا۔

اگر مختار کو اول معنی میں لیں تو مطلب ہوگا کہ آپ علیہ السلام تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے پسند کئے ہوئے منتخب کئے ہوئے ہیں تو یہ مطلب قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے اس میں کسی بھی شخص کو کوئی اختلاف نہیں واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے ہیں۔آپ جیسی شخصیت اللہ تعالیٰ نے نہ تو آپ سے پہلے پیدا کی ہے نہ بعد میں کریں گے۔

اگر دوسرے معنی مختار کے لئے جائیں یعنی اختیار دیئے ہوئے تو مختار کل کا مطلب ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے اختیار دیئے گئے ہیں تو یہ عقیدہ کفریہ ہے اور قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی یا ولی یا کسی بندہ کو نہ کلی نہ جزئی نہ ذاتی نہ عطائی اختیارات دیئے ہیں۔اس دوسرے معنی کا وقوع نہ اللہ پر نہ غیر اللہ پر ہو ہی نہیں سکتا ہے کیونکہ اللہ اختیار دیئے نہیں گئے ہیں، وہ ان کے ذاتی ہیں۔(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۰/۱۴۲)

ہر نبی اور ہر رسول مختار کل نہیں ہے

(۱)......حضرت نوح علیہ السلام:﴿وَنُوحاً إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ﴾(الانبیاء:۷۶)

ترجمہ: اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

(۲)۔ ...حضرت ایوب علیہ السلام: ﴿ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (83) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴾(الانبیاء:۸۳) ترجمہ: اور ایوبؑ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے۔ اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطاء فرمایا اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

(۳) حضرت یونس علیہ السلام: کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا: ﴿ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾۔ ترجمہ: پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

(۴) ...حضرت ذکریا علیہ السلام: ﴿ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْداً وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ (89) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ﴾(انبیاء ۸۹،۹۰)۔ ترجمہ: اور ذکریا (علیہ السلام) جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیوں اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحیٰ عطاء فرمایا، اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

(۵)۔ ...حضرت ابراھیم علیہ السلام: ﴿ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴾۔

ترجمہ: (دعا کی) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

(۶)۔ ...حضرت موسٰی وحضرت ہارون علیہما السلام: ﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغَالِبِیْنَ ﴾۔ ترجمہ: اور ہم نے موسٰی اور ہارون علیہما السلام پر بھی احسان کیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

(۷) حضرت لوط علیہ السلام: ﴿ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ اَجْمَعِیْنَ ﴾

ترجمہ: اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

(۸) اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔

☆... خلاصہ: ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ رسولؐ نے دُکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور و بے بس ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالی نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا قبول کیا، اور دُکھ، درد، کرب، و بل، غم و مصیبت سے نجات دی۔ تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مجبور محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے۔ اور تو اور اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دور نہ کر سکے۔

(۹)۔ ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کا تکذیب کی گئی، انہوں نے اس کو اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔ یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا۔ ظالم کفار ومشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم وستم کا ہدف ونشانہ بنے اور صبر وشکیب کا مظاہرہ کیا۔ آخر اللہ رب العزت، قادر وقدیر کی مدد ونصرت آئی اور حق غالب آیا۔

(۱۰)..... حضرت یعقوب علیہ السلام: نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازہ سے جانا یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی، اس لئے ساتھ ہی فرمادیا کہ: ﴿ وما اغنی عنکم من اللہ من شیء ان الحکم الا للہ ﴾ ترجمہ: اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔ یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے میں قضا وقدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا۔ چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الٰہی ہوگا۔ میں حکم الٰہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں ﴿ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ترجمہ: ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ذاتی مختار کل ہیں نہ عطائی مختار کل ہیں

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے تو یہ وہی حرکت ہے جو مشرکین مکہ چودہ سو سال پہلے کر چکے ہیں کیونکہ اختیارات کا منبع اور سرچشمہ وہ بھی اللہ ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے بنائے ہوئے خداؤں کو جو اختیار ملے ہیں وہ اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ اب یہ خدا اپنی مرضی سے تصرف کر سکتے ہیں اس سوچ کو قرآن کریم نے بے شمار جگہوں پر بڑی قوت سے رد فرمایا ہے قدیم مشرکین اور جدید مشرکین کا عقیدہ ایک ہی ہے جو دونوں کے دماغی خلل کی پیداوار ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۶۲)

امام المرسلین علیہ السلام کی بے اختیاری

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوب خدا سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک ذرہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے

(۱) ..... ﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ﴾ (اعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

(۲)۔ ﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ﴾ (یونس ۴۹)

☆..... علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ "استثناء منقطع عند جمع ای ولکن ماشاء اللہ تعالی کائن" ترجمہ: یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی (میں اپنی ذات کے لئے نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتا) لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوگا۔

☆۔۔ علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں رقمطراز ہیں کہ" قُل یَـامحمّدانی لااَملِکُ لِنَفسِیُ ضـرامن مرضٍ اوفقرولانفعًامِن صحۃٍاوغنًی الاماشآء اللہاستثناء منقطع ای ولکن ماشاء اللہ من ذلک کائن"

(۳) ۔ ﴿قُلْ إِنِّیْ لَا أَمْلِکُ لَکُمْ ضَرّاً وَلَا رَشَداً﴾(الجن:۲۱) ترجمہ: آپ کہئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نفع وضرر کے اختیار کسی نفع کا واضح اعلان فرمایا ہے،ان کے جواب میں بعض کج ذہن کج بحث یہ حجت کرتے ہیں کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اسکو کہاں لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع وضرر اور سود وزیاں کا کوئی اختیار نہیں۔اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں،لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں،معاذ اللہ۔کج بحثی کے ساتھ کج بختی کا تو کوئی علاج نہیں،ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کے مالک ومختار نہیں۔

(۴) ۔۔ ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾(فاطر:۱۵) ''اے انسانو! تم خدا کے محتاج ہو،اللہ ہی بے نیاز خوبیوں والا ہے''۔

(۵) ۔ ﴿وَمَا کَانَ لِرَسُولٍ أَنْ یَأْتِیَ بِآیَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾(مومن:۷۸) ''اور کسی رسول کی یہ طاقت نہیں کہ کوئی معجزہ بغیر خدا کے حکم کے لا سکے''

(۶)۔ ...﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلَکِنَّ اللَّهَ یَمُنُّ عَلَى مَن یَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا کَانَ لَنَا أَن نَّأْتِیَکُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(ابراہیم:۱۱) ''رسولوں نے اپنی قوموں سے کہا ہم تو تمہاری طرف انسان ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان کرتا ہے ، ہماری یہ حیثیت بھی نہیں ہم کوئی معجزہ بغیر حکم الٰہی لائیں۔اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

(۷)......﴿حَتَّى إِذَا اسْتَیْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّواْ أَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُواْ جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾(یوسف:۱۱۰) ''جب پیغمبر مایوس اور ناامید ہوگئے اور انہیں گمان ہونے لگا کہ لوگ ہمیں جھٹلائیں کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔''

حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا: آپ نے فرمایا: وہ جن لوگوں نے اللہ کے رسلوں کو مانا اور ان کی تصدیق کی جب ان پر آزمائش مصیبت طویل ہوگئی اللہ کی مدد میں دیر لگی ، حتی کہ رسول بھی اپنی قوم کے جھٹلانے والوں کے ایمان سے مایوس ہوگئے تو رسولوں کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب تو یہ ایمان لانے والے بھی ہمیں جھوٹا خیال کرنے لگیں گے اس وقت اللہ نے اپنی مدد فرمائی۔''

(۸) ۔۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لآمَنَ مَن فِی الأَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعاً أَفَأَنتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتَّى یَکُونُواْ مُؤْمِنِیْنَ﴾(یونس:۹۹)

''اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا (اے نبی) تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ سب ایمان لے آویں۔''

(۹)..... ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (یونس۔۱۰۰) ''کسی جان کی مجال نہیں کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے''

(۱۰) ﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلَا ضَرّاً إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَاْ إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (اعراف۔۱۸۸)

(۱۱)..... ﴿مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيّاً مُّرْشِداً﴾ (کہف۔۱۷) ''جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو آپ کو بھی اس کا کوئی حمایتی اور مددگار ہرگز نہ ملے گا۔''

(۱۲)..... ﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْاْ عَنْهُمْ فَإِن تَرْضَوْاْ عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (توبہ۔۹۶)

''منافقین قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ ان سے راضی ہو جاؤ پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو بے شک اللہ ان فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا یعنی اگر آپ ان کی قسموں کا بھی اعتبار کر لیں ان کے عذر قبول کر لیں اس کے باوجود بھی اللہ ان سے راضی نہیں ہو گا''۔

ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقلیم بلاغ وتبلیغ کے تاجدار اور مسند رشد وہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۳)..... ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (القصص ۵۶)

ترجمہ: تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری اس آیت کا شان نزول صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورہ القصص، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

(۱۴)..... ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء ۳) ترجمہ: شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بنی نوع انسان سے محبت ورحمت کا جو بحر ودریا موجزن تھا۔ اس کے طوفان وتلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر ومشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوش رحمت اور درد محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز وگداز کے مہلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا، فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نکلے، آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

(۱۵)..... ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ (فاطر۔۸)

ترجمہ: بیشک اللہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہوگئی سوز گداز رحمت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان کے لالے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

(۱۶) ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران:۲۸)

ترجمہ: آپ کا کچھ اختیار نہیں، اللہ تعالی ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

(۱۷) ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ:۸۰) ترجمہ: آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالی ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

(۱۹) ﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (انفال:۶۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالی نے ان مسلمانوں کے دل میں الفت ڈال دی۔ اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ تعالی نے ان میں الفت ڈال دی۔ بیشک وہ زور (وقوت) والا حکمت والا ہے۔

اس ارشاد الٰہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفت قدرت واختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنادیا، اور ان کے قلوب میں الفت ومحبت کے دریا بہادیے، وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمل بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائل عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض وکینے مٹا کر ان کو باہم شیر وشکر نہیں بنا سکتے۔

(۲۰) ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ﴾۔ آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک وہوا علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک ومختار ہیں۔ ''انا قاسم واللہ یعطی'' کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کر دیے ہیں، ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے، نیز کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔ اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک ومختار اور قاسم ومقسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لیے ان تینوں باتوں کی احتیاج وضرورت نہیں، نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعوی کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی نے بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار وتصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریباً انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں! ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ﴾۔ (پارہ ۱۲۔ ھود۔ ع ۳) (ماخذ شرک وتوحید کی حقیقت)

(۲۱)......﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَاْ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ﴾(یونس:۱۰۸)حضور ﷺ سے خطاب ہے کہ لوگوں سے کہیے کہ اے لوگوں تمہارے رب کی طرف سے حق (دین) پہنچ چکا ہے، پس جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی اسی پر پڑے گی اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار نہیں۔

(۲۲)......﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾(بقرہ ۲۷۲)"یعنی ان یہود کو سید ھے راستے اور ایمان پر لانا آپ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ ہاں اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔"

(۲۳)......﴿إِن تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾(نحل:۳۷)

(۲۴)......﴿وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقاً فِي الأَرْضِ أَوْ سُلَّماً فِي السَّمَاء فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ وَلَوْ شَاء اللّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾(انعام ۳۵)حضور ﷺ سے خطاب ہے کہ اگر ان مشرکوں کا تم سے منہ پھرنا تم کو شاق گزرے "تم پر بھاری ہو" تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں کوئی زینہ، پھر کوئی معجزہ نشانی لے آو۔ اگر اللہ کو منظور ہو تو سب کو ہدایت پر کر دے۔ پس ہر گز نہ ہو، نادانوں میں سے۔ مقصد یہ ہے کہ ایمان وہدایت دینا ہمارا کام ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے پر ہر گز رنج نہ کرو۔ ان کے ایمان لانے کی امید چھوڑ دو۔

(۲۵)......﴿وَلَوْلاَ أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئاً قَلِيلاً (74) إِذاً لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لاَ تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيراً﴾(اسرا ۷۴،۷۵)"اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔"

(۲۶)......﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُواْ لَوْلاَ اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يِوحَى إِلَيَّ مِن رَّبِّي﴾(الاعراف ۲۰۳)

"اور جب کوئی معجزہ نشانی آپ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو لوگ کہتے ہیں کہ آپ معجزہ کیوں نہیں لائے آپ کو حکم ہوا کہ یہ میرا رب میری طرف جو وحی کرتا ہے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں۔

(۲۸)......﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاء نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (15) قُل لَّوْ شَاء اللّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلاَ أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ﴾(یونس ۱۵،۱۶)(از فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، لمناظر اسلام محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ ۲۵۹تا۲۶۹)

(خلاصہ) دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بے بسی وبے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفی صلی اللہ عیلہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں چند مقامات پر بیان فرمائی گئی ہے۔ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان چند مقامات پر حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ نہ مقصود ہے نہ آسان۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک واختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت وبے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔اجمالاً صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

''یا فاطمہ بنت محمدٍ سلینی ماشئت من مالی لااغنی عنک من اللہ شیئاً''(صحیح مسلم)

ترجمہ:اور اے فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم!میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کر لے،میں اللہ کے مقابلے میں ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔

(۲) ''قاتل اللہ یھودیقولون لولادفع عنہ ولااملک لہ ولالنفسی شیئاًلایلومونی فی ابی امامتہ'' (مشکوۃ المصابیح باب مدار قدر) ترجمہ:یعنی اللہ یہود کو ہلاک کرے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ السعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دور کردی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لئے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لیے،مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

(۳) ''اللّٰھم ھٰذاقَسمی فیمااملِکُ فلا تلُمنی مِمّا تَملِکَ وَلا اَملِکُ''۔ترجمہ:اے اللہ!جو(باری نان ونفقہ وغیرہ ظاہری)تقسیم میرے بس میں تھی وہ میں نے کردی،اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مواخذہ نہ فرمائیں۔(مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح)

حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یعنی الحب المودۃ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہؓ کی محبت وصورت دوسری ازواج مطہراتؓ کے مقابلے میں زیادہ تھی۔مگر اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار نہ تھا لہذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کر رہے ہیں۔تو آپ کو اپنے دل کی محبت والفت پر بھی اختیار نہیں،بے اختیاری حد ہوگئی صلی اللہ علیہ وسلم۔(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

(۴) ''اللّٰھم انی اَستَخِیرُکَ بعلمکَ واستَقدِرُکَ بقدرتکَ واسئلُکَ مِن فَضلکَ العَظِیم فانکَ تَقدِرُ ولااَقدِرُ وتَعلَم ولااَعلَم وانتَ عَلامُ الغُیُوب''(رواہ بخاری شریف''مشکوۃ المصابیح''باب التطوع)

ترجمہ:الٰہی!میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں،بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائے!کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت واختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لئے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جارہی ہے۔

(۵) اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں اسی طرح آپ ﷺ کی ایک اور دعا میں آیا ہے:''اللّٰھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمت الحیوۃ خیراًلی وتوفنی اذاعلمت الوفات خیراًلی''۔(رواہ النسائی''مشکوۃ المصابیح باب جامع الدعاء)

ترجمہ:الٰہی!اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے

لیے خیر ہواور مجھے وفات دے جب تیرے علم میں وفات میرے لیے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علم غیب اور قدرت کاملہ کا خاصہ خدا ہونا ثابت ہو ہے، وہاں اپنے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرمارہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت وحیات اللہ رب العزت کے قدرت میں ہے۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات ووفات کا بھی اختیار نہیں۔

(۶) ..ایک قطرہ بارش پر اختیار نہیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں عہد رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہوگئے، بال بچے بھوکے ہیں "فادع اللہ لنا الخ حدیث مشہور ہے۔دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابیؓ درخواست کرتا ہے کہ آپ ہمارے لیے اللہ سے اس کی دعا فرمائیں۔اور اگر بارش رکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لیے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔اور پھر یہی بارش ختم کرانی ہے تو بھی رب قدر وقدیر کی بارگاہ قدس میں دست سوال دراز کر کے دعا کرتے ہیں:"اللھم حوالینا ولا علینا" محبوب رب العلمین کی شان محبوبیت ومقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ رب العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے۔اور آٹھ دن لگا تار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن باین ہمہ بے اختیاری وبے بسی کا حال یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذات قادر سے! اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی رب قدیر سے۔

(۸) . سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، حضرت سائل ہیں:"اللھم انی اسئلک من کل خیر خزننہ بیدک واعوذبک من کل شر خزئنہ بیدک" ۔(مستدرک حاکم ج اول ص ۵۲۵) ترجمہ: الٰہی! میں تجھ سے ہر بلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔

(۹). ...معطی اللہ ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاسم:"ما اعطیکم ولا امنعکم انما انا قاسم اضع حیث امرت" ۔(رواہ بخاری مشکوۃ المصابیح باب رزق الولاۃ) ترجمہ: نہ تو میں تمھیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ رکھتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنیوالا ہوں۔جہاں مجھے (اللہ تعالی کا) حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

(۱۰). "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی" ۔(متفق علیہ) ترجمہ: اللہ تعالی جس کے متعلق بہترین کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔دینے والا اللہ ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں: دیتے اللہ ہیں، میں صرف تو صرف بانٹتا ہوں۔یعنی میں تو صرف قرآن وحدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں، باقی ہی اس کی سمجھ سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔یار لوگوں نے اس حدیث پاک سے الٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف واختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔حالانکہ اہل علم ونظر کے نزدیک تو اس ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود آپ کے ملک واختیار کی نفی واضح ہے۔چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری صاحب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔(وفاء الوفاء، ج اول، ص ۳۲۳)

بالیقین حضرات انبیاء علیہ السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار نہیں، اور انہوں (یعنی شیخ الاسلامؒ، امام ابن تیمیہؒ) نے اسی حدیث "انما انا قاسم و اللہ یعطی" سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قاسم ہیں، اور ملک واختیار آپ کا بالکل نہیں۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۷۱)

(۱۱) "ادهب فخذغير هافلست بافقر الى الله منى"۔ ترجمہ: جاؤ تم دوسری اُٹھالاؤ، تو مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت بارگاہ رب العزت میں طالب دعا رہتے تھے۔ ہمہ وقت دعا صبح وشام، رات دن، دعا سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا سفر پر جاتے، گھر سے نکلتے، واپس آتے دعا، وضو اور نماز کے بعد دعا، نماز کے اندر دعا، ہر ہر دعا، ہر وقت ہر مجلس میں خلوت میں وجلوت میں اللہ سے دعا، حتی بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ کا طول وعرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصلواساس ہی دعا کرنے والے کی بے بسی وبے اختیاری ہے، مجبوری ولا چاری ہے۔

☆ .... گر اختیار واقتدار ہوتو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اور جب ہر وقت دست طلب ودعا دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعا تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ شفاعت ہیں سفارش، کسی کو کسی کے لیے سفارش کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ وایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے، اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مسلم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں۔

☆ .... خلاصہ: قرآن کریم سے چند مقامات پر اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مقامات پر ثابت ہوا کہ نبی کریم امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع ونقصان کا ملک واختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی وبے اختیاری کے ان شواہد ونصوص کے بعد بھی آپ کے مختار کل ہونے کا ادعاء باطل برابر جاری رہے گا۔؟ پھر قرآن کریم کے سے دوسرے حضرات انبیاء علیہ السلام کی نصوص کتاب وسنت سے مطلق بے اختیاری ثابت وواضح ہونے کے بعد اور کون ہے جس کو اختیار حاصل ہو۔ (شرک اور توحید کی حقیقت)

چند وضاحتیں

معلوم ہوا کہ مختار کل صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہیں ہیں۔

(۱) حتی کہ انبیاء کرام کے معجزے اور اولیاء کاملین کی کرامات میں بھی ان کی مرضی شامل نہیں ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہیں تو نبی کے ہاتھ پر معجزہ اور ولی کے ہاتھ پر کرامت کو ظاہر کر دیں اگر نہ چاہیں تو ان کا ظہور نہیں ہوسکتا۔

(۲) ... انبیاء کرام پوری زندگی یہی اعلان کرتے رہتے ہیں کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ تواضع کی وجہ سے تھا تو عرض یہ ہے کہ معاذ اللہ تواضعاً جھوٹ بولنا جائز ہے؟ کیا یہ غلط بیانی نہیں حالانکہ یہ سوچ انبیاء کرام کے بارے میں رکھنا خود ایک الگ کفر ہے۔

(۳) . . ہر نبی ہمیشہ اللہ کے سامنے دعا کرتے ہیں التجائیں کرتے ہیں تو انبیاء کرام کا یہ فعل خود ہی اس کی دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مختار کل نہیں سمجھتے۔

(۴) . . . حلت اور حرمت احکام کی نسبت جو ہمارے نبی اور دیگر انبیاء کی طرف کی جاتی ہے، وہ بطور مبلغ ہونے کے ہے۔ انبیاء کرام کو اشیاء کے حلال اور حرام کرنے کا اختیار نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کریم کا اعلان ہے۔ قال تعالیٰ ﴿ مَایَنطِقُ عَنِ الْهَوٰیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی ﴾ (نجم آیت ۳-۴) ترجمہ: وہ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بات کرتے اپنی چاہت و خواہش سے نہیں ہوتا وہ (یعنی بات کرنا) مگر صرف وحی سے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے الخ (تفسیر بیان القرآن ملاحظہ فرمائیں) خواہ الفاظ کی وحی ہو جو قرآن کہلاتی ہے خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی ہو جس سے آپ اجتہاد فرماتے ہوں) معلوم ہوا کہ نبی کا اپنی طرف حلت اور حرمت کی نسبت کرنا بطور مجاز ہے نہ کہ حقیقتاً ورنہ ﴿ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ ﴾ ترجمہ: اے نبی تم کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کر دیا ہے) میں جو شہد کے واقعہ کے بارہ میں نازل ہوئی آپ کو تنبیہ نہ کی جاتی۔ معلوم ہوا کہ آپ کو احکام کی حلت وحرمت کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(۵) . . . . کبھی کبھار فقہاء مجتہدین کی طرف بھی کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے کی نسبت کر دی جاتی ہے وہ نسبت مجازاً ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اور مجازاً بھی نسبت اس لئے کر دی جاتی ہے کہ فقہاء موجد دین نہیں بلکہ شارح وکاشف دین ہیں۔ قرآن کریم واحادیث میں مذکور اصول وکلیات کی روشنی میں ہر زمانہ میں پیش آنے والی جزئیات کو حل کرتے ہیں جو امت کو پیش آتی ہیں یعنی اصولوں کی روشنی میں جزئی مسائل کو عوام کی آسانی کے لئے حل کرنا فقہاء کرام کا کام ہوتا ہے اور یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

(۶) . . تکوینی اور تشریعی اور مافوق الاسباب (یعنی وہ کام جن کو اسباب سے نہیں جوڑا گیا) امور تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں اس میں کوئی بااختیار نہیں ہے۔ البتہ جو کام اسباب مادیہ سے ہیں جیسے ڈاکٹر وحکیم سے دوائی لینا یا اسباب روحانیہ سے ہیں جیسے کسی سے دعا کرانا یا دم وتعویز وغیرہ لینا۔ تو یہ چیزیں ماتحت الاسباب (یعنی جو چیزیں اسباب کے اختیار کرنے سے اللہ نے جوڑی ہوئی ہیں) سے تعلق رکھتی ہیں اس میں بندہ کو کچھ اختیار بھی ہے کہ اپنے کام دوسروں سے کرانا جائز ہے۔ لہذا ان اسباب کو اس عقیدہ سے اختیار کرنا جائز ہے کہ مسبب الاسباب (یعنی کرنے والے اللہ ہی ہیں) تو اسباب اختیار کرنا جائز ہوگا۔ یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی دینداری ہے۔ بغیر اسباب اختیار کئے تو توکل بھی معتبر نہیں ہے بلکہ یہ تعطل ہے۔ (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۲، ۴۴)

لہذا جب انبیاء کرام مختار کل نہیں تو اولیاء کرام بطریق اولیٰ مختار کل نہیں کا یہ عقیدہ ہو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرام میں سے نہیں ہیں۔ اور جو لوگ اس باطل عقیدے کی نسبت صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف کرنا ظلم عظیم اور بہتان ہے، اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست دیکھائے، اور ان کو توبہ کی توفیق نصیب مائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک کوئی نبی اور ولی حاظر وناظر نہیں ہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام نبی اور ولی کو حاضر وناضر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے ،صوفیاء کرام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ اس بارے میں درج ذیل ہے۔ فاعلموا۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حاضر اور ناظر صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کمالات کے باوجود حاضر وناظر نہیں ہیں اور آپ علیہ السلام کے بارے میں حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا نری جہالت ہے اور یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے۔

☆...... حاضر اور ناظر کے معنی: یہ دونوں عربی کے لفظ ہیں حاضر کا معنی موجود ہونا اور ناظر کا معنی دیکھنے والا ہونا۔ جب ان دونوں یعنی حاضر یعنی حاضر وناظر کو ملائیں گے تو معنی ومفہوم یہ ہوگا کہ حاضر اور ناظر وہ ذات ہے کہ جس کے وجود کا کسی خاص جگہ سے تعلق نہ ہو اور وہ ذات پوری کائنات کو محیط ہو اور اس کی نظر کائنات کے ذرے ذرے پر ہو۔ یہ مذکورہ تعریف تو صرف اور صرف رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محیط نہیں اس لئے آپ حاضر اور ناظر بھی نہیں ہیں۔ صرف اللہ ہی حاضر ہیں جو قرآن کی ان جیسی آیات سے سمجھا گیا۔﴿وَاللهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْد﴾ (ہر چیز اللہ کے سامنے ہے) اور ناظر ہونا ان جیسی آیات سے سمجھا گیا ﴿وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْر﴾ "جو بھی تم کرتے ہو اس کو اللہ دیکھنے والا ہے"۔

اہل بدعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر اور ناظر مانتے ہیں اور اس حاضر اور ناظر کی کئی طرح سے تشریح کرتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں۔

(۲) آپ علیہ السلام کی روح مبارک ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے۔

(۳) ... آپ علیہ السلام تو بنفس نفیس اپنے روضہ پاک میں تشریف فرما ہیں البتہ وہیں سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔

حالانکہ یہ تمام تشریحات نقل اور عقل کے بالکل خلاف ہیں اس غلط عقیدہ کی وجہ سے بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

☆...... پہلا سوال: کیا حاضر اور ناظر ذات کو معراج کی ضرورت تھی بقول اہل بدعت ہر چیز تو ان کے سامنے تھی۔

☆...... دوسرا سوال: کیا حاضر اور ناظر ذات کو ہجرت کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ آپ تو ہر جگہ موجود تھے۔

☆...... تیسرا سوال: کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ۵۳ سال مکہ میں رہے اور ۱۰ سال مدینہ میں رہے کیونکہ آپ تو بیک وقت ہر دو جگہ موجود تھے۔ اس طرح کے سینکڑوں سوالات اس غلط عقیدہ کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ لہذا نہ آپ کی صرف روح نہ آپ کا صرف جسم نہ آپ کی روح اور جسم، نہ پیدائش سے پہلے نہ اپنی زندگی میں نہ وفات کے بعد بالکل حاضر اور ناظر نہ تھے۔ آپ اپنے روضہ پاک میں آج بھی آرام فرمارہے ہیں اور عشاق اور مشتاقان مدینہ آپ کے روضہ پر اسی لئے حاضر ہوکر برکت حاصل کرتے ہیں کہ آپ یہاں موجود نہیں ہیں۔ بلکہ روضہ پاک میں ہیں بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ج ۶ ص ۳۲۶ پر ہے۔ کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر ہیں اور سب کچھ جانتی

ہیں وہ شخص کافر ہے۔

☆......اصل مغالطہ

اہل بدعت کو اصل مغالطہ ﴿ یاَاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴾(احزاب ۴۵) ترجمہ: (اے نبی بے شک ہم نے بھیجا آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری بنانے والا اور ڈرسنانے والا) سے لگا ہے کہ بعض یارلوگوں نے شاہداً کا ترجمہ حاضر ناظر کیا ہے وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ گواہ کے لے حاضر اور ناظر ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ شاہداً کا ترجمہ حاضر اور ناظر کرنا یہ خود فریبی ہے یا شہادت کی ادائیگی کے اصولوں سے لاعلمی ہے۔ نقلی جوابات کی توضرورت نہیں ایک الزامی جواب لکھا جاتا ہے۔ کہ اگر لفظ شاہد سے حاضر اور ناظر والا معنی مراد لیں تو امت محمدیہ کے لئے یہی لفظ سورہ بقرہ میں لفظ شہدا کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ کیا اس مقام پر بھی شہدا سے حاضر اور ناظر ہی مراد لیں گے۔ اگر لیں گے تو پھر اس میں حضور پاک کی تخصیص کیا ہوئی۔؟ اگر نہیں لیں گے کیوں وجہ کیا ہے۔؟

خلاصہ یہ ہوا کہ حاضر اور ناظر صرف اللہ ہیں، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر بلند شان کے باوجود حاضر و ناظر نہیں اور یہ حاضر اور ناظر کا عقیدہ غیر اللہ کے لئے رکھنا بالکل جاہلانہ حرکت ہے (۔عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۲ تا ۱۴۶ ؛ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔ فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ: ۲۳۰ تا ۲۵۱)

اہل السنۃ والجماعۃ کے صوفیاء کرامؒ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ کی معراج جسمانی حق ہے

عقیدہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت معراج ہوتا تھا یعنی ہر وقت آپ کیفیت معراج میں رہتے تھے۔ (ہدایت آخرت تعلق مع اللہ میں ہر لحہ عروج ہوتا تھا) اور حیات روحانی (معروف) یعنی خواب میں آپ کو عالم آخرت کے احوال کئی مرتبہ دکھائے گئے لیکن معراج جسمانی (یعنی روح بمع جسد اطہر) بھی ہوئی ہے جس کا تذکرہ سورۃ بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔ وہ یہی معراج جسمانی ہی ہے گویا کہ معراج جسمانی کا ثبوت یہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور تقریباً پچیس صحابہ سے منقول روایات سے بھی ثابت ہے اور اسی پر پوری امت کا اجماع بھی ہے یعنی جمہور صحابہ و تابعین آپ کی معراج جسمانی کے قائل ہیں۔

لہذا جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار سنگین غلطی ہے جو درست نہیں ہے۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین صاحب ۱۴۶/ ۱۴۹، ماخذ: مفصل عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، مصنفہ راقم الحروف)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک توسل جائز ہے

توسل

(۱) ... حضرت محمدؐ کے وسیلہ سے دُعا کرنا بہت اچھا ہے۔ اہل سنت والجماعۃ علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ دعاء میں حضرت محمدؐ کے وسیلہ سے دعاء کرنا جائز ہے بلکہ تمام انبیا کرام اور اولیاء عظام کے توسل سے بھی جائز ہے۔ مثلاً یوں کہے یا اللہ میں بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء کرام یا صالحین کرام دعا کی قبولیت کا متمنی ہوں۔

☆...... وسیلہ کا معنی: لفظ وسیلہ، یہ عربی کے لفظ وصل سے (نکلا) ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں۔

☆...... شرعی اصطلاح: میں وسیلہ کہتے ہیں۔ ہر اس چیز یا ذریعہ کو جس کو رغبت اور محبت کے ساتھ استعمال کر کے معبود کی قربت حاصل کی جائے۔

☆... لفظی تحقیق: یہ لفظ سین اور صاد دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں ان کا معنی قریب قریب ہوتا ہے البتہ معمولی سا یہ فرق ضرور بیان کیا جاتا ہے کہ صاد سے معنی میں عموم ہوتا ہے کہ کسی سے محبت یا رغبت سے ملا جائے یا ان کے یعنی محبت اور رغبت کے بغیر ملایا جائے لیکن سین کے ساتھ مستعمل ہونے کی صورت میں معنی ہوگا کہ وہ ملنا صرف محبت کی وجہ سے ہو۔ بعض احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک مخصوص مقام اور درجہ بھی ہے کہ جو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ملے گا۔ لسان العرب میں ہے:

وسل: والوسیلة:"ال منزلة عند الملک والوسیلة الدرجة والوسیلة: القربة. ووسل فلان الی الله وسیلة اذا عمل عملا تقرب به الیه. والواسل: الراغب الی" (لسان العرب ۱۱/۷۲۴)

(۲) . انبیاء کرام علیہم السلام، صلحاء واولیاء، صدیقین وشہداء واتقیاء کا توسل جائز ہے، یعنی ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

"وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی ﷺ الی ربه ولم ینکره احد من السلف والخلف الا ابن تیمیه فابتدع مالم یقله عالم قبله" (روح المعانی ۶/۱۲۸)

روح المعانی میں ہے: "ان الوسل بجاه غیر النبی ﷺ لاباس به ایضا ان کان المتوسل بجاهه مما علم ان له جاها عند الله تعالی کالمقطوع بصلاحه وولیته" (روح المعانی ۶/۱۲۸)

(۳) ..... توسل نیک ہستیوں کی زندگیوں میں بھی جائز ہے، اور ان کی وفات کے بعد بھی جائز ہے۔ "ویستفاد من قصة العباسؓ استحباب الاستشفاع باهل الخیر والصلاح واهل بیت النبوة. یجوز التوسل الی الله تعالی والاستغاثة بالانبیاء والصالحین بعد موتهم" (بریقه محمودیه ۱/۲۷۰ بحواله تسکین الصدور ۳۳۵)

"عندنا وعند مشائخنا یجوزا لتوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشهداء والصدیقین فی حیاتهم وبعد وفاتهم بان یقول فی دعائه اللهم انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر

ذلک. (المهند علی المفند، ۱۲، ۱۳)

(۴)... توسل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی سے اسطرح دعاء کرے کہ یا اللہ! میں آپ کے فلاں ولی کے وسیلہ سے اپنی دعاء کی قبولیت چاہتا ہوں، اور اپنی حاجت برآری کا خواستگار ہوں، یا اسی جیسے دوسرے کلمات کہے۔

عن عمر بن الخطابؓ قال فی واقعة العباسؓ اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا ﷺ فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاستقنا قال فیسون۔ (صحیح بخاری ۱/۱۳۷)

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال ادع الله ان یعافینی قال ان شئت صبرت فهو خیر لک قال فادعه قال فامره ان یتوضا فیحسن وضوءه ویدعو بهذا الدعا اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه فی۔ (جامع ترمذی ۲/۱۹۷)ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی الله والتوسل بنبی الله ﷺ لیستجاب۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۶)

(۵). بزرگوں کو وسیلہ بنانے کے بجائے براہ راست انہی سے حاجات مانگنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔

"قال النبی ﷺ اذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله". (مشکوۃ المصابیح ۲/۴۵۳)

مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے:" فان منهم من قصد بزیارة قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورهم ویدعو عندها ویسائلهم الحوائج وهذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادة وطلب الحوائج والاستعانة لله وحده" (مجمع بحار الانوار ۲/۳۷۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۲۲)

(۶) اللہ تبارک وتعالی کی ذات، اس کی صفات، اس کے اسمائے حسنی اور اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ، برالوالدین، صدقہ، ذکر، تلاوت قرآن، دورد شریف اور اجتناب معاصی وغیرہ سے توسل جائز ہے۔

'لما جاء فی الصحیحین من " حدیث الغار" ان ثلثة نفر قد اخذهم المطر فمالوا الی غار فی الجبل فانحطت علی فم غارهم صخرة من الجبل... الی ان فرج الله عنهم بتوسل صالح اعمالهم". (صحیح بخاری ۲/۸۸۳، ۸۸۴)

شرح نووی علی مسلم لکھا ہے:" استدل اصحابنا بهذا علی انه یستحب للانسان ان یدعو فی حال کربه وفی دعا الاستسقاء وغیره بصالح عمله ویتوسل الی الله تعالی به لان هولاء فعلوه فاستجیب لهم وذکره النبی ﷺ فی معرض الثناء علیهم وجمیل فضائلهم" (شرح نووی علی مسلم ۲/۳۵۳)

فتاوی ابن تیمیہ میں لکھا ہے: "فالتوسل الی الله بالنبین هو التوسل بالایمان بهم وبطاعتهم کالصلوة والسلام علیهم ومحبتهم وموالاتهم او بدعائهم وشفاعتهم" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۷/۱۳۳)

(۷)... جیسے نیک اعمال کا توسل جائز ہے، ایسے ہی نیک اور برگزیدہ ہستیوں کا توسل بھی جائز ہے، کیونکہ ذوات یعنی نیک لوگوں کا توسل درحقیقت اعمال ہی کا توسل ہے۔

(۸) توسل کا درجہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ استحباب (یعنی مستحب ہونے) کا ہے لہذا توسل کو واجب کہنا یہ خود صریح گمراہی۔

(۹) اللہ تعالیٰ جیسے اپنے کسی کام میں مجبور نہیں ہیں اسی طرح کسی بھی بڑی سے بڑی ذات کا توسل کرلیا جائے تو اس کا ماننا اللہ تعالیٰ پر لازم اور ضروری نہیں ہے۔ مان لیں تو بھی صحیح اور اگر کسی کو حیثیت اللہ تعالیٰ نہ دیں تو بھی صحیح ہے۔

(از عقائد اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب دامت برکاتھم العالیہ: ۱۷۵تا۱۷۶)

☆ توسل کی تین صورتیں ہیں

☆... صورت نمبر (۱) توسل کی یہ صورت اگرچہ مذکورہ عبارت میں آہی گئی ہے لیکن آسانی کے لئے پھر پیش خدمت ہے۔ انسان اپنی دعا میں یا تو اپنی کسی نیکی یا غیر کی نیکی یا کسی نیک شخصیت کے توسل سے یہ دعا کرے کہ یا اللہ میری یہ دعا اس نیک عمل یا اس نیک شخصیت کی برکت سے قبول فرما کیونکہ وہ آپ کی جناب میں بامقام ہے اس کے اس تعلق کی لاج رکھ لے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ یہ صورت توسل کی جائز ہے اور اس کے بے شمار نظائر قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

☆ ...صورت نمبر (۲) بندہ خود کو اس قابل نہ سمجھے بلکہ کسی دوسرے شخص سے ہی عرض کردے کہ آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہیں میرے لئے دعا کردیں اگرچہ میری بھی اللہ تعالیٰ دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں لیکن بہ نسبت میرے آپ کی زیادہ قبول کرتے ہیں نیکی میں بڑھے ہوئے ہونے کی وجہ سے یہ صورت ہمیشہ سے بزرگوں میں رائج رہی ہے اور اس میں تواضع بھی زیادہ ہے کہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھا بلکہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جانا۔

☆ صورت نمبر (۳) تیسری صورت توسل کی یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہماری پہنچ اور رسائی اللہ تعالیٰ تک نہیں ہے ہم بزرگوں سے درخواست کریں گے آگے وہ اللہ تعالیٰ تک خود ہی پہنچ سکتے ہیں یا بعطاء الٰہی ان کے پاس ہماری درخواستیں قبول کرنے کے اختیارات موجود ہیں۔ یہ وسیلہ کی تیسری صورت بلکل جہالت پر مبنی ہے اور نری گمراہی ہے۔ اور اس کے اندر دو سنگین قسم کی غلطیاں موجود ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ کی صفت سمع اور قدرت پر زد آتی ہے۔

☆ غلطی نمبر (۱) لوگوں نے خدائی دربار کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح تصور کرلیا ہے کہ جس طرح بادشاہوں تک بغیر درباری یا چپڑاسی یا وزیروں ومشیر رسائی نہیں ہوتی ہے کہ ہر کوئی عرض معروض کرسکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دربار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ کے لئے کسی ذریعہ کو استعمال کرنا ضروری ہے حالانکہ بادشاہوں پر جو خود مخلوق ہیں خالق کو قیاس کرنا ہی غلط ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کیا جائے حالانکہ بادشاہوں کو اپنے خلفاء یا وزیر رکھنے کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ وہ بیک وقت ہر کسی کی سن نہیں سکتے یا ان تک کوئی شخص پہنچ نہیں سکتا۔ لیکن اس کے برعکس خدائی معاملہ یہ ہے کہ وہ ذات اتنی بلند شان کی مالک ہے کہ وہ بیک وقت بیک لحہ کروڑوں افراد کی سن سکتے ہیں اور وہ ہر وقت سنتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہ یہ ہمیشہ سے اعلان ہے کہ. قَالَ تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ [بقرہ]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں (جو) اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ سوچ اس کی صفت سمیع کے خلاف ہے اور انکار ہے۔

☆...... **غلطی نمبر (۲)** یہ ہوئی ہے کہ جیسے بادشاہ سے اپنے تمام امور خود مٹائے نہیں جاتے وہ خود ہی اپنی اختیارات اپنے چند مشیروں وزیروں گورنروں کو دے دیتے ہیں اوخودان کو پتہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ نائبین جب چاہیں جو چاہیں کرتے رہیں بادشاہ کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے کچھ اختیارات انبیاء واولیاء کو دے دیتے ہیں وہ با اختیار ہو کر جو چاہیں کرتے ہیں۔لیکن اس غلطی کا پہلی غلطی سے سنگین اور فحش ہونا کسی عاقل پر مخفی نہیں ہے کہ اس سوچ میں اللہ کو مجبور ظاہر کیا گیا ہے جو قدرت کا عکس ہے اور ناممکن ہے اس لئے کہ بادشاہ عاجز پر خدا قادر کو قیاس کرنا حد درجہ گمراہی ہے۔

فرمان الٰہی! اللہ تعالیٰ اپنا تعارف ﴿ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ﴾ کے الفاظ سے کروا چکے ہیں کہ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جب اس نے تمام نظام کائنات بغیر مشورہ اور بغیر کسی مدد کے بنایا ہے وہ اس کے چلانے پر بھی قادر ہے اور چلا رہا ہے۔اور وہ اس نظام کے چلانے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔حاصل یہ ہوا کہ وسیلہ کی اول دونوں صورتیں صحیح ہیں، تیسری اور آخری صورت گمراہی کا منبع اور بنیاد ہے۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مفتی زین العابدین کرتالوی دامت برکاتہم العالیہ ۱۵۳ تا ۱۵۷)

اہل السنۃ الجماعۃ صوفیاء کرام کے نزدیک ایصالِ ثواب حق ہے

☆...... **ایصالِ ثواب**: زندہ مؤمن کی دعاء اور صدقہ دینے سے مردہ مومن کو نفع پہنچتا ہے۔اگر مردہ مومن عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کو دعا اور خیرات سے تخفیف ہو جاوے گی یا بالکل معاف ہو جائے گا اور اگر عذاب میں بتلا نہیں تو اس دعا اور خیرات سے اس کے وہاں درجات زیادہ ہو جاویں گے بہر طور اس کو نفع ہوتا ہے اور قرآن واحادیث واجماع صحابہؓ اس پر دلیل ہے۔قال تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُ وامِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ﴾ اور واسطے ان لوگوں کے کہ جو انصار و مہاجرین کے بعد آئے اور کہتے ہیں کہ الٰہی ہم کو بخش اور جو ہم سے پہلے مومن ہیں ان کو بخش اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اموات کو بھی شامل ہے اگر اس دعا سے سابقوں کو کچھ نفع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بعد والوں کی مدح میں ذکر نہ فرماتا بلکہ یہ دعاء فعل عبث گنا جاتا اور جنازے کی نماز پڑھنا حضرت محمد ﷺ کے عہد سے اب تک جمہور اسلام کے ہاں چلا آتا ہے اگر میت کو اس سے کچھ نفع نہیں تو گویا ایک فضول امر ہے اور کس طرح سے فضول ہو سکے۔حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نسبت نہایت تاکید فرماتے ہیں اور میت کو نفع ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔

(۱)...... چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت سے منقول ہے کہ جس میت پر سو مسلمان نماز پڑھیں اور اس کے لئے شفاعت کریں تو اللہ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

(۲)...... اور دوسری جگہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس میت پر چالیس آدمی جو مشرک نہ ہوں نماز پڑھیں تو اللہ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

(۳)...... اور طبرانیؒ نے اوسط میں انسؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میری امت پر اللہ کی بڑی رحمت

ہے کہ جو قبر میں گنہگار داخل ہوں گے بسبب دعا واستغفار مسلمانوں کی قبر سے بے گناہ ہو کر اٹھیں گے۔

☆ ... صدقہ کے نافع ہونے میں بہت سی احادیث وارد ہیں:

(۱) چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ میری ماں بے وصیت کیے مرگئی اور مجھے گمان ہے کہ اگر کچھ وہ بولتی تو وصیت کرتی اب اس کو ثواب ہوگا اگر میں صدقہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔

(۲) بخاریؒ نے روایت کی ہے سعد بن عبادہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اگر اب میں اسکی طرف سے صدقہ دوں تو اسے نفع ہوگا۔؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔

(۳) سعدؓ نے کہا اب میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

(۴) امام احمدؒ اور اصحاب سنن اربعہ نے سعد بن عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کے لئے پوچھا کہ ان کو کون سا صدقہ نافع ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ نافع ہے۔ پس سعدؓ نے ایک کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے نام سے صدقہ دیا۔

(۵) طبرانیؒ نے اوسط میں انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر والے کسی میت کی طرف سے بعد موت کے صدقہ دیتے ہیں تو جبرئیل نور کے طباقوں میں لگا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ نہایت خوش ہوتا ہے اور اس کے پاس والے کہ جن کے پاس کسی نے ہدیہ نہیں بھیجا غمگین ہوتے ہیں۔

(۶) بیہقیؒ اور دیلمی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردہ قبر میں غریق کے مانند دعاء کا منتظر رہتا ہے پس جب ماں باپ یا دوست خالص کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب سمجھتا ہے اور بلاشک زندوں کی دعاء کو قبر میں پہاڑ کی مانند بنا کے بھیجتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے استغفار تحفہ ہے غرض اور بہت احادیث اس مضمون کی کتب احادیث میں وارد ہیں اگر چہ اخبار احادیث ہیں لیکن مجموعہ سے ثبوت یقینی ہو جاتا ہے اور سلف سے خلف تک کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

☆ فقہی تفصیل:

مالی عبادت کے ثواب پہنچنے میں سب اہل سنت متفق ہیں ہاں بدنی عبادت میں اختلاف ہے امام شافعیؒ انکار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ادلہ کے عموم سے ثابت کرتے ہیں دوسری اور بہت احادیث ان کے لئے ہیں چنانچہ بخاریؒ اور مسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مر جاوے تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کر دیوے۔ مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے اگر اس کی طرف سے میں ادا کر دوں آیا کافی ہو جائیں گے آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا اگر میں اسکی طرف سے حج کر دوں تو اس کو کافی ہوگا آپ نے فرمایا ہاں روزہ کا بدنی عبادت ہونا تو خود ظاہر ہے لیکن حج بھی بدنی عبادت ہے کیونکہ جس قدر ارکانِ حج ہیں ان میں کہیں روپیہ کی ضرورت نہیں اس لئے جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کو روزے رکھنے کا حکم ہے روپیہ فقط کعبے پہنچنے کے لئے شرط ہے اور اسی سبب سے فقیر پر بھی مکے میں پہنچنے سے حج واجب ہو جاتا ہے اور اسی لئے سب اہل مکہ پر فرض ہے بدنی عبادت کا نفع

پہنچنا میت کو صاف ثابت ہو گیا اس لئے کہ میت پر کوئی چیز واجب نہیں رہتی فقط زندگی میں تکلیف شرعی تھی پھر میت کی طرف سے واجب ادا کرنے کے یہی معنی ہیں کہ میت حالت حیات کے واجبات ترک کرنے کے سبب جو ماخوذ تھا اس وارث کے ادا کرنے سے رہا ہو گیا اور یہی نفع ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ کل مالی عبادت کا ثواب اور بدنی میں حج اور روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے تو جمیع فقہا اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن کے پڑھنے اور اعتکاف اور نوافل وغیرہا عبادت بدنیہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

(۳) چنانچہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردے کو بند کر کے نہ رکھا کرو۔ جلدی لے جایا کرو اور اس کے سر کی طرف سے سورہ "بقرہ" کا اول اور اس کے پاؤں کی طرف سورہ "بقرہ" کا اخیر پڑھا کرو۔

(۴)..... اور امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے معقل بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کے پاس سورہ "یٰسٓ" پڑھا کرو۔

(۵)..... خلال نے شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ انصار میں جب کوئی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(۶) ابومحمد سمرقندی نے حضرت علیؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جو شخص قبرستان میں جا کر گیارہ بار "قل ھو اللہ" پڑھ کے مردوں کی روح کو بخش دے تو اس کو بھی جس قدر مردے وہاں ہیں ثواب ملے گا۔

(۷)..... ابوالقاسم سعد بن علی نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قبرستان میں جا کر "سورہ فاتحہ" اور "قل ھو اللہ" اور "الھکم التکاثر" پڑھ کر سب مردوں کی روح کو بخش دے تو تمام مومنین اور مومنات قیامت کو اس کو شفیع ہوں گے۔

(۸)..... عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے انسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جو شخص قبرستان میں جا کر سورہ "یٰسٓ" پڑھے مردوں کے عذاب میں تخفیف ہو جاوے اور جس قدر مردے ہیں اس قدر اس کو بھی ثواب ملے۔

(۹)..... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر قبرستان میں جا کر "فاتحہ" اور "قل ھو اللہ" اور "معوذتین" تین بار پڑھ کر اہل مقابر کی روح کو بخش دے تو انکی روح کو ثواب پہنچے گا نقل کیا ہے ثناء اللہ محدث پانی پتیؒ نے ترجمہ کشف الصدور جلال الدین سیوطی میں واللہ اعلم۔

☆...... فائدہ: اگر کوئی کافر کسی کافر مردہ کے لئے دعا کرے یا صدقہ دے یا کسی مومن مردے کے لئے دعا کرے یا صدقہ دے ہرگز نفع نہ دیگا کیونکہ کافروں کے سب اعمال حبط ہیں اور بعد مرنے کے کافر کو تخفیف نہیں ہوتی کہ کسی کی دعا یا صدقہ سے تخفیف ہو جاوے اور اسی طرح اگر مومن کسی کافر مردہ کے لئے دعا کرے یا صدقہ دیوے وہ بھی اس کو نفع نہ دے گا فقط مومن کی دعا یا صدقہ مومن ہی کو نفع دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ صوفیا کرام کے نزدیک حق تعالی کسی چیز کیساتھ متحد نہیں ہوتا

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام حلول کے قائل ہیں حالانکہ ان کی طرف یہ نسبت کرنا غلط ہے۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے: حق تعالی کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا، اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے، اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی (ایک چیز کے دوسری چیز میں سما جانے اور پیوست ہو جانے کو حلول کہتے ہیں جیسے کپڑے میں سیاہ یا سفید رنگ پیوست ہو جاتا ہے) اور نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک اللہ تعالی حضرت عیسی علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک اللہ تعالی انسان اور حیوان شجر اور حجر میں حلول کرتا ہے۔ سامری کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ بچھڑے میں خدا حلول کر آیا ہے۔

اہل حق صوفیاء صرف وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے قائل نہیں کہ عالم موجود ہو پھر ذات حق کے ساتھ وجود میں متحد اور ایک ہو۔ وحدت کے قول سے حلول کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ حلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں حلول کرے) دونوں موجود ہوتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جب کہ اہل حق حضرات عالم کے وجود کو ذات حق کیو جود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا حلول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ (اسلامی عقائد: ۵۳/۵۴)

وحدۃ الوجود کی تحقیق

صوفیاء نے وحدت کا معنی یکتا کا لیا ہے اور یکتا، بے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔ کہتے ہیں۔ "فلان واحد فی الحسن، واحد فی العلم" وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں۔ یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدا تعالی کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں۔ وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے دوسرے وجودات اس سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جا سکے گو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون قرآن وحدیث کے ذرا خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

غرض وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو دوسروں کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں۔ نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تھانیدار چپڑاسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وزیر اعظم کے سامنے وہ بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے۔ نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر پڑھنا اس نے سیکھا ہو۔

غرض گفتگو میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشے اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بس قاری تو فلاں ہے، سخی وہ ہے، حسین تو یہ ہے اور ناقص سے اس کی مکمل نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ (یعنی اپنی ذات میں) بھی کچھ نہیں۔ یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالی کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کہ کسی درجہ میں قابل ذکر

نہیں۔اس لئے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے۔ بہر حال جب صوفیاء کے نزدیک اتحاد وجودین (یعنی دو وجودوں کا بالکل ایک ہونا) کفر ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے کتنا فرق ہے۔وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے اور یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں نعوذ باللہ منہ وحدۃ الوجود کی یہ جو تحقیق ذکر کی گئی ہے جب تک یہ آدمی کے علم کی حد تک رہے تو صوفیاء اس کو توحید کہتے ہیں اور جب یہ بات کسی شخص کا حال بن جائے یعنی یہ کہ اس کی مستقل کیفیت یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالی کے وجود کے آگے دوسروں کے وجود کو مثل معدوم کے سمجھتا ہے تو اس کو فنا کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الشہود کا حاصل بھی ہے۔
([illegible])

وحدۃ الشہود کی تحقیق

اس کا ترجمہ ہے مشہود کا ایک ہونا یعنی واقع میں تو ہستی اور موجود متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کالعدم ہوتے ہیں۔
شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس کی ایک مثال لکھی ہے:

گر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ
بتابد بشب کرمک چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز
چہ بودت کے بیروں نیائی بروز
نہ بنی کہ آن کرمک خاک زاد
جواب از سر روشائی چہ دادہ
کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم
و لے پیش خورشید پیدا نیم۔

ترجمہ: شاید تم نے دیکھا ہو گا کہ باغ وغیرہ میں ایک کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے۔کسی نے اس سے کہا کہ اے رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھ کو کیا ہوا کہ تو دن کو باہر نہیں آتا۔تمہیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے عقل مندی سے کیا عمدہ جواب دیا۔کہ میں تو دن رات جنگل کے سوا کہیں نہیں ہوتا مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔

غرض جن لوگوں کی نظر آفتاب (وجود حقیقی) پر ہوتی ہے اس وقت جگنو یعنی اشیاء عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا۔ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر آفتاب وجود حقیقی سے غائب ہے وہ البتہ اشیاء عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں اور جو محقق ہیں کہ مغلوب الحال نہیں ہیں ان کی نظر آفتاب وجود حقیقی یعنی اللہ تعالی پر ہونے کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ صرف لفظی اختلاف ہے مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔ ([illegible])

بہر حال حق تعالی کسی شئے کے ساتھ متحد نہیں اور نہ کوئی شئے حق تعالی کے ساتھ متحد ہے اس لئے کہ جب اس کی شان یہ ہے کہ "لیس کمثلہ شی

ء" نہ کوئی اور اس کا ذات میں مماثل ہے نہ صفات میں تو پھر اتحاد کیسے ممکن ہے۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ " انا الحق " کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ میں حق اور خدا ہوں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں نہیں ہوں صرف حق تعالیٰ موجود ہے۔ کہ جس کی بارگاہ میں تغیر ذات اور افعال میں تغیر اور تبدل سے منزہ ہے۔ موجودات کے تغیر سے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ (مکتوب صفحہ ۲۶۶)

مثلاً لوہا اگر آگ میں ڈال دیا جائے اور وہ لوہا آگ کے فیض سے ایسا صاف اور شفاف اور سرخ ہو جائے کہ آگ کا ہم رنگ بن جائے اور اس حالت میں یہ لوہا بزبان حال "انا النار" کہے تو درحقیقت اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں فی حد ذاتہ نار ہوں بلکہ یہ ان آثار کی طرف راجع ہے کہ جو لوہے میں آگ کے فیض صحبت سے پید ہو گئے ہیں۔ یا کوئی صاف وشفاف آئینہ کہ جو آفتاب سامنے رکھے ایسی حالت میں اگر یہ ائینہ " انا الشمس' (میں آفتاب ہوں) کہے تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں حقیقتاً آئینہ آفتاب ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں کچھ نہیں یہ جو کچھ شعاعیں اور انوار مجھ میں موجزن ہیں وہ آفتاب کی تجلی اور انعکاس کا پرتو ہے۔ اسی طرح مقربان الٰہی کہ جن کے قلوب آئینہ سے زائد صاف اور شفاف، مصفی اور مجلی ہو جاتے ہیں اور اس "نور السموات والارض" کے انوار اور تجلیات ان میں منعکس ہونے لگتے ہیں ایسی حالت میں ان حضرات سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں کہ جن کو عوام اور قاصر الافہام ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں کہ جو ان کے دین وایمان کے لئے باعث تخریب ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت ان کا مطلب وہ ہوتا ہے کہ جو ہم شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر چکے ہیں۔ اور مولانا رومی قدس سرہ السامی نے اس مسئلہ کو مثنوی میں مختلف طریق سے متعدد مواضع میں حل فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

اہل السنۃ والجماعۃ صوفیاء کرامؒ کے نزدیک تصرف کی حقیقت

تصرُّف کی حقیقت

از رسالہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ترجمہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ

حق تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا ہے ﴿وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ یعنی ہم نے جبرئیل کے ذریعہ اُن کی تائید کی۔ یہ تائید جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے مختلف صورتوں سے ہوسکتی ہے جن میں سے میرے نزدیک اس جگہ سے زیادہ اقرب وہ صورت ہے جس کو تفسیر رحمانی میں اختیار کیا گیا ہے یہ کہ جبرئیلؑ ان کے مَلکی آثار کو حضرت عیسیٰؑ کے بشری خواص پر غالب کر دیتے تھے اور وہ ان مَلکی اثرات سے کام لیتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی تائید باطنی ہے جس کو تصرف کہا جاتا ہے۔ اور اس احتمال (تائید باطنی) کے اقرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس احتمال کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسانؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یا اللہ! روح القدس (جبرئیلؑ) کے ذریعہ ان کی تائید کر۔ یہ روایت مسلم شریف میں مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ تائید باطنی مراد ہوسکتی ہے (جس سے بمقابلہ کفار اشعار بلیغہ کہنے کی طاقت پیدا ہو) اور چونکہ ایک وحی سے دوسری کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے تائیدِ مذکور کی وہی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث میں مراد ہے۔

حقیقت تصرف، توجہ، جمع خواطر

اور حقیقت اس تائید کی یہ ہے کہ خاص کیفیات محمود کا دوسرے شخص پر افاضہ کیا جاوے جس سے اس میں آثارِ خاصہ پیدا ہو جاویں اور یہ آثار اغراض ومقاصد کے اختلاف کی بنا پر مختلف انواع والوان کے ہوتے ہیں اور اس تائید کا اہلِ تصوف کی اصطلاح میں تصرف اور توجہ اور جمع خواطر کہتے ہیں۔

ثبوتِ تصرف بآیات وحدیث

پس یہ آیت اس عمل کے لئے اصل ہے۔ اور اس سے زیادہ صریح اس باب میں سورۂ انفال کی یہ آیت ہے ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (انفال ۱۲) "یعنی جب وحی بھیجتا تھا آپ کا پروردگار ملائکہ پر کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو"۔

زجاج نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ تثبیت وتائید فرشتوں کی طرف سے اس طرح ہوتی ہے کہ وہ کچھ کیفیات مؤمنین کے قلوب میں القاء کرتے ہیں جس سے ان کے عزائم صحیح اور ہمتیں قوی ہو جاتی ہیں۔ اور فرشتہ کو حق تعالی نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ قلب میں خیر کا القاء کرسکتا ہے جس کو الہام کہا جاتا ہے جس شیطان کو القاءِ شر کی قوت حاصل ہے جسکو وسوسہ کہا جاتا ہے (کذا فی روح المعانی)

اور ان دونوں آیتوں سے زیادہ صریح باعتبار دلالت کے وہ ہے جو صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ سے حدیث وحی میں جبرئیلؑ کے فعل کے متعلق وارد ہوا ہے کہ مجھے جبرئیلؑ نے آغوش میں لے لیا اور مجھے دبایا اور پھر دوسری مرتبہ اسی طرح دبایا پھر تیسری مرتبہ اسی طرح کیا۔

(یعنی ابتداء وحی میں جب آنحضرت ﷺ پر تنزیل وحی کا سلسلہ جاری کرنا تجویز کیا گیا تو جبرئیل نے افعال مذکور کیے) اس میں ظاہر بلکہ متعین یہ ہے کہ یہ ڈھانپنا تقویتِ قلب کے لئے تھا تاکہ وحی کی برداشت ہوسکے جیسا کہ علامہ محدث عبداللہ بن ابی جمرا (جو ساتویں صدی ہجری کے اکابر محدثین میں سے ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجرؒ ان کے اقوال سے فتح الباری میں استدلال کرتے ہیں) اپنی کتاب "بھجة النفوس" میں صحیح بخاری کی حدیث 'بدأالوحی' کے تحت میں فرماتے ہیں کہ تیسواں فائدہ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ڈھانپنے والے کے جسم کا دوسرے شخص کے ساتھ اتصال (جو القاءِ کیفیت کے طرق میں سے ایک طریقہ ہے) اس کے ذریعہ اس شخص میں ایک کیفیت نوریہ پیدا ہوجاتی ہے جس سے یہ شخص اس کیفیت کا متحمل ہوسکتا ہے جو اس پر القاء کی جائے۔ کیونکہ جبرئیلؑ کا جسم جب آنحضرت ﷺ کے جسم شریف کے ساتھ متصل ہوا تو اس کے ذریعہ سے آپ میں وحی کے تحمل کی وہ قوت پیدا ہوگئی جو پہلے نہ تھی۔

ثابت ہوا کہ قرآن مجید وحدیث اس عمل کی مشروعیت وجواز پر دلالت کرتے ہیں اگر چہ دلالتِ ظنی ہے کیونکہ آیات وحدیث مذکورہ میں دوسرے احتمالات بھی ہوسکتے ہیں مگر دلالت کا ظنی ہونا مقصد کے لئے مضر نہیں کیونکہ مسئلہ ظنی ہے اس میں ظن غالب ہے بلکہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ اگر کوئی خاص دلیل منقول ہی نہ ہوتی جب بھی مضر نہ تھا کیونکہ اس فعل کی مشروعیت قواعد سے معلوم ہے اس لئے کسی نقل خاص کی حاجت نہیں اور بہت سے بزرگانِ دین بالخصوص مشائخ نقشبندیہ اس کا استعمال مقاصدِ محمودہ کیلئے کرتے ہیں جو دین میں مطلوب ہیں اور ان کی کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے مثلاً عزم، توبہ اور نفس پر خوف وخشیت یا شوق ورغبت فی الطاعۃ کا رنگ غالب ہوجانا وغیرہ۔

قوّتِ تصرّف پیدا ہونے کا طریقہ

اور یہ قوتِ تصرف ان مشائخ میں اکثر مجاہدات وریاضاتِ نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کشتی لڑنے کی قوت ریاضت جسمانی (ورزش وغیرہ) سے پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی شخص میں فطرتاً بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ صورت بہت قلیل ہے۔

استعمال تصرّف کا شرعی حکم

اس عمل کا حکم فقہی یہ ہے کہ فی نفسہ مباح وجائز ہے پھر غرض ومقصود کے تابع ہے یعنی اگر اس کا استعمال کسی غرض محمودہ کے لئے کیا جاوے جیسے تصرفاتِ مذکورہ جو مشائخِ صوفیہ کے معمول ہیں تو یہ فعل بھی 'تبعا للغرض' محمود سمجھا جائے گا اور اگر کسی مقصدِ مذموم کیلئے اس کا استعمال کیا تو یہ فعل بھی مذموم ہوجائے گا۔ پھر مذمت وکراہت میں جو درجہ اس کی غرض اور مقصد کا ہوگا اسی کے مطابق اس فعل کی مذمت وکراہت میں کمی بیشی ہوگی۔

خلاصہ: یہ کہ دونوں قسم کے تصرف باعتبار ذات اتحاد نوعی رکھتے ہیں اور باعتبار متعلقات کے ان میں صنفی تفاوت ہے۔

تنبیہ: ہر حال میں یہ تصرف کوئی کمال دینی نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومقرب ہونے کی علامت ہے (بلکہ ہر مشق کرنے والا یہ قوت اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے اگرچہ فاسق کافر ہی کیوں نہ ہو جیسے بہت سے جوگیوں کے قصے مشہور ہیں)۔

تنبیہات

یہاں تک تمام کلام اصل مسئلہ کے متعلق تھا۔اب چند ضروری تنبیہات یہاں بیان کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے:

☆.... تنبیہ نمبر۱: اس بارے میں کہ یہ تصرف جس کو مشائخ استعمال کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے سنت ہے یا نہیں؟

سواس بارے میں جو کچھ ثابت ہوا وہ میں نے رسالہ ''الطرائف والظرائف'' کے حصہ دوم میں لکھ دیا ہے اسی کا بعینہ اس جگہ نقل کردینا کافی معلوتا ہے۔اوروہ یہ ہے:۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے نقل صحیح کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے ان کا وسوسہ جاتا رہا اور بعض بیماروں کے بدن پر دستِ مبارک پھیرا جس سے ان کا مرض جاتا رہا۔اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگا کہ آپ نے تصرف کا استعمال فرمایا اور کچھ زیادہ بعید نہیں کہ اس قسم کی روایات سے کوئی شخص استعمالِ تصرف کے سنت ہونے پر بھی استدلال کرنے لگے۔

لیکن جب غور سے دیکھا جاوے تو یہ استدلال تام بھی نہیں ہے۔کیونکہ اس عمل کا تصرف ہونا اس کا محتاج ہے کہ نقلِ صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپ ﷺ نے اپنی باطنی قوت کو ان آثار کے پیدا کرنے کے لئے جمع فرمایا ہو اور یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ افعال اس بناء پر کئے ہوں کہ آپ کو بذریعہ وحی ان افعال کا ان لوگوں کے حق میں بدون جمع خواطر و استعمال تصرف نافع ومفید ہونا معلوم ہوگیا ہو اور اس احتمال کی بناپر یہ افعال اصطلاح تصرف میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے یہی وجہ ہے کہ تمام علماء امت نے اُن واقعات کو بھی معجزات میں شمار کیا ہے جو کہ تصرف سے بالکل جدا ہیں۔

اور سب سے زیادہ واضح قرینہ اس بات پر کہ آنحضرت ﷺ سے کبھی تصرف صادر نہیں ہوا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ ان کے ایمان لانے کے بہت زیادہ متمنی اور خواہشمند تھے۔بلکہ ان کے لئے صرف دعا اور دعوت دینے پر کفایت فرمائی۔اور اگر کسی وقت آپ ﷺ سے تصرف کا صدور تسلیم کرلیا جاوے جب بھی اس سے اس فعل کا سنتِ اصطلاحی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔بلکہ اصطلاحی سنت ہونا اس پر موقوف ہے کہ یہ فعل معمول ہو۔یہی وجہ ہے کہ کشتی لڑنے کو سنت نہیں کہتے۔حالانکہ ایک مرتبہ آپ نے رکانہؓ کے ساتھ کشتی بھی کی ہے۔بلکہ اگر عادت ہونا بھی ثابت ہوجائے جب بھی سنتِ مقصودہ ہونے کا حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سنتِ عادیہ کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ عبادت بھی ہو۔

☆.... تنبیہ نمبر۲: کیا تصرف ولایت اور بزرگی اور مقبولیت عنداللہ کی علامت ہے؟

☆......جواب: تو جواب یہ ہے کہ ''ہرگز نہیں'' جیسے دوسرے قویٰ بدنیہ اور ہاتھ پیروغیرہ کے استعمال کا حال ہے وہی اس کا ہے جیسا کہ پہلے گزرگیا۔

☆......تنبیہ نمبر۳: کیا استعمال تصرف میں کوئی دینی دنیوی مضرت بھی ہے؟

☆.... جواب: تو جواب یہ ہے کہ ہاں! بعض مضرتیں بھی ہیں دنیوی مضرت تو یہ ہے کہ اس کی کثرت کرنے سے عامل کے قویٰ دماغیہ اور

قلبیہ ضعیف و مضمحل ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے امراض پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے جیسا کہ بکثرت مشاہدہ و تجربہ ہوا ہے۔ اور مضرت دینی یہ ہے کہ عوام اس کو ولایت و بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں اور یہ ایک اعتقادی ضرر ہے اور مرید کا یہ ضرر ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں اور یہ ضرر عملی ہے اور انہیں مضرتوں کی وجہ سے محققین طریق نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ مضرتیں وجہ مضبوطئی قویٰ اور سلامتِ فطرت اور خوش فہمی کے موجود نہ تھیں لیکن ایک خلف کو سلف پر قیاس نہیں کیا جا سکتا خوب سمجھ لو۔ اور مزید فائدہ کے لئے رسالہ ''دلائل القرآن علی مسائل النعمان'' کے ساتویں باب کا مطالعہ کیا جائے جس کو فاضل صالح مولوی محمد شفیعؒ صاحب دیو بند نے تالیف کیا ہے۔ تو اس مسئلہ کے متعلق بعض فوائد اس میں بھی ملیں گے۔ (از رسالہ حقیقت تصرف)

کرامت اور تصرف میں فرق

عوام بلکہ بہت سے خواص بھی چونکہ کرامت اور تصرف میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ کرامت کے جو دہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں جیسا کہ متقدمین میں سے استاذ ابو اسحٰق اور حلیمی اور بہت سے معتزلہ کا مذہب ہے (شرح موقف ۲/۵۷۹) اور متاخرین میں ہمارے زمانہ کے بہت سے روشن خیال نو تعلیم یافتہ حضرات یہی رائے رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بھی ایک قسم مسمریزم کی سمجھتے ہیں۔

معجزہ را با سحر کردہ قیاس
ہر دو را بر مکر بنہادہ اساس

واقعہ یہ ہے کہ کرامت اور تصرف بالکل جدا جدا دو چیزیں ہیں۔ دونوں کی حقیقت جدا احکام جدا ہیں۔ لیکن ظاہر میں چونکہ دونوں کی صورت خرق عادت کی سی ہے اس لئے التباس ہو جاتا ہے۔

فرق کی توضیح یہ ہے کہ کرامت بلا واسطہ اسباب طبعیہ کے محض حق تعالیٰ کے فعل سے صادر ہوتی ہے اس میں صاحب کرامت کے قصد اور فعل کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ کرامت کا صدور صاحب کرامت کے اختیار میں ہوتا ہے کہ جب چاہے صادر کرے۔ اور تصرف میں اس کے خلاف تمام تر مدار تصرف کرنے والے کے قصد و عمل پر ہے اور قصد کے ساتھ قوی فکریہ و قلبیہ کے استعمال سے ہی اس کا صدور ہوتا ہے اس لئے حقیقت یہ ہوئی کہ تصرف میں اسبابِ طبعیہ ہی کارگر ہیں مگر مخفی طور پر جیسے بعض لوگ خاص ادویہ کا استعمال ہاتھ وغیرہ پر مخفی طور سے کرنے کے بعد آگ ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور ان کا ہاتھ نہیں جلتا۔ تو درحقیقت وہ خرق عادت نہیں مگر اسباب کے مخفی ہونے کی وجہ سے صورۃً خرق عادت معلوم ہوتا ہے۔ اور کرامت میں اسباب کا کوئی دخل نہیں وہ حقیقۃً خرقِ عادت ہے اسی لئے شرح موقف وغیرہ میں معجزہ اور کرامت کے فرق کا مدار صرف اس پر رکھا ہے کہ اگر اس کی ساتھ متحد اور دعویٰ نبوت ہو تو معجزہ ہے ہی ورنہ کرامت اور یہ دونوں مقبول الٰہی اور ولی یا نبی ہونے کی علامت ہیں۔

تصرّف اور کرامت کے احکام میں فرق

کرامت چونکہ انسان کا فعل ہی نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ احکام جواز یا عدم جواز اور مذمت یا استحسان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو سکتا یعنی

اس میں ذم وکراہت کا احتمال ہی نہیں۔ اگر کسی کراہت کی وجہ سے کسی شخص کو ضرر بھی پہنچ جائے تو اس کی کوئی ذمہ داری صاحب کرامت پر عائد نہیں ہوتی جیسے کہ بہت سے اہل اللہ کے حالات میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ کسی شخص نے ان کی توہین ودل آزاری کی اور وہ فوراً بغیر ان کے قصد واختیار کے منجانب اللہ کسی آفت یا ہلاکت میں مبتلا ہوگیا بخلاف تصرف کے کہ اگر اس کے ذریعہ کسی مسلمان کو بلاوجہ ضرر پہنچایا تو تصرف کرنے والا ایسا ہی گناہگار ہوگا جیسے ہاتھ پیر وغیرہ جوارح سے کسی پر ظلم کرنے سے گناہگار ہوتا ہے یہ حقیقت غامضہ احقر (شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی شفیعؒ) کو سیدی وسندی حضرت حکیم الامتؒ کے ایک فتوی سے واضح ہوئی جس کی صورت یہ تھی کہ شاہجہانپور کے ایک بزرگ نے حضرت سے استفتاء کیا کہ ایک شخص نے ناحق میری دل آزاری کی دفعۃً اس پر قہر متوجہ ہوا اور وہ ہلاک ہوگیا اس کی وجہ سے مجھے تو کوئی گناہ ہوا۔ حضرت والا نے یہی جواب دیا کہ اگر آپ نے اس کی ہلاکت کا قصد اور اس کیلئے صرفِ ہمّت کیا ہے تو بیشک آپ قتل کے گناہگار ہوئے اگر چہ آلہ جارحانہ نہ ہونے کے سبب قصاص نہ آئے اور اگر صرفِ ہمّت نہیں کیا خود بخود یا محض بددعا کرنے سے یہ واقعہ پیش آیا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ (از رسالہ تصرف کی حقیقت)

☆ ...تنبیہ: تصرف کا ایک عوامی معنی ہے کہ اولیاء اللہ کی قوت اور ان کا کام ہے، تسلط، یہ معنی غلط ہے اور جو فن تصوف کا معنی ہے اس مراد قوتِ توجہ، مختلف آثار پیدا کرنا ہے، یہ صحیح ہے۔

☆ اصحاب القبور کا تصرف:

☆ ....سوال: جنابِ مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرّفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

☆ ....جواب: اگر اصحاب القبور کے تصرفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر ان کا یہ تصرّف موجود اور صحیح ہے، ورنہ تصرف اصطلاحی تسلّط غیبی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ کما قال شاہ ولی اللہ: درآنجا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔ گفتہ اند کہ درایشاں درقبر خود مثل احیا تصرّف میکند۔ (ھمعات ٦١)

"لماقال محمد بن سليمان الرصاویؒ: معنى البيت ان كرامات الاولياء حال كونهم فى الدنيا لها وجود وثبوت رقوع اى حال حياتهم وكذا بعد الموت بمعنى اكرامه فى قبره اوحال حضرت فيه وتوسيعه لابمعنى تصرفه فى العالم كم يعقد جهلة العوام". (تحفة الالى شرح بدأ الامالى ٧٣)

"قال شاه ولى الله: وذلك لان شيخ عبد القادرؒ له شعبة من السريان فى العالم وذلك انه لمامات صار بهيئة الملاء الاعلىٰ ونطبع فيه الوجود سارى فى العالم كله". (تفهيمات الالهيه ١ تفهيم ٣٢ ومثله فى امداد الفتاوى ٥ كتاب السلوك، بحواله فتاوى حقانيه ٢/٢٦٦)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روحانی علاج کے لئے ہسپتالوں کا ثبوت

بعض لوگ کہتے ہیں کے خانقاہوں کا قیام بدعت شریعت میں اس کوئی ثبوت نہیں ہے۔حالانکہ کتاب وسنت سے ان خانقاہوں کا قیام ثابت ہے۔توجہ فرمائیں۔

وہ جگہیں جہاں خوابیدہ دلوں کو جگانے کیلیے یعنی اندھے دلوں کو بینا کرنے کے لئے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے ذکر اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔خانقاہیں کہلاتی ہیں۔کتاب وسنت سے ان خانقاہوں کے قیام کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

☆ قرآن مجید سے دلائل:

☆...... دلیل نمبر ا:ارشادری باری تعالی ہے:﴿فِیْ بُیُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَن تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیهَا اسْمُهُ یُسَبِّحُ لَهُ فِیهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (36) رِجَالٌ لَّا تُلْهِیهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ﴾(نور:۳۷)

☆ اس آیت کا ربط ماقبل آیت سے بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:''اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل ہدایت کون لوگ ہیں اور نور ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے؟ سو بتلاتے ہیں کہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے جہاں صبح وشام اللہ کا ذکر ہوتا ہے''(معارف القرآن:۵/۱۳۲)

☆ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:﴿وَیُذْكَرَ فِیهَا اسْمُهُ﴾[ان گھروں میں اللہ تعالی کا نام لیا جائے]اس میں تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن پاک اور دیگر اذکار سب داخل ہیں۔ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں''(معارف القرآن،۵/۱۳۲)

☆ ...... دلیل نمبر۲:ارشاد باری تعالی ہے:﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِینَ أُحْصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیعُونَ ضَرْباً فِی الْأَرْضِ﴾(بقرۃ:۲۷۳)

☆ مفسرین اس آیت کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"الذین احصروا فی سبیل اللہ "ھوالذین احصرھم الجھاد فمنعھم من التصرف،لایستطیعون ،لاشتغالھم بہ، ضربا فی الارض ،للکسب وقیل ھم اصحاب الصفۃ" (تفسیر نسفی ۱/۹۰)

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:﴿أُحْصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ﴾ جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے تعلیم پانے اور شب وروز یاد الہی میں بہت سے صحابی گھر بار چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے،جن کے فیض نے آنحضرت ﷺ کے بعد تمام عالم کو منور کیا۔ (تفسیر حقانی:۲/۱۸)

☆ حضرت مولانا ادریس کاندہلویؒ لکھتے ہیں:﴿أُحْصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ﴾ جو خدا کی راہ میں مقید اور پابند ہیں یعنی دین کی خدمت اور علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری اور باطنی دشمنوں کے جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے۔جس طرح کافروں کی گردن کشی کیلئے

جہاد وقتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کیلئے مجاہدات اور ریاضات بھی عظیم ترین عبادت ہے۔حدیث میں ہے "المجاهد من جاهد نفسه"(معارف القرآن،۱/۴۱۲)

☆.... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:﴿اُحصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہ﴾ ان فقراء کے لئے جن کو راہ خدا میں روک دیا گیا ہے۔یعنی ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل یا جہاد میں مشغول ہیں۔(تفسیر مظہری ۲/۷۷)

☆.... سید امیر علی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:"قوله لِلفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰہ" اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مجلس مراقبہ میں اپنے نفسوں کو روک رکھا ہے۔﴿لا یَستَطِیعُونَ ضَرباً فِی الأرضِ﴾یعنی اپنی معاش وحوائج ضروریہ تلاش کرنے کے واسطے اپنی مجالس مراقبہ سے جدا نہیں ہوتے ہیں۔اس جہت سے کہ ان پر حال کا زور ہے اور ذکر الٰہی ان پر غالب ہے اور اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں اور محبت ان پر شدت سے اور عشق کثرت سے طاری ہے کہ ان کو کمائی میں مشقت کی استطاعت نہیں رہی"(مواہب الرحمٰن:۱/۹۰)

............دلیل نمبر۳:ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاصبِر نَفسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدعُونَ رَبَّهُم بِالغَدَاةِ وَالعَشِیِّ یُرِیدُونَ وَجهَهُ ... الاية﴾(کہف:۲۸)"آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں"اس آیت میں اللہ تعالیٰ اصحاب صفہ جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست ،مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں یہ درویشان اسلام صبح وشام اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف کا نمونہ ہیں۔

☆......حضرت عبدالرحمٰن بن سہلؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں تھے کہ آیت ﴿وَاصبِر نَفسَکَ﴾ نازل ہوئی۔حضور ﷺ اس آیت کے نازل ہونے پر ان لوگوں کی تلاش میں نکلے۔ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں۔جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے انکے پاس بیٹھنے کا حکم ہے"(اخرجہ ابن جریر والطبرانی وابن مردویہ کذا فی الدر)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا"تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے یعنی مرنے جینے کے رفیق اور ساتھی تم ہی لوگ ہو"

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت ذکر اللہ میں مشغول تھی کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نے دیکھا کہ رحمت الٰہی تم لوگوں پر اتر رہی ہے تو میرا بھی جی چاہا کہ آکر تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ان ہی جیسے احکام سے صوفیہ نے استنباط کیا ہے کہ خانقاہیں قائم کی جائیں جہاں سالکین اسی طرح بیٹھ کر ذکر کرسکیں۔جس طرح اصحاب صفہ کیا کرتے تھے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ:ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ پر تشریف لائے آپ نے ان کے فقر اور مشقت کو محسوس کیا تو فرمایا اے اہل

صفہ خوش ہو جاؤ جو شخص میری امت میں سے تمہاری صفت پر رہنا پسند کرے گا وہ بہشت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

خانقاہوں میں رہ کر اصحاب صفہ کی طرز پر زندگی گزارنے والے "الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم" پر عمل پیرا ہونے والے اور ''واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا'' کا مصداق بننے والے ذاکرین کے لئے مبارک باد ہے۔ درحقیقت قلوب کے اجتماع کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رأفت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے اسی وجہ سے جماعت کی نماز مشروع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب حجاج بیک حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں اسی لئے مشائخ کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسے طالبین کے ساتھ بیٹھنے میں کوتاہی نہ کریں۔ حضرت کاندھلویؒ آیت کریمہ "وَاصْبِرْ نَفْسَکَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: 'عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے' (معارف القرآن: ۴/۴۱۲)

پس ثابت ہوا کہ خانقاہوں کے قیام کا مقصد انہی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔

☆ ... احادیث سے دلائل

☆ ....دلیل نمبر ۱: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: ''حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت ابوسعیدؓ دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) فرماتے ہیں''۔ (اخرجہ احمد ومسلم والترمذی)

☆ ... .دلیل نمبر ۲: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں''۔ (رواہ احمد والطبرانی) خانقاہی ماحول میں رہنے والے لوگوں کے لئے یہ حدیث عظیم خوشخبری ہے۔

☆ ....دلیل نمبر ۳: ایک حدیث پاک میں وارد ہے: ''حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں پر نور چمکتا ہوگا۔ وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے۔ وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں اور خاندانوں سے آکر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں''۔ (اخرجہ الطبرانی باسناد حسن)

آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں۔ آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے۔ جب وہ ان منبروں اور بالاخانوں پر ہوں گے۔'' (فضائل ذکر: ۴۴)

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　افرس تحت رجلک او حمار

''عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر''

☆..... عقلی دلیل: اگر دنیا میں طب جسمانی کی تعلیم نہ ہو اور نہ کوئی اس کی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا جسمانی بیماریوں سے پر ہو جائے گی اور کوئی طبیب اور معالج نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی کی کوئی درسگاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر، الحاد اور معصیت والے لوگوں سے بھر جائے گی۔ خانقاہیں ان ہی روحانی امراض کے شفا خانے ہیں۔ ان شفا خانوں سے دوائے دل ملتی ہے دل کی بیماریوں کا علاج ہی تمام پریشانیوں کا حل ہے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

رہی یہ بات کہ کوئی شخص کفر و معصیت کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو تو اس سے ہمارا خطاب نہیں۔ ایسے شخص کے لئے دفتروں کے دفتر بیکار ہیں۔ ان اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے آج کے ظلمت و معصیت کے دور میں بھی صحیح خانقاہی نظام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔'' اللھم ثبتنا علی طریقتھم وارزقنا من برکتھم واحشرنا فی زمرتھم'' [اے اللہ! ہمیں ان کے طریقہ پر ثابت قدم رکھیں۔ اور ان کی برکات سے ہمیں نوازیں۔ اور ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائے۔ (تصوف و سلوک: ۸۰۔۸۸)

صوفیاء کرام کے چلہ کشی کا ثبوت

صوفیاء کرام کے چلہ کشی کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

☆..... سوال: کیا فرماتے علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مشائخ چالیس دن چلہ کشی کرتے ہیں کیا یہ چلہ کشی جائز ہے؟ اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟

☆ جواب: اگر چلہ کشی سے مقصود خلوت میں عبادت ہو۔ اور یہ مقصد ہو کہ چالیس دن لگاتار جو عبادت کی جاتی ہے وہ نفس میں راسخ ہو جاتی ہے اور یہ چلہ طیبات کے تحریم عملی سے بھی خالی ہو۔ تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

قال اللہ تعالی ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ﴾ (المائدۃ.۸۷)

(چالیس دن دن کا تعین اس لئے کرتے ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوصِ نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔)

☆..... ونظیرہ:

(۱)..... الخلاء فی غار حراء: عن عائشۃؓ ام المومنین قالت اول مابدیء بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا

الصالحة في النوم فكان لايرىٰ رؤياالا جاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حرآء الخ(صحیح بخاری: ۱/۲،باب کیف کان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ)

(۲) واعتكاف موسىٰ اربعين ليلة المروى بلانكير. قال الله تعالى ﴿واذ وٰعدنا موسىٰ اربعين ليلةً ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظلمون﴾(البقرة: ۵۱)

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں: رہا یہ امر کہ چالیس کا عدد کیوں خاص کیا گیا سواس کی وجہ یہ ہے کہ اعداد کے مختلف مرتبے ہیں آحاد (اکائیاں) عشرات (دھائیاں) مأت (سینکڑے) اُلُوف (ہزار) جن میں سے دس کا عدد فی حد ذاتہ فی نفسہ کامل اور مکمل ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے ''تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ''۔(یہ دس کامل ہیں) پس جس چیز کی خاص طور پر تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس عدد یعنی دس کو چار گنا کر لیا جاتا ہے۔چنانچہ حضرت آدمؑ مٹی کا خمیر چالیس دن تک کہا گیا اور حدیث میں ہے کہ بطن مادر میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ (خون بستہ) پھر چالیس روز تک مضغہ یعنی پارۂ گوشت اس کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد کو عروج اور ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے پس جس طرح جسمانی عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد منتخب ہوا اسی طرح حق جل شانہ نے اپنی اس قدیم سنت کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے باطنی اور روحانی عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد خاص فرمایا۔﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

☆ وروى عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من خلص لله اربعين يوما ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه ذكره رزين العبدرى'' (ترغیب وترہیب ص: ۲۵ ج ۱)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چالیس دن تک عمل خاص اللہ کے لیے کرے تو علم اور حکمت کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

بینی اندر خود علوم اولیاء بے کتاب وبے معید واوستا

اور اسی طرح نبوت ورسالت پیغمبری اور بعثت کے لیے چالیس کا عدد خاص کیا گیا۔علاوہ ازیں اصل عمر انسان کی چالیس سال ہے اس کے بعد انحطاط اور زوال ہے جیسا کہ ﴿حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾(سورۂ احقاف) سے معلوم ہوتا ہے۔اسی وجہ سے حضرات اہل اللہ (حشرنا الله تعالىٰ في زمرتهم واماتنا على حبهم وسيرتهم امين) نے مجاہدہ اور ریاضت خلوت اور عزت کے لیے چلّہ تجویز فرمایا۔حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم رہروے درسر زلیخے ہمی گفت ایں معما با قرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے

(معارف القرآن لحضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ: ۱/۱۸۰۔۱۸۱)

(۳)... وقال النبي ﷺ: '' من صلى اربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له برآء تان براء ة من

النار وبراء ة من النفاق" (ترمذی: ۱/۳۳، باب فی التکبیرة الاولی ابواب الصلوة) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے۔

(۴) ....قال الملاعلی قاریؒ: "وفراسة رياضة وهی التی تحصل بالجوع والسهر والتخلی فان النفس اذا تجردت عن العوائق والعلائق بالخلائق صارلها من الفراسة والكشف بحسب تجردها" (شرح فقه اكبر ۱۰۰، مایصیر من الخوارق علی ایدی بعض الكفرة، فتاوی فریدیه: ۱/۳۶۵، ۳۶۶) مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں، جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ۔

لماقال شاه ولی الله: "قال المشائخ من اراد الدخول فی الاربعينية يلزمه مراعات امور دوام الصيام ودوام القيام وتقليل الكلام والطعام والمنام والصحبة مع الانام والمواظبة فی الوضو فی حالات اليقظة وعند المنام وربط القلب مع الشيخ علی الدوام وترک الغفلة رأسا". (شفاء العلیل ترجمة القول الجمیل ۸۳، شرائط چله کشی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسائل متفرقہ

اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم:

☆ ...سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد نے مصیبت کے وقت اپنے فلاں مرید کی غائبانہ مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

☆ ... جواب: اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر رونما ہونا ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فضائل درود صفحہ ۱۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ اس سے علمِ غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہوجاتا ہے جو مفضی الی الشرک ہے۔

کماقال العلامہ ابن نجیمؒ: ''لوتزوج بشهادة الله ورسوله لاينعقد ويكفر للاعتقاده ان النبى يعلم الغيب''

(البحرالرائق: ۳/ ۸۸، کتاب النکاح، فتاوی قاضی خان ۳/ ۵۷۶، ومثلہ فی مجمع الانہر: ۱/ ۳۲۲) (فتاوی حقانیہ: ۲/ ۲۶۸)

☆ ... کشف القبور کے علم کا حکم:

☆ ... سوال: کشف القبور کیسا علم ہے، کیا قبروں کے اندرونی احوال کا کسی کو کشف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوسکتا ہے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائے کہ کشفِ قبور علمِ غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

☆ .... جواب: کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہوجاتا ہے، یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیر اختیاری کیفیت ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس میں تعلیم وتعلم جاری نہیں ہوسکتا اور اس کو علمِ غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور کشف ظن کا فائدہ دیتا ہے علمِ جازم کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے، حضور علیہ السلام کو بھی قبور کا کشف ہوتا تھا، جیسا کہ مشکوٰۃ میں باب عذاب القبر فصل اول میں نقل کیا گیا ہے اسی کے تحت ملاعلی قاریؒ مرقاۃ میں لکھتے ہیں: وهذا الحديث مثل قوله عليه السلام لوعلمتم ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا. وفيه ان الكشف بحسب الطاقة ومن كوشف بمالايسعه يطيح ويهلك.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۱/ ۳۴۶، کتاب الایمان)

قال العلامة الشكارپوريؒ: وقالوا اذادخل المقبرة قرأ بسورة ان فتحنا فى ركعتين ثم يجلس مستقبل الميت الخ۔ (قطب الارشاد: ۵۵۵، الفصل العاشر) ومثلہ فی شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل: ۸۵، پانچویں فصل کشف القبور)

☆ ... کشف پر عمل کرنے کا حکم:

☆ .... سوال: کشف کی کتنی قسمیں ہیں، نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆ ... جواب: کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱)..... مخالف الشریعۃ (۲)..... موافق الشریعۃ۔ پس موافق الشریعۃ کشف پر تو صاحب کشف عمل کرسکتا ہے اور مخالف الشریعۃ کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحبِ کشف کے لئے کشف دلیل نہیں بن

سکتا۔

کما قال ملاعلی قاریؒ:" ولذا لم یعتبر احد من الفقهاء جواز العمل فی الفروع الفقیه بمایظہر للصوفیه من الامور الکشفية اومن حالات المنامية"۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ۹: ۳۵۸، کتاب الفتن، نیز ملاحظہ فرمائیں مکتوبات امام مجدد الف ثانی ۲/ ۱۵۵، ۱۵۶، مکتوب ۵۵، بحوالہ فتاوی حقانیہ ۲-۳-۲)

☆...تصورِ فنافی الشیخ کی شرعی حیثیت:

☆...سوال: تصوف کے ہاں ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کو فنافی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو تصوف میں فناء فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

☆......جواب: تصوفین کا یہ مسلمہ قاعدہ کہ فناء فی الشیخ کو ترقی درجات کیلئے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، صلحاء اُمت نے اس کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ،الغرض فناء فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقویٰ ذریعہ کامیابی ہے۔حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ۳، ۲۲۰، مکتوب ۱۱)

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوہیؒ:

☆...سوال: فنافی الشیخ اور فنافی الرسول علیہ کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیاء کرام کیا فرماتے ہیں؟

☆......جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں اتباع کرنا اور محبت کا غلبہ بوجہ اللہ تعالی ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے "فاتبعونی یحببکم الله "الایۃ (فتاوی رشیدیہ ۱۹۸، کتاب السلوک)

☆ ......ربط قلب بالشیخ کی وضاحت:

☆......سوال: جناب مفتی صاحب! اہلِ تصوف کے ہاں "ربط قلب بالشیخ" کی اصطلاح مستعمل ہے، اس کا معنی اور مطلب کیا ہے؟

☆......جواب: متصوفین کے ہاں ربط قلب بالشیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالی کی طرف سے جو فیضانِ رحمت شیخ (مرشد حقانی) کے قلب پر ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو یعنی شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔ (فتاوی حقانیہ ۲/ ۲۸۱، ۱۸۲)

☆......الصوفی لا مذھب لہ کی وضاحت:

☆......سوال: جناب مفتی صاحب! "الصوفی لا مذھب لہ" کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر مقلد اور لا مذہب ہوتا ہے، حالانکہ بہت سارے صوفیاء کرام شافعی المسلک ہوتے ہیں، اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

☆ جواب: حکیم الامت تھانویؒ ''انفاس عیسیٰ'' میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''الصوفی لا مذهب له'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لا مذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورع وتقویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے ''رعاية الخلاف والخروج منه اولیٰ مالم یرتکب مکروه مذهبه'' کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو''۔

(انفاس عیسیٰ: ۲۸۳، ارشادات، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ۲/۲۸۳)

☆ اولیاء اللہ کا جمع ہونا:

☆ سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے غلط؟

☆ ..... جواب: صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں، لیکن یہ سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور قسم سے اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، البتہ صوفیاء کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوتے ہیں اور بعض وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے بچانا چاہئے۔ اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبد العزیز سلجماسی مالکیؒ فرماتے ہیں: کہ دیوان اسی غارِ حرا میں لگتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کی باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے پیچھے ہوتا ہے الخ۔ (ابریز: ۵۱۹، چوتھا باب، دیون صالحین)

حضرت نے فرمایا کہ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں: ۵۲۱، چوتھا باب۔ فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔ (ابریز: ۵۲۲، چوتھا باب، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ۲/۲۵۶)

☆..... فوت شدہ اولیاء کی نسبت معلوم کرنا:

☆..... سوال: کیا کوئی شخص کسی فوت شدہ ولی اللہ کی نسبت معلوم کرسکتا ہے یا نہیں؟

☆ ..... جواب: کوئی سالک اور متقی وپرہیزگار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرسکتا ہے، اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لماقال شاه ولی الله : اما الاطلاع علی نسبة اهل الله فطریقه ان یجلس بین یدیه ان کا ن حیا أو قبره ان کان میتا ویفرغ نفسه عن کل نسبة ویفضی بروحه الی روح هذاالشخص زماناالخ.

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل: ۱۱۶، طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ، وکذالک قال علامہ شکارپوریؒ فی ''قطب الارشاد ۶۵۶، بحوالہ فتاویٰ حقانیہ: ۲/۶۵۶-۶۵۷)

☆..... مجلسِ ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا:

☆..... سوال: بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح آتی ہیں، اس سے تو تجسد الارواح صحیح معلوم تا ہے، کیا شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے؟

☆...... جواب: انبیاء واولیاء کی ارواح دنیا میں آسکتی ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے۔ لیکن اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات مفضی الی الشرک ہو سکتی ہیں۔

کماقال العلامة آلوسیؒ : فقد وقعت رؤيته ﷺ بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الامة.

(روح المعانی ۳۵/۲۲، سورة احزاب آیت ۴۰)

قال العلامة جلال الدين السيوطيؒ: ولايمتنع رؤية ذاته الشريفه بجسد روحه وذلک لانه ﷺ وسائر الانبياء احياء ردت اليهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن هم بالخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوى والسفلى. (الحاوى للفتاوى ۲۶۳/۲، القول بامكان رؤية النبى ﷺ فى اليقظة، فتاوى حقانيه ۲۵۴/۲)

☆ مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا:

☆......سوال: سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے، شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

☆......جواب: مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانیین سے منقول ہے، اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لماقال شاه ولى اللهؒ : اما هذه التصرفات عند كبرآئهم اصحاب الفناء فى الله والبقاء به فلها شان عظيم واما عند سائرهم فالتاثير فى الطالب يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية ثم يستغرق فى نسبة بالجمعية هذا الخ. (شفاء العليل ترجمه القول الجميل ۱۱۲، چهٹی فصل تصرفات نقشبديه)

قال فقير اللهؒ جلال آبادى: والتصرفات الموجبة للكمال عند كبرآلمشايخ وسائرهم تصرفات اصحاب الفنافى الله والبقاء به ولها شان عظيم فالتاثر فى باطن الطالب ان يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية الخ. (قطب الارشاد ۶۰۶/۱۲، للنقشبندیہ تصرفات، فتاوی حقانیہ ۲۵۴/۲)

☆ . جذب وحال ووجد واستغراقِ اہلِ طریقت

☆...تعریف: کسب ومجاہدے کے بغیر جو باطنی احوال حاصل ہو جاتے ہیں ان کو جذب کہتے ہیں اور انہی کو اجتبا ومحبوبیت بھی کہتے ہیں قولہ تعالیٰ: ﴿اللَّهُ يَجْتَبِىٓ إِلَيْهِ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ﴾ (شوری ۱۳) "اللہ تعالیٰ اپنی طرف جس کو چاہئے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے۔"

کسی عجیب وغریب اور پسندیدہ حالت کا غلبہ جو ریا اور مکاری سے نہ ہو بلکہ بے اختیاری سے ہو اصطلاح میں وجد یا حال جذبہ کہلاتا ہے بس

جو وجد کہ اختیار کے ساتھ ہو یا مجلس سماع میں امور نامشروعہ پر ہو وہ ہمارے طریقے کے خلاف ہے، یایوں کہئے کہ یہ جذب واجتبا کا ثمرہ ہے اور وجد وحال کا کمال درجہ یعنی اس حال میں محو و بے خبر ہو جانا استغراق کہلاتا ہے۔

...... اقسام جذب

جذب کی دو قسمیں ہیں: (۱) جذب مبتدی (۲) جذب منتہی۔ جاننا چاہئے کہ وہ مجذوب جنہوں نے ابھی سلوک کو پورا نہیں کیا اگر چہ وہ قوی جذب رکھتے ہوں اور خواہ کسی راستے سے جذب کئے گئے ہوں، وہ قلب والوں کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ سلوک اور تزکیہ نفس کے بغیر مقام قلب سے نہیں گزر سکتے اور مقلب قلب (اللہ تعالی) تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا جذب قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے نہ ذاتی اور غرضی ہے نہ اصلی، کیونکہ اس مقام میں نفس روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت نور کے ساتھ خلط ملط ہوتی ہے جب تک روح مطلوب حقیقی کی طرف توجہ کرنے کے لئے نفس سے الگ اور آزاد نہ ہو جائے اور نفس روح سے جدا ہو کر بندگی میں نہ اتر آئے تب تک مقام قلب کی تنگی سے پورے طور پر نہیں نکل سکتے اور قلب کے پھیرنے والے (اللہ تعالی) تک نہیں پہنچ سکتے اور اس چھٹکارے کے بعد طالب سیر فی اللہ کے ساتھ تعلق رکھتا اور فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس کو جو محبت اور انجذاب حاصل ہوتا ہے وہی حقیقی اور اصلی جذب ہے، اسی کو منتہی کا جذب کہا گیا ہے، اگر چہ دونوں جذب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ وما للتراب ورب الارباب چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ثبوت حال ووجد

(۱) اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وإذا سمعوا ما أنزل إلى الرسول ترى أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق﴾ (المائدہ:۸۳) "اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔" قرآن مجید کی آیتوں کو سن کر رونا آجانا اور دلوں کا نرم ہو جانا یہی جذبہ اور وجد کی کیفیت ہے جو آیت مذکورہ سے ظاہر ہے۔

(۲) ﴿فلما تجلى ربه للجبل جعله دكا وخر موسى صعقا﴾ (الاعراف:۱۴۳) "پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔" اس آیت میں موسیٰ کا اللہ تعالی کی تجلی کے پرتو سے بیہوش ہو جانا کمال جذبہ ووجد کی دلیل ہے۔ سالک بھی اللہ تعالی کی تجلیات کے پرتو کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس پر وجد اور بیہوشی چھا جاتی ہے اور بعض وقت اس حال کے کمال غلبے میں محو ہو جاتا ہے، جس کو استغراق کہتے ہیں۔ اور بھی بہت سی آیتیں وجد وحال پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً

(۳) ﴿الله نزل أحسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله﴾ (الزمر ۲۳) "اللہ تعالی نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں اور دل نرم (اور تابع) ہو کر اللہ تعالی کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں"۔

(۴) ... ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ (بنی اسرائیل۔۱۰۷)

''بے شک جن لوگوں کو اس (قرآن) سے پہلے علم دیا گیا تھا۔ یہ (قرآن) جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔'' یہ سب وجد کی حالتیں ہیں۔

(۵) عن شفی الاصبحی قلت لابی هريرة انشدک بحق وبحق حدثنی حديثا سمعته من رسول الله ﷺ عقلته، علمته فقال ابوهريرة افعلُ لأحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله ﷺ عقلته وعلمته ثم نشغ ابوهريرة نشغه" (ترمذی ۴: ۵۹۱، رقم ۲۳۸۲، حاکم ۱: ۵۷۹، رقم ۵۲۷، ابن خزیمہ ۴: ۱۱۵، رقم ۲۴۸۲)

''شفی اصبحی سے روایت ہے کہ میں نے ابوھریرہؓ سے کہا کہ میں آپ سے حق کے لئے اور پھر حق کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا اور بوجھا ہو۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا: کہ ہاں میں ایسا کرونگا۔ میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول ﷺ کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا اور بوجھا ہوگا پھر ابوہریرہؓ نے ایک چیخ ماری۔''

یہ کیفیت بیتابی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلاکم وکاست بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بڑے زور سے چیخ مارنا، بیہوش ہوجانا اور پسینہ آنا وجد و حال کی کھلی دلیل ہے۔ اس قسم کا وجد متوسطین کو ہوتا ہے، مگر کبھی کاملین میں بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث بالا سے ظاہر ہے البتہ کاملین کا وجد حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر غشی ہونے کے مانند ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

(۶) عن اسماء قالت ماكان احد من السلف عليه ولايصعق عند تلاوت القران وانما كانوا يبكون ويقشعرون ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله"

حضرت اسماء سے روایت کہ سلف (صحابہؓ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی چیختا، صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن پر رونگٹھے کھڑے ہوجاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کی کھال اور دل نرم ہوجاتے تھے۔

قرآن پاک کی آیت مذکورہ بالا بحوالہ زمر بھی کاملین کے اسی وجد کی تائید کرتی ہے اور دوسری حدیثیں بھی بہت ہیں جو وجد و حال کی تائید کرتی ہیں کمالايخفى على المتجسس مثلاً:

(۷) عن مطرف عن ابيه قال رايت رسول الله ﷺ يصلى وفى صدره ازيز كازيز المرحى من البكاء" (ابوداؤد ۱: ۲۳۸، رقم ۹۰۴، بیہقی کبریٰ ۱: ۲۵۱، رقم ۳۱۷۳)

حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینے سے چکی کی آواز کی مانند آواز آرہی تھی۔

اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کو عذاب قبر مستحضر ہوا۔ تو آواز نکالی۔ "قام رسول الله ﷺ خطيبا فذكر فتنة القبر اللتى يفتتن فيها المرء فلماذكر ذلك ضج المسلمون ضجة". (کمافی صحیح البخاری ۱: ۱۸۳)

اسی طرح زرارہ بن اوفی نے جب نماز میں ''فاذا نقر فی الناقور'' تلاوت کیا۔ تو وفات ہوا۔ (کمافی الترمذی فی باب من وصف صلاة النبی ﷺ باللیل قبل باب نزول الرب تبارک وتعالی الی السماء الدنیا کل لیلة)۔

اور فقہاء کرامؒ بھی وجد کو جائز کہتے ہیں جب بلا اختیار ہو۔ ''کمافی الطحطاوی ص ۲۵۹، قبیل باب مایفسد الصلاة وفی مجمع الانہر عن التسہیل الواجد مراتب وبعضہ یسلب الاختیار فلاوجہ لمطلق الانکار وفی التتار خانیہ مایدل علی جوازہ للمغلوب اللذی حرکاتہ کحرکات المرتعش انتہی۔ مرتعش کے اندر بلا اختیار حرکت کرتے ہیں لیکن ان حرکات کا علم اسے ہوتا ہے۔

مختلف سلاسل کے اولیاء کے یہاں بھی ایسے وجد کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت ابوعلی دقاقؒ کی توجہات سے بعض لوگوں کا وجد میں وصال پانا بھی مروی ہے۔ خواجہ ہاشم کشمیؒ نے بھی برکات احمدیہ میں ایسے واقعات درج کیے ہیں مثلاً:

(۱) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے احوال میں ہے کہ ان کی خدمت میں ایک صاحب خواجہ برہان حاضر ہوئے جو پہلے کسی دوسرے سلسلے میں نسبت اور اجازت حاصل کر چکے تھے اور تصور شیخ کی نگہداشت سے اس قدر سکر سے مغلوب ہوئے کہ بڑھاپے کے باوجود قریب دو ہاتھ اوپر اچھلتے تھے اور خود کو دیوار و درخت پر مارتے تھے اور کسی طرح قابو میں نہ آتے تھے۔

(۲) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں ایک سادہ لوح دہقانی کے ہمراہ فالودہ ارسال کیا اس نے در اقدس پر پہنچ کر زنجیر کھٹکھٹائی، حضرت خواجہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور فالودہ لے کر دہقانی سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے ''بابا'' بتایا۔ حضرت نے فرمایا: ''چوں خادم شیخ احمد مائی بامائی'' یعنی جب تو ہمارے شیخ احمد کا خادم ہے تو ہمارے ساتھ ہے۔ یہ فرماتے ہی دہقانی پر جذب طاری ہو گیا اور آہ و فغاں کرتا ہوا حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا اور حال دریافت کرنے پر عرض کیا کہ مجھے زمین و آسمان، شجر و حجر غرض ہر چیز میں ایک بے رنگ و بے نہایت نور نظر آ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ غالباً حضرت خواجہؒ کے سامنے آ گئے ہیں اور ان کے آفتاب کا ایک پرتو اس ذرے پر پڑ گیا ہے۔

☆ تنبیہ: یاد رہے کہ جو وجد اختیاری ہو یا ناجائز امور پر مرتب ہو وہ درست نہیں، البتہ غیر اختیاری وجد پر ممانعت یا درست نہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ ایسی صورت میں انسان مکلّف ہی نہیں رہتا۔ (عمدۃ السلوک: ۱۲۱-۱۲۴)

حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحقؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

☆ ...... سوال: بعض ذاکرین پر دورانِ ذکر وجد طاری ہو جاتا ہے، کیا ذکر کرتے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

☆ جواب: ذاکر پر وجد و جذب کا آنا حق ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں، اس لئے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و غل نہ ہو تو جائز ہے لیکن یہ کسی کمال کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے تاہم عصرِ حاضر میں ذاکرین پر وجد کا آنا ایک رسم بن چکا ہے کو کمال کی دلیل سمجھ جاتی ہے اس لئے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

کمال قال ابن عابدینؒ: التحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلا ذکرہ فی العوارف

المعارف واحیاء العلوم وخلاصة ماجاب به العلامة النحریر بن کمال پاشا بقوله:

مافی التوجد ان حققت من حرج   والاالتمایل ان اخلصت من بأس

فقمت تسعی علی رجل وحق لمن   مولاه ان یسعی علی الرأس

الرخصة فیما ذکر من الاوضاع

(ردالمختار ۴/ ۲۵۹، کتاب الجہاد - باب المرتد، فتاوی حقانیہ ۲/ ۲۵۰)

حضرت مولانا مفتی فرید تحریر فرماتے ہیں کہ: جذب طاری ہونا حق ہے یعنی بذاخود حق ہے، لیکن یہ مغلوبیت ہے کمال نہیں۔ البتہ بعض اوقات سھو اور نسیان کی طرح کاملین پر بھی آتا ہے۔ تاکہ شان بشریت ظاہر ہو جائے حضرت موسیٰ کی عظمت تجلی کے مشاہدے سے بے ہوش ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ (الاعراف ۱۴۳)

اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کو عذاب قبر متحضر ہوا۔ تو آواز لگائی۔ قام رسول الله ﷺ خطيبا فذكر فتنة القبر اللتى يفتتن فيها المرء فلماذكر ذلك ضج المسلمون ضجة" (کمافی صحیح البخاری ۱/ ۱۸۳)

☆...... بعض سلف اور بعض خلف نے اس وجد اور جذب پر انکار کیا ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے "وتقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله" کے تفسیر میں حضرت اسماء ابن عمر، قتادہ، ابن جبیر اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم سے انکار روایت کیا ہے۔ "روى عن عبد الله بن عروة بن الزبير قال قلت لجدتي اسماء كيف كان يصنع اصحاب رسول الله ﷺ اذا قرء والقرآن .قالت كانوا كمانعهم الله تدمع اعينهم وتقشعر جلودهم .قلت فان ناسا ههنا اذا سمعوا ذلك تاخذ هم غشية قالت اعوذبالله تعالى من الشيطان" (۲۳/ ۲۵۹ سورۃ زمر مکتبہ رشیدیہ)

اور ص ۲۶۰ جلد ۲۳ میں فرماتے ہیں کہ اسماء عبداللہ بن الزبیر کو فرماتے ہی " لاتقعد معهم" اور اس صفحہ میں ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پیٹ میں شیطان داخل ہوتا ہے۔

"قال ابن عمر وقدرء ى ساقطامن سماع القرآن فقال انا نخشى الله تعالى ومانسقط هؤلاء يدخل الشيطان فى جوفهم "۔

اور قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: " انماهذا ذهاب العقول والغشيان فى اهل البدع وانما هو من الشيطان"

اور ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ: "بيننا وبين هؤلاء الذين يصرعون عند قرأة القرآن ان يجعل احدهم على حائط باسطار جليه ثم يقرء عليهم القرآن كله فان رمى بنفسه فهو صادق."

پس تحقیق یہ ہے کہ منکر وہ وجد ہے جو تکلیف سے ہو اور قصد و اختیار سے ہو۔ اور مکر اور فریب ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے عقول قوی اور حوصلے فراخ ہوتے ہیں اور اسی طرح صحبت کی برکت سے صحابہ کرامؓ کے حوصلے فراخ اور عقول قوی تھے۔ تو جلیات اور برکات کا تحمل کر سکتے تھے۔ اور چونکہ صوفیاء کرام کے حوصلے اور ظروف اتنے فراخ نہیں ہوتے تو تجلیات اور برکات کا تحمل وہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان پر وجد اور جذب

آتا ہے۔اس لئے علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں ص۲۶۰ جلد۲۳ میں فرماتے ہیں "ویقول مشائخهم ان ذلک لضعف القلوب عن تحمل الوارد وليس فاعلو ذلک فی الكمال كالصحابة اهل الصدر الاول فی قوة التحمل فماهو الا دليل النقص"

ورقاضی ثناءاللہ پانی پتی تفسیر مظہری جلد۸ سورۃ الزمر میں فرماتے ہیں۔"قلت وجه طريان هذه الحالة كثرة نزول البركات والتجليات مع ضيق حوصلة الصوفی وضعف استعداد انتهى"۔

☆ جذب طاری ہونے کے وجوہات

مگراس کے طاری ہونے کی متعدد وجوہات ہیں(۱) .....عظمت الوہیت کی تجلی کا ورود(۲) .....توجہ کی وجہ سے ضیق صدر کا طرد(۳) ..... شیطان کا باطن میں دخول۔پس اس جذباتی کیفیت کو بہرحال کمال جاننا تصوف سے عاری ہونے کی دلیل ہے اور سمجھدار لوگوں کیلئے تصوف سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے۔

☆ .....توجہ کے اثر کے ازالے کا علاج :ایسے مجمع میں بیٹھنے والا جب "حسبنا الله ونعم الوكيل ولاحول ولاقوة الا بالله" پڑھے تو اس سے توجہ کا اثر زائل اور کالعدم ہوتا ہے۔جیسا کہ سورۃ کہف کے اوائل پڑھنے سے دجل کا اثر زائل اور کالمعدوم ہوتا ہے۔
(ملخص فی اسساسۃ امبارکۃ للشیخ محمد فریدؒ۔فتاوی فریدیہ ۳۷۱/۱،۳۷۲)

سیو رِ اربع

☆ چار سیریں :تصوف وسلوک میں چار سیریں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سبب ہیں۔(۱) ... سیر الی اللہ(۱) ....سیر فی اللہ (۳) سیر من اللہ(۴) .. اور سیر فی الاشیاء۔اس کی تفصیل یوں ہے:

☆ جب انسان کا دل جاری ہوا،تو اصل روح مضغہ سے نکلی ،اوراپنی اصل تک گئی۔روح کا اپنے مضغہ سے نکل کر اپنی اصل تک ،یعنی عالم امر تک ،جانا سیر الی کہلاتی ہے۔

☆ پھر جب وہ پنی اصل کے اندر پہنچ جائے تو اسے سیر فی اللہ کہتے ہیں۔

☆ پھر وہاں سے واپس لوٹتی ہے تو اسے سیر من اللہ کہتے ہیں۔

☆ .. اور جب وہ واپس قلب کے اندر لوٹ آتی ہے تو اسے سیر فی الاشیاء کہتے ہیں۔

بزرگوں نے اس کو آسان کرنے کے لئے دوسرے نام دیے ہیں۔

☆ سیر الی اللہ کا نام "عروج"

☆ . سیر فی اللہ کا نام "فنا"

☆ .. سیر من اللہ کا نام "نزول"

☆ .. سیر فی الاشیاء کا نام "بقاء" رکھا ہے۔

فنا اور بقا، عروج اور نزول، یہ چار سیریں ہیں۔ چار کیفیتیں ہیں جو ہر لطیفہ کو پیش آتی ہیں۔ ہمارے پانچ لطائف ہیں، اور پانچوں لطیفوں کو یہ سیریں پیش آتی ہیں، تب وہ منور ہوتے ہیں۔ ہر ہر لطیفے کی اپنی فنا بقا ہے، تو پانچوں کو یہ کیفیت پیش آئے گی۔ چونکہ لطیفہ عالم امر کی طرف جاتا ہے، تو عالم امر منور جگہ ہے، وہاں نور ہے، لہذا یہ منور ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب آندھی چل رہی ہو تو کوئی بندہ باہر سے آئے تو اس کے پورے چہرے پر مٹی کی تہہ سی ہوتی ہے۔ لطیفہ قلب جب عالم امر میں پہنچتا ہے تو وہاں کے نور کی وجہ سے اس پر نور کی ایک تہہ چڑھ جاتی ہے۔ جیسے برتن کو قلعی کرایا جاتا ہے تو اس پر نور کی ایک تہہ آجاتی ہے۔ آج کل تو گولڈ پلیٹنگ (Gdlo-gnitalp) کا زمانہ ہے، سو یہ بات سمجھنا آسان ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ یہ لطیفہ وہاں جاتا ہے تو اس کی گولڈ پلیٹنگ ہوجاتی ہے۔ اور پھر یہ وہاں سے لوٹتا ہے تو سونا بن کر رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر سونے کی تہہ چڑھ گئی ہے۔ اس فنا کی وجہ سے اس کا رجوع الی اللہ اتنا کامل ہوجاتا ہے کہ پھر وہ اگر چہ دنیا میں آجاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا تعلق اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ (تفصیل کے لئے ضرور ملاحظہ فرمائیں "معارف السلوک ۱۵۷-۱۵۹")

☆ ارواح مشائخ سے مدد طلب کرنے کے معنی

☆...سوال: ضیاء القلوب میں ہے استعانت استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے معنی ذرا کھٹکتے ہیں، غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا جائز طریقہ کیا ہے؟ خالی الذہن ہونے کی تاویل بالکل جی کو نہیں لگتی، ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے؟

☆......جواب: مخلوق میں سے جس سے مدد چاہی جارہی ہے اگر اس کے علم اور قدرت کے مستقل ہونے کا عقیدہ ہو تو یہ شرک ہے اور اگر اس کے علم وقدرت کے غیر مستقل ہونے کا عقیدہ ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت ہو جائز ہے، خواہ مستمد منہ، جس سے مدد چاہی جارہی ہے، زندہ ہو یا مردہ اور اگر کسی کے علم وقدرت کے نہ مستقل ہونے کا عقیدہ ہو نہ غیر مستقل پس اگر وہ مدد چاہنے کا طریقہ مفید ہو تب بھی جائز ہے، جیسے آگ، پانی یا ماضی کے قصے اور واقعات سے مدد مانگنا ورنہ لغو ہے، یہ کل پانچ قسمیں ہیں، پس مشائخ کی روحوں سے مدد طلب کرنا جس شخص کو ارواح کا کشف ہوجاتا ہے اس کے لیے تیسری قسم ہے اور جس کو کشف نہیں ہوتا محض ان حضرات کے ذکر اور تصور سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کے اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریقہ بھی مفید ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے یہ قسم خامس ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۳۶۴)

☆... اہل قبور سے مدد لینا

☆... ..سوال: اولیاء اللہ مرحوم سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دور سے مدد کے لیے پکارنا؟

☆......جواب: مراد صرف حق تعالیٰ سے مانگی جائے، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لیے پکارنا منع ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے ہیں اور مدد کے لیے آتے ہیں تو یہ عقیدہ تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، سخت خطرناک ہے۔

(فتاوی محمودیہ ج ۱ ص ۱۱)

☆ ... مزارات اولیاء سے فیض:

☆ سوال: مزارات اولیاءؒ سے فیض ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس صورت سے؟

☆ ... جواب: مزارات اولیاء سے کاملین کو فیض ہوتا ہے مگر عوام کو اس کی اجازت دینی ہرگز جائز نہیں اور تحصیل فیض کا طریقہ کوئی خاص نہیں ہے، جب جانے والا اہل ہوتا ہے تو اس طرف سے حسب استعداد فیضان ہوتا ہے مگر عوام میں ان امور کا بیان کرنا کفر و شرک کا دروازہ کھولنا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:۱۰۴، بحوالہ جامع الفتاویٰ:۸۳/۲)

☆ ... کوئی ولی شرع کے کاموں سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا

کوئی ولی شرع کے کاموں سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ سوائے مجذوب کے کہ اس کے عقل لے لی جاتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا جا رہا ہے کہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (الحجر:۹۹) ''آپ رب کی عبادت کیجئے حتیٰ کہ موت آجائے''۔

☆ .... ولی خواہ کتنا ہی بڑھ جائے کسی نبی ﷺ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا

☆..... مسئلہ: ولی خواہ کتنا ہی بڑھ جائے کسی نبی ﷺ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ولایت کسبی چیز ہے یعنی ریاضت سے حاصل ہوسکتی ہے جبکہ نبوت وہبی اور عطائی چیز ہے۔ محبوب کی عطا اپنی کمائی سے افضل ہوتی ہے پس نبوت افضل ہے ولایت سے چاہے اس نبی کی اپنی ولایت ہی کیوں نہ ہو۔

☆ انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اولیاء گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

☆ صحابہ کرامؓ امت کے تمام اولیاء سے افضل ہیں۔

☆ مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں یہ عقیدہ رہے کہ ہر دو فریق حق پر تھے ان کی خطا دراصل خطائے اجتہادی تھی۔

☆ کسی ولی کی کرامات اس کی فضیلت کی دلیل نہیں۔

☆ استقامت کرامت پر فائق ہے۔ ہر حال میں ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کرنا، استقامت کہلاتا ہے۔ استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

☆ اولیاء اللہ کی قبور کو عام دستور سے اونچا بنانا اور ان پر چھت ڈالنا منع ہے۔

☆ بعض اولیاء سے مرنے کے بعد بھی تصرفات وخوارق ظاہر ہوتے ہیں۔ اہل اللہ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کا فیض منقطع نہیں ہوتا بلکہ روحانی سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے۔

☆ اگر خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور کسی خلاف شرع کام کے بارے میں ان کی مرضی معلوم ہوئی تو اس خواب کا اعتبار نہیں۔

☆ جن افعال کا ظاہری قوتوں سے کرنا منع ہے ان کا باطنی قوتوں سے کرنا بھی منع ہے۔

☆ ولی سے اتفاقاً کوئی گناہ سرزد ہوجانا، اس کی ولایت اور کرامت میں نقص نہیں ڈالتا بشرطیکہ اصرار نہ ہو۔

☆ .....ولی کا بے عمل بیٹا پیر نہیں بن سکتا۔

☆ .....طریقت میں کوئی نئی بات (بدعت) کا پیدا کرنا دین کی بدعت سے کم نہیں۔

☆ ... مقربین کو عبادت کا ثواب ابرار سے زیادہ ملتا ہے۔اسی لئے کہا گیا: "حسنات الابرار سیئآت المقربین" "ابرار کی نیکیاں مقربین کے تو گناہ ہوتے ہیں"

☆ . بزرگوں کے واسطہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

☆ قبروں کو سجدہ کرنا، ماتھا ٹیکنا یا قبروں کا طواف کرنا شرک ہے۔ (تصوف وسلوک)

☆ .....قلندر اور مجذوب کا مطلب:

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمال قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتی ہیں مگر اعمال قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمالِ قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالی کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پاوے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر وشغل میں محفوظ رکھا جائے، نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل وحقد (کینہ وحسد) نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو، نیز حقوقِ وقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے، نیز غمی وخوشی کے حقوق ادا کئے جائیں، نعمت ملنے پر شکر ادا ہوتا رہے، حزن وغم میں دل خدا تعالی سے راضی رہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اعمالِ قلبیہ ہیں۔

(شریعت وطریقت ۳۴۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمالِ قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔ اور مجذوب وہ ہوتا ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی کبھی احوال وواردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لئے علت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے (البتہ) مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے، علامت (اس کی) یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ (شریعت وطریقت ۳۴۳، بحوالہ فتاوی حقانیہ ۲/۲۸۲)

☆ .....نقباء، ابدال، عمد، غوث وغیرہا کی تشریح اور ثبوت

☆ .....سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولانا محمد ایوب پشاوری اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء کے ص ۱۵ پر لکھتے ہیں: "وعن الکنانی النقباء ثلثمائة والنجباء سبعون والبدلاء اربعون والاخيار سبعة والعمداربعة والغوث واحد مسکن النقباء المغرب ومسکن النجباء مصر ومسکن ابدال الشام والاخيار سياحون فی الارض والعمد فی زوايا الارض ومسکن الغوث مکه" ۔اس مسئلہ کے بارے میں آپ صاحبان کی رائے کیا ہے؟ صوفیاء کرام کے کلام میں قطب غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کر کے مشکور فرمائیں؟

☆ .....الجواب: احادیث میں اولیاء اور ابدال کے الفاظ وارد ہیں دیگر تمام القاب علماء کے وضع شدہ ہیں۔ اور ان میں سے جو لقب یا

دینی نصوص سے متصادم نہ ہوتو ان کی تسلیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔" لیکن ھذاالکلام یسکن فی المسطور فی الاستفتاء لایحلو من نظر لانّ مولانا عبد القادر الجیلانی قدس سرہ کان یسکن فی بغداد الی آخر حیاتہ وکان عنداھل الفن غوثاً وقطباً"۔ فافھم

قال الملاعلی قاری : "حدیث الابدال من الاولیاء لہ طرق عن انس مرفوعاًبالفاظ مختلفۃ کلھا ضعیفۃ ذکرہ ابن الدبیع وعن ابن الصلاح اقوی مارویناہ فی الابدال قول علی انہ بالشام یکون الابدال واما الادباء والنجباء والنقباء فقد ذکرھا بعض مشائخ الطریقۃ ولایثبت ذٰلک قلت قال الزرکشی فی مسنداحمد من حدیث عبادۃ ابن الصامت مرفوعاً الابدال فی ھذہ الامۃ ثلاثون مثل ابراھیم خلیل الرّحمن کلمامات رجل ابدال اللہ مکانہ رجلاوھو حسن ولہ شاھد من حدیث ابن مسعودفی الحلیۃ۔ (الموضوعات الکبریٰ لقاری ص ۴۸ رقم حدیث ۱۴۵ بحوالہ فتاوی فریدیہ ۱/۳۸۱)

مندرجہ بالا مراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صراحتاً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال الشام کا ذکر ہے، جو کہ ام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

عن نبی ﷺ قال یکون اختلاف عند موت خلیفۃ فیخرج رجل من اھل المدینۃ ھاربا الیٰ مکۃفیاتیہ ناس من اھل مکۃ فیخرجونہ وھو کارہ فیبایعونہ بین الرکن والمقام ویبعث الیہ بعث من الشام فیخسف بھم بالبیداء بین مکۃ و مدینۃ فاذارای الناس ذٰلک اتاہ ابدال الشام الخ" (ابوداؤد ۲/۲۳۳)

کتاب السنن اور کتاب المھدی میں صرحتا ابدال کا ذکر موجود ہے امام ولی الدین صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسند کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:"عن شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عندعلیؓ وقیل العنھم یا امیر المؤ منین قال لا انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدال اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینصر بھم الاعداء ویصرف من اھل الشام بھم العذاب" (رواہ احمد۔ مشکوۃ المصابیح ص ۵۸۲ باب ذکر الیمن والشام الفصل الثالث)

باقی مراتب کا ذکر حدیث میں صراحتہ موجود نہیں ہے البتہ اشارۃ معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملاعلی قاری نے ابن عساکر سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"ان اللہ عزوجل فی الخلق ثلاثمائۃ قلوبھم علیٰ قلب ادم وللہ فی الخلق اربعون قلوبھم علی قلب موسی وللہ فی الخلق سبعۃ قلوبھم علیٰ ابراھیم وللہ فی الخلق خمسۃ قلوبھم علیٰ قلب جبرائیل وللہ فی الخلق ثلاثۃ قلوبھم علیٰ قلب میکائیل وللہ فی الخلق واحد قلبہ علیٰ قلب اسرافیل الخ" اخرجہ ابن عساکرؒ الحاوی للفتاوی (۲/۲۴۷)۔

جو کہ اقطاب، غوث، نقبا کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ اور علمائے راسخین نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبدیت اور قرب کے

مدارج ہیں نہ کہ عوامی ربوبیت کے مدارج۔

قال العلامة ملاعلی القاریؒ :قلت منهم الاقطاب فی الاقطار یاخذون الفیض من قطب الاقطاب المسمی بالغوث الاعظم فهم بمنزلة الوزراتحت حکم الوزیر الاعظم۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ(۶ ۵۵۳) کتاب الفتن۔ الفصل الثانی) مشد فی اسماں ابن عابدین(۲ ۲۹۲)

☆ ..ہرجگہ ایک ولی ہونے سے مراد قطب ارشاد ہے یا قطب تکوین؟

☆......سوال: تعلیم الدین میں ہرجگہ ایک ولی کا ہونا لازم لکھا ہے۔اس سے مراد قطب ارشاد ہے یا تکوین؟

☆.....الجواب: عام مراد ہے خواہ وہ یا وہ(امداد الفتاوی ص۱۲۱ ج۵) قطب الارشاد کے لئے اپنی قطبیت کا علم ہونا بھی ضروری نہیں۔

☆ .کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟

☆......سوال: ولی اور غوث بعد وفات غوثیت پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں رہتا ہے؟

☆......الجواب: جس شخص کا جس بزرگی اور مرتبہ پر خاتمہ ہوا ہے وہ بزرگی اس سے انتقال کے بعد سلب نہیں کی جاتی لیکن جس طرح اس دنیا میں کام سپرد ہوتے ہیں انتقال کے بعد یہ بات نہیں ہوتی۔قال العلامة عبدالغنی النابلسی رحمه الله تعالیٰ :(کرامات الاولیاء) الاحیاء والاموات ، اذالولی لاینعزل عن ولایته بالموت کالنبی لاینعزل عن نبوته بالموت الخ

(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ۲۹۲/۱)(کذا فی فتاوی حقانیہ ۲۶۷/۲ کتاب السلوک والطریقۃ، مع یادا شعار)

☆.. مجدد کے شرائط

☆.. سوال: مجدد ہونے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ نیز مجدد کو اپنا مجدد ہونا معلوم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ہندوستان میں اب تک کتنے مجدد گزرے ہیں؟ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں سوسال میں ایک مجدد پیدا ہوگا تو اس اعتبار سے کافی مجدد ہونے چاہئیں۔

☆......الجواب: مجدد کو الہامی طریق پر اور علامات کے ذریعہ سے استدلالی طریق پر اپنے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے گو کہ وہ علم وحی کے برابر نہیں ہوتا، مجدد احکام سنت پر بڑی قوت سے عامل ہوتا ہے، بدعات سے سخت متنفر اور مخالف کی پرواہ نہیں کرتا۔ اب چودھویں صدی ہے اب تک کافی مجدد ہوچکے،سب سے پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شمار کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی مجدد ہوتے رہے ہیں، رسالہ الفرقان کے مجدد نمبر میں زیادہ تفصیل مذکور ہے۔

فلایخلو زمان من رسول یکون فیه ، وذلک هو القطب الذی هو محل نظر الحق تعالی من العالم کما یلیق بجلاله ، ومن هذاالقطب یتفرع جمیع الامراد الالٰهیة علی جمیع العالم العلوی والسفلی ، قال الشیخ محی الدین : ومن شرطه ان یکون ذاجسم طبیعی وروح ، ویکون موجودافی هذه الدار الدنیا بجسده وروحه الخ

(الفتوحات المکیۃ ،باب:۷۳)(والکبریت الاحمر علی حاشیۃ الیواقیت والجواهر ۱/۱۰)

ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائةسنة من يجدد لهادينها......وقداعتمد الائمة هذا الحديث،قال البيهقى فى المدخل بسنده الى الامام احمدؒ :انه كان فى المائة الاولى عمر بن عبدالعزيز وفى الثانية الشافعى الخ.

(کشف الخفاء ومزیل الالباس للعجلونی:۱/۲۴۳،داراحیاء التراث العربی)

☆......مجدد کون ہے؟

☆......سوال:مجدد کی کیا تعریف ہے،کیا ہر صدی ہجری کے شروع یا پوری صدی میں بھی کسی مجدد کا آنا ضروری ہے؟اور اگر کوئی مجدد وقت کو نہ مانے تو کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟مجدد کس طرح پہچانا جاتا ہے؟تیرہ صدی ہجری میں جو مجدد آئے ان کا نام تحریر فرمائے۔کیا مجدد ایک وقت میں تمام عالم کے لئے آتا ہے یا کہ ایک وقت میں مختلف ممالک میں مختلف مجدد آتے ہیں؟

☆......جواب:"عن ابى هريرةؓ :فيما اعلم عن رسول الله ﷺ قال: ان الله يبعث لهذا الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" (سنن ابی داؤد:۲/۲۴۱اول کتاب الملاحم،والمستدرک للحاکم:۴/۵۲۲،کتاب الفتن والملاحم،مشکوۃ المصابیح:ص:۳۶،والرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ،للامام عبد الحئی للکنوی:۴۴،رقم الحاشیہ:۷۱)

مجدد وہ شخص ہے جو سنت کی اشاعت کرے،بدعت کو مٹائے علم کو پھیلائے،اہل علم کی عزت کرے۔

مرقات المفاتیح میں لکھا ہے: من يجدد لهادينها)اى يبيّن السنة من البدعة ،ويكثر العلم،ويعز اهله ويقمع البدعة ويكسر اهلها"(مرقاۃ المفاتیح:۱/۶۰۷،کتاب العلم وکذا فی فیض القدیر:۳/۱۶۵۶،رقم الحدیث:۱۸۴۵)

اس کے ایک صدی کے ختم پر اور دوسرے صدی کے شروع میں تجدید دین ضروری ہے۔

مرقات المفاتیح میں لکھا ہے: (على رأس كل مائة سنة) اى انتهائه اوابتدائه اذا قل العلم والسنة ،وكثر الجهل والبدعة (مرقاۃ المفاتیح:۱/۵۰۷،کتاب العلم،رقم الحدیث ۲۴۷،وکذا فی مجموعۃ الفتاوی (اردو)لعبد الحی للکنوی،ص:۱۱۹،کتاب العلم والعلماء،وبذل المجہود:۵/۱۰۳،کتاب الملاحم،باب مایذکر فی قرن المائۃ)

مجدد ہونا ماننے نہ ماننے پر موقوف نہیں،کوئی شخص مانے یا نہ مانے جو شخص طریق مذکور پر تجدید دین کرے گا وہ مجدد ہوگا۔جو شخص مجدد کو نہ مانے اس کا جاہلیت کی موت مرنا کسی نص میں میری نظر سے نہیں گزرا مگر باوجود تجدد دین ظاہر ہونے کے پھر مجدد وقت کو نہ ماننا ظاہر ہے کہ کتنی بڑی جہالت ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ تمام عالم کے لئے مجدد ایک ہوتا ہے یا مختلف۔بعض کہتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے،بعض کہتے ہیں کہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اس کا ہر فرد دین کے کسی خاص شعبہ کی تجدید کرتا ہے،

بذل المجہود،لکھا ہے:ان المراد بمن يجدد ليس شخصا واحدا بل المرادبه جماعة يجدد كل واحد فى بلد،فى فن او فنون من العلوم الشرعية ماتيسرله من الامور التقريرية اوالحريرية ......الخ" (کذافی بذل المجہود:۵/۱۰۳،کتاب الملاحم ،باب الذکر فی قرن المائۃ،)

مجدد اپنے مذکورہ مخصوص کارناموں سے پہچانا جاتا ہے۔

تیری صدی ہجری میں جومجددین گزرے ہیں بعض کومجددیت پر اتفاق ہے، اور بعض میں اختلاف ہے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، دوسری صدی کے مجدد حضرت شافعیؒ ہیں، ان دونوں کی مجددیت پر اتفاق ہے، تیسری صدی کے قاضی ابوالعباس ابن شریح ابوالحسن اشعری، محمد بن جریر طبری وغیرہ، ہیں، چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانیؒ، ابوطیب صعلوکیؒ ہیں، پانچویں صدی کے امام غزالیؒ ہیں، چھٹی صدی کے امام رازیؒ وغیرہ ہیں، ساتویں صدی کے تقی الدین ابن دقیق العیدؒ ہیں، آٹھویں صدی کے زین العابدین عراقیؒ شمس الدین جزریؒ، تاج الدین بلقینیؒ وغیرہ ہیں، نویں صدی کے جلال الدین سیوطیؒ، شمس الدین سخاوی، وغیرہ ہیں، دسویں کے شہاب الدین رملی، ملاعلی قاریؒ ہیں، گیارہویں صدی کے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں، بارویں کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں، تیرہویں صدی کے شاہ اسمعیل صاحبؒ ہیں چودھویں صدی کے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔

(کذافی کشف الخفاء: ۱/۲۴۳، رقم الحدیث: ۷۴۰، وکذا فی المقاصد الحسنة للسخاوی، ص: ۱۶۶، رقم الحدیث: ۲۳۸، وفیض القدیر: ۲/۲۸۲، ۱۶۵۲، رقم الحدیث: ۱۸۴۵، وکذافی مجموعة الفتاوی: لمولانا عبد الحی للکنوی، ص: ۱۱۸، بزیادة: "نویں صدی کے مجدد جلال الدین سیوطی اور شمس الدین سخاوی دسویں صدی کے مجدد شہاب الدین رملی اور ملاعلی قاریؒ ہیں" کتاب العلم العلماء، مجدد کے ناموں کی تفصیل اور ان کے شرائط وعلامات)۔

☆......تحقیق مجدد

☆......سوال: (۱)......حدیث مجدد کہ صرف ابوداؤد میں آئی ہے، کیا اس کو علمائے حدیث نے لفظاً صحیح سمجھا ہے؟

(۲)......کیا ہر صدی کے ابتداء یا آخر ہی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے؟ کیا مجدد......صدی کے درمیان میں نہیں آسکتا؟

(۳)......کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد ہر صدی میں ضروری ہو؟ کیا مجدد خدائی عہدہ ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد اپنے دعویٰ کا ظہار کرے؟

(۴)......کیا حدیث شریف کے الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تجدید کا کام ایک جماعت کر سکتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ مجدد صرف ایک شخص ہو؟

(۵)......علاوہ مندرجہ بالا سولات کے اگر کوئی خاص بات آپ کے علم میں ہو تو بھی ضرور تحریر فرمادیں۔ والسلام۔

☆......الجواب: حامداً ومصلیاً:

۱......حدیث "ان اللہ تعالیٰ یبعث لھٰذہ الامة علی راس سنة کل مائة من یجدّد لھا دینھا"۔ ــــ حاکم نے مستدرک میں (المستدرک: ۴/۵۲۲، کتاب الفتن والملاحم، دارالفکر، بیروت) اور بیہقی نے مدخل میں تصحیح کی ہے (لم یوجد ھذا الحدیث فی المدخل للبیہقی بل وجد فی کتابه: معرفة السنن والآثار: ۱/۲۰۸، رقم الحدیث: ۴۲۲، باب ذکر مولود الشافعیؒ وتاریخ وفاته، دارالوعی ودارالوفاء، دارقتیبه)

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: " اتفق الحفاظ علی انه حدیث صحیح "ملا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰة میں: ۱/۲۴۸، میں فرماتے ہیں: "و سندہ صحیح، ورجاله کلھم ثقات"۔ (مرقاة المفاتیح: ۱/۵۰۸، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۴۷، رشیدیہ)

(۲)......مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس تجدید شریعت اور تبلیغ احکام کی شہرت ایک صدی کے اخیر اور دوسری صدی کے شروع میں ہو اور

جو شخص صدی کے شروع اور اخیر میں اس کام کو انجام نہ دے بلکہ درمیان صدی میں انجام دے تو وہ اس حدیث کے ماتحت مجدد کہلانے کا مستحق نہیں۔ (انظر الحاشیۃ رقم:۱، من الصفحۃ الاتیۃ).

(۳)...... حدیث مذکور میں وعدہ ہے کہ: "و اشکرہ شکرا کبیرا علی ان وعد علی کل مائة من مئات هذه الامة ، بان یبعث فیها منها من یجدد لها دینها ویقیم لها طریقها" (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، للامام عبدالحئی اللکنوی، ص:۴۴، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ) اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُخْلِفُ الْمِيْعَاد ﴾ (آل عمران:۹، ۳)، لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے۔ اور مجدد خدائی عہدہ ہے لیکن یہ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مجدد کو دعویٰ کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۴)...... حدیث شریف میں لفظ "مــن" مذکور ہے اور اس کا اطلاق ایک فرد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ تجدید کا کام ایک جماعت کرے "انه لایلزم ان یکون فی راس کل مائة سنة واحد فقط ، بل یکون الامر فیه کماذکر فی (حدیث: "الطائفة الظاهرة حتی یاتی امرالله") من انها جماعة متعددة من انواع المومنین، ماشجاع وبصیر بالحرب ، وفقیه ومحدث ومفسر ، وقائم بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر ، وزاهد وعابد". (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للامام عبدالحئی اللکنوی، رقم الحاشیۃ:۱، ص:۴۴، ۴۵ تحت شرح حدیث: "ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ ......الخ، الدعوۃ الاسلامیۃ، پشاور) (وکذا فی عون المعبود، اول کتاب الملاحم، باب مایذکر فی القرن المائۃ:۱۱/۲۹۳، دار الفکر، بیروت)

"قال صاحب جوامع الاصول :وقد تکلم العلماء فی تاویله ، وکل واحد اشار الیٰ العالم الذی هو فی مذهبه ، وحمل الحدیث علیه ، والاولیٰ حمله علی العموم ، فان لفظ "من" تقع علی الواحدوالجمع اه". (بذل المجهود :۵/۱۰۳)(بذل المجهود: ۵/۱۰۳، اول کتاب الملاحم ، باب مایذکر فی قرن المائة ، معهد الخلیل الاسلامی (ومرقاۃ:۱/۴۴۸ (مرقاۃ المفاتیح :۱/۵۰۵، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث:۲۴۷۵، رشیدیہ)۔

"اعلم أن المراد من رأس المائة فی هذا الحدیث اخرها (الی قوله)وقال الطیبی : الرأس مجاز عن اٰخرالسنة ، وتسمیته رأساً باعتبار أنه مبدأالسّنة الاخریٰ انتهٰی (الیٰ ان قال)وماقال بعض السادات الاعظم :ان قید الراس اتفاقی ، وان المراد ان الله یبعث فی کل مائة سواء کان فی اول المائةاووسطهااواخرها، واختاره لیس بظاهر، بل الظاهر ان القید احترازی ، ولذٰلک لم یعد کثیر من الاکابر الذین کانو فی وسط المائة من المجددین وان کانوا افضل من المجدد علی راسها، نعم لوثبت کون قید الراس اتفاقیا بدلیل صحیح ، فکان دائرةالمجددیة اوسع ، ولدخل کثیر من الاکابر المشهورین المستجمعین لصفات المجددیة فی المجددین کالامام احمد بن حنبل ومحمد بن اسماعیل البخاری ومالک بن انس ومسلم النیسابوری وابی دائود السجستانی وغیرهم من ائمة الهدیٰ "اه. عون المعبود :۴/۱۷۸ . (عون المعبود شرح ابی دائود :۱۱/۳۸۶-۳۹۰، اول کتاب الملاحم ، باب مایذکر فی قرن المائة دارالفکر ،بیروت)

(۵)...... "الفوائد الحجة فی من یبعثه الله لهذا الامة "مولفہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور "تنبیه لمن یبعثه علی راس المائة

"مولفہ علامہ سیوطیؒ کا مطالعہ کیجئے۔

☆......تجدیدِ دین کی حقیقت

☆......سوال: تجدیدِ دین یا تجدیدِ اَحکام شریعت کے کیا معنی ہیں؟

☆......جواب: شریعت کے جو احکام مرورِ دہور، بے توجہی غلبۂ ہوا وہوس، مساعیٔ نفس وابلیس کی وجہ سے متروک ہو گئے تھے ان کو اُجاگر کرنا، ان کی طرف توجہ دلانا، ان کو عملی جامہ پہنانا مراد ہے۔

فیض القدیر میں لکھا ہے: "المراد هنا بدليل اضافة الدين اليهم فی قوله :"من يجدد لهذه الامة امر دينها" ای ماandرس من احكام الشريعة، وماذهب من معالم السنن ،وخفي من العلوم الدينية الظاهرة والباطنة " ۔

(فیض القدیر فی اول الخطبۃ)

"ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم اتممت كتابی هذا بكلمات الصالحين المجددين فاجعله كتابا نافعا للمسلمين من الطالبين والسالكين واجعله ذخيرة لی فی الأخرة يارب العٰلمين بجاه سيد المرسلين ورحمة للعٰلمين صلى الله عليه وسلم تسليما كثيرا،والله المستعان وعليه التكلان۔"